

حیر القوی

استاد اعظم حضرت مولانا محمد سید جمال الدہلوی صاحب مدظلہ

و دیگر مہتممان خیر الہاد اس سے

علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

مترجمہ

مولانا مفتی محمد انور زبیر مدظلہ

مکتبہ اہل سنت

رقیۃ مملکتان پاکستان کراچی



جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

خَيْرُ الْفَتَاوَى

جلد سوم

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ
و دیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

ماہنامہ

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ

جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

- نام کتاب : **خَيْرُ الْفَتَاوَى** (جلد سوم)
- باہتمام : حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ
- مرتب : مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ
- کل صفحات : ۶۰۸ صفحات
- ناشر : **مکتبہ اہل بیت** مستان ۷۲۸
(Phone No. 061-4544965)

لاہور میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

ضروری گزارش

اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔
اگر اس کے باوجود کہیں کتابتی اغلاط نظر آئیں تو
نشاندہی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کی جاسکے۔
فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین (ادارہ)

پیشِ لفظ

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری زید مجدہم
مہتمم، جامعہ خیر المدارس، ملتان شہر

از

مُحَمَّدًا وَفَضَّلَى عَلَى رَسُولِهِ الْكَبِيرِ ————— اِمَالِجِد :

اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہونے کے لحاظ سے دُنیا کے تمام مذاہب سے ممتاز ہے اسکی تعلیمات، قرآن حکیم، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فقہاء کرام کی اجتہادی کاوشوں کی شکل میں انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہیں گی۔ اس دعویٰ کی صداقت کے لئے ایک دو نہیں چودہ صدیوں کی شہادت موجود ہے۔ اس عرصہ میں دین کی سرحدوں پر علماء کرام نے ایک وفادار اور پُرسکس غلام کی طرح پہرہ دیا ہے۔ قرآن کریم کو (لغوذ باللہ) غیر محفوظ کہنے والے ہوں، یا حدیثِ رسولؐ کو بے وقعت ٹھہرانے والے، فقہِ اسلام کو دورِ ملوکیت کی پیداوار قرار دینے والے ہوں یا احسان و سلوک کو ایفون کا نام دینے والے، ان تمام گروہوں کی ستم کیشیوں، پھیرہ دستیوں کا بے جگری سے مقابلہ کرنے اور سرچشمہٴ اسلام کا مردانہ وار دفاع کرنے کا شرف و اعزاز اگر کسی کو حاصل ہے تو وہ انہی علماء ربانیین کی جماعت ہے جس نے اپنی بے بضاعتی اور ابنائے زمانہ کی ناقدر شناسی کے باوجود اپنے فرض منصبی کو نہ صرف نبھایا بلکہ آئینوالی نسلوں کے لئے ایسی بنیادیں فراہم کر دیں کہ اسلام کی عمارت مخالفت کے تند و تیز تھپیڑوں و طوفانوں میں بھی پوری قوت و استقامت سے برقرار رہے۔

عصرِ حاضر کے جدید تہذیب و تمدن سے جو نئے نئے مسائل اور اشکالات سر اٹھاتے ہیں اسلام کی روشنی میں اُنکے حل اور قوم کی رہنمائی کے فریضہ سے علماء کرام نے کبھی کوتاہی اور غفلت نہیں کی۔ مغربی تسلیم پائیوائے حلقوں کا یہ الزام کہ علماء عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہیں صرف اس لئے ہے کہ علماء حق نے شریعت کو باز چھوڑنے کی اجازت

کسی دور میں نہیں دی اور نہ ہی دورِ جدید کے ”مجتہدین“ کے فیکر و ذکاوت سے مرعوب ہو کر اسلام کے ابدی اصولوں کو متزلزل اور محلِ ترمیم ٹھہرایا ہے۔ باقی انسانی زندگی کی بے شمار جزئیات میں پیش آئیوالے ہزاروں مسائل ایسے ہیں کہ عامۃ المسلمین نے ان کے حل کے لئے ملک کے معتمد دینی اداروں سے رجوع کیا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انہیں جواب نہ دیا گیا ہو یا ان کی تشفی نہ کرائی گئی ہو۔ جامعات کے ”دارالافتاء“ کے ریکارڈ سے یہ شہادت لی جاسکتی ہے کہ اب تک ہزاروں اشکالات و استفسارات کے شافی و مدلل جوابات لاکھوں قلوب کو سکون و طمانیت عطا کر چکے ہیں۔

علیاء کرام اور مفسیانِ عظام کی انہی علمی و دینی کاوشوں کا ایک حسین ثمر ”خیر الفتاویٰ“ کی شکل میں آپکے سامنے ہے۔ جو ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس کے بانی و مہتمم عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ اور دیگر مفسیانِ خیر المدارس کی چالیس سالہ محنتوں کا پختہ ہے۔ اس سے قبل اس سلسلۃ الذہب کی دو کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں جنہیں اہل علم سے خراجِ تحسین کے علاوہ ملک و بیرون ملک وسیع تعارفی حلقہ میسر آیا، ہمارے لئے باعثِ صد شکر ہے۔ اب اسکی تیسری جلد پیش کی جا رہی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اہل نظر حسبِ سابق اس کا استقبال اور قدر افزائی شایانِ شان کریں گے۔

پہلی دو جلدوں کی طرح جلدِ ثالث کی ترتیب و مراجعت بھی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم صد مفتی جاہذا کی نگرانی اور سرپرستی میں جامعہ کے مفتی و استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب دامت برکاتہم نے فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مساعی جلیلہ کو قبول فرمائیں انشاء اللہ العزیز کچھ وقفہ کے بعد جلدِ رابع بھی منظرِ عام پر آجائے گی۔ تمام ناظرین سے التماس ہے کہ وہ جامعہ، اس کے کارکنان، اساتذہ کرام اور فتاویٰ کی ترتیب و تالیف کے نیوالوں کو اپنی دُعاؤں میں یاد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلہ کو جملہ اہل اسلام کے لئے نافع اور ذریعہ ہدایت فرمائیں۔ آمین!

والسلام،

محمد حنیف جالندھری،

مہتمم جامعہ خیر المدارس۔ ملتان

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ
 عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ مِنْ
 نَرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ
 يَصِلُهَا مِنْ مَوَاقِدِ هَؤُلَاءِ
 وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى
 لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ
 فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
 مَشْكُورًا

اجمالی فہرست
 خیر الفتاویٰ
 (جلد سوم)

باب الجمعة : از صفحہ ۳۵ تا صفحہ ۱۱۹
 باب العیدین : از صفحہ ۱۲۰ تا صفحہ ۱۲۲
 باب الجنائز : از صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۳۲۹
 کتاب الزکوٰۃ : از صفحہ ۳۵۰ تا صفحہ ۶۰۵

فہرست مضامین (خیر الفتاویٰ) جلد سوم

صفحہ	باب الجمعۃ	نمبر شمار
۲۵	جمعہ کے لئے دو خطبوں کا ثبوت	۱
۲۶	خطبہ جمعہ سے پہلے نعتیں وغیرہ پڑھنا	۲
۲۶	خطبہ سننے وقت کیسے بیٹھا جائے	۳
۲۷	جمعہ کی نماز تین بجے درست ہے یا نہیں	۴
۲۸	جمعہ میں خطیب و امام ایک ہی ہونا چاہیے	۵
۲۸	عورتوں کا جمعہ کے لئے مسجد میں آنا مکروہ ہے	۶
۲۹	جمعہ کی اذان ثانی کے بعد دُعا مانگنے کا حکم	۷
۳۰	اجتماع عید و جمعہ مُسقط جمعہ نہیں	۸
۳۱	اڑھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ درست ہے	۹
۳۱	دو ہزار کی آبادی میں جمعہ کا حکم	۱۰
۳۲	دورانِ خطبہ ہاتھ میں عصا لینا	۱۱
۳۲	قریہ صغیرہ میں جمعہ پڑھا گیا تو ظہر ادا کرنی لازم ہے	۱۲
۳۲	جوانی شہر تھا یا قریہ	۱۳
۳۳	شامی کی ایک عبارت سے اردو میں جواز خطبہ پر استدلال اور اس کا جواب	۱۴
۳۶	تحدید ذمہ مصر لفرسخ راجح نیست	۱۵
۳۷	خطبہ جمعہ میں کفار کے لئے بددُعا کرنا کیسا ہے	۱۶
۳۸	عورتوں کا جمعہ کے لئے آنا درست نہیں	۱۷
۳۸	بیع و شراہ جمعہ کی کونسی اذان کے بعد حرام ہے	۱۸
۳۹	جمعہ کی اذان ثانی کہاں دی جائے	۱۹

۴۹	جمعہ میں کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے	۲۰
۴۹	جمعہ کیلئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں	۲۱
۵۰	عدم جواز جمعہ فی القرۃ کے بارے میں مجوزین کے شبہات اور ان کے مسکت جواب	۲۲
۶۲	جمعة الوداع میں عرفات میں جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ	۲۳
۶۵	سفر ہجرت میں مدینہ منورہ کے محلہ بنو سالم میں جمعہ پڑھنے کی تحقیق	۲۴
۶۶	دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار	۲۵
۶۷	عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو ایک ہی غسل کافی ہے	۲۶
۶۷	غسل جمعہ یوم جمعہ کے لئے ہے یا نماز جمعہ کے لئے	۲۷
۶۸	جمعہ کے دوسرے خطبہ میں اردو یا پنجابی میں مسائل بتلانا	۲۸
۶۸	امام صاحب نے گھر میں ظہر ادا کی اور مسجد میں آکر جمعہ پڑھایا، تو جمعہ صحیح ہوایا نہیں	۲۹
۶۹	ضرورت ہو تو جمعہ کی نماز میں بھی قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں	۳۰
۶۹	خطبہ شروع ہو جائے تو سنتیں نہ پڑھی جائیں	۳۱
۷۰	مصر کی مفتی بہ تعریف	۳۲
۷۲	فوجی معمول کی مشقوں کے لئے ویران جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں تو وہاں جمعہ نہ پڑھیں	۳۳
۷۳	خطبہ مسنونہ کی مقدار	۳۴
۷۴	خطبہ جمعہ سننا واجب ہے	۳۵
۷۵	شہر سے ڈیڑھ میل دور رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں	۳۶
۷۵	جمعہ کے دونوں خطبے برابر ہونے چاہئیں	۳۷
۷۶	جو شخص جمعہ کے التحیات میں شریک ہو وہ بھی جمعہ پڑھے	۳۸
۷۶	خطبہ جمعہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر	۳۹

۷۷	تالمین جمعہ فی القرئی کے دو مغالطوں کا جواب	۴۰
۷۹	دیہات کے ایسے بازاروں میں جہاں مستقل سکونت آبادی نہ ہو وہاں جمعہ جائز نہیں	۴۱
۸۲	جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کتنی ہیں	۴۲
۸۳	جمعہ ہر موسم میں اول وقت میں ادا کیا جائے	۴۳
۸۴	مصر وہی ہے جو مصر سمجھا جاتا ہو	۴۴
۸۵	دوران خطبہ نپکھا کرنا	۴۵
۸۵	جمعہ کی نیت کر کے اقامت رار کی اور امام ظہر پڑھا رہا تھا	۴۶
۸۶	جمعہ کے دن دکان کھولنے پر حکومت کا چالان کرنا	۴۷
۸۶	زبانی خطبہ بہتر ہے یا دیکھ کر	۴۸
۸۷	دیہاتی جمعہ کے دن شہر آجانے تو اس کے لئے جمعہ کا حکم	۴۹
۸۷	ناخن وغیرہ کاٹنے کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے	۵۰
۸۸	جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھنے کا فائدہ	۵۱
۸۸	جمعہ کے دن کافر کو عذاب قبر ہوتا ہے یا نہیں	۵۲
۸۹	جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان طویل دعا کرنا	۵۳
۸۹	دوران خطبہ کسی کو اشارہ سے خاموش کرانا	۵۴
۹۰	تیمار دار مریض کے پاس رہے یا جمعہ کے لئے چلا جائے	۵۵
۹۰	پہلے سلام کے بعد شرکت کر نیوالے کا حکم	۵۶
۹۰	جو جمعہ کا خطبہ نہ سن سکا اس کے جمعہ کا حکم	۵۷
۹۱	خطبہ جمعہ کے شروع میں دو دفعہ الحمد للہ کہنا	۵۸
۹۱	دونوں خطبوں کے درمیان دعا کیسے کریں ؟	۵۹
۹۱	جمعہ کی بعد سنتوں کے بعد اجتماعی دعا	۶۰
۹۲	جمعہ کے خطبہ میں منکرین ختم بنوت کی تردید کرنا	۶۱

۹۳	نیتِ جمعہ میں استسقاءِ ظہر کو ضروری قرار دینا	۶۲
۹۳	دورانِ خطبہ کوئی اعتراض کرے تو اس کا جواب دینا	۶۳
۹۴	بوقتِ خطبہ فوت شدہ نماز یاد آگئی تو کیسے کرے؟	۶۴
۹۵	مسجد میں تکرارِ جمعہ کا حکم	۶۵
۹۵	کیا جمعہ کے دن قبرستان جانا درست ہے؟	۶۶
۹۵	بلا خطبہ نمازِ جمعہ کا حکم	۶۷
۹۶	اللہم اغفر للعباس وولدا کی تحقیق	۶۸
۹۷	جمعہ کی سنیتیں گھر میں پڑھنا	۶۹
۹۷	شدید بارش ہو رہی ہو تو جمعہ کے لئے جانے کا حکم	۷۰
۹۷	خطیب کو وضو کی حاجت پیش آجائے تو کیا کرے؟	۷۱
۹۸	جمعہ کی نماز کے بعد سوال کرنے کا حکم	۷۲
۹۸	نابینا پر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟	۷۳
۹۹	جمعہ کے لئے سواری پر آنا بہتر ہے یا پیدل	۷۴
۹۹	کیا خطبہ اونچا پڑھنا ضروری ہے	۷۵
۹۹	کلام اللہ کی تلاوت جاری رکھیں یا وعظ سنیں	۷۶
۱۰۰	خطبہ دیتے وقت دائیں بائیں حاضرین کی طرف نظر کرنا کیسا ہے؟	۷۷
۱۰۰	تقریر جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں؟	۷۸
۱۰۰	مسافر جمعہ کی اذان سننے کے بعد سفر نہ کرے	۷۹
۱۰۱	مقتدی سائے نابالغ ہوں تو جمعہ کا حکم	۸۰
۱۰۱	خطبہ جمعہ سے قبل حاضرین کو السلام علیکم کہنا	۸۱
۱۰۲	ہوائی جہاز میں جمعہ پڑھنے کا حکم	۸۲
۱۰۲	جمعہ کے دن بال نماز جمعہ سے پہلے ترشوائیں یا بعد میں	۸۳
۱۰۳	جمعہ کی پہلی چار سنیتوں میں قعدہ اولیٰ میں شہد پر اضافہ کا حکم	۸۴

۱۰۳	جمعہ کی نماز میں مسنون قرأت	۸۵
۱۰۴	تبلیغی جماعتوں کا زوال سے پہلے شہر سے جانا	۸۶
۱۰۴	جمعۃ الوداع عید گاہ میں ادا کرنا	۸۷
۱۰۴	جمعہ کے سلام کے بعد دعا مختصر ہو یا لمبی	۸۸
۱۰۵	جمعہ کے دن کثرت درود کی مقدار	۸۹
۱۰۵	امام کے لئے نماز جمعہ میں آیت سجدہ پڑھنے کا حکم	۹۰
۱۰۵	ٹیپ سے نشر شدہ خطبہ کا حکم	۹۱
۱۰۶	جمعہ میں اتنی تاخیر ہو گئی کہ ظہر کا وقت ختم ہو گیا تو جمعہ کا حکم	۹۲
۱۰۶	شب جمعہ، جمعہ اور رمضان میں مرنیوالے کو عذاب قبر نہیں ہوگا	۹۳
۱۰۷	جمعہ میں شرکت سے معذور جمعہ کے بعد ظہر ادا کریں	۹۴
۱۰۷	مختلف بستیاں مل کر جمعہ ادا نہیں کر سکتیں	۹۵
۱۰۸	خطبہ میں حاضرین کا درود پڑھنا	۹۶
۱۰۸	نابالغ اگر خطبہ دیدے تو کیا خطبہ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟	۹۷
۱۰۸	حضرت نالوتوی قدس سرہ اور دیہات میں جمعہ	۹۸
۱۰۹	جمعہ فی القرای کے بارے میں مذہب غیر پر عمل کرنا	۹۹
۱۰۹	اذان اول کے بعد درس و تدریس	۱۰۰
۱۰۹	جمعہ کے بعد بھی تجیر تشریحی پڑھی جائیں	۱۰۱
۱۱۰	جمعہ کے لئے اول آنے سے کونسا وقت مراد ہے	۱۰۲
۱۱۱	فجر کی نماز رہ جائے تو جمعہ کی نماز کا حکم	۱۰۳
۱۱۱	جمعہ کی رات کو مرنے والے کی تدفین کو جمعہ تک مؤخر کرنا	۱۰۴
۱۱۲	جمعہ کے خطبہ میں حاکم وقت کے لئے عدل و انصاف کی دعا کرنا	۱۰۵
۱۱۲	بوقت خطبہ سر پر عمامہ باندھنا	۱۰۶
۱۱۲	مالک مزبور کو جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں؟	۱۰۷
۱۱۳	جو شہر قرۃ صغیرہ بن جائے وہاں جمعہ کا حکم	۱۰۸

۱۱۳	جہاں جمعہ درست نہیں وہاں ظہر باجماعت پڑھیں	۱۰۹
۱۱۳	جمعہ کی ابتدائی سننیں اگر رہ جائیں تو بعد میں ادا کی نیت سے پڑھیں	۱۱۰
۱۱۳	کیا خطبہ کے لئے منبر ضروری ہے؟	۱۱۱
۱۱۳	نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جمعہ کا حکم	۱۱۲
۱۱۳	خطبہ کے لئے قیام فرض ہے یا سنت؟	۱۱۳
۱۱۵	بوقت خطبہ سامعین قبل رخ ہو کر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہوں	۱۱۴
۱۱۵	جہاں کثرت اثر دھام کی وجہ سے سجدہ کی جگہ نہ ملے	۱۱۵
۱۱۵	خطبہ کے بعد اقامت سے پہلے صفیں سیدھی کرنے کے بارے میں کہنا	۱۱۶
۱۱۶	صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا	۱۱۷
۱۱۶	خطبہ کی جگہ قرآن مجید کا رکوع پڑھنا	۱۱۸
۱۱۷	جمعہ کے دن مقبولیت کی گھڑی کا صحیح وقت کون سا ہے؟	۱۱۹
۱۱۸	وذو البیع الایۃ سے جمعہ کے لئے مصر کے ضروری ہونے پر استدلال کرنا	۱۲۰
۱۱۹	جامع مسجد نئی بنالی جائے تو پُرانی میں جمعہ ترک کر سکتے ہیں	۱۲۱
۱۱۹	جمعہ سے پہلے ظہر ادا کر لی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں	۱۲۱

بَابُ الْعِيدَيْنِ

۱۲۱	تکیرات عیدین واجب ہیں	۱۲۲
۱۲۱	نماز عید زوال تک پڑھ سکتے ہیں	۱۲۳
۱۲۲	جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا	۱۲۴
۱۲۲	عید گاہ آبادی کے اندر آجائے تو وہ جب سنا (صحرا) کے حکم میں نہیں	۱۲۵
۱۲۳	تکیرات تشریحی فرضوں کے بعد ایک دفعہ کہی جائیں یا تین دفعہ	۱۲۶
۱۲۳	نماز عید واجب ہے اور اسے سنت سمجھنے والے کی اقتدار کا حکم	۱۲۷
۱۲۳	عید مبارک کہنے کا حکم	۱۲۸
۱۲۵	تکیرات تشریحی نماز عید کے بعد بھی کہی جائیں	۱۲۹

۱۲۵	چھوٹے دیہاتوں میں عید پڑھنے کا حکم	۱۳۰
۱۲۶	عیدین کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے	۱۳۱
۱۲۶	جو عید کا خطبہ پڑھے وہی نماز پڑھائے	۱۳۲
۱۲۷	عیدین میں دُعا نماز کے بعد مانگی جاتے	۱۳۳
۱۲۷	عید میں اگر دوسرا خطبہ چھوڑ دیا تو عید کا حکم	۱۳۴
۱۲۷	عیدین کے بعد مصافحہ کرنا	۱۳۵
۱۲۸	عیدین میں خطبہ کے بعد دعا کا کسی درجہ میں بھی ثبوت نہیں	۱۳۶
۱۳۱	عند الاحاف عیدین میں تکبیرات زوائد چھڑے ہیں	۱۳۷
۱۳۲	اگر امام نے چھڑے زائد تکبیریں کہیں تو نماز ہوگئی یا نہیں؟	۱۳۸
۱۳۲	عیدین میں تکبیرات زوائد کے بعد شامل ہونے والا تکبیرات کب کہے	۱۳۹
۱۳۲	عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا تو عید کا حکم	۱۴۰
۱۳۵	عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات جہراً پڑھیں یا سراً	۱۴۱
۱۳۵	پہلے دن عید الفطر نہ پڑھ سکیں تو دوسرے دن پڑھنے کا حکم	۱۴۲
۱۳۶	خطبہ عیدین کے درمیان چندہ جمع کرنا	۱۴۳
۱۳۶	عیدین میں مسنون قرأت	۱۴۴
۱۳۶	عید کے دن ہر ایک کے لئے ہنا نامستحب ہے۔	۱۴۵
۱۳۷	فاتحہ پڑھنے کے بعد تکبیرات یاد آئیں	۱۴۶
۱۳۷	کیا عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد گھر آکر نوافل پڑھنا مستحب ہے	۱۴۷
۱۳۸	عید کے چاند کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا حکم	۱۴۸
۱۳۹	عید سے پہلے نوافل پڑھنے کا حکم	۱۴۹
۱۴۰	امام نے بے وضو عید پڑھا دی تو کیا کیا جائے؟	۱۵۰
۱۴۱	جو نماز کا عادی نہ ہو اس کا عیدین میں شریک ہونا	۱۵۱
۱۴۱	عید گاہ میں حدیث لاحق ہو جائے تو تیمم کا حکم	۱۵۲
۱۴۱	عیدین کے لئے تیمم کر سکتا ہے یا نہیں۔	۱۵۳

۱۴۲	عید کے روز ایک دوسرے کو کہنا " اللہ قبول کرے " — — —	۱۵۲
۱۴۲	روزہ رکھ کر عید پڑھانا — — — — —	۱۵۵
۱۴۳	امام مردوں کو مسجد میں عید پڑھا کر گھر میں عورتوں کو عید نہیں پڑھا سکتا — — —	۱۵۶
۱۴۳	عید الاضحیٰ اگر بے وضو پڑھی گئی تو قربانی ہو گئی ہے یا نہیں ؟ — — —	۱۵۷
۱۴۳	جو نماز ہو چکنے کے بعد عید گاہ پہنچا وہ بطریق ذیل بار نفل پڑھتے — — —	
۱۴۵	بابُ الجنائز	
۱۴۶	پھوٹے بچہ بچی کو ہر ایک غسل دے سکتا ہے — — — — —	۱۵۸
۱۴۶	بیوی خاندان کو غسل دے سکتی ہے ولا عکس — — — — —	۱۵۹
۱۴۷	حضرت علیؓ کے حضرت فاطمہؓ کو غسل دینے کی حقیقت — — — — —	۱۶۰
۱۴۷	غسل کے وقت میت کو کیسے لٹایا جائے — — — — —	۱۶۱
۱۴۸	میت کو غسل دینے والے کے لئے غسل کا حکم — — — — —	۱۶۲
۱۴۸	ٹوک کے نیچے دب کر مرنیوالوں کو غسل و کفن دیا جائے — — — — —	۱۶۳
۱۴۸	جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو غسل و جنازہ کا حکم — — — — —	۱۶۴
۱۵۰	غسل کے بعد نجاست خارج ہو تو دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں — — — — —	۱۶۵
۱۵۰	میت کو غسل دینے والا بدون غسل جنازہ پڑھا سکتا ہے — — — — —	۱۶۶
۱۵۰	غنی مشکل کو صرف تیمم کرایا جائے — — — — —	۱۶۷
۱۵۱	سُنی، شیعہ کو غسل کیسے دے ؟ — — — — —	۱۶۸
۱۵۲	قبے گرانا ممنوع نہیں نیز ابن سعود سے صراحت " گرانے کا حکم دینا ثابت نہیں — — — — —	۱۶۹
۱۵۲	دعائے عند القبر کے وقت رُخ کدھر ہو ؟ — — — — —	۱۷۰
۱۵۲	لحد کتنی وسیع ہو ؟ — — — — —	۱۷۱
۱۵۳	میت کو لحد میں کروٹ دیجائے سر رُخ قبلہ کی طرف کرنا کافی نہیں — — — — —	۱۷۲
۱۵۳	دفن کے بعد تلقین کا حکم اور اس کے الفاظ — — — — —	۱۷۳
۱۵۵	امانتہ " دفن کرنے کے بعد بھی نکالنا جائز نہیں — — — — —	۱۷۴

۱۵۵	قبر کے گرد چار دیواری بنانا بھی مکروہ ہے	۱۷۵
۱۵۶	خالی قبر میں نلکہ بھرنا گناہ ہے	۱۷۶
۱۵۶	مردہ بچے کو کہاں دفن کیا جائے ؟	۱۷۷
۱۵۷	قبر پر دُعا کرتے ہوئے رفع ایدی کا حکم	۱۷۸
۱۵۷	قبروں پر کھانا پکا کر کھلانا جائز نہیں	۱۷۹
۱۵۸	قبر پر چھڑکاؤ کرنے کا حکم	۱۸۰
۱۵۸	بہت ہی پرانی قبر میں نئی تدفین کا حکم	۱۸۱
۱۵۹	وقف قبرستان میں زندگی میں قبر بنوانے کا حکم	۱۸۲
۱۵۹	مٹی ڈالتے وقت قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے	۱۸۳
۱۵۹	لا وارث میت کو کہاں دفن کیا جائے ؟	۱۸۴
۱۶۰	ارض غیر میں بلا اجازت قبر بنالی جائے تو مسما کرنے کا حکم	۱۸۵
۱۶۰	غلطی سے قبر پختہ بنا دی گئی تو کیا کیا جائے ؟	۱۸۶
۱۶۱	گھر میں دفن کرنے کی وصیت درست نہیں اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں	۱۸۷
۱۶۲	نیم پختہ قبر کا حکم	۱۸۸
۱۶۲	قبر میں پیسے رہ جائیں تو نکالنے کے لئے نبش قبر کا حکم	۱۸۹
۱۶۳	قبر پر اذان دینا بدعت ہے	۱۹۰
۱۶۳	عام قبرستان میں تدفین بہتر ہے	۱۹۱
۱۶۴	قبرستان کے راستے پر چلنے کا حکم	۱۹۲
۱۶۵	بہت نرم زمین میں پختہ قبر بنانا جائز ہے	۱۹۳
۱۶۵	اپنی مملو کہ زمین میں قبر بنوانے کا حکم	۱۹۴
۱۶۵	تدفین مکمل ہو جانے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے	۱۹۵
۱۶۶	میت کو لکڑی کے تابوت میں رکھنے کا حکم	۱۹۶
۱۶۶	ضرورت کی وجہ سے قبر پختہ بنانے کا حکم	۱۹۷

۱۶۷	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روضہ اطہر میں تدفین سے ممانعت کرنی وجہ	۱۹۸
۱۶۸	قبر پر دُعا کھڑے ہو کر کی جائے یا بیٹھ کر	۱۹۹
۱۶۹	قبر پر غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں	۲۰۰
۱۷۰	قبر پر کتبہ لگانا	۲۰۱
۱۷۱	قبر کو سجدہ کرنا سخت حرام ہے	۲۰۲
۱۷۲	دفن مسنون طریقے پر نہ ہو تو نبش کا حکم	۲۰۳
۱۷۹	میت کی وصیت کردہ جگہ میں دفن کرنے کے لئے دفن کے بعد قبر کھود کر میت لے جانے کا حکم	۲۰۴
۱۸۱	قبر میں ”من نبیک“ سے سوال ہو گا یا ”ما تقول فی هذا الرجل“ سے	۲۰۶
۱۸۲	بخازہ گاہ متعین اور وقف ہو تو کسی کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں	۲۰۷
۱۸۳	بخازہ کے آگے آگے لغت خوانی بدعت ہے	۲۰۸
۱۸۳	خطائے خودکشی کرنیوالے کا بالا جماع بخازہ پڑھا جائے	۲۰۹
۱۸۴	بخازہ لیجاتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے	۲۱۰
۱۸۴	نماز کا وقت ہو اور بخازہ موجود ہو تو کسے مقدم کرے	۲۱۱
۱۸۵	قبروں پر قبے بنانے کا حکم	۲۱۲
۱۸۶	جسے دُعا بخازہ یاد نہ ہو وہ کیا کرے؟	۲۱۳
۱۸۶	لوٹ مار اور واردات کرنیوالے کا بخازہ نہ پڑھا جائے	۲۱۴
۱۸۷	قبر سامنے ہو تو بخازہ پڑھنے کا حکم	۲۱۵
۱۸۷	نماز بخازہ کا تکرار روا نہیں	۲۱۶
۱۸۸	نماز بخازہ کے آگے سے گزرنے کا حکم	۲۱۷
۱۸۸	قبر پر تیسرے دن کے بعد نماز بخازہ نہ پڑھی جائے	۲۱۸
۱۸۹	ولی جس سے چاہے نماز پڑھوا سکتا ہے	۲۱۹
۱۹۰	عورتوں کا بخازہ کے ساتھ جانا مکروہ ہے	۲۲۰
۱۹۰	شیعہ کا بخازہ ہرگز نہ پڑھنا چاہیے	۲۲۱

۱۹۱	طوائف کے جنازے کا حکم	۲۲۲
۱۹۱	جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ	۲۲۳
۱۹۲	نماز جنازہ میں حاضر میت کی نیت کرنا	۲۲۴
۱۹۲	عیدین کے وقت جنازہ آجائے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے ؟	۲۲۵
۱۹۲	آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ میں کونسی دعاء پڑھی گئی	۲۲۶
۱۹۳	میت باہر اور نمازی مسجد میں ہوں تو بھی ظاہر مذہب میں مکروہ ہے	۲۲۷
۱۹۳	عین دوپہر کے وقت جنازہ درست نہیں	۲۲۸
۱۹۳	جنازہ کی چاروں بحیروں میں رفع یدین کا حکم	۲۲۹
۱۹۵	جو تمام جل جائے تو اس پر جنازہ نہ پڑھا جائے	۲۳۰
۱۹۵	ہر میت کا جنازہ علیحدہ ہو	۲۳۱
۱۹۶	خودکشی کرینوالے کی نماز جنازہ کے بارے میں.....	۲۳۲
۱۹۶	غائبانہ نماز جنازہ کا حکم	۲۳۳
۱۹۶	جس میت کے بارے میں مسلمان ہونے کا علم نہ ہو تو اس پر جنازہ کا حکم	۲۳۴
۱۹۷	بوقت غروب پڑھی گئی نماز جنازہ کا حکم	۲۳۵
۱۹۷	جنازہ میں قرأت ثابت نہیں	۲۳۶
۱۹۸	عید گاہ میں جنازہ پڑھنے کا حکم	۲۳۷
۱۹۸	سینوں کا جنازہ شیعوں نہ پڑھیں	۲۳۸
۱۹۹	جنازہ کی نیت میں فرض کفایہ کہنا ضروری نہیں	۲۳۹
۱۹۹	نماز جنازہ میں سلام سے پہلے ہاتھ کھول دیئے جائیں	۲۴۰
۲۰۰	جنازہ اٹھانے سے بکبرہ معاف ہوتے ہیں یا صغیرہ	۲۴۱
۲۰۱	کبھی قبرستان میں آئندہ مردے دفن نہ کرنے کا یقین ہو تو اس جگہ کو	۲۴۲
	دینی درس گاہ بنا سکتے ہیں	
۲۰۵	بزرگوں کی قبر کی زیارت کے لئے دور دراز کا سفر کرنا	۲۴۳
۲۰۶	اطفال مشرکین کا حکم	۲۴۴
۲۰۶	قبرستان کی زائد آمدنی دوسرے قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں	۲۴۵

۲۰۷	اہل میت خود اپنے گھر کا کھانا پکا سکتے ہیں	۲۴۶
۲۰۸	اولیاء کرام کے مزارات پر جانا	۲۴۷
۲۰۹	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آنحضرت علیہ السلام کا جنازہ پڑھنے کا ثبوت۔	۲۴۸
۲۱۰	حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جنازہ کس نے پڑھایا؟	۲۴۹
۲۱۱	قاتل کو پھانسی دیدی جائے تو اس کے اولیاء کے ذمہ کچھ باقی نہیں	۲۵۰
۲۱۱	جس تابوت میں لاش لائی گئی ہو اس کے استعمال کا حکم	۲۵۱
۲۱۲	قبرستان کے درختوں کا حکم	۲۵۲
۲۱۲	عورت کو قبر میں اس کے محرم اتاریں	۲۵۳
۲۱۳	خانقاہوں پر ڈالی ہوئی چادریں وغیرہ اٹھانا	۲۵۴
۲۱۳	ایصالِ ثواب تملیک کر کے کرنا	۲۵۵
۲۱۴	ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری نہیں	۲۵۶
۲۱۴	مختلف اموات کو ثواب بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے	۲۵۷
۲۱۵	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ کس نے پڑھایا؟	۲۵۸
۲۱۵	جنازہ کو سلامی دینا	۲۵۹
۲۱۶	میت کا مرتبہ کہنے کا حکم	۲۶۰
۲۱۶	جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم	۲۶۱
۲۱۷	قبرستان کی خالی جگہ وضو وغیرہ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں	۲۶۲
۲۱۸	اجنبی میت کا پہرہ دیکھنا	۲۶۳
۲۱۸	تعزیت میں کیا کہا جائے؟	۲۶۴
۲۱۸	سوگ میں چند منٹ کی خاموشی اور پرہیز سرنگوں کرنے کا حکم	۲۶۵
۲۱۹	ترکہ تقسیم کرنے سے قبل صدقہ کرنا ہو تو اسکی ایک صورت	۲۶۶
۲۱۹	مزارات پر مرقبہ عرس مکروہ اور بدعت ہیں	۲۶۷
۲۲۱	قبرستان کو کوئی بھی نہیں بیچ سکتا	۲۶۸
۲۲۱	قبرستان میں جو تا پہن کر چلنے کا حکم	۲۶۹

۲۲۲	دفن کے بعد چالیس دن تک قبر پر حاضری دینا	۲۷۰ (ا)
۲۲۲	جنازات کہاں دفن ہوتے ہیں	۲۷۰ (ب)
۲۲۳	کافر، مسلمان کی وصیت کا گواہ نہیں بن سکتا	۲۷۱
۲۲۳	جنازہ کا اعلان مسجد میں	۲۷۲
۲۲۳	قربانی کی کھالوں کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدنا	۲۷۳
۲۲۴	بعد از نماز جنازہ اجتماعی کلمہ و قیام	۲۷۴
۲۲۴	کیا نسی میت کو لینے کے لئے پُرانی آتی ہیں	۲۷۵
۲۲۵	آنکھیں دینے کی وصیت کر جانے کا حکم	۲۷۶
۲۲۵	کافر کی صرف تعزیت جائز ہے جنازہ پڑھنا یا قبرستان جانا جائز نہیں	۲۷۷
۲۲۶	کنواری عورت کے لئے بہشت میں	۲۷۸
۲۲۶	اہل میت دفن سے پہلے کھانا کھا سکتے ہیں	۲۷۹
۲۲۷	جو میت کی چار پائی اٹھائے کیا وہی واپس لائے	۲۸۰
۲۲۷	قبروں پر چھت ڈال کر اوپر رہائشی مکان بنانا	۲۸۱
۲۲۸	قبر سے مراد عالم برزخ ہے یہ گڑھا مراد نہیں	۲۸۲
۲۲۸	صاحب قبر کے وسیلے سے دعا کرنا	۲۸۳
۲۲۹	اگر کوئی شخص قبرستان کے درخت استعمال کر لے تو انکی قیمت قبرستان	۲۸۴
	لکی ضروریات پر لگا دے	
۲۳۰	قبر پر ڈالی گئی چادروں کا حکم	۲۸۵
۲۳۰	اہل میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے	۲۸۶
۲۳۱	کیا جمعرات کو ارواح گھر آتی ہیں ؟	۲۸۷
۲۳۲	ایصالِ ثواب کے لئے اجرت پر قرآن پڑھوانا	۲۸۸
۲۳۲	میت کی مجلس بدعات میں تاویل کے ساتھ شرکت کرنا	۲۸۹
۲۳۳	بے نماز کی میت کو جنازہ کے وقت ڈھیلے مارنا	۲۹۰
۲۳۵	دش محرم کو قبروں کی لپٹائی کرنا	۲۹۱
۲۳۶	انہ آنحضرت علیہ السلام کا ہر قبر میں آنا ثابت ہے اور نہ میت سے لیکر	۲۹۲
	روضہ اطہر تک برے ہٹائے جانے کا کوئی ثبوت ہے۔	

۲۳۶	تدفین سے فارغ ہونے کے بعد کیا کیا جائے ؟	۲۹۳
۲۳۷	میت کو قبرستان کیسے لیجا یا جائے ؟	۲۹۴
۲۳۸	جو ان عورتیں قبرستان نہ جائیں	۲۹۵
۲۳۹	”بیڑی بھاڑہ کی شریعت میں کوئی اصل نہیں	۲۹۶
۲۴۰	اولیاء میت سے اجازت لئے بغیر دفن سے پہلے نہیں لوٹنا چاہیے	۲۹۷
۲۴۰	قبرستان مٹا جائے تو بھی قبرستان ہی رہے گا	۲۹۸
۲۴۱	خانہ بدوش اپنی میت منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں ؟	۲۹۹
۲۴۱	مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا	۳۰۰
۲۴۲	کفن دفن کی فہم بنانا	۳۰۱
۲۴۲	میت کے گرد کچی اینٹیں اور ان کے پیچھے پتی اینٹیں لگانا	۳۰۲
۲۴۲	والدین کی قبر کا بوسہ جائز نہیں	۳۰۳
۲۴۲	میت کے ساتھ حلوہ لپکا کر لیجانا	۳۰۴
۲۴۵	زندگی میں قبہ منسا قبر بنوانا	۳۰۵
۲۴۵	قبرستان میں ٹیوب ویل لگانا	۳۰۶
۲۴۶	حدود مسجد میں دفن کرنا	۳۰۷
۲۴۶	دفن کے وقت کانے وغیرہ استعمال کرنا	۳۰۸
۲۴۷	قبر کو بوسہ دینے کا حکم	۳۰۹
۲۴۷	عذاب قبر سے محفوظ رہنے کی بشارات جمعہ کی رات یا دن کو مرنیوالے کے لئے	۳۱۰
	ہے دفن ہونیوالے کے لئے نہیں	
۲۴۸	قبر زمین سے ایک بالشت اونچی ہو	۳۱۱
۲۴۸	خاوند بیوی کو قبر میں آتا سکتا ہے	۳۱۲
۲۴۹	قبرستان زیر آب آجائے تو لعشوں کو منتقل کرنے کا حکم	۳۱۳
۲۵۰	دفن سے پہلے قبر میں سورہ ملک پڑھنا	۳۱۴

۲۵۰	چالیس قدم ہٹ کر دعا مانگنا	۳۱۵
۲۵۰	بحری جہاز میں مرنے والے کا حکم	۳۱۶
۲۵۱	اگر قبر احاطہ مسجد میں آجائے تو اس کا کیا کریں ؟	۳۱۷
۲۵۱	قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے	۳۱۸
۲۵۲	میت کے لئے ڈھیلے استعمال کرنا	۳۱۹
۲۵۲	مردے کے مصنوعی دانت نکال لئے جائیں	۳۲۰
۲۵۳	میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھیں ؟	۳۲۱
۲۵۳	جُھنی کا غسل دینا مکروہ ہے	۳۲۲
۲۵۳	مردہ بچے کے غسل کا حکم	۳۲۳
۲۵۴	خضنی مشکل کو کون غسل دے ؟	۳۲۴
۲۵۵	میت کو کون غسل دے ؟	۳۲۵
۲۵۵	غسل کو وارث کے انتظار میں مؤخر کرنا	۳۲۶
۲۵۵	عورت کو کوئی بھی غسل دینے کے لئے تیار نہ ہو تو کیا کریں ؟	۳۲۷
۲۵۶	کفن پر کلنہ طیبہ لکھنا ، جنازہ پر کلنہ طیبہ والی لکھی ہوئی چادر ڈالنا	۳۲۸
۲۵۶	محرم کو عام میت کی طرح کفن دیا جائے	۳۲۹
۲۵۷	مسجد میں کفن سینے کا حکم	۳۳۰
۲۵۷	عورت کے کفن کی تفصیل	۳۳۱
۲۵۸	جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا	۳۳۲
۲۵۸	میت پر کفن سے زائد چادریں ڈالنا	۳۳۳
۲۵۹	عالم میت کو کفن میں عمامہ پہنانا	۳۳۴
۲۵۹	غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن کے ساتھ رکھنا	۳۳۵
۲۶۰	کفن دیتے وقت عورت کے بال کیسے رکھے جائیں	۳۳۶
۲۶۰	بالغ اور نابالغ کے کفن کا فرق	۳۳۷

۲۶۰	محتضر (قریب المرگ) کے پاس حائضہ وغیرہ نہ بیٹھے	۳۳۸
۲۶۱	موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں تاخیر نہ کی جائے	۳۳۹
۲۶۲	قریب المرگ کے بارے میں سنون عمل	۳۴۰
۲۶۳	جنازہ سے پہلے میت کے مدیون ہونے کی تحقیق کرنا	۳۴۱
۲۶۴	زانی، پور اور سود خور کی نماز جنازہ جائز ہے	۳۴۲
۲۶۵	باپ کے قاتل کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے	۳۴۳
۲۶۵	باہر سے کسی امام کو بلوا کر جنازہ پڑھوانا	۳۴۴
۲۶۶	میت کو مزار کے سامنے رکھ کر جنازہ پڑھنے کا حکم	۳۴۵
۲۶۶	مقروض کا جنازہ پڑھنے کا حکم	۳۴۶
۲۶۷	فرائض کے وقت جنازہ آجائے تو کب پڑھا جائے؟	۳۴۷
۲۶۷	شارع عام پر نماز جنازہ کا حکم	۳۴۸
۲۶۸	جس کو درود و دعاء وغیرہ نہ آتی ہو وہ نماز جنازہ میں شریک ہو یا نہ؟	۳۴۹
۲۶۸	امام محلہ ولی سے مقدم ہے	۳۵۰
۲۶۹	جنازہ میں چوتھی تکبیر نہ جائے تو جنازہ نہیں ہوا	۳۵۱
۲۷۰	”ان سبقتمونی بالصلوة علیہ فلا تبقونی بالدعاء لہ“ سے مراد	۳۵۲
	ایک لے دعا کرنا ہے نہ کہ اجتماعی دعا معروفہ	
۲۷۲	نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھرنے کا حدیث سے ثبوت	۳۵۳
۲۷۳	جو چوتھی تکبیر کے بعد شریک ہو وہ بھی شریک سمجھا جائے گا	۳۵۴
۲۷۳	اوپنی آواز سے نیت کرنا	۳۵۵
۲۷۳	غالی بدعتی کی اقتدار میں جنازہ	۳۵۶
۲۷۴	جنازہ لیکر دس دس قدم چلنا ثابت ہے یا نہیں؟	۳۵۷
۲۷۴	جنازہ کے وضو سے فرض ادا کرنا	۳۵۸
۲۷۵	مغرب سے چند منٹ پہلے جنازہ پڑھنے کا حکم	۳۵۹

۲۷۵	جنازہ کی چارپائی کو بھی خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے	۳۶۰
۲۷۶	میت کے تمام احکام میں مراہق بالغ کے حکم میں ہے	۳۶۱
۲۷۶	جنازہ کس حد تک تیز لے کر چلا جائے	۳۶۲
۲۷۶	جنازہ مغرب کی سنتوں سے مؤخر اور نوافل سے مقدم کیا جائے	۳۶۳
۲۷۷	سود کو حلال کہنے والے کا جنازہ	۳۶۴
۲۷۷	بغیر جنازہ پڑھی گئی لغش پر مٹی نہ ڈالی گئی ہو تو نکال کر جنازہ پڑھا جائے	۳۶۵
۲۷۸	صرف ہڈیوں کے ڈھلپٹے پر جنازہ پڑھنا	۳۶۶
۲۷۹	شیعہ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں	۳۶۷
۲۷۹	نامحرم عورت کی میت کو کندھا دینا درست ہے	۳۶۸
۲۸۰	نماز جنازہ کی لوگوں کو اطلاع دینا	۳۶۹
۲۸۰	کیا جنات سے بھی حساب و کتاب ہوگا؟	۳۷۰
۲۸۱	تعزیت کے لئے دریاں بچھا کر بیٹھنا	۳۷۱
۲۸۱	جنازہ لیجاتے وقت سر آگے رکھیں	۳۷۲
۲۸۲	جس میت کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس کے جنازہ کا حکم	۳۷۳
۲۸۲	جماعت میں دیر ہو تو نماز جنازہ کو مؤخر نہ کیا جائے	۳۷۴
۲۸۳	کبھی نماز نہ پڑھنے والا جنازہ پڑھا سکتا ہے	۳۷۵
۲۸۳	کل شتر کا جنازہ سات ہوں تو بھی طاق صفیں بنا نا اولیٰ ہے	۳۷۶
۲۸۴	کسی خاص شخص کے بارے میں جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تو اس کا حکم	۳۷۷
۲۸۴	جنازہ کے بارے میں عام مساجد کو صرین پر قیاس نہ کیا جائے	۳۷۸
۲۸۵	اجرت طے کر کے جنازہ پڑھانا	۳۷۹
۲۸۶	مطلقہ رجعیہ اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے	۳۸۰
۲۸۶	مرد کو کیسے دفن کیا جائے؟	۳۸۱
۲۸۷	مرنیوالا وصیت کر جائے تو ہتائی مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے	۳۸۲
۲۸۷	قبر کے کتبہ پر کیا لکھنا چاہیے؟	۳۸۳

۲۸۸	نمازِ جنازہ سرّاً ادا کی جائے	۳۸۴
۲۸۸	نابالغہ بچی جس کا باپ مرزائی ہو مگر والدہ مسلمان ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے۔	۳۸۵
۲۸۹	حضرت تھانویؒ نہ ہی دعا بعد الجنازہ کے قائل تھے اور نہ ہی انکے جنازہ کے بعد دعا ہوتی ہے۔	۳۸۶
۲۹۰	ایکسٹینٹ میں فوت شدہ شہیدِ آخرت ہے	۳۸۷
۲۹۱	کفار کی فوج میں شریک مسلمان مر جائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟	۳۸۸
۲۹۲	شہید زخمی ہونے کے بعد ہوش میں نہ آئے تو اسے غسل نہ دیا جائے	۳۸۹
۲۹۲	زنا کرتے ہوئے قتل ہو جانے والا شہید نہیں	۳۹۰
۲۹۲	شہید کو غسل نہ دیا جائے	۳۹۱
۲۹۲	نیم پاگل ڈوب کر مر جائے تو شہید ہوگا یا نہیں؟	۳۹۲
۲۹۲	ہجوم میں دُب کر مرنیوالا حکماً شہید ہے	۳۹۳
۲۹۵	جلے جلوسوں میں مرنیوالا شہید ہوگا یا نہیں؟	۳۹۴
۲۹۶	جنازہ کب فرض ہوا؟	۳۹۵
۲۹۶	جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مُصلیٰ پہچانا	۳۹۶
۲۹۶	میت کو بوقتِ جنازہ چار پائی کے بجائے زمین پر رکھنا	۳۹۷
۲۹۷	نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو جنازہ پڑھنے سے حائث نہ ہوگا	۳۹۸
۲۹۷	مجذوم جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟	۳۹۹
۲۹۸	ناپاک کپڑے میں جنازہ کا حکم	۴۰۰
۲۹۸	جنازہ پر رشتہ دار جو چادریں ڈالتے ہیں وہ ان ہی کی ملک ہیں	۴۰۱
۲۹۹	نابالغ کی قبر پر فاتحہ بقرہ پڑھنے کا حکم	۴۰۲
۲۹۹	قبر میں میت کے نیچے چادر یا چٹائی وغیرہ نہ بچھائی جائے۔	۴۰۳
۳۰۰	پسماندگان کے بارے میں بدعات وغیرہ کرنیکا اندیشہ ہو تو وصیت کر جائے	۴۰۴
۳۰۱	جانور کے مُشاہدہ پیدا ہو تو اس کا حکم	۴۰۵

۳۰۱	زیارتِ قبور کا مسنون طریقہ	۳۰۶
۳۰۲	خسختی کے جنازہ اور اس میں دُعا کا حکم	۳۰۷
۳۰۳	رمضان المبارک میں علانیہ کھانیوالے کا جنازہ	۳۰۸
۳۰۴	نہر سے نکالی ہوئی لاش بلا غسل دفن کر دی گئی ہو تو بھی قبر پر جنازہ پڑھا جائے	۳۰۹
۳۰۵	شیعہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہوں تو بجائے دُعا کے بددعا کرتے ہیں	۳۱۰
۳۰۵	قریب المرگ کی زبان سے کوئی نامناسب کلمہ نکلے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں	۳۱۱
۳۰۶	میت معقول وجہ سے امام محلہ سے ناراض ہو تو دوسرے کو بلا سکتے ہیں	۳۱۲
۳۰۶	کس صورت میں چند اموات کو اکٹھے دفن کر سکتے ہیں	۳۱۳
۳۰۷	مرزائی کے جنازے کا حکم	۳۱۴
۳۰۸	جس نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو اس کا جنازہ پڑھنا	۳۱۵
۳۰۸	وضو کرنے سے جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کا حکم	۳۱۶
۳۰۹	جنازہ سامنے سے گزرنے تو اسے دیکھ کر کیا پڑھا جائے ؟	۳۱۷
۳۱۰	بچہ کان میں اذان دینے سے پہلے مر جائے تو جنازہ کا حکم	۳۱۸
۳۱۰	پاگل کی نماز جنازہ میں کونسی دُعا پڑھی جائے ؟	۳۱۹
۳۱۱	شمار میں و جَلَّ شَرک کی زیادتی شاذ ہے	۳۲۰
۳۱۲	مروجہ اسقاط کا حکم	۳۲۱
۳۱۳	قبر بہت بوسیدہ ہو جائے تو وہاں نئی قبر بنا جا کر ہے	۳۲۲
۳۱۳	معتکف جنازہ کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے ؟	۳۲۳
۳۱۵	مسلمانوں اور کفار کی لاشوں میں پہچان ممکن نہ ہو تو جنازہ کا حکم	۳۲۴
۳۱۶	دعا بعد الجنازہ کو خطبہ پر قیاس کرنا جہالت ہے	۳۲۵
۳۱۷	لا وارث لاش پر عمل جسراجی کی مشق کرنا	۳۲۶
۳۲۱	ساتھ آئیوالوں کا میت کو رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے	۳۲۷
۳۲۱	قبر کتنی گہری ہو ؟	۳۲۸

۳۲۲	تدفین کے لئے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم	۳۲۹
۳۲۳	شہید کی اقسام اور ان کے احکام	۳۳۰
۳۲۵	کفن کیسے پکڑے کا دیا جائے ؟	۳۳۱
۳۲۶	دفن کے پندرہ دن بعد قبر پر نماز جنازہ کا حکم	۳۳۲
۳۲۶	تفسیح کے بعد جنازہ پڑھنے کا حکم	۳۳۳
۳۲۸	دعا بعد الجنازہ کے بارے میں اہل بدعت کے مفصل جواب	۳۳۴

۳۵۰	کتابُ الزَّكَاةِ	
۳۵۱	اسلام کا نظام رتبہ	۳۳۵
۳۵۵	مرکزی وزارت مالیات کی طرف سے زکوٰۃ و عشر سے متعلق انتالیس سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ	۳۳۶
۳۵۵	زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنی اور اس سے متعلق کچھ توضیحات	۳۳۷
۳۵۷	وجوب زکوٰۃ کی شرائط	۳۳۸
۳۵۷	وجوب زکوٰۃ کے لئے حد بلوغ	۳۳۹
۳۵۸	زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے	۳۴۰
۳۵۸	کمپنیوں کے اموال پر زکوٰۃ کا حکم	۳۴۱
۳۵۲	کارخانوں اور تجارتی اداروں سے زکوٰۃ لینے کا حکم	۳۴۲
۳۵۹	کمپنیوں کے قابل انتقال حصص کی زکوٰۃ کا حکم	۳۴۳
۳۶۰	کن کن اموال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے	۳۴۴
۳۶۹	جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ تاقیامت وہی رہیں گے جو	۳۴۵
	ابتداءً اسلام میں تھے	
۳۷۰	راج الوقت سکوت کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل	۳۴۶
۳۷۲	اموال ظاہرہ و باطنہ کی تعریف	۳۴۷

۳۷۳	_____ مال نامی سے کیا مراد ہے	۲۴۸
۳۷۵	_____ کرایہ پر دی جانے والی اشیاء کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم	۲۴۹
۳۷۶	_____ جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم	۲۵۰
۳۷۸	_____ کس مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی	۲۵۱
۳۷۸	_____ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کی اجازت نہیں۔	۲۵۲
۳۷۹	_____ دو سو درہم راج الوقت سکوں کے لحاظ سے کتنے بنتے ہیں	۲۵۳
۳۸۵	_____ نصاب اور مقدار واجب میں تبدیلی کا حکم	۲۵۴
۳۸۰	_____ کتنی مدت گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی	۲۵۵
۳۸۰	_____ سال میں کتنی پیداوار اٹھانی جائیں ہر پیداوار سے عشر دیا جائے	۲۵۶
۳۸۰	_____ زکوٰۃ میں قمری سال کا اعتبار ہے یا شمسی کا	۲۵۷
۳۸۱	_____ مصارف زکوٰۃ کی تفصیل	۲۵۸
۳۸۳	_____ فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے	۲۵۹
۳۸۵	_____ مصارف زکوٰۃ میں سے کسی ایک مصرف کو بھی ساری زکوٰۃ دے سکتے ہیں	۲۶۰
۳۸۵	_____ تعریف غنی جس کے ہوتے ہوئے زکوٰۃ لینا منع ہے	۲۶۱
۳۸۷	_____ زکوٰۃ افراد کو دینی فروری ہے یا اداروں کو بھی دے سکتے ہیں	۲۶۲
۳۸۸	_____ زکوٰۃ بطور گزارہ الاؤنس دینے کا حکم	۲۶۳
۳۸۸	_____ مال زکوٰۃ کو رفاہ عامہ میں لگانے کا حکم	۲۶۴
۳۸۹	_____ زکوٰۃ کی رستم بطور قرض دینے کا حکم	۲۶۵
۳۸۹	_____ ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ کے فقراء کو دینے کا حکم	۲۶۶
۳۹۰	_____ متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم	۲۶۷
۳۹۰	_____ ایسی تدابیر جن سے لوگ بخوشی زکوٰۃ ادا کرنے لگیں	۲۶۸
۳۹۰	_____ وصولی زکوٰۃ کا کام وفاقی حکومت کرے یا صوبائی	۲۶۹
۳۹۱	_____ وصولی زکوٰۃ کے لئے علیحدہ محکمات قائم کرنا موزوں ہے	۲۷۰

۳۹۲	زکوٰۃ سرکاری محصول نہیں	۴۷۱
۳۹۲	دور خیر القرون میں جبراً کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا	۴۷۲
۳۹۳	زکوٰۃ کی وصولی کا طریقہ	۴۷۳
۳۹۳	زکوٰۃ کی وصولی حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں کی جائے	۴۷۴
۳۹۳	عمال زکوٰۃ کو اموال زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کا حکم	۴۷۵
۳۹۴	ائمہ مساجد کو بطور تنخواہ اور غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۴۷۶
۳۹۷	ایک سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۴۷۷
۳۹۸	سختی کر کے غنی کو زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی	۴۷۸
۳۹۸	وکیل مستحق نے زکوٰۃ کی رقم خود صرف کر لی تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟	۴۷۹
۳۹۹	میلوں کو زکوٰۃ دینا دوسروں کی نسبت افضل ہے	۴۸۰
۴۰۱	غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینے کے بارہ میں راجح قول	۴۸۱
۴۰۲	چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دینا افضل ہے	۴۸۲
۴۰۲	زکوٰۃ حکومت وصول کرے یا لوگ خود ادا کریں	۴۸۳
۴۰۴	سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی حقیقی علت	۴۸۳
۴۰۴	صدقات واجبہ سے تیار ہونے والا کھانا مدرس کو اجرت میں نہیں دے سکتے	۴۸۵
۴۰۵	نوٹ ایکڑ ارضی کا مالک زکوٰۃ لے سکتا ہے	۴۸۶
۴۰۵	مقروض کو مقدار نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں	۴۸۷
۴۰۶	وکیل نے زکوٰۃ کو مصرف میں استعمال نہیں کیا تو کیسے بری ہوگا	۴۸۸
۴۰۷	مہمان کو بہ نیت زکوٰۃ کھانا دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں	۴۸۹
۴۰۷	غیر مسلم عاقل زکوٰۃ کو زکوٰۃ نہ دی جائے	۴۹۰
۴۰۷	زکوٰۃ بنام قرض دینے کا حکم	۴۹۱
۴۰۸	عباسیوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۴۹۲
۴۰۸	غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۴۹۳
۴۰۹	اپنی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے	۴۹۴

۴۰۹	وکیل نے زکوٰۃ کا پیسہ اپنی ضروریات میں استعمال کر لیا پھر اپنے پاس سے مستحق کو	۴۹۵
۴۱۰	دیکھو یا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟	۴۹۶
۴۱۰	تعمیر مکان کے لئے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ	۴۹۷
۴۱۰	مالِ خبیث میں زکوٰۃ واجب نہیں	۴۹۸
۴۱۰	ٹریڈنگ کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے	۴۹۹
۴۱۱	زکوٰۃ میں دینے کے لئے رکھے ہوئے پیسوں کو بطور قرض دے سکتے ہیں	۵۰۰
۴۱۱	حکومت جو زکوٰۃ کا پیسہ مدارس کو دیتی ہے وہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟	۵۰۱
۴۱۲	وکیل نے زکوٰۃ کے پیسے اپنی مستحق بیوی کو دیدیئے تو مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہوگئی	۵۰۲
۴۱۳	اپنے مدیون کو زکوٰۃ دے کر پھر قرض میں واپس لینے کا حکم	۵۰۳
۴۱۳	رہبر روزگار کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۰۴
۴۱۳	قومی اتحاد کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۰۵
۴۱۳	بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۵۰۶
۴۱۵	زکوٰۃ کے پیسے امام مسجد کو دینے کا حکم	۵۰۷
۴۱۷	اندازہ میں غلطی کی وجہ سے مقدار واجب سے زیادہ زکوٰۃ دیدی تو	۵۰۸
۴۱۷	زائد کو آئندہ سال میں شمار کر سکتے ہیں؟	۵۰۹
۴۱۷	مقروض معترف ہو تو زکوٰۃ واجب ہے	۵۱۰
۴۱۷	نلوٹوں میں زکوٰۃ کے وجوب پر ایک شبہ کا جواب	۵۱۱
۴۱۹	تنخواہ وصول ہونے سے پہلے نصاب میں شمار نہیں ہوگی	۵۱۲
۴۲۰	پاکستانی دو سو روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں	۵۱۳
۴۲۲	دینی اداروں کے مخلص و جان نثار کارکن جب ضعف و پیری کے سبب خدمات انجام	۵۱۴
۴۲۲	دینے کے قابل نہ رہیں تو ادارہ زکوٰۃ سے ان کی مستقل امداد کر سکتا ہے	
۴۲۳	صرف بے آباد زمین ملکیت میں ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے	
۴۲۳	مزدوری سے جمع شدہ غلہ کو تجارتی غلہ میں شامل نہیں کیا جائے گا	

۴۲۴	رہائش کے لئے خریدے ہوئے پلاٹوں کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم	۵۱۵
۴۲۵	نصاب کم سونے کو چاندی کے ساتھ کیے بلایا جائے	۵۱۶
۴۲۵	کون کون سی اشیاء حوائجِ اصلیہ میں شمار ہوں گی	۵۱۷
۴۲۸	سال کے شروع و آخر میں صاحبِ نصاب ہو تو زکوٰۃ فرض ہے اگر درمیان میں مال بالکل ختم نہ ہوا ہو۔	۵۱۸
۴۲۹	سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ دیتے وقت سونے چاندی کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا یا یوم و وجوب کی قیمت کا	۵۱۹
۴۳۰	حوائجِ اصلیہ خریدنے کے لئے جمع کردہ روپے میں زکوٰۃ کا حکم	۵۲۰
۴۳۲	مال مضاربت میں زکوٰۃ کے مسائل	۵۲۱
۴۳۳	مختلف اموال ملک میں ہوں تو سب کی قیمت لگا کر مجموعہ سے بہرہ ادا کرے۔	۵۲۲
۴۳۳	پراویڈنٹ فنڈ میں زکوٰۃ نہیں ہے	۵۲۳
۴۳۴	عشر ادا کرنے کے بعد غلہ بیچا تو اس کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم	۵۲۴
۴۳۴	سونا چاندی جس شکل میں ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے	۵۲۵
۴۳۵	راج الوقت سکہ پر ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔	۵۲۶
۴۳۶	ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ نہیں	۵۲۷
۴۳۶	اقل نصاب وزن دو صد درہم از نقرہ است	۵۲۸
۴۳۸	سفر پر زکوٰۃ کے پیسے سے قبل از تملیک تنخواہ دینا درست نہیں اور سفر کو عامل پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔	۵۲۹
۴۳۸	اربابِ مدارس، مبلغ اور وظائف وغیرہ میں صدقات واجبہ احتیاطاً بدون تملیک استعمال نہ کریں	۵۳۰
۴۳۹	تملیک کی بہتر صورت	۵۳۱
۴۴۰	کپاس میں بھی عشر واجب ہے	۵۳۲
۴۴۱	عشر نخل پیداوار سے دیا جائے	۵۳۳
۴۴۱	نابالغ کی بنیاد میں بھی عشر واجب ہوگا	۵۳۴

۴۴۱ لانی میں عشر نہیں	۵۳۵
۴۴۲ باش کا پھل خریدنے کی صورت میں عشر بائع پر ہوگا یا مشتری پر	۵۳۶
۴۴۳ ٹھوسہ میں عشر ہے یا نہیں	۵۳۷
۴۴۳ عشر میں نصاب نہیں ہے	۵۳۸
۴۴۴ جن زمینوں کا آبیانہ دیا جاتا ہو ان میں براء واجب ہوگا	۵۳۹
۴۴۵ قرض و جوہ عشر سے مانع نہیں	۵۴۰
۴۴۵ قدرتی پانی سے سیراب کھیتوں میں براء واجب ہے	۵۴۱
۴۴۶ متعل (ضلع میانوالی) کی زمینیں عشری ہیں	۵۴۲
۴۴۷ پاکستانی زمینیں عشری ہیں یا خراجی	۵۴۳
۴۴۹ خراجی زمین کی تعریف	۵۴۴
۴۵۰ اجرت کم ہو تو عشر کاشت کار پر ہے	۵۴۵
۴۵۰ بارانی اور نہری زمینوں کی پیداوار میں مقدار عشر کے فرق کی وجہ	۵۴۶
۴۵۲ دکان پر رکھے ہوئے اموال بھی اموال باطنہ ہیں	۵۴۷
۴۵۲ دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۴۸
۴۵۳ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کا حکم	۵۴۹
۴۵۴ مسجد و مدرسہ کا جو پیسہ جمع ہو اس پر زکوٰۃ نہیں	۵۵۰
۴۵۴ حکومت، زکوٰۃ کو انہی مصارف میں صرف کرنے کی پابند ہے {	۵۵۱
 } جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے	
۴۵۵ کتابت کے بلاکوں پر زکوٰۃ نہیں	۵۵۲
۴۵۶ صاحب نصاب لوگوں سے زکوٰۃ لیتا رہا تو اب تلافی کی صورت	۵۵۳
۴۵۷ پیشہ ور گداگروں کو زکوٰۃ دینا	۵۵۴
۴۵۷ جس کو بطور تملیک زکوٰۃ دی گئی اس سے جبراً واپس نہیں لے سکتے	۵۵۵
۴۵۸ مہتمم زکوٰۃ دھندگان کا وکیل ہوتا ہے	۵۵۶
۴۵۸ بلانیت زکوٰۃ صدقہ کرتے رہے تو وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا	۵۵۷

۴۵۹	سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں	۵۵۸
۴۶۰	حس کے پاس گھر کا سال کا خرچہ موجود ہو اُسے زکوٰۃ دینا	۵۵۹
۴۶۰	زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے زکوٰۃ کے پیسوں سے رجسٹر خریدنا	۵۶۰
۴۶۲	عیالدار مستحق کو نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں	۵۶۱
۴۶۲	کتنی عمر کے بچے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں	۵۶۲
۴۶۳	زکوٰۃ میں آئے ہوئے کپڑے کو مہتمم نے کم قیمت پر بیچ دیا تو کتنی زکوٰۃ ادا ہوئی؟	۵۶۳
۴۶۳	زکوٰۃ کی رستم ملکی قرضہ میں ادا کرنا	۵۶۴
۴۶۴	کافر کو زکوٰۃ کمیٹی کا چیرمین نہ بنایا جائے	۵۶۵
۴۶۵	سال گزرنے سے پہلے حکومت جہاں زکوٰۃ نہیں کاٹ سکتی	۵۶۶
۴۶۵	جس سے تملیک کرائی جائے اس کو بھی ثواب ملتا ہے	۵۶۷
۴۶۶	انجنے سپاہ صحابہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۶۸
۴۶۶	مختلف شہروں کے سفیروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۶۹
۴۶۷	مہتمم مدرسہ کے بیٹے بھی اتنا ہی مال لے سکتے ہیں جتنا کہ عام طالب علم	۵۷۰
۴۶۸	کمپنیوں کے حصہ دار زکوٰۃ کیسے ادا کریں	۵۷۱
۴۶۹	کمپنیوں کے شیعہ زکی زکوٰۃ اس وقت کی قیمت کے اعتبار سے ادا کی جائے گی	۵۷۲
۴۶۹	کسی کی طرف سے بلا اجازت زکوٰۃ دے دی تو اس کی طرف سے ادا نہیں ہوگی۔	۵۷۳
۴۶۹	متوفی نے اپنی زندگی میں زکوٰۃ نہ دی ہو تو ترکہ سے نکالنے کا حکم	۵۷۴
۴۷۰	مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رستم دینا	۵۷۵
۴۷۰	بلیک کے ذریعہ حاصل کردہ مال پر زکوٰۃ کا حکم	۵۷۶
۴۷۱	بھانجا، ماموں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے	۵۷۷
۴۷۱	حکومت کو مالیہ ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا	۵۷۸
۴۷۲	زکوٰۃ کا پیسہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنا	۵۷۹
۴۷۲	مقروض بھی اپنی زمین کی پیداوار کا عشر دے	۵۸۰
۴۷۳	سین کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۸۱

۴۷۳	جانوروں کی زکوٰۃ کے لئے ان کا ساتھ ہونا ضروری ہے	۵۸۲
۴۷۴	داخلہ حج میں دیئے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ	۵۸۳
۴۷۴	زکوٰۃ کے پیسے سے ادویات خرید کر دینا	۵۸۴
۴۷۵	زکوٰۃ کے پیسے علیحدہ رکھے تھے کہ چوری ہو گئے	۵۸۵
۴۷۵	ایک شخص کو اتنے پیسے دینا کہ وہ غنی ہو جائے	۵۸۶
۴۷۶	جس قرض کے ملنے کی امید نہ ہو اس کی زکوٰۃ کا حکم	۵۸۷
۴۷۷	واجب التصدق رقم اپنی بالغ اولاد کو دے سکتا ہے	۵۸۸
۴۷۷	شیعہ کو عشر دینا جائز نہیں	۵۸۹
۴۷۷	افیون کی تجارت ہے حاصل ہونے والے مال پر زکوٰۃ کا حکم	۵۹۰
۴۷۸	زکوٰۃ میں جانوروں کی اہل جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ملا یا نہیں جائے گا	۵۹۱
۴۷۹	صاحب نصاب وکیل اپنی بیٹی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے	۵۹۲
۴۷۹	مال عشر دوسرے شہر بلجا کر فروخت کرے تو بھی مجموعہ قیمت سے عشر دے	۵۹۳
۴۸۰	راجح الوقت نوٹ عروض تجارت کے حکم میں ہیں	۵۹۴
۴۸۱	زکوٰۃ کی رقم خود استعمال کر لی اور مالکان کو بتانا بھی مشکل ہو تو ...	۵۹۵
۴۸۲	ادھار کی زکوٰۃ یکسے دے	۵۹۶
۴۸۲	بیٹے کی بیوی کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۹۷
۴۸۳	سادات کو زکوٰۃ دینا کسی زمانہ میں جائز نہیں	۵۹۸
۴۸۴	اہل علی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۵۹۹
۴۸۵	برادری کے مالداروں سے لے کر انہی کے فقراء پر تقسیم کرنے کی شرائط	۶۰۰
۴۸۶	کپاس کی لٹوں میں عشر ہے یا نہیں	۶۰۱
۴۸۶	غنی نابالغ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے	۶۰۲
۴۸۷	زکوٰۃ و عشر میں مال کی قیمت کا تعین قریبی شہر وستی کے لحاظ سے کیا جائے	۶۰۳
۴۸۸	ضرورت کی کتب نصاب میں شمار نہیں ہوں گی	۶۰۴
۴۹۰	مروجہ کمیٹیوں میں زکوٰۃ کا حکم	۶۰۵

۴۹۰	مالِ ضماریں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا حکم	۶۰۶
۴۹۱	مجنون پر زکوٰۃ واجب نہیں	۶۰۷
۴۹۱	کالجنوں کے طلبہ بھی زکوٰۃ لے سکتے ہیں	۶۰۸
۴۹۲	زکوٰۃ کی کمپنی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ لکھنا	۶۰۹
۴۹۲	فقیر نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۶۱۰
۴۹۳	خود رو گھاس کی دیکھ بھال کی جاتی ہو تو عشر بھی واجب ہوگا	۶۱۱
۴۹۳	درختوں میں عشر نہیں ہے	۶۱۲
۴۹۴	ایفون اور تبا کو کی پیداوار میں عشر کا حکم	۶۱۳
۴۹۴	اسقاطِ زکوٰۃ کے لئے حید کرنے کا حکم	۶۱۴
۴۹۵	شراب اور ہیر و ن پینے والے کو زکوٰۃ	۶۱۵
۴۹۶	پس منظر	۶۱۶
۴۹۸	اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تحقیق	۶۱۷
۵۱۷	”الْبَلَاغ“ کے پیش کردہ آثار پر ایک نظر	۶۱۸
۵۲۳	عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں زکوٰۃ کی نجی ادائیگی بھی معتبر تھی	۶۱۹
۵۵۶	دین و قرض میں ادائیگی زکوٰۃ کی بحث (بنک اکاؤنٹس قرض ہیں)	۶۲۰
۵۹۵	مالِ ضماریں کی تحقیق	۶۲۱
۶۰۵	وصولی زکوٰۃ کے موجودہ نظام میں درج ذیل مفاسد ہیں	۶۲۲
۶۰۶	موجودہ نظام زکوٰۃ باقی رکھا جائے مگر درج ذیل اصلاحات کے بعد	۶۲۳
۶۰۷	توقیل پر چند شبہات	۶۲۴

باب الجمعة

قال الله تعالى يا ايها الذين آمنوا اذا نودى
 للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله
 وذروا البيع ذلكم خير لکم ان كنتم تعلمون

اے ایمان والو! جب اذان ہونے کی خبر کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو
 اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔

(سورہ جمعہ) (ترجمہ شیخ الہند)

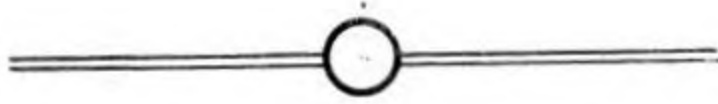


نہیر الفتاویٰ

(جلد سوم)

مترتب
 محمد انور

بَابُ الْجُمُعَةِ



جمعه کیلئے دو خطبوں کا ثبوت ۱ : کیا خطبہ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک پڑھا جاتا تھا ؟
 ۲ : خطبہ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس زمانہ میں اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے دو حصوں میں شروع ہوا
 ۳ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان جمعہ ایک دلوائی یا دو ، اور پھر یہ دو اذانیں کب سے
 شروع ہوئیں ؟

الاجماع ۱ : ۲ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے ۔
 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ

علیہ وسلم یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی
 یفرغ اراہ المؤذن ثم یقوم فیخطب ثم یجلس فلا یتکلم
 ثم یقوم فیخطب - (ابو داؤد ، ج ۱ ، ص ۱۵۶)۔

۲ : اذان ثانی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اجماع
 صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشروع ہوئی ۔

فلما کان خلافة عثمان رضی اللہ عنہ الناس امر عثمان یوم الجمعة

بالا ذان الثالث فاذن به على الزوراء فثبت الامر على ذلك

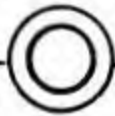
(ابوداؤد : ج ۱ : ص ۱۵۶) - فقط والله اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۵/۱۰/۹۲ھ

اذان ثالث کنا بوجہ تکبیر کے ہے ورنہ یہ عملاً اذان اول ہے۔ و الجواب صحیح۔

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔



خطبہ جمعہ سے پہلے نعتیں وغیرہ پڑھنا نماز جمعہ ادا کرنے سے پہلے سنتیں پڑھنے کا وقت ہوتا ہے۔ کیا مسجد میں نعت یا

مدح صحابہ رض وغیرہ اس طرح گا کر پڑھنا کہ جس سے سنتیں پڑھنے والے کو خلل پڑ جائے جائز ہے

یا نہیں؟

نماز جمعہ میں جب تک کہ لوگ سنتیں پڑھ رہے ہوں نعت خوانی شروع کرنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل آئے مکروہ ہے۔

الجواب صحیح

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

خادم الافکار خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۱/۱/۹۲ھ



خطبہ سنتی وقت کیسے بیٹھا جائے جب امام خطبہ ادا کرتا ہے تو سامعین کے بیٹھنے کی شکل کیا ہونی چاہئے؟ بنیوا تو جروا

محمد اقبال عفا اللہ عنہ؛ گلشن آباد؛ گوجرانوالہ

جیسے سہولت ہو بیٹھ سکتے ہیں۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ بجالت تشہد دوڑنو

بیٹھا جائے۔ مگر پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھنا اور دوسرے میں گھٹنوں پر کھنا

الجواب صحیح

محض عامیانه فعل ہے شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، ایسا نہ کیا جائے۔

اذا شهد الرجل عند الخطبة ان شاء جلس محتبياً او

متربعا او کما تیسر لانہ لیس بصلوۃ عملا و حقیقۃ کذا فی
المضمرات ویستحب ان یقعد فیہا کما یقعد فی الصلوۃ
کما فی معراج الدرایۃ (عالمگیری ۱ ج ۱ ص ۷۶)

فقط والله اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ : مفتی خیر المدارس ملتان



جمعہ کی نماز تین بجے درست ہے یا نہیں
اگر مؤرخہ تین دسمبر کو شہر لائل پور میں
نماز جمعہ تین بجے پڑھائی جائے تو

مذہب احناف کے مطابق نماز جمعہ کی ادائیگی وقت کے اعتبار سے صحیح ہے یا باطل ؟ اگر صحیح
ہے تو بلا کراہت یا کراہت کے ساتھ ؟ کراہت کی صورت میں مکہ وہ تحریمی ہے یا تنزیہی ؟

محمد طفیل قیوم عفا اللہ عنہ : طارق آباد : لائل پور

جمعہ کے بارے میں تعجیل (یعنی اول وقت میں پڑھنا) مستحب ہے۔ سردی

الجواب

ہو یا گرمی - کما فی الشامیۃ : ج ۱ ص ۳۲۰ -

لکن جزم فی الاشباہ من فن الاحکام انه لا یسن لها الابراہ
فی جامع الفتاوی لقاری المہدیۃ قیل انه مشروع لانہا
تؤدی فی وقت الظهر و تقوم مقامہ و قال الجمهور
لیس بمشروع لانہا تقام بجمع عظیم فتأخیرھا
مفض الی الحرج ولا كذلك الظهر و موافقۃ الخلف
لا صلہ من کل وجہ لیس بشرط - اھ - شامی ص ۳۲۰ ج ۱ -
لہذا صورت مسئلہ میں جمعہ کی نماز ادا تو ہو گئی۔ البتہ وقت مکروہ میں پڑھنے کی وجہ سے
مکروہ تحریمی ہوگی۔ کما فی الطحاوی ۱ ص ۹۸ -

وفی الخزائنة الوقت المكروه في الظهر ان يدخل في
حد الاختلاف و اذا اخره حتى صار ظل كل شئ
مثله فقد دخل في حد الاختلاف حموی -

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد اسحاق عفرلہ

ظہر کا وقت مفتی بہ مذہب کے مطابق ایک مثل تک ہے اگر جمعہ ایک مثل کے اندر ہے تو صحیح ہے ورنہ باطل ہے۔

خیر محمد عفا اللہ عنہ : مہتمم خیر المدارس ملتان



جمعہ میں خطیب و امام ایک ہی ہونا چاہیے۔ ایک خطیب کا گلا خراب ہے۔ اس نے ایک اور خطیب کو دعوت

دی۔ اس نے صرف خطبہ پڑھا اور نماز کے لئے سابق کو آگے کر دیا۔ بعد میں بتایا کہ میں جمعہ ادا کر کے آیا ہوں۔ کیا یہ درست ہے ؟ اور وہ جمعہ میں شرکت کر سکتے ہیں ؟

جمعہ میں امام و خطیب ایک ہی شخص ہونا چاہئے۔ مذکورہ جمعہ ہو گیا۔

الجواب

آئندہ ایسا نہ کیا جاوے۔ جو جمعہ ادا کر چکا ہے وہ بہ نیت نفل شریک

جماعت ہو سکتا ہے امامت نہیں کرا سکتا۔

لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانہما کثعی واحد فان

فعل بان خطب صبی باذن السلطان و صلی بالغ جازاھ

(در مختار علی الشامیہ ۱ ج ۱ : ص ۵۵۲) - فقط

واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۱۰/۹۹ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ



زیدہ کتا ہے کہ عورتوں کے لئے

عورتوں کا جمعہ کے لئے مسجد میں آنا مکروہ ہے

نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آنا

جائز ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی

تھیں۔ دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ پڑھتی تھیں مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے منع فرما دیا تھا۔ تو عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جا کر شکریہ کیا۔ تو

انہوں نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو وہ بھی منع فرمادیتے۔ اگر یہ درست ہے تو عبارت مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

۲ : اب عورتیں نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آئیں یا نہ آئیں ؟

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد « ابوداؤد شریف : ج ۱
ص ۸۲ » پر منقول ہے۔

« ان عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما حدث النساء لمنعهن - اھ - الحدیث۔
۱۲ اس وقت بھی عورتوں کا آنا مکروہ ہے۔

ويكره حضورهن الجاعة ولولجعة وعيد و وعظ مطلقا
ولو عجوزا ليلد على المذهب المفتى به لفساد الزمان اھ
(درمختار على الشامية : ج ۱ : ص ۵۲۹)۔

فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

۲۹ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافکار

جمعة کی اذان ثانی کے بعد دعاء مانگنے کا حکم
جمعة کی دوسری اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا
مانگنا درست ہے یا نہیں ؟

محمد اقبال سیمین سنر حرم گیٹ ملتان

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست نہیں ہے، دل میں مانگ سکتے ہیں۔

واللہ علیہم بذات الصدور۔ اذا خرج الامام فلا صلوة

ولا كلام الى تمامها ای الخطبة اھ۔

(درمختار على الشافعي : ج ۱، ص ۶۸)۔ فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ ۱۲ / ۱ / ۱۴۰۰ھ

زیادہ کہتا ہے کہ اگر عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جائیں اور مسلمان عید کی نماز پڑھیں تو

اجتماع عید و جمعہ ساقط جمعہ نہیں

ان پر جمعہ کی فرضیت باقی نہیں رہتی یعنی نہیں ظہر ادا کرنی چاہیے نہ کہ جمعہ۔ اگر جمعہ ادا کریں گے تو ان کے ذمہ ظہر کی نماز باقی رہے گی اور نہ پڑھنے پر ترک فرض کے مجرم ہوں گے۔

بجو کہتا ہے کہ ایسا نہیں، بلکہ جب مسلمان عید پڑھ چکیں گے تو اس دن جمعہ پڑھنے نہ پڑھنے میں ان کو اختیار ہوگا۔ یعنی اگر جمعہ نہ پڑھیں بلکہ ظہر باجماعت پڑھ لیں تو ترک فرض جمعہ کے مجرم نہ ہوں گے۔ اور اگر جمعہ پڑھیں گے تو اس دن کی ظہر سے بری الذمہ ہو جائیں گے جمعہ فرض بن کر

ظہر کے قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ نابینا وغیرہ معذورین پر جمعہ فرض نہیں اور اگر جمعہ ادا کریں تو ان سے ظہر ساقط ہو جاتی ہے۔ دونوں کا منشا اختلاف جامع الرموز کی یہ عبارت ہے

« فلما اجتمع العید یلزم الاصلوة احدہما قیل الاولى صلوة

العید وقیل صلوة الجمعة کما فی التمر تاشی ببناء

علیہ »

عرض ہے کہ زیادہ اور بکر میں سے کس کا قول صحیح ہے اور کس کا غلط۔ مدلل تحریر فرمائیں۔

زیادہ اور بکر دونوں کا قول خلاف تحقیق اور غیر صحیح ہے۔ محقق یہ ہے کہ عید

الجمعة

اور جمعہ اگر ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو عید پڑھ لینے سے وجوب جمعہ

ساقط نہیں ہوتا بلکہ جمعہ بدستور فرض و واجب رہتا ہے۔ جمعہ چھوڑنے کی ایسی صورت میں

اجازت نہیں۔ ”جامع الرموز“ کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے یہ حنفیہ کا مذہب نہیں ہے

ہے بلکہ حضرت عطاء کا قول ہے۔ در مختار میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

قلت قد راجعت التمر تاشی فرأیتہ حکاہ عن مذہب

الغیر و بصیغۃ التمر یض فتنبہ اھ و فی الشامیۃ

اعی مذہب غیرنا اما مذہبنا فلزوم کل منہما

قال فی الہدایۃ ناقلًا عن الجامع الصغیر عید ان

اجتمع فی یوم واحد فالاول سنۃ والثانی فریضۃ

ولا یترک واحد منہما اھ قال فی المعراج احتزبہ

۴۱
 عن قول عطاء تحزی صلوۃ العید عن الجمعة ۱۵
 (شامیہ، ج ۱، ص ۴۴) - فقط وانقلہ اعلم -

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
 نائِبِ مَعْنَتِي خَيْرِ الْمَدَارِسِ مِلْتَانِ
 اجواب صحیح
 غیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۰، ۹، ۸۶ھ

اڑھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ درست ہے
 چک نمبر ۲۵۱ گ ب، اگلی ضلع
 فیصل آباد بربل سڑک پختہ ہے آبادی

اڑھائی ہزار ہے۔ چک میں بجلی، ڈاک خانہ، ٹڈل سکول، گریڈ سکول، پرائمری سکول مردانہ، دو
 کارخانے جس میں آٹا پیسنے کی مشین اور لکڑی چیرنے کی مشین، روٹی پیجنے والی مشین، تیل والے
 مشین، بسوں کا اڈہ، گیارہ دوکانیں، برف کا کارخانہ اور چک میں نو دوکانیں ہیں۔ بسوں
 کا اڈہ چک مذکور سے دو فرلانگ پر ہے۔ چوتھے مربع پر ہائی سکول اور کالج ہے۔ تین مسجدیں
 ہیں۔ نیز مدرسہ تعلیم القرآن و تعلیم البنات بھی ہے۔ کیا یہاں جمعہ جائز ہے؟

حکیم عبدالحمید نوزنگ پوری

مذکورہ بستی کے بارے میں تقریباً بیس سال پہلے بھی استفتاء۔

کیا گیا تھا جس کے جواب میں جواز جمعہ کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ اب تک بستی

کی آبادی و مرکزیت میں مزید اضافہ ہوا ہے جیسا کہ زیر جواب استفتاء میں مذکور ہے۔ لہذا

یہاں صحت جمعہ میں تردد نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۰ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

اجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲ ہزار کی آبادی میں جمعہ کا حکم
 ایک گاؤں جس کی آبادی ساڑھے تین سو خانہ کی ہے
 اور رقبہ آبادی کا ایک مربع نو ایکڑ ہے اور ۲۶

دوکانات ہیں جن سے جملہ اشیاء ضرورت مل سکتی ہیں۔ اور ایک کارخانہ آٹا پیسنے کا اور مدرسہ
 تعلیم القرآن، ۶ کنوئیں اور ۸ نلکے، ایک پنچاستی عدالت جس کو مجسٹریٹی اختیارات حاصل ہیں

باشندگان کی تعداد تقریباً دو ہزار ہے۔ مٹی کے برتن کی دوکان اور زرگر اور موچی وغیرہ بھی موجود ہے۔ کیا یہاں جمعہ جائز ہے؟

الجواب بستی مذکورہ اپنی آبادی اور تجارتی دوکانوں کے اعتبار سے نظر ناظر میں قرینہ کبیرہ کی حد میں داخل ہے۔ احقر راقم الحروف نے خود بھی معائنہ کیا ہے۔ لہذا مذکورہ بستی میں فرض جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔ شامی : ج ۱ : ص ۵۳۷ میں ہے۔

وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التي فیها
اسوات ۱۷ فقط والله اعلم۔

العبد خیر محمد عفا الله عنه

ہتم خیر المدارس ملتان : ۱۷، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

دورانِ خطبہ ہاتھ میں عصا لینا : ۱ : دورانِ خطبہ جمعہ ہاتھ میں عصا لینے کی تفصیل فرمائیں۔ ۲ : عام حالات میں ہاتھ میں عصا لینا کیسا ہے، اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب : ۱ : اس باب میں احادیث مختلفہ کے دیکھنے سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا ہے اور اذد شریف کے یہ الفاظ ہیں۔ فقام متوکلًا علی عصا او قوس ۱۷ مگر اس سے مواظبت ثابت نہیں ہوتی۔ مسلم کی حدیث میں یہ لفظ بھی موجود ہیں۔ شو قام متوکلًا علی بلال ۱۷ خلاصہ یہ ہے کہ عصاب وقت خطبہ ہاتھ میں لینا سنت غیر مؤکدہ ہے۔

من فعل فقد احسن و من لافلا حرج علیہ۔ (امداد المفتین

ج ۱ - ص ۱۱۲)۔

۲ : مستحسن ہے اور دائیں ہاتھ میں لینا چاہیے۔ وینبغی ان یاخذ السیف او العسا او غیرہا بیدہ الیمنی اذا نھا سنة لان تناول الطهارة انما یكون بالیمن والمستقدرات بالشمال۔ (المدخل : ج ۲ : ص ۷۷) فقط والله اعلم۔

اجواب صحیح : بندہ عبد التار عفا الله عنه — محمد انور عفا الله عنه ۱۳۹۹/۶/۳ھ

قریہ صغیرہ میں جمعہ پڑھا گیا تو ظہر ادا کرنی لازم ہے ایک بستی جس کی آبادی سات سو ہے دوکان صرف ایک ہے۔

ضروریات زندگی نہیں ملتیں کیا اس جگہ جمعہ جائز ہے۔ ؟ اگر پڑھا گیا تو دوبارہ ظہر پڑھی جلتے یا نہیں ؟ محمد قاسم ربانی ، مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی۔

مذکورہ بستی قریہ صغیرہ ہے اس میں عند الاحناف جمعہ جائز نہیں۔ جن لوگوں نے جمعہ پڑھا ہے ان کے ذمہ اس دن کی ظہر باقی ہے۔

الجواب

فی الجواہر لوصلوا فی القری لزہم اداء الظہر ۱ھ

(شامی ، ج ۱ ، ص ۷۸)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۳ / ۱۱ / ۱۳۹۷ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

جواتی شہر محقر یا قریہ پہلا جمعہ بحرین کے مقام جواتی میں ادا کیا گیا۔ یہ مقام شہر تھا یا گاؤں ؟ اگر شہر تھا تو اس کا شہر ہونا ، اور کس سال میں

جمعہ پڑھا گیا ؟ بیان فرمائیں۔

۲ : خطبہ قوم کو سنانا فرض ہے یا سنت ؟

متعدد اہل لغت اور تاریخ سے منقول ہے کہ «جواتی» شہر تھا۔ علامہ عینی رحمہ اللہ القاری میں لکھتے ہیں کہ اس میں چار ہزار سے زیادہ آدمی رہتے

الجواب

تھے۔ مکان یسکنھا فوق اربعۃ آلاف نفس ۱ھ۔ علامہ ابن اثیر نہایت

میں لکھتے ہیں جواتی ہو اسم حصن بالبحرین (اور قلعے شہروں میں ہوتے ہیں)

علامہ جوہری کی صحاح ، علامہ زرخشری کی بلدان اور سیوطی سے بھی ایسے ہی منقول

ہے۔ ابو عمید بکری سے منقول ہے۔

انھا مدینۃ بالبحرین۔ (اعلاء السنن ، ص ۱۷)۔

لفظ قریہ سے شبہ نہ کیا جائے کیوں کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی قرآن و حدیث اور لغت

سے ثابت ہے۔ لولا نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم الآیۃ

» جوائی « میں جمعہ وفد عبد القیس آنے کے بعد پڑھا گیا۔ اس پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وفد عبد القیس فرضیت حج کے بعد آیا ہے البتہ سن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ واقدی نے شرح قبل فتح نقل کیا ہے۔ اور ابن اسحاق نے ۹ھ کہا ہے۔ (اعلام السنن؛ ص ۱۴)۔

۲، نفس خطبہ شرائط جمعہ سے ہے بایں معنی کہ خطبہ کا ہونا ضروری ہے کسی کو سننے یا نہ سننے۔ ویشترط لصحتها سبعة اشياء الى قوله والرابع الخطبة فيه فلو خطب قبله و صلى فيه لم تصح (در مختار علی الشامی ج ۱ ص ۲۵۴)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۲ / ۶ / ۱۳۹۹ ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

شامی کی ایک عبارت سے اردو میں جوازِ خطبہ پر استدلال اور اس کا جواب

آپ نے اپنے فتوے میں جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کو مکروہ تحریمی لکھا ہے اس دلیل سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روم و فارس میں صرف عربی میں خطبہ دیا حالانکہ وہ لوگ عربی نہیں جانتے تھے۔

احقر نے آپ کے فتوے کی بناء پر پیش امام صاحب کو عرض کیا کہ آپ اردو تقریر درمیان میں نہ کیا کریں۔ خطیب صاحب مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ ہیں۔ انہوں نے کتب میں مسئلہ کو تلاش کیا، بہت کوشش کی اور فرمایا کہ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار فی فقہ مذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان عن العلامة سید محمد امین المعروف بابن عابدین کے اجزء الاول کے حسب ذیل اقتباسات سے جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کا جواز ہی نہیں ملتا بلکہ تاکیہ مترشح ہوتی ہے۔ مجھے آپ کے فتوے سے پورا اتفاق ہے۔ آپ ایسی عبارات نقل فرمادیں جن سے اردو خطبہ کا مکروہ تحریمی ہونا معلوم ہوتا ہو۔

ص ۵۹۷: لو یقید الخطبة بكونها بالعربية اكتفاء بما

قدمه في باب صفة الصلوة من انها غير شرط ولو مع

القدرة على العربية عنده خلافا لهما حيث شرطاه
 الا عند العجز كالخلاف في الشروع في الصلوة —
 ص ۵۹۸ : قوله ويبدأ اي قبل الخطبة الاولى بالتعويض سواء بمعد الله
 تعالى والثناء والشهادتين والصلوة على النبي عليه السلام و
 العظة والتذكير والفتوة قال في التجنيس والثانية
 كالاولى الا انه يدعو للمسلمين مكان الوعظ —
 ص ۶۱۸ : في خطبة العيدين حيث قال ويستفاد من
 كلامه ان الخطيب اذا رأى حاجة الى معرفة بعض
 الاحكام فانه يعلمهم اياها في خطبة الجمعة خصوصا في
 زماننا لكثرة الجهل وقلة العلم فينبغي ان يعلمهم
 فيها احكام الصلوة كما لا يخفى -

الواجب
 افسوس کہ فاضل موصوف نے اتنی تکلیف گوارا نہیں فرمائی کہ علامہ
 ابن عابدین ص ۵۹۷ میں جس باب صفة الصلوة کا حوالہ دے رہے ہیں
 اسے کھول کر دیکھ لیتے۔ اس میں صراحتاً موجود ہے۔

وصح شروعه ايضا مع الكراهة التحريمية بتسبيح و
 تهليل الى قوله كما صح لو شرع بغير عربية -
 اس صحت کے ساتھ بھی کراہت تحریمی پائی جاتی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص نماز کو شروع کرتے
 وقت اللہ اکبر کی بجائے "خدا نے بزرگ است" کہہ دے تو نماز میں مشروع ہونا تو
 صحیح ہو جائے گا لیکن "مع الكراهة التحريمية" - اور آگے فرماتے ہیں۔ "شرطا عجزاً"
 صاحبین نے فارسی میں بکیر کی صحت کے لئے "عجز عن العربية" کی شرط لگائی ہے۔ یعنی
 بغير عجز عن العربية کے مشروع بالفارسی صحیح نہ ہوگا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وعلى
 هذا الخلاف الخطبة یعنی خطبہ میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب کے
 نزدیک خطبہ فارسی میں صحیح ہو جائے گا بغير عجز بھی مگر مع الكراهة التحريمية اور صاحبین
 کے نزدیک غیر عربی میں صحیح ہی نہ ہوگا الا عند العجز - خلاصہ یہ کہ اس عبارت کو جب

سابق تحقیق کے سامنے آیا جائے تو امام صاحب کے نزدیک کراہت تحریم اور صاحبین کے نزدیک عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن صاحبین کا رجوع الی مذہب الامام ثابت ہے۔ لہذا جواز خطبہ مع الکراہت التہمید عند العجز متفق علیہ ہوگا۔

دوسری اور تیسری عبارت میں کہیں بھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کی اجازت نہیں صرف تذکیر اور تعلیم احکام کا ذکر ہے تو کیا یہ تذکیر اور تعلیم عربی میں نہیں ہو سکتی؟ اگر آپ کہیں کہ لوگ عربی نہیں سمجھتے تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ عربی سیکھیں۔ نہ یہ کہ علماء خلاف حکم شرع غیر عربی میں خطبہ پڑھیں۔ پھر تو نماز بھی اردو میں ہونی چاہیے۔ قرأت قرآن بھی اردو میں ہونی چاہیے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
۸ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

تحدید فناء مصر بفرسخ راجح نیست
چہ فرمایند علماء دین و مفتیان شرع متین
دریں صورتہائے مسئلہ۔

۱۔ فناء شہراز سور البلد شمار کردہ ہے باید یا از زیادتی گردد و نواح بیرون سور بلد شروع لے شود۔

۲۔ حدود مسافت فناء چہ مقدار میدارد و فرسخ در کتب فقہ چہ مراد میدارد۔

۳۔ مقدار فناء شہر مسلمانان چند بیوت پانزدہ و شانزدہ سختہ و خام بنا کردہ مقیم اند۔ یا محض مسجد شریف مع چند حجرہ برائے رہائش طلبا است اگر چند مسلمانان آنجا و گرد و نواح او جمع آیند نماز جمعہ ادا نمایند ادا خواهد شد یا نہ؟

وفی الدر المختار علی الشامی ویشترط لصحتها

المصر او فناءه وهو ما حوله اتصل به اولاً

کما حرره ابن کمال او غیره لاجل مصالحہ کدفن الموقر و رکض الخیل اه۔ وفی الشامیہ التعریف احسن من التحدید لانه لا یوجد ذالک فی کل مصر

الجواب

وانما هو بحسب كبر المصرو و صغره الى ان قال فالقول
 بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما
 صدق عليه بانه المعد لمصالح المصرف قد نصت
 الاثمة على ان الفناء ما عد لدفن الموتى و
 حوائج المصركو كض الخيل و الدواب و جمع المساكن
 والخروج للرحى وغير ذلك (ج ۱ - ص ۵۳) -

حاصل عبارت مذکورہ بالا این است کہ تحدید کردن فناء بفرسخ یا بفرسخین یا میل
 و میلین درست نیست زیرا کہ فناء بلحاظ خوردنی و کلانی شهر مختلف میشود۔ پس تعریف راجح
 است از تحدید بفرسخ و غیرہ و تعریف فناء متفق علیہ این است۔ بر آن مقام کہ مستقل
 آبادی نیست بلکہ از توابع مصراست و بنا بر او برائے حوائج اہل بلد است۔ مثلاً مردمان
 در آنجا برائے تیراندازی جمع مے شوند یا مقابر مسلمین در آنجا پیوستہ اند یا عساکر مسلمین
 در آنجا بود و باش میدارند آن فناء مصراست۔ بعد ازین تفصیل حاصل جواب این است
 کہ فناء شهر از سوز البلد و محلات و مکانات بلد شروع شدہ تا آن وقت منتهی شود
 کہ برائے حوائج اہل بلد از اقسام مذکورہ بالا تیار کردہ شدہ است۔ اگرچہ از چند فرسخ
 متجاوز ہم گردد۔ اعتماد مصراع است نہ کہ مسافت۔ اما این سوال کہ مکانات پانزدہ
 یا شانزدہ پنختہ و خام کہ بنا شدہ است اگر در حد و فناء واقع ہستند و تعریف
 فناء بر آنها صادق آید در آن اقامت جمعہ جائز باشد ورنہ نہ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ : ۲۰ / ۱ / ۱۳۷۰ھ

اجواب صواب و حق و الحق اسحق ان یبوع ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ، مہتمم خیر المدارس بلتان



خطبہ جمعہ میں کفار کیلئے دعائے کفرنا کیسا ہے
 خطبہ جمعہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیہ
 کلمات کہنا اور کفار کے لئے بدعا

کفرنا کیسا ہے ؟

الجواب خطبہ ثانیہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیں کلمات کہنا مستحب ہے۔
قال فی التجنیس والثانیة کالاولی الا انہ

یدعو للمسلمین مکان الوعظ ۱۵ (شامی: ج ۱۔ ص ۵۹)۔

فی نفسہ کفار و مشرکین پر لعنت کرنا جائز ہے چنانچہ بعض مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ لیکن جب خطبہ ہونے کی حیثیت سے اس کا استحباب منقول نہیں لہذا عام حالات میں ترک النسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۵ / ۲ / ۱۳۹۶ ھ

عورتوں کا جمعیتے آنا درست نہیں
مسجد کے ساتھ ملحقہ جگہ میں عورتوں کے لئے نماز کی جگہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ نیز

ان کی جمعہ میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ملحقہ مسجد میں نماز کے لئے جگہ بنانا درست ہے لیکن عورتوں کا جمعہ کے لئے آنا پسندیدہ نہیں۔ بالخصوص اس زمانہ میں مفساد کا بہت اندیشہ

ہے۔ ویکرہ حضورہن الجماعۃ ولو لجمعة وعید و وعظ مطلقا۔ ۱۵ (در مختار

علی الشامیہ: ج ۱: ص ۵۲۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۵ / ۴ / ۹۴ ھ

بیع و شراہ جمعہ کی کونسی اذان کے بعد حرام ہے
سوال: بیع و شراہ جمعہ کی کونسی اذان کے بعد حرام ہے؟

پہلی اذان کے بعد بیع و شراہ حرام ہے۔ ووجب السعی الیہا و

ترك البیع بالاذان الاول فی الاصح ۱۵ (در مختار علی الشامیہ

ج ۱: ص ۴۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۱ / ۵ / ۱۳۹۶ ھ

جمعہ کی اذانِ ثانی کہاں دیکھ لے جمعہ میں جو اذانِ خطبہ کے وقت دی جاتی ہے اس اذان کی جگہ کون سی ہونی چاہئے۔ دوسری یا تیسری

یا آخری صف میں کھڑے ہو کر دی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب نوزن کو صفِ اول میں خطیب کے آگے اذان کہنا سنت ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویؤذن ثانیاً بین یدیه ای الخطیب اھ ای

علی سبیل السنیۃ اھ۔ (شامی ج ۱ : ص ۵۷۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ غفرلہ؛ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۵/۷۷ھ



جمعہ میں کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے ریڈیو میں تبلا یا گیا ہے کہ جمعۃ المبارک میں تیس آدمی ہوں تو جمعہ ادا ہوگا

اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب آپ کو سننے میں اشتباہ ہو گیا ہے۔ جمعہ ادا کرنے کے لئے امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ والسادس للجماعة و اقلها ثلاثہ رجال

سوی الامام۔ اھ درمختار علی الشامیۃ ج ۱ : ص ۷۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ۲۳ شوال ۱۴۰۳ھ



جمعہ کیلئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہم فائزر بگٹیڈ میں ملازم ہیں وہ جگہ ہے تو شہر میں مگر وہاں مسجد نہیں ہے ڈیوٹی کے دوران تو جو نمازیں آتی ہیں وہ تو عجات

کے ساتھ ادا کر لیتے ہیں مگر دوسری رہ جاتی ہیں۔ ایسے ہی جمعہ کے لئے بھی وقت ہوتی ہے کہ اس وقت ڈیوٹی ہوتی ہے اور حاضر رہنا پڑتا ہے اس صورت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے ؟

الجواب کوشش تو یہی کریں کہ جمعہ مسجد میں آکر پڑھیں۔ اذانِ جمعہ کے بعد وضو وغیرہ کر کے سنتیں پڑھ کے تیار بیٹھے رہا کریں اور وہاں سے ایسے وقت چلیں کہ خطبہ شروع

ہونے والا ہو۔ خطبہ اور فرض میں شرکت کے بعد واپس آجائیں اور سنتیں اپنی جگہ پر پہنچ کر پڑھ لیں اگر اس میں کبھی دشواری ہو تو دیگر نمازوں کی طرح جمعہ کا بھی وہیں بند و بست کر لیں جمعہ درست ہو جائے گا۔

کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں۔ وتودی۔ فی مصر واحد بمواضع كثيرة
مطلقاً علی المذہب وعلی الفتوی۔ ۱ھ (در مختار علی الشامیة۔ ج ۱۱ ص ۵۶۵)۔

فقط واللہ اعلم
 الجواب صحیح
 بندہ عبدستار عفا اللہ عنہ رئیس الاقنار
 محمد النور عفا اللہ عنہ
 مفتی خیر المدارس ملتان

عدم جواز جمعہ فی القرنی کے بارے میں مجوزین کے شبہات اور انکی مسکت جواب

سوال ۱ : بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت " فاسعوا الی ذکر اللہ الایة
سے ثابت ہو رہی ہے اور اس آیت کے حکم سے جب نماز جمعہ ہر جگہ فرض ہے تو اب چھوٹے گاؤں
والے فقہار کے قول سے اپنی بستی میں اگر جمعہ نہ پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اور بموجب حکم
احادیث ان کے قلوب پر مہر لگانی جائے گی۔ اب عرض یہ ہے کہ واقعی اس آیت سے ہر جگہ جمعہ
پڑھنے کا جواز نکلتا ہے یا نہ ؟ اور آیت کریمہ کے حکم کے موجب چھوٹے گاؤں والے جمعہ کے چھوڑنے
پر حنفی مذہب کے مطابق گنہگار اور آیت کے مخالف ہوں گے یا نہ ؟ یا اس آیت کا مصداق ہر قروی
شہری اور گاؤں والے ہیں۔ حنفی مذہب کی اس بارہ میں کیا تحقیق ہے ؟

آیت مذکورہ بالا جماع عام مخصوص منہ البعض ہے۔ کیونکہ جنگلات اور ایسی
آبادیوں میں جن کے باشندے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں
اتفاقاً جمعہ جائز نہیں۔ تو آیت شریفہ میں عموم امکانہ کا مراد ہونا منتفی ہو گیا۔ پس وجوب جمعہ مخصوص مقامات
پر ہو گا۔ جس کی تعیین حنفیہ نے " حدیث علی رضہ " سے کی ہے جو کہ مرفوع حکمی ہے۔ پس آیت مذکورہ
سے ہر مقام پر فرضیت جمعہ ثابت نہ ہوگی۔ لہذا احناف ترک جمعہ فی القرنی کی وجہ سے گنہگار نہیں۔
آیت کا خطاب صرف اہل مصر کو ہے۔ نیز آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر اذان جمعہ ہو اذان
سننے ہی ذکر اللہ کی طرف سعی کرو۔ لیکن محل اذان جمعہ کی تعیین سے آیت ساکت ہے کہ کس مقام

پر دیجائی اور کس مقام پر نہیں۔ پس آیت مذکورہ سے جمیع ممکنہ میں وجوبِ جمعہ پر استدل کرنا غلط ہے۔

سوال ۷ : بخاری شریف کی اس حدیث شریف سے (ج ۱ : ص ۵۵۹، ۵۶۰) معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعد از ہجرت قبا میں جملہ چودہ دن مع رات سکونت فرمائی تھی پھر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ

عن انس بن مالك قال لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم
المدينة نزل في علو المدينة في حي يقال له بنو عمرو بن
عوف فاقام فيهم اربع عشرة ليلة - الحديث

اور اہل سیر لکھتے ہیں کہ آپ کا قیام وہاں صرف چار دن (دوشنبہ سے پنج شنبہ تک) رہا۔ اور بروز جمعہ وہاں سے آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور قبیلہ بنو سالم میں پہنچے نماز جمعہ کا وقت ہوا۔ اور وہاں چار آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ اور اشعة اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ : ج ۱ : ص ۵۶۶ - میں جناب مولانا عبدالحق راقم ہیں۔

» کہ چہ اول جمعہ کہ گزارده بعد از قدم بدمینہ بود۔

بکذا کتاب مبسوط ج ۱۱ ص ۱۴ - پر یوں ہے۔

ولهذا جهر في الجمعة والعیدین الى قوله بها قوة الاذی۔

اب عرض یہ ہے کہ مبسوط و اشعة اللمعات دونوں معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جمعہ اول بعد از ہجرت مدینہ میں پڑھا اور اس سے پہلے کہیں جمعہ نہیں پڑھا۔ اور اہل سیر کی روایت اس کے خلاف ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جمعہ قبا میں پڑھا۔ اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایات و عبارات میں سے کون سی مستند اور قابل و فائق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کہاں جمعہ پڑھا۔ قبا میں یا بنو سالم میں یا مدینہ میں جا کر جمعہ پڑھا۔ اور مذکورہ عبارات سے کون سی عبارت حق ہے ؟ اور حضرات علماء کرام دیوبندی مذکورہ بالا روایت بخاری میں سے ثابت کر کے اپنی تصنیفات میں یوں راقم ہیں۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب "ادق القرنی" اور حضرت شیخ البند "احسن القرنی" میں لکھ گئے ہیں کہ جناب حضور اکرم ﷺ نے قبا میں دو ہفتہ سکونت فرمائی اور وہاں آپ کو دو جمعہ پیش آئے تھے مگر آپ نے وہاں دونوں جمعہ نہیں پڑھے۔ ان کا یہ لکھنا اور

فرمانا مذکورہ بالا حدیث بخاری سے استدلال لینا صحیح ہے یا نہ ؟ اگر ان کا یہ فرمان صحیح ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ انہوں نے مذکورہ حدیث سے یہ مضمون کیسے لیا ہے ؟ اور مذکورہ بالا روایت کے کون سے الفاظ اس مضمون پر دال ہیں کیونکہ اس روایت میں تو صرف عدد ایام کا ذکر ہے باقی مضمون زیادہ روایت سے معلوم نہیں ہوتا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ بنو سالم میں ادا فرمایا ہے ۔ بنو سالم مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہے (بستی نہیں) اس پر محدثین اور اہل سیر کا اتفاق ہے

جب بنو سالم مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہی ہے تو اشعة اللمعات ، مبسوط ، اہل سیر کی عبارتوں میں کوئی اختلاف نہ رہا ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبائلیں جمعہ پڑھنا ثابت نہیں ۔ (ومن ادعی فعلیہ البیان) اکابر دیوبند نے بخاری شریف کی حدیث (فاتحہ فیہم اربع عشرة لیلۃ) سے بھی استدلال کیا ہے ۔ کہ جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی اور بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں چودہ روز قیام کیا جس میں ایک جمعہ یقیناً آیا ہوگا لیکن قبا میں جمعہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں ۔ بلکہ اس کے برخلاف اہل سیر کا اتفاق اس امر پر موجود ہے کہ پہلا جمعہ مدینہ منورہ (اس کے محلہ بنی سالم) میں پڑھا گیا ہے ۔ پس اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قبا میں جیسی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں ۔ بلکہ اس کی صحت کے لئے شہر کا ہونا ضروری ہے ۔ ورنہ قبا میں ترک جمعہ کی نوبت نہ آتی ۔

سوال ۳ : غیر مقلدین نے اس حدیث (لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث) پر تبصرہ کیا ہے اور اس کے انہوں نے پندرہ جواب دیئے ہیں ۔ اول جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ سے عند المتقدمین ثابت نہیں ۔ اور اس کی سند ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے ۔ البتہ موقوفاً اس کو بعض لوگ صحیح کہتے ہیں ۔ اب عرض یہ ہے کہ ان کا یہ جواب صحیح ہے یا نہ ؟ اگر ان کا یہ جواب صحیح ہے تو پھر ان کے جواب کا کون سا جواب ہے ۔ ؟

روایت بالا موقوفاً قطعاً صحیح ہے اور غیر مدرك بالبرائی ہے ۔ لہذا حکماً مرفوع ہوتی ۔ پس بلاشبہ قابل احتجاج ہوگی

وفی سنیۃ الفاری ج ۱ ص ۱۳۲ : فان قلت قال النووی حدیث علی متفق علی ضعفه و هو موقوف علیہ بسند ضعیف منقطع قلت كانہ لو یطع الا علی الاشر الذی فیہ الحجاج

بن ارساۃ ولم یطلع علی طریق حبیر عن منصور فانہ سند صحیح ولو اطلع لم یقل بما قالہ و اما قوله متفق علی ضعفہ فزیادۃ من عنده ولا یدری من سلفہ من ذالک (بحوالہ اعداء السنن)۔

علاوہ ازیں امام البوزیدہ دبو سی نے "اسرار" میں نقل کیا ہے کہ۔ ان محمد بن الحسن قال رواہ مرفوعاً معاذ وسراۃ بن مالک رضی اللہ عنہما۔
تو امام محمد رحمہ اللہ میں ان کا قول رفع حدیث کے بارے میں حجت بن سکتا ہے۔ نیز امام خواہر زادہ نے مبسوط میں فرمایا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امالی میں حدیث ہذا کو مرفوعاً سنداً بیان کیا ہے پس ہر تقدیر حدیث علی رحمہ اللہ قابل احتجاج ہے اور غیر مقلدین کا اسے ضعیف قرار دینا جہالت ہے۔

سوال ۲: غیر معتدین مذکورہ بالا حدیث کا ثانی جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث طبقہ ثالثہ سے ہے جو قرآن اور دیگر احادیث کے معارض نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ طبقہ اولیٰ و ثانیہ کی حدیثیں ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "عجالة نافعہ" میں لکھا ہے کہ "و کتب انہا در شہرت و قبول در طبقہ اولیٰ و ثانیہ نرسیدہ"
یعنی طبقہ ثالثہ کی کتب مشہوری اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ و ثانیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں نیز یہ لکھا ہے کہ

"اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نہ شدہ اند بلکہ اجماع بخلاف آں منوقد گشتہ"
(ترجمہ ظاہر ہے)۔ یہ قول ہمارے دلائل قطعہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کا جواب فرمائیے۔

روایت بالا حدیث علیٰ رضی اللہ عنہم قرآن یا دیگر احادیث کے خلاف ہی نہیں کہ معارضہ کا سوال پیدا ہو۔ شاہ صاحب کی عبارت کا مطلب اور صاف ترجمہ یہ ہے کہ طبقہ ثالثہ کی کتب شہرت اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کو نہیں پہنچتیں تو اس سے اور اسی طرح حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی دوسری عبارت سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کتب کی تمام احادیث مردود ہیں۔ اور ان کتب کی کسی حدیث سے احتجاج کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ اس

کی سند صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ خوب سمجھنے کے احتجاج کا مدار، صحتِ سند اور دیگر شرائطِ معتبرہ
عندالمحدثین پر ہے۔ خواہ کسی کتاب میں ہو۔ لہذا حدیثِ علیؑ کو صحتِ سند کے باوجود صرف اس
وجہ سے ناقابلِ اعتبار اور ساقط قرار دینا محض جہل اور ناانصافی ہے۔

سوال ۵ : غیر مقلدین کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک جریرِ راوی وارد ہے
جس کو اخیر وقت میں وہم ہو گیا تھا۔ اب یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ روایت انہوں نے کس حالت میں
بیان کی ہے۔ احتمال ہے کہ بعد از وہم بیان کی ہو۔ تو پھر یہ درست نہیں۔ نیز اس سند میں طلحہ
راوی ہے جس کی تصریح نہیں کہ کون ہے۔ کیونکہ بعض ثقہ اور صدوق ہیں اور بعض وہمی اور مجہول
ہیں۔ جواب فرمائیے !

الجواب حدیثِ علیؑ موقوفاً بلاشبہ صحیح اور قابلِ استناد ہے جیسا کہ محققین
واہل فن نے اس کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ علامہ عینیؒ کی تصحیح عمدۃ القاری
سے ہم جواب نمبر ۳ میں نقل کر چکے ہیں کہ طریقِ جریر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "فانہ سند صحیح"
اور حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے "درایمہ" میں فرمایا ہے کہ "اسنادہ صحیح"
یہ حدیث مذکور کی دوسری سند کے بارے میں ہے جس کی سند یہ ہے۔

رواہ عبد الوزاق فی مصنفہ عن الثوری عن زبید الایالی عن
سعید بن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمن السلی عن علی
قال لا جمعة الخ

یعنی اس سند میں جریر اور طلحہ بھی نہیں جن کے بارے میں معترض کو تشویش ہے اور
حافظ الدنیا اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔ نیز علامہ ابن حزمؒ نے بھی "محلّی" ج ۱ ص ۵۳
میں حدیثِ ہذا کو صحیح تسلیم کیا۔

هذا نصہ فقد صح عن علیؑ لا جمعة ولا تشریق الخ
پس محققین کا حدیثِ مذکور کو صحیح تسلیم کرنا ہمارے لئے محبت ہے۔ اب اگر معترض کو طلحہ
کی تعیین کے بارے میں خلجان ہو رہا ہے تو محض تعصب کی بنا پر ہے۔ ان اعلام نے رواۃ کی
معرفت اور پوری تحقیق و تفتیش کے بعد تصحیح فرمائی ہے۔

سوال ۶ : حدیثِ بالا کا چوتھا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ قول آیت اور احادیثِ مرفوعہ

کے خلاف ہے جب قول صحابی حدیث کے خلاف ہو تو متروک ہوتا ہے۔ ”فتح القدیر“ میں ہے کہ قول صحابی اس وقت لیا جاتا ہے کہ جب خلاف حدیث نہ ہو۔

یہ حدیث علی رضی آیت اور احادیث مرفوعہ کے ہرگز خلاف نہیں ہے کما بینا۔
الجواب دمن ادعی فعلیہ البیان۔ خط کشیدہ احادیث مرفوعہ کا مطالبہ غیر مقلدین سے ہونا چاہئے نہ کہ ہم سے۔

سوال ۷ : حدیث مذکورہ کا پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ قول متروک الظاہر ہے۔ کیونکہ لفظ نفی جمعہ کی ہے حالانکہ مراد نماز ہے۔

جب حدیث علی رضی میں بالاجماع قطعی طور پر نماز جمعہ ہی مراد ہے۔ اور یوم جمعہ کی لفظ کا تصور ممکن نہیں تو اس حدیث کے متروک الظاہر ہونے سے مسئلے پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔
الجواب

سوال ۸ : غیر مقلدین اس مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر ۶ یہ دیتے ہیں کہ جمعہ فرض ہے عین ہے جس کا ثبوت قطعی ہے۔ اور شہر کی شرط اس قول سے ثابت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ ظنی ہے اور دلیل ظنی سے فرض کی شرط ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ شرط الفرض لا یحکون الا فرضاً اصول مسلمہ ہے۔ آھ براہ کرم اس کا مسکت جواب لکھیں۔

آیت شریفہ اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الخ بالاجماع مخصوص عنہ البعض ہے۔ پس اس اعتبار سے اس میں ظنیت آگئی۔ اب خبر واحد (حدیث علی لاجمعة الخ) سے اس کی تخصیص درست ہوئی۔ جیسا کہ پہلے استفسار کے جواب میں قدرے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔
الجواب

سوال ۹ : غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر ۷ یہ دیتے ہیں کہ ”قول علی لاجمعة“ جو وارد ہے اس کی تائید میں نبی علیہ السلام کی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ جمعہ کی فرضیت تمام مسلمانوں کے لئے احادیث نبویہ میں بکثرت وارد ہے ۱۱۔ جواب محقق لکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے قول کی مؤیدات میں جو روایات ہوں وہ بھی لکھیں۔

الجواب حدیث « لا جمعة الا » خود مرفوع حکمی ہے۔ گویا کہ خود فرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے پس تائید کی کیا حاجت ہے؟ کیا ایک حدیث کا قابل عمل ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ کوئی دوسری حدیث بھی اس کی مؤید ہو۔ اگر نہیں تو اس حدیث « لا جمعة » میں خصوصیت کیا ہے؟ علاوہ ازیں چند احادیث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن سے حدیث مذکور کی تائید بھی ہوتی ہے۔

۱ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں جمعہ ادا نہیں فرمایا۔ حالانکہ آپ نے وہاں چودہ روز قیام فرمایا۔ (کما مر عن صحیح البخاری) اور مدینہ منورہ میں تشریف لاکر جمعہ ادا فرمایا۔

۲ : باوجودیکہ مدینہ منورہ کے اردگرد دور دور تک اسلام پھیل چکا تھا لیکن کسی جگہ مدینہ کے علاوہ جمعہ ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک مدت کے بعد « جوائی » میں جمعہ قائم کیا گیا۔

۳ : جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ممالک کو فتح کیا تو صرف شہروں ہی میں جمعہ کی ادائیگی کا انتظام کیا گیا۔ کما صرح بہ غیر واحد۔

سوال ۱۱۱ : غیر مقلدین مذکورہ حدیث کا جواب منبراً یہ دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حکم سیاسی تھا شرعی نہ تھا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بغاوت اور فسادات شروع تھے انہوں نے جمعہ اور عید کا حکم شہروں میں کر دیا تاکہ خطبوں میں کوئی باغیانہ تقریر نہ کر سکے۔ اھ

اس کا جواب مفصل لکھنے کے علاوہ یہ بھی بتایا جائے کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں یہ حکم شہروں کے لئے کیا تھا یا اپنی خلافت سے پہلے فرمایا تھا۔ عبارات سے مدلل کریں۔

الجواب بقول غیر مقلدین اگر وہیات میں جمعہ فرض تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خلیفہ راشد سیاسی مصالحت کی بنا پر ایک فرض قطعی کی ادائیگی کو ممنوع قرار دے دے

حاشا و کلا یہ تو ایک فاسق و فاجر حاکم اور بادشاہ بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ حضرت علی کریم اللہ وجہہ اور کیا خیر القیوموں میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اس کثرت کے باوجود اس امر شیع کے وقوع کا امکان بھی ہے؟ ہرگز نہ ہرگز نہیں۔ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان کے اس کمزور درجے تک پہنچ چکے تھے کہ لغو وبال اللہ حضرت علی کریم اللہ وجہہ فراتض میں قطع و برید کریں اور کوئی

نیکر نہ کرے۔ الحاصل یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت علی کریم اللہ وجہہ کا یہ فرمان سیاسی مصلحت پر مبنی تھا۔

سوال ۱۱ : غیر مقلدین اس حدیث کے متعلق جواب نمبر ۹ یہ دیتے ہیں کہ پھر یہ قولے حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے۔ بایں طور کہ "ردالمحتار" ج ۲ : ص ۵۲۷ میں ہے کہ۔ جب امام کے حکم سے گاؤں میں مسجد بنائی جائے تو تمام فقہاء کے نزدیک وہاں جمعہ درست ہے۔ اب یہ دلیل بے کار ہوئی اور شہر کی شرط نہ رہی اھ اس کا محقق جواب عنایت فرمائیں۔

جذنیہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ امام اگر کسی بستی کو مصر قرار دے دے تو یہ بستی حکماً مصر بن جائے گی اور اس میں ادائیگی جمعہ درست ہوگی۔ تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ مصر کی شرط باطل ہے۔ عجیب فہم ہے خدا ہدایت فرمائے۔ نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اختلافی مسائل میں حاکم کا فیصلہ قطع اختلاف کا موجب ہے۔ تو حاکم نے جب بستی میں جمعہ پڑھنے کا حکم کیا تو یہ واجب العمل ہوگا۔ کہانی الشامیہ : ج ۲ : ص ۷۲۸۔

سوال ۱۲ : غیر مقلدین جواب نمبر ۱۰ یہ دیتے ہیں کہ عینی مشرح بخاری : ص ۲۶۱ میں ہے کہ اگر خلیفہ اسلام کسی گاؤں میں اپنا نائب بھیج دے کہ وہ حدود و قصاص جاری کرے تو وہ گاؤں شہر ہو جائے گا۔ جس میں جمعہ جائز ہوگا۔ جب نائب کو معزول کر دے گا تو وہ گاؤں بن جائے گا۔ پس اہل امام اور اس کے نائب ہونے کے سبب سے جمعہ ہوتا ہے شہر کی شرط لغو ہے۔ اھ ان کے اس جواب کا جواب الجواب بالتحقیق اور مسکت عنایت فرمائیں۔

بشرط صحت نقل جزئیہ مذاکا بھی ہی جواب ہے جو اس سے پہلے میں مذکور ہو چکا ہے کہ خلیفہ کا کسی گاؤں میں حدود و قصاص کے اجراء کے لئے اپنے نائب کو بھیجا حکماً اسے مصر قرار دے دینا ہے۔ پس اس گاؤں میں جمعہ بلاشبہ جائز ہوگا۔ کیوں کہ صحت جمعہ کی شرط (یعنی محل اقامت جمعہ کا مصر ہونا) یہاں مستحق ہے اگرچہ حکماً ہے۔

سوال ۱۳ : غیر مقلدین حدیث مذکور کے متعلق جواب نمبر ۱۱ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں مصر جامع کی شرط ہے۔ مصر جامع کی تعریف مشتبہ ہے اس میں اس قدر اختلاف ہے کہ شاید ہی کسی مسئلہ میں ہوگا۔ قریب تیس اقوال کے درج ہیں جو سب متضاد ہیں۔ بعض تعریف ایسی ہیں کہ ان کی رو سے کلکتہ، بمبئی، دیوبند، سہارنپور، کراچی، لاہور، حیدرآباد، ملتان وغیرہ میں بھی

جمعہ جائزہ نہیں رہے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ مصر وہ ہے جہاں امام اور والی ملک ہو جو حکام شرعیہ نافذ کرے۔ اور حدہ قائم کرے۔ کیا خوب شرط ہے۔ گویا اس دن جامع مسجد میں مجرم کو جمع ہوں گے جن پر مقدمات چلانے جائیں گے اور خطبہ میں فیصلے سنائے جائیں گے۔ بہر حال یہ شرط مفقود ہے۔ تو ہدایہ والے کے نزدیک جمعہ ہندو پاک میں ناجائز ہے۔ اور کم درجہ کی یہ تعریف ہے کہ جہاں تیس گھر آباد ہوں۔ دیکھو ہدایہ مع الکفایہ، فتح القدر، عمدۃ الرعایہ، کبیری شرح منیۃ المصلی، ان میں سب تعریفیں درج ہیں۔ اس آخری تعریف کی رو سے ہرستی میں جمعہ جائز ہو جائے گا کیونکہ اکثر دیہات کی آبادی تیس گھر یا اس سے نامذہ ہے۔ "الاقلیل والقلیل کا محدود" اس تعریف کو حنفی تو حقیقہ تصور کرتے ہیں۔ اور اس پر تمام ائمہ مذاہب متفق ہو سکتے ہیں ورنہ اختلاف رفع نہ ہو گا۔ ہمیشہ اس فرض الہی پر لوگ لڑتے جھگڑتے رہیں گے جن کا فیصلہ کوئی نہ کر سکے گا تو پھر یہ پیشین گوئی بھی سچی ہو جانے کی جو حدیث میں ہے کہ تظہر الفتن حتی یختلف اثنان فی فریضۃ لا یجدان احدا یفصل بینہما۔ تو یہ اختلاف ایسا ہے کہ جمعہ فرض عین بالاجماع ہے مگر یہ کہاں ادا کیا جائے گا، اس کا فیصلہ کرنے والا کوئی ثالث نہیں خواہ عرب ہو یا عجم، منصف نایاب۔ کیونکہ اختلاف ہر ملک میں قائم ہے۔ اگر شارع کا مقصد شہر میں جمعہ کا تسر کرنا ہوتا تو شرعی طہر پر اس کی تعریف کی جاتی مگر کسی حدیث یا قول میں اس کی تعریف وارد نہیں۔ لہذا یہ شرط بے کار ہے۔ میرے جناب عالی مہربانی فرما کر غیر مقلدین کی اس مذکورہ بالا بجواس کا مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

مصر کے معنی لغت اور عرف عام میں شہر کے ہیں۔ اور شہر، گاؤں کا فرق اور ان کے مصداق کا باہمی تفاوت ایک ایسی بدیہی چیز ہے جسے عوام و خواص

الجواب

عالم، جاہل، بچے، بوڑھے سب جانتے ہیں۔ چنانچہ سفیان ثوری رحمہ فرماتے ہیں۔

المصر الجامع ما یعدہ الناس العصر عند ذکر الامصار

المطلقة کبخارا و سمرقند الخ (عمدۃ الرعایہ ج ۱ - ص ۲۴)

شرح وقایہ)۔

تو ایسی بدیہی چیز کے بارے میں معترض مذکور کا یہ کہنا کہ اس کی تعیین اور اس کا فیصلہ کرنے والا نہ عرب میں مل سکتا ہے نہ عجم میں محض بہبودہ اور لغو ہے۔ رہ گیا مصر کی تعریفات

کا تعدد اور اختلافات۔ سو ہمیں یہ کچھ مضر نہیں۔ اولاً اس وجہ سے کہ صاحب مذہب ابوحنیفہؒ سے صرف ایک ہی تعریف منقول ہے اگرچہ بعض الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ وہ تعریف یہ ہے۔

انه بلدة كريمة فيها سكت و اسواق ولها رساتيق وفيها
وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه
او علم غيره يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا
هو الاصح الخ نقله الشافعي عن التحفة ج ۱ - ص ۲۸

یہی ظاہر مذہب ہے۔

وبه اخذ ابو يوسف واختاره الكرخي و القدوري وعليه اكثر

الفقهاء الخ هكذا في الطحطاوي ص ۲۹ :

صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی تعریف کو مختصراً نقل کیا ہے۔ باقی تعریفات مصر اقوال مشائخ
ہیں۔ اگر تعریف مذکور کی طرف راجع نہ ہوگی تو بمقابلہ قول صاحب مذہب مرحوم قرار پائیں گی
پس تعدد و اختلاف مضر نہیں۔

ثانیاً۔ اس وجہ سے کہ اکثر تعریفات کے اختلاف کی حیثیت محض عنوان اور تعبیر کے اختلاف
کی سی ہے۔ درجہ معنون میں کوئی اختلاف نہیں پس تعدد مضر نہیں۔ صاحب ہدایہ کی تعریف
پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کا منشا جہالت اور تعصب ہے۔ کیونکہ تنفیذ احکام سے مراد
بالفعل تنفیذ نہیں بلکہ قدرت علی التنفیذ ہے۔ کما فی الطحطاوی والشامی وغیر ذالک۔ پس یہ اعتراض
ساقط ہے۔ اور جو تعریف ہم نے نقل کی ہے اس میں ” یقدر ” کی تصریح ہے۔ پس تعریف
مصر میں کوئی اشکال نہیں۔ معترض کا اعتراض محض تعصب اور جہالت پر مبنی ہے۔

سوال ۱۱۱ : غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر ۱۲ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں نماز عید
پڑھنے کی بھی نفی ہے۔ حالانکہ وہ شعار اسلام ہے جو دیہات کے مسلمانوں کے لئے بھی قائم
ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔ ج ۱ ص ۱۳۲

ومن كان في البيوت والقرى لقول النبي صلى الله عليه وسلم

لهذا عيدنا يا اهل الاسلام -

اور ایک باب یوں منعقد کیا ہے۔ باب العید لاهل الاسلام۔ اسی کے ماتحت یہ حدیث مذکور ہے۔ ”یا ابا بکر ان لکل قوم عیداً و هذا عیدنا“ پھر لکھا ہے ”باب اذا فاتت العید“ میں کہ انس بن مالک نے اپنے غلام ابنہ ابی عتبہ کو حکم دیا کہ تراویہ میں کہ سب گھر والوں کو اور ان کی اولاد کو جمع کر۔ اس نے جمع کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھی اور اسی طرح تبکیر میں کہیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا دیہات والے عید کے دن جمع ہوں اور شہر والوں کی طرح نماز عید پڑھیں جیسے امام پڑھتے حضرت عطار نے کہا کہ اگر عید فوت ہو جائے تو دو رکعت پڑھ لیں۔ یہ فتوے حنفیہ کا کہ جو شرط اور حکم جمعہ کا ہے وہی عید کا ہے یہ غلط ہے۔ جمعہ کی قضا نہیں اور وہ بغیر جماعت کے جائز نہیں۔ لیکن عید کی نماز صحرا میں جائز ہے اور اس کی قضا رہے اور وہ اکیلے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ فتدبر!

جناب عالی! بہرانی فرما کر اس جواب نمبر ۱۲ پر بھی غور فرما کر اس کے ہر ایک فقرہ کا بھی محقق اور مسکت جواب دیں۔

احناف عید اور جمعہ کے مماثل کلی اور تمام شرائط کے اتحاد کے قائل نہیں۔ مثلاً عید اور جمعہ ہر دو کا وقت الگ الگ ہے۔ خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے۔

تو کہ عید کے لئے۔ ہاں مصر جامع کا ہونا عید و جمعہ ہر دو کے لئے شرط ہے۔ دلیل اس کی وہی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کی قبل ازیں تحقیق ہو چکی اور مطلوب اس میں مصرح ہے سابقہ جوابات میں یہ بتلایا گیا کہ ”حدیث لاجمعة“ مرفوع حکمی ہے۔ تو اس کے منطوق اور عبارت النص کے مقابلہ میں لہذا عیدنا یا اهل الاسلام یا نیر یا ابا بکر ان لکل قوم عیداً اللہ سے وجوب عید فی القرنی کا استنباط اور اجتہاد قابل قبول نہیں۔ کیونکہ یہ اجتہاد نہایت کمزور ہے۔ عید کی اصناف قوم کی طرف سے عید کا وجوب قوم پر مجموعی حیثیت سے تو کسی درجہ میں مفہوم ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر فرد پر وجوب عید یہ اس سے ہرگز نہیں نکلتا۔ نیز حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے قول کو بھی حدیث صریح مرفوع حکمی کے مقابلہ میں قابلے اسناد نہیں گردانا جائے گا۔ لظہور متوجیح المرفوع علی الاثر المقتطوع اور حضرت عطار کا فرمانا مانحن فیہ سے خارج ہے۔ کما ہو الظاہر۔ رہا حضرت

انس رضی اللہ عنہ کا زاویہ میں عمید پڑھنا۔ سو اولاً تو یہ مفید و خوب نہیں۔ ممکن ہے بطور نفل عمید کے طریقہ پر ویسے دو رکعت ادا کی ہوں۔ جیسا کہ بعض سلف فانت العید یا عاجز کے لئے دو رکعت یا چار رکعت کے استحباب کے قائل ہیں۔ جیسا کہ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو ابھی بھی گزرا ہے۔

ثانیاً: یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فعل موافق قیاس اور مدرک بالرائی سے تو یہ یہ موقوف ہے۔ اور حدیث علی رضی اللہ عنہ مدرک بالرائی نہیں وہ حکماً مرفوع ہے۔ پس بوقت تعارض ترجیح مرفوع حکمی ہی کو ہوگی۔ پس اس پوری تفصیل سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ عمید کے لئے بھی مصر جامع کا ہونا ضروری ہے۔

سوال ۵۱: غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر ۱۳ یہ دیتے ہیں کہ اس قول "لاجمعة" میں جیسے جمعہ کی لفظی ہے ایسے ہی قربانی کی بھی لفظی ہے حالانکہ قربانی سب دیہاتی حنفی کہہ رہے ہیں۔ قربانی کی لفظی دو طرح سے ہے ایک یہ کہ تشریق کا معنی دھوپ میں گوشت سکھانا۔ چونکہ مسلمان چند دنوں میں قربانی کے جانوروں کا گوشت دھوپ میں خشک کرتے ہیں۔ اس لئے عمید کو بھی تشریق کہتے ہیں اور قربانی کو بھی تشریق کہتے ہیں۔ اور تشریق میں دونوں کی لفظی ہے۔ اگر تشریق سے مراد نماز عمید ہے تب بھی قربانی کی لفظی ہے۔ کیونکہ قربانی نماز عمید کے تابع ہے۔ نماز پڑھے بغیر قربانی کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

ان اول ما نبدأ من یومنا هذا ان نصلی ثم نوجع فنحمر

فمن فعل ذلك فقد اصاب سنتنا۔ (بخاری)

دوسری حدیث، بخاری کتاب العید میں ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ذبح قبل الصلوة فلیعد۔

اس سے ظاہر ہے کہ قربانی نماز کے تابع ہے بلکہ نماز عمید پڑھے بغیر کھانا بھی نہ کھاتے۔ حدیث میں بولا یا کمل یوم النحر حتی یصلی حیب نماز ہی نہ پڑھی گئی تو قربانی کا ہے کی کرنی ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ کوثر میں ہے فصل لربک وانحر پس جو لوگ بغیر عمید کی نماز کے قربانی کرتے ہیں ان کی قربانیاں قبول نہیں ہوتیں۔ یہ تیرہ جوابات حنفیہ کی اس بڑی دلیل کے ہیں لہذا یہ قابل استدلال نہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہیے کہ شخصیت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار

کریں۔ اور جمعہ و عید جیسے شعائر اسلام کو ضائع کر کے اپنے اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں۔
جناب عالی! حضرات غیر مقلدین، جناب حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول
لاجمعة ولا تشریق ولا فطار ولا اضحیٰ الا فی مسرح جامع او مدینة عظيمة
کے یہ تیرہ جوابات گویا تیرہ سوالات کر کے اکڑ رہے ہیں۔ ہمارے پاس چونکہ اتنی کتابیں نہ تھیں کہ
ان سے ان کے جوابات دیکھ کر لکھ دیتے۔ اس لئے آپ کی طرف روانہ کرتے ہیں۔ آپ ہر فقرہ کو ریزہ،
ریزہ کر کے صحیح جواب تحریر فرمائیں نہایت مہربانی ہوگی۔

حدیث " لا جمعة الا فی " میں نفی تشریق سے مراد تکبیر تشریق کی نفی ہے نہ کہ قربانی
یا نماز عید کی نفی۔ کیونکہ عید الاضحیٰ کی نفی بعد میں مصرح ہے (ولا اضحیٰ) پس
اس حدیث سے نفی قربانی کا الزام محض جہالت اور تعصب ہے۔ حدیث " ان اول ما نبدا من
یومنا هذا النہ " اور حدیث " من ذبح قبل الصلوة الخ وغیرہ احادیث سے
یہ استدلال کرنا جن پر نماز عید واجب ہے ان کے ذمہ قربانی بھی واجب ہے بالکل بے محل اور غلط ہے
احادیث کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں پر عید قربانی ہر دو واجب ہیں ان پر لازم ہے کہ ان کو مرتباً ادا
کریں یعنی پہلے نماز عید بعد میں قربانی کریں۔ اس ترتیب کے خلاف کرنے پر ان لوگوں کی قربانی ادا نہ
ہوگی۔ پس معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور کی تائید میں احادیث بالا سے تشبیہ کرنا بھی درست نہیں
پس متعصب معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور دینا مردود ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نخواستہ شہرستی سے نکال کر،
تقلید شریعت کی توفیق بخشیں۔ فقط واللہ اعلم

الاجوبہ صحیحہ
عبد اللہ عفر اللہ لمفتی خیر المدارس
ملتان ۱۸ / ۴ / ۱۳۸۰ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۴ / ۴ / ۱۳۸۰ھ

حجۃ الوداع میں عرفات میں جمعہ پڑھنے کی وجہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل سوالات میں۔
۱: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا وہ کون سا دن تھا۔ جمعہ کا دن تھا

یا کوئی دوسرا دن ؟ اگر جمعہ کا دن تھا تو پھر آپ نے اس دن جمعہ کی نماز پڑھی تھی یا ظہر کی نماز باجماعت
ادافرمانی تھی ؟

یہ دن جمعہ کا تھا لیکن جمعہ نہیں پڑھا گیا بلکہ نماز ظہر ادا کی گئی تھی۔ امر اول کی
دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری شریف ج ۱ : ص ۱۱

میں مذکور ہے۔ اور امر دوم کی دلیل مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔ (ج ۱ : ص ۲۲۵)۔

سوال ۷ : اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ولے موقعہ میں جمعہ کے دن جمعہ نہ
پڑھا تھا اور فرض ظہر باجماعت پڑھی تھی تو اس کا کیا باعث تھا اور کس وجہ سے آنحضرت کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جمعہ چھوڑ کر ظہر کے فرض پڑھے مہربانی فرما کر جواب مدلل لکھیں۔ یعنی یا تو آنحضرت
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی وجہ سے جمعہ چھوڑا تھا یا اس وجہ سے اس کو چھوڑا تھا کہ عرفات محل
اقامت جمعہ کے لئے نہ تھا۔ نیز حجۃ الوداع ولے واقعہ میں حجاج کی کتنی مردم شماری تھی۔ بینوا تو جروا۔

حنفیہ اسی کے قائل ہیں کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں، اسی لئے جمعہ
نہیں پڑھا گیا۔ ترک جمعہ کا سبب مسافر ہونا نہ تھا۔ کیونکہ حجاج میں سے

بہت سے مسکی بھی ہوں گے تو ان پر جمعہ کا وجوب یقینی ہوگا۔ لیکن کسی سے بھی پڑھنا ثابت نہیں۔ نہ
مسافریں سے اور نہ مقیمین سے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔ نیز اہل ظاہر تو مسافر پر بھی وجوب
جمعہ کے قائل ہیں۔ (کبیری) تو ان کے نزدیک ترک جمعہ بوجہ سفر کا قول کرنا بھی ممکن نہیں۔ لہذا یہ
تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ یہی تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ نیز کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے۔ حجاج کی تعداد چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک مروی ہے روایات
مختلف ہیں۔

سوال ۸ : بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حجۃ الوداع میں
جمعہ چھوڑا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسافر تھے نہ اس وجہ سے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہ تھا۔
یہ وجہ ہرگز نہ تھی۔ بلکہ وہ محل اقامت جمعہ تھا۔ اب مطلوب امر یہ ہے کہ ان علماء کا مذکورہ بالا کہنا
بالکل صحیح ہے یا وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں ؟

اس کا جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گزر چکا ہے۔

سوال ۴ : اوپر دئے بعض علماء میں بعض جوعاً اعتراض کرتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جمعہ مسافر آدمی پر فرض نہیں ہے لیکن اگر مسافر آدمی جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ سب کے نزدیک صحیح ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایسا بھی ہے کہ مسافر اگر جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جمعہ پڑھنے میں ثواب بھی بہت ملتا ہے۔ اور یہ بھی سب کے ہاں مسلم ہے کہ جیسے سفر کی وجہ سے ظہر کو دو رکعت کر کے پڑھنا واجب ہے تو جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو صرف سفر کی وجہ سے چھوڑا جب کہ سفر میں بھی جمعہ پڑھنے سے ادا ہو جاتا ہے (تو پھر حضور کریم نے سفر کی وجہ سے جمعہ کو قبول چھوڑا۔ وجہ بیان کیجئے) تو اس سے صاف صاف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ص نے اس دن جمعہ کو سفر کی وجہ سے ہرگز نہ چھوڑا تھا۔ بلکہ اس کے چھوڑنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ اول بعض علماء احناف کا یہ اعتراض غیر مقلدین پر کرنا صحیح ہے یا نہ ؟

حنفیہ کے نزدیک ترک جمعہ کی وجہ یہ ہے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔

الجواب

سوال ۵ : اگر کسی مسئلہ میں اہل سیر اور بخاری شریف کا اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں عمل کس پر کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی آدمی بخاری شریف پر عمل نہیں کرتا اور بخاری شریف کی روایت کو عملاً چھوڑ کر اہل سیر کی روایت پر عمل کرتا ہے تو کیا اس کے لئے تجاؤز ہے ؟ اور بخاری شریف کی روایت چھوڑنے پر کتنا گناہ ہوگا یا نہ ؟

جب تک روایات مستولہ اور ان کے اختلاف کی نوعیت سامنے نہ آجائے حتیٰ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن عام حالات میں قابل اعتماد بخاری کی روایات

الجواب

ہوں گی۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے بارے میں کہ آپ نے کتنے دن قبا میں قیام فرمایا ؟ بخاری شریف اور سیر کی بعض روایات کا اختلاف ہے۔ بخاری شریف کی روایت سے مدت قیام کا دس دن سے زیادہ ہونا ثابت ہے اور محمد بن اسحاق کی روایت سے تین روز قیام فرمانا ظاہر ہوتا ہے تو اس میں یقیناً بخاری کی روایت زیادہ صحیح متصور ہوگی۔ اور سیر کی روایت ناقابل

سوال ۶ : جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے۔ تو آپ کو مدینہ عالیہ پہنچنے تک کتنے جمعہ پیش آئے اور آپ وہ جمعہ پڑھتے گئے یا جمعہ کو چھوڑ کر ظہر پڑھتے گئے۔ اگر راستہ میں جمعہ قائم کیا ہے تو وہ کون کون سی جگہ ہیں جہاں جمعہ قائم کیا اور وہ محل اقامت تھے یا نہ۔ بنیوا تو جدوا۔

الجواب
سفر ہجرت میں کسی مقام پر جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔ بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ کم از کم ایک جمعہ راستہ میں ضرور آیا ہوگا۔

سفر ہجرت میں مدینہ منورہ کے محلہ بنو سالم میں جمعہ پڑھنے کی تحقیق

۷ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت بنی سالم قریہ مستقل تھا یا وہ محلہ مدینہ عالیہ کا تھا یا میدان جنگل تھا؟ اگر قریہ مستقل تھا تو وہ قریہ صغیرہ تھا یا کبیرہ، اور اس وقت اس کی مردم شماری کتنی تھی؟

الجواب
بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا۔ کذافی اعلاء السنن ناقلاً من خلاصۃ الفتاویٰ

سوال ۸ : بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ بنی سالم قریہ صغیرہ تھا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ پڑھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا جمعہ چھوٹے قریوں میں بھی صحیح ہو جاتا ہے ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جو کہ قریہ صغیرہ تھا جمعہ کیوں پڑھا۔ جب آپ نے قریہ صغیرہ میں جمعہ قائم کیا تو یہ قوی دلیل ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ ادا ہو جاتا ہے اب عرض یہ ہے کہ یہ غیر مقلدین کا دعویٰ بالکل صحیح ہے یا وہ اس دعوے میں چھوٹے ہیں؟

الجواب
بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا لہذا اس میں ادائیگی جمعہ سے غیر مقلدین کا استدلال کرنا درست نہیں غلط ہے۔

سوال ۹ : اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ قائم کیا ہے۔ پھر میری عرض یہ ہے کہ آپ نے وہ جمعہ مبارک جمعہ کی فرضیت ہونے سے قبل پڑھا تھا یا جمعہ فرض ہو چکا تھا۔ اگر جمعہ کی فرضیت اعلان کے بعد پڑھا تھا تو پھر یہ عرض ہے کہ وہ مدینہ عالیہ پہنچ کر اور بنی سالم اگر جمعہ پڑھا تھا یا مدینہ پہنچنے سے پہلے پڑھا تھا اگر مدینہ پہنچ کر بعد وہ

بنی سالم میں جمعہ پڑھا۔ تو پھر عرض یہ ہے کہ آپ نے جو مدینہ عالیہ کو چھپوڑ کر بنی سالم میں جمعہ قائم کیا تو اس کی کیا وجہ تھی اور کس وجہ سے بنی سالم میں آنے تھے؟

جب بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا تو جب بھی وہاں پر جمعہ ادا کیا گیا ہو مخالفین کے لئے مفید نہیں۔ — جمعہ کی فرضیت بنا بر قول محقق ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی۔ لہذا یہ جمعہ فرضیت کے بعد پڑھا گیا ہے۔

الجواب

فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح: عبد اللہ عفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳/۱۱/۷۹ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار
جمعہ یا عیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان
بیٹھنا سنت ہے یا واجب؟ اور کتنی

دیر بیٹھا جائے؟ استفتی محمد حسین، منڈی دار برٹن، شیخوپورہ

دونوں خطبوں کے درمیان ایک دفعہ اس طرح اطمینان سے بیٹھنا کہ ہر عضو
اپنی جگہ پر آجاتے سنت ہے۔ "عالمگیری" میں سنن خطبہ بیان کرتے

ہوتے لکھتے ہیں۔

والخامس عشر الجلوس بين الخطبتين هكذا في البحر الرائق
ومقدار الجلوس بينهما مقدار ثلاث آيات في ظا هر
الرواية هكذا في السراج الوهاج ناقلا عن الفتاوى قال شمس الأئمة
السرخسي في تقدير الجلسة بين الخطبتين انه اذا تمكن
في موضع جلوسه واستقر كل عضو منه في موضعه قام
من غير لبث و مكث كذا في التارخانية والمختار ما قاله
شمس الأئمة السرخسي كذا في الغياثية - ۱ھ (ج ۱ - ص ۱۴۷) فقط

والله اعلم - محمد النور عفا اللہ عنہ ۲۶/۹/۲۰۰۵ھ

عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو ایک ہی غسل کافی ہے

مشہور ہے کہ عید کی نماز کے لئے

نہانا سنت ہے اور ایسے ہی جمعہ کے لئے نہانا بھی سنت ہے۔ اگر دونوں ایک ہی دن جمع ہو جائیں تو ہر ایک نماز کے لئے الگ غسل کیا جائے یا ایک ہی غسل کافی ہے؟

ایک ہی غسل کافی ہے ہر دو کے لئے الگ الگ غسل کا تکلف نہ کریں۔

الجواب

ویکفی غسل واحد لعید وجمعة اجتماعاً - اھ

(درمختار علی الشامیة - ج ۱ - ص ۱۵۷) - فقط والله اعلم -

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی نیر المدارس ملتان

غسل جمعہ یوم جمعہ کیلئے ہے یا نماز جمعہ کیلئے

غسل جمعہ کے بارے میں احادیث مختلف ہیں۔ کیا جمعہ کے دن غسل کرنا یہ صلوٰۃ جمعہ کے لئے سنت ہے۔ یا مطلقاً یوم جمعہ کے لئے سنت ہے۔ ائمہ کا کیا اختلاف ہے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ غسل جمعہ کے لئے ہے۔

الجواب

قال فی السعیة وهو الصحیح عند الجمهور وهو قول

ابن یوسف کما فی الهدایة وغیرہا انه للصلوة لا لليوم انه

قال الزرقانی قول جماعة ان الغسل لیوم الجمعة ومذهب مالک

والشافعی والی حنیفة وغیرہم انه للجمعة لا لليوم انتهى -

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ اگر غسل کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی تو یقیناً سنت حاصل

ہوگئی۔ اور اگر وضو ٹوٹ گیا جدید وضو کر کے نماز ادا کی تو بھی یہ غسل کافی سمجھا جائے گا۔

فالاولی عندی الاحبزاء وان تغسل الحدث - (ج ۱ ص ۱۵۶) -

فقط والله اعلم - بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء نیر المدارس ملتان

جمعہ کے دوسرے خطبہ میں اردو یا پنجابی میں مسائل بتلانا

ہماری مسجد کے خطیب جمعہ کے دوسرے خطبہ میں دوران خطبہ پنجابی یا اردو میں طہارت و وضو وغیرہ سے متعلق مسئلے بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس سے خطبہ میں کچھ کراہت تو نہیں آتی ہے؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک کے زمانہ میں یہی تعامل و توارث رہا ہے کہ خطبہ عربی میں کسی دوسری چیز کو خلط نہیں کیا گیا۔ لہذا بوقت خطبہ صرف خطبہ ہی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ اور مسائل پہلے بیان کر لیں۔ البتہ اگر عین خطبہ کے وقت کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو مسئلہ بتلانے میں حرج نہیں۔

و یکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا ان

یکون امرًا بمعروف ۱ھ۔ (عالمگیری ج ۱۔ ص ۷۶)۔

فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفر اللہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

امام صاحب نے گھر میں ظہر ادا کی اور مسجد میں آکر جمعہ پڑھایا تو جمعہ صحیح ہوا یا نہیں؟

ایک امام مسجد شہر یا قصبہ میں جہاں جمعہ فرض ہے۔ جمعہ کے دن ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لیتا ہے اور ظہر پڑھنے کے بعد مسجد میں جا کر لوگوں کو دو رکعت جمعہ پڑھاتا ہے کیا سعی الی الجمعہ سے اس کی ظہر باطل ہو جائے گی جیسا کہ کتب فقہ میں مرقوم ہے یعنی امام بھی اسی ذیل میں آتا ہے یا نہ؟ یا اس کی ظہر باقی رہے گی اور جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ جو نسبی صورت ہو تحریر فرمائیں۔

(علامہ) غلام رسول، مدرس جامعہ رشیدیہ ٹنڈی

باوجود تتبع و تلاش کے اس کے متعلق کوئی خاص جہت تہ تو نہیں ملا۔ لیکن فقہاء کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بھی اسی ذیل میں آ جاتا ہے

الجواب صحیح

کیونکہ فقہاء نے اس مسئلہ کو عمومی حیثیت سے بیان فرمایا ہے اور کسی خاص جزی کا استثناء بھی نہیں فرمایا۔ نیز بطلانِ ظہر کی علت بمعنی سعی مع امکان الادراک لکھتے ہیں تو یہ بھی امام میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ مقتدی سے بڑھ کر۔ لہذا خیال یہی ہے کہ اس صورت میں امام کی ظہر سعی الیٰ الجمعة سے باطل ہو جائے گی۔ اور جمع صحیح ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علیٰ غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۴۹/۵/۲۶ھ

اگر احياناً ایسا فعل امام سے سرزد ہو تو حرج نہیں۔ اور امید رکھنی چاہتے کہ ظہر باطل ہو گئی اور جمع صحیح ہو گیا۔ داجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۴۹/۵/۲۹ھ

ضرورت ہو تو جمع کی نماز میں بھی قنوتِ نازلہ پڑھ سکتے ہیں

”قنوتِ نازلہ“ کا پڑھنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صبح کے علاوہ کسی دوسری نماز میں بھی جائز ہے یا نہیں۔ جمعہ کی نماز میں پڑھے یا نہ۔ اور پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا اور آمین باجکر کتنا کیسا ہے؟

”قنوتِ نازلہ“ صبح کے علاوہ دوسری بہرہ نمازوں میں حتیٰ کہ جمعہ میں بھی

پڑھنا جائز ہے۔ كما في الدر المختار ولا يقنت في غيره

الجواب

الا النازلة فيقنت الامام في الجهرية وقيل في الكل (ج ۱ - ص ۲۷۱)

البتہ امام کا ہاتھ اٹھانا اور لوگوں سے اٹھوانا اور زور سے آمین کہلوانا ٹھیک نہیں۔ امام جمعہ

سے پڑھے اور مقتدی آہستہ آمین کہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ غفرلہ، خادم الاقارب خیر المدارس ملتان، ۱۳۴۰/۱/۳ھ

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ

خطبہ شروع ہو جائے تو سنتیں نہ پڑھی جائیں مسجد میں اگر ایسے وقت پہنچیں کہ خطبہ شروع ہو تو سنتیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

اس وقت سنتیں پڑھنا درست نہیں خطبہ سنا جائے۔ درمختار میں ہے۔
 اذا خرج الامام من الحجرة ان كان والا فقيامه
 للصعود فلا صلوة ولا كلام الى تمامها ۱ھ۔ قوله فلا صلوة
 شمل السنة وتحية المسجد بحر ۱ھ (شامی ج ۱: ص ۷۶۷)۔
 فقط والله اعلم

محمد نور عفا اللہ عنہ، مفتی نیر المدارس ملتان، ۲۷ / ۱۲ / ۲۰۱۱ھ

مصر کی مفتی بہ تعریف

صحبت جمعہ کی شرط "شہر" کا ہونا ہے۔ البتہ "شہر" کی تعریف میں اقوال ائمہ دین
 کے مختلف ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱ : جہاں پر حد جاری ہو اور بادشاہ اور قاضی موجود ہوں۔

۲ : کہ وہاں کے نمازی وغیر نمازی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں۔

ان دونوں میں کون سی تعریف مفتی بہ ہے؟ پہلی تعریف کے لحاظ سے تو لاہور وغیرہ میں
 بھی جمعہ درست نہیں ہے۔ اور دوسری کے لحاظ سے جس چک (گاؤں) کے آدمی ۲۵ گز کی مسجد
 میں نہ سما سکیں اس جگہ جمعہ درست ہو۔ اور اسی قول پر اکثر فقہاء کا فتوٰی ہے۔ (مشرح وقایہ)۔
 نیز اسی قول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے چک مذکور میں جمعہ قائم کر رکھا ہے۔ تسلی کے لئے جو اب
 سے نوازیں۔

شامی جلد اول میں ہے۔

وظاهر المذهب الخ قال فی شرح المنية

والحد الصحيح ما اختاره صاحب الهداية انه الذي له
 امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وقال فيه ليس
 المراد تنفيذ جميع الاحكام..... بل المراد والله اعلم
 اقتداره على ذلك وقال فيه عن الج حنيفة انه بلدة كبيرة

فيها سلك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على
انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره
يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح
الا ان صاحب الهداية ترك ذكر السلك والرساتيق
لان الغالب ان الامير والقاضي الذي شأنه القدرة
على تنفيذ الاحكام واقامة الحدود لا يكون الا في بلد
كذلك اه (شامی، ج ۱، ص ۳۸)۔

اسی قول کو ظاہر مذہب کہا گیا ہے۔ شارح وقایہ کے قول کو تضعیف کی ہے۔ بڑے قضبات
اور شہروں میں امیر وغیرہ حکومت کی طرف سے مقرر ہیں اس لئے جو شہر بیان کئے ہیں اس میں یہ سوال
پیدا نہیں ہوتا۔ ہر جگہ بادشاہ کا ہونا ضروری نہیں۔ آپ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے اس کی طرف
توجہ نہیں کی۔ اس میں اکبر مساجد کا ذکر ہے جس میں کثرت مساجد کی طرف اشارہ ہے۔ چک (گاؤں)
میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ ورنہ ہر گاؤں اور ہر بستی پر یہ تعریف صادق ہے جنفیہ میں سے یہ کسی کا بھی
قول نہیں ہے۔

دوسرے شارح وقایہ وغیرہ کا قول مجمل ہے جس کی تفصیل ان سے منقول نہیں۔ صاحب
مذہب کے قول کی موجودگی میں دوسرے قول کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
”حجة الله البالغة“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہمارے اس
زمانہ تک تو اترے معنوی سے جس کو انہوں نے تلقی معنوی سے تعبیر کیا ہے۔ یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے
واسطے ایک قسم کا تمدن ہونا ضروری ہے۔ جس جگہ تمدن نہیں جمعہ نہ ہوگا۔ ہمارے سامنے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ موجود ہے کہ مدینہ طیبہ سے قبا تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں پر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور اس کے مابعد کبھی جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ نہ ان کو مدینہ بلا یا گیا۔
لہذا ایسے چکوں (گاؤں) میں جنفیہ کے مذہب کے مطابق جمعہ فرض نہیں بلکہ ادا ہر ظہر ضروری ہے۔
جن لوگوں نے احتیاط ظہر نہیں پڑھی ان پر قضا ہر ظہر ضروری ہے۔ اور جو صاحبان احتیاط الظہر
پڑھتے رہے ہوں ان کی ظہر ادا ہو گئی۔

فاروق احمد مفتی قائم العلوم، فقیر والی : صدر مدرس : (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند - ہند)

اجواب صحیح : بندہ فضل محمد عفا اللہ عنہ ۲۲ / ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ

الجواب

بڑے گاؤں اور قصبات جن میں گلی، کوچے، بازار ہوں اور ضروریات زندگی عمومی طور پر ملے جاتی ہوں اور عرف میں انہیں قصبہ کا لقب دیا جاتا ہو۔ تو وہاں جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں۔ ہذا ہو مفتی بہ۔ اور شہر کی تعریف جن حضرات نے یہ کی ہے کہ اس کی بڑی مسجد میں لوگوں کی سمائی نہ ہو تعریف جامع مانع نہیں اور رجوع اس تعریف کا بھی اسی طرف ہے۔ و اجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ، خادم الافتاء، نیر المدارس ملتان

اجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ ۱۲ / ۱۶ / ۱۳۷۰ھ

فوجی معمول کی مشقوں کیلئے ویران جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں تو وہاں جمعہ نہ پڑھیں!

فوج کی چند یونٹیں ہر سال مشق کے لئے اپنی چھاؤنی سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر جاتی ہیں ان کی تعداد تقریباً پانچ سو یا اس سے زائد ہوتی ہے۔ مشق کے لئے علاقے بالکل ویران اختیار کئے جاتے ہیں۔ مشق کے دوران ایک جگہ خیمہ لگایا جاتا ہے جسے ہیڈ کوارٹر کہا جاتا ہے۔ جہاں پر یونٹ کا کمانڈر اور دوسرے افسران رہتے ہیں جب کہ باقی خیمے پانچ پانچ دس دس میل کے فاصلے پر لگائے جاتے ہیں اور سپاہیوں کو مشق کے لئے کچھ مزید فاصلہ بھی طے کرنا پڑتا ہے اور مشق کے لئے کچھ علاقہ منتخب کیا جاتا ہے جس کی لمبائی چوڑائی پندرہ میل یا اس سے کچھ زائد ہوتی ہے اور خیمے ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ اور مشق کے لئے مدت پندرہ دن سے زائد ایک یا دو ماہ ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز جمعہ واجب ہے یا نہیں۔ جب کہ ضروریات زندگی فوجی نقطہ نگاہ سے مل جاتی ہیں اور افسران اور عدالت بھی ہوتی ہے۔ مصلحت کی بنا پر اذن عام نہیں ہوتا ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں کہ جمعہ کے اس دوران کیا احکام ہوں گے؟

مذکورہ صورت میں جمعہ کی بجائے ظہر باجماعت ادا کی جائے۔ کیوں کہ جمعہ

کے لئے مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا ضروری ہے۔ عارضی رہائش کی جگہ شہر

الجواب

یا بستی کے حکم میں نہیں۔

ويشترط لصحتها سبعة اشياء الاول المصراخ او فناءه
بكسر الفاء وهو ما حوله اتصل به او لا لاجل مصالحه
كدفن الموتى وركض الخيل. (درمختار على الشامية ج ۱ ص ۵۹)
قال شمس الائمة الحلواني عسكر المسلمين اذا تصدوا
موضعا ومعهم اخبيتهم وخيامهم وفساطيطهم
فنزلوا مفازة في الطريق ونصبوا الاخبية والفساطيط
وعزموا فيها على اقامة خمسة عشر يوما لم يصيروا
مقيمين لانها حولة وليست بمساكن كذا في المحيط.
(عالمگیریہ ج ۱ ص ۷۷) - فقط واللہ اعلم -

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳ ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ



خطبہ نبون کی مقدار
ایک شخص امام مسجد ہے جمعہ پڑھتا ہے
اور خطبہ یہ پڑھتا ہے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ خطبہ یہ ہے۔

الحمد لله وكفى دليلا على عباده الذين اصطفى خصوصا على افضل
الرسول وخاتم الانبياء - اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان
الرجيم - بسم الله الرحمن الرحيم وما ارسلناك الا رحمة
للعالمين انه جواد كريم ملك بر رحيم - دوسرا خطبہ
نحده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه
ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من
يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له ونشهد
ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان محمدا
عبده ورسوله - اما بعد ان الله يأمر بالعدل والاحسان
وايتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى

بعضکم لعلکم تذكرون اذکروا اللہ یذکرکم ولذکر
اللہ تعالیٰ اعلىٰ واولیٰ واتعوا کبر

کیا اس خطبہ سے نماز جمعہ ہر جاتی ہے؟ حالانکہ نماز جمعہ دو رکعت نماز اور خطبہ دو رکعت کے
قائم مقام ہے۔

خطبہ جمعہ میں مقدار سنون طوال المفصل سورت کی مقدار ہے۔ مراقی میں ہے
الجواب

ویسن تخفیف الخطبتین بقدر سورة من طوال
المفصل کذا فی معراج الدراية ولكن یراعی الحال بما هو
دون ذلك فانه اذا جاء بذكر وان قتل یكون خطبة
(ص ۲۸۱)۔

تشہد کی مقدار خطبہ پڑھنے سے خطبہ کی ادائیگی بلا کسی کراہت کے ہو جائے گی۔

» واقله قدر التشهد الی قوله عبده ورسوله۔ (مراقی ص ۲۸۰)

مذکورہ خطبہ پڑھنے سے بھی نماز جمعہ کی ادائیگی ہو گئی ہے۔ آئندہ مقدار سنون کی رعایت
رکھی جائے۔ فقط واللہ اعلم
محمد عبد اللہ عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۲/۱۴۰۸ھ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافکار۔

خطبہ جمعہ سننا واجب ہے
کیا جمعۃ المبارک، عیدین اور نکاح کا خطبہ پڑھنا
واجب ہے یا سنت یا فرض۔ نیز ان خطبوں

کو سننا کیسا ہے؟

جمعہ کا خطبہ ادا کرنے کے لئے شرط ہے۔ عیدین اور
نکاح میں خطبہ پڑھنا سنت ہے مگر سننا سب کا واجب ہے۔ در فقہ میں عیدین کے باب میں ہے
الجواب

» سوی الخطبة فانها سنة بعدها وفي الشامية قوله
فانها سنة بعدها بيان للفرق وهو انها فيها سنة
لا شرط وانها بعدها لا قبلها بخلاف الجمعة اه (ج ۱ ص ۷۷)۔

و كذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وعيد اه
(درمختار على الشامية : ج ۱ : ص ۶۹) - فقط والله اعلم

اجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء
محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۴/۱۴۰۱ھ

شہر سے ڈیڑھ میل دور رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں
ہماری جماعت کے مکمل ساتھی گیارہ ہیں۔ ایک

امیر صاحب اور دست نامور ہیں۔ بستی سے شہر جہاں جمعہ ہوتا ہے $\frac{1}{3}$ میل ہے لیکن امیر صاحب
نے اجازت نہیں فرمائی۔ ایسی صورت میں کیا کریں ؟

الجواب
صورۃ مستولہ میں آپ حضرات مذکورہ بستی کے رہنے والوں پر جمعہ
فرض نہیں ہے۔

» ومن كان مقيما بموضع بينه وبين المصفرجة من المزارع
والمراعى نحو القلع ببخارا لا جمعة على اهل ذلك الموضع
وان كان النداء يبلغهم - (هنديہ : ج ۱ : ص ۷۴) فقط والله اعلم

اجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء
محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۴/۱۴۰۸ھ

جمعہ کے دونوں خطبے برابر ہونے چاہئیں

سوال - جمعۃ المبارک کے دونوں خطبے برابر ہوں یا کوئی چھوٹا بڑا ہو سکتا ہے ؟

الجواب
مراقی میں ہے۔ ویسن تخفیف الخطبتین بقدر سورة
من طوال المفصل - (ص ۲۸۱) - اس عبارت سے بظاہر دونوں خطبوں کی برابری

مفہوم ہوتی ہے کسی بیشی بھی جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی : ۱۴/۶/۲۰۰۶ھ

بوشخص جمعہ کے التحیات میں شریک ہوئے وہ بھی جمعہ پڑھے

سوال : بوشخص نماز جمعہ میں " التحیات " میں شامل ہو جائے تو امام کے سلام کے بعد وہ شخص پھر دو رکعت ادا کرے یا چار ؟

تشہد میں شامل ہونے والا جمعہ کی دو رکعت ادا کرے۔

الجواب

" ومن ادركها اى الجمعة فى التشهد اوفى

سجود السهو او تشهده اتم جمعة - (مراقى : ص ۲۸۲)۔

فقط والله اعلم :

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ، نائب مفتی : ۱۳ / ۶ / ۶ / ۱۴۰۰ھ



خطبہ جمعہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر

سوال : خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکرِ نصیب کس سزہ اور تاریخ میں شامل ہوا ہے۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خطبہ میں تذکرہ مستحسن ہے۔

الجواب

"مراقی" میں ہے و ذکر الخلفاء الراشدين والعين

مستحسن بذالك جرى التواؤث - (مراقى : ص ۲۸۱)۔ ضروری ہی تصور

کیا جاتے۔ حضرات خلفاء راشدین اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے تذکرے کی ابتداء حضرت

عمر بن عبدالعزیز رحمہ (المتوفى احدى ومائة ، الاكمال : ص ۶۱۰) نے کی تھی۔ علامہ ابن اسحاق

تذکرہ خلفاء فی الخطبہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

بدأ عمر بن عبد العزيز لامر كان وقع قبله وقال مالك في

حقه هو امام الهدى وانا اقتدى به - (كتاب المدخل : ج ۲ ص ۷۷)۔

فقط والله اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳ / ۶ / ۶ / ۱۴۰۰ھ

قائلین جمعہ فی القرئی کے دو مغالطوں کا جواب

کیا فرماتے ہیں آپ کہ قائلین جمعہ فی القرئی کے اعتراض ہذا کے جواب میں کہ صحت جمعہ کے لئے چند شرائط ہیں۔ جو کہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں تو وہاں جمعہ ادا کرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ اور ان میں سے اگر ایک یا دو شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں تو بھی بلاچوں و چیز اجماع ہے۔ کیوں کہ ایک یا دو شرائط کے فقدان سے جمعہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اس کی امثالہ بہت مل سکتی ہیں۔ مثلاً قبلہ کی طرف منہ کیہ کے نماز ادا کرنا شرط ہے۔ اگر کسی نے تحریمی کر کے نماز ادا کر لی تو نماز ہو جائے گی۔ حالانکہ فقدان شرط ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ نماز ادا کرے قضا نہ کرے اور اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً جمعہ کی صحت کے لئے تنفیذ حدود شرط ہے۔ اور دورِ حاضرہ میں کہیں ایسا نظر نہیں آ رہا ہے کہ حد و دشرعیہ جاری ہوں۔ باوجود اس کے عدم قائلین جمعہ فی القرئی بھی فتوے دیتے ہیں کہ مصر میں جمعہ پڑھو اور اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرط کے فقدان سے فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے اذ فوات الشرط فوات المشروط کا قانون عام نہیں ہے۔

۲ : یہی شریف میں ایک حدیث آئی ہے الجمعة حق واجب علی کل مسلم مرفوع ہے۔ اور لا جمعة ولا تشریق الخ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حدیث مرفوع اور قول صحابی کا اگر تعارض ہو تو حدیث مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

قول الصحابی حجة فيجب تقليده عندنا اذا لم ينفاه
شيء من السنة الخ

انسوس اس بات پر ہے کہ ہر صاحب مدعی اجتہاد ہو کر اپنے قیاس کے ساتھ محکم احکام شریعت کو رد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ جمعہ کے شرائط دو قسم ہیں۔ بعض شرائط وجوب ہیں اور بعض شرائط صحت۔ شرائط وجوب فوت ہو جائیں تو جمعہ واجب نہ ہوگا۔ مگر ادا کرنے سے جمعہ ادا ہو کر اس کا ذمہ فارغ ہو جائے

گا۔ مثلاً اعمیٰ، اعرج، مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔ لیکن اگر یہ حضرات جمعہ ادا کر لیں تو جائز ہو جائے گا۔ دوسرے شرائطِ صحت ہیں۔ ان کے فوت ہونے پر یہ حکم ہے۔ اذفات الشرط فاف المشروط۔ اسی طرح یہ حکم "فات الشرط" عام ہے۔ پہلی قسم میں بھی کہہ سکتے ہیں اذاف شرط الوجوب فاف الوجوب دون الصحة بر حال مصر ہونا شرائطِ صحت میں سے ہے۔ اگر مصرت نہ ہوگی تو جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ اور جو آپ نے فرمایا کہ جمعہ کی صحت کے لئے تنفیذِ حدود بھی شرط ہے۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ تنفیذِ حدود بالفعل ہونا ضروری ہے۔ فقہار نے تو یہ لکھا ہے کہ

لمصر عند الج حذيفة كل موضع له مفت و امير و قاض

ينفذ الاحكام و يقيم الحدود - یہ مصر کی تعریف ہے (نور الایضاح)

وفي الشروح المراد به القدرة على ذلك كما صرح به في التحفة -

"اقامة الحدود" سے مراد اقامتہ بالقوة ہے نہ بالفعل۔ پس مصر کو قیاس کرنا اقامت

حدود پر صحیح نہیں۔

۲ : یہ روایت الجمعة حق على كل مسلم الخ مخالف روایت لاجعة

ولا تشريق والی کے نہیں ہے کہ ہم اس کو مرفوع اور اس کو موقوف سمجھ کر ترجیح دیں۔ اول

آپ دونوں حدیثوں میں تعارض ثابت کریں تب ترجیح کا سوال پیدا ہوگا۔ ہمارے نزدیک دونوں

روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ الجمعة حق على كل مسلم میں مسلمانوں پر جمعہ کا

فرض ہونا بتلایا گیا ہے۔ حدیث لاجعة ولا تشریق میں ایک شرطِ صحت جمعہ بیان

کی گئی ہے۔ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بلکہ ایک حدیث کا مفہوم جدا ہے۔ کیا الجمعة

حق على كل مسلم سے کوئی یہ نکال سکتا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت بھی ضروری نہیں۔ کیونکہ

"على كل مسلم" میں کہیں جماعت اور خطبہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ تو کیا اس حدیث کی بناء پر کوئی

صاحب یہ کہنے لگیں کہ ہر مسلمان سفر و حضر میں تنہا جمعہ قائم کر سکتا ہے۔ خطبہ و جماعت کی بھی

ضرورت نہیں ہے۔ تو کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہوگا ؟

تعجب یہ ہے کہ آپ نے دونوں روایتوں میں تعارض بھی قائم کر لیا اور پھر انہی رائے

سے ترجیح بھی دے دی۔ حالانکہ یہاں تعارض کا سوال ہی نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافکار خیر المدارس ملتان ۲۴/۱/۱۳۷۱ھ

جواب صحیح ہے -۱-

استفتاء میں جواز جمعہ فی القرنی کی تائید میں چند امثلہ ذکر کرنا سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ دیکھئے نماز میں علم قبلہ کی صورت میں توجہ الی القبلة شرط ہے اور عدم قبلہ کی صورت میں اس کے نائب یعنی جہت تحریمی پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جواز جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔ اور اس کے فقدان کی صورت میں ظہر کی طرف رجوع فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو فہم سلیم عطا فرمائے اور وہ موقوف ہے فنا و دعویٰ پر۔ فقط

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۴/۱/۱۳۷۱ھ

دیہات کے ایسے بازاروں میں جہاں مستقل سکونت آبادی نہ ہو وہاں جمعہ جائز نہیں

بعض دیہاتی علاقوں میں باقاعدہ بازار ہیں مگر یہاں سکونت کسی کی نہیں۔ چند دیہاتوں کے درمیان بازار ہے۔ دن کو کھلا رہتا ہے اور رات کو سب لوگ دیہات میں چلے جاتے ہیں اس مقام پر جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر بازار والی جگہ میں لوگوں کی سکونت ضروری ہو تو کتنے افراد کی؟

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ دار الافکار والارشاد

نظم آباد — کراچی

صورتِ مسئلہ میں اس مقام پر جمعہ صحیح نہیں۔ البتہ اگر یہاں پر بازار کے علاوہ اتنے لوگ مستقل طور پر رہائش پذیر ہوں جن کی آبادی و مکانات کو عرفاً بستی و قریہ کہا جاسکے۔ اور ان کی تعداد اتنی ہو کہ جتنی اہل منی کی تھی تو جمعہ جائز ہوگا۔ مصر کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شرنبلالی نے یہ بھی فرمایا ہے۔ وبلغت ابنیتہ قدر ابنیۃ منی اھ معلوم ہوا کہ دیگر شرائط کے باوجود اتنی آبادی کا ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے حضرت شیخینؒ نے ایام حج کے اندر جمعہ کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح اس مقام میں بھی بوجہ

بازار مستقل آبادی جائز کہا جائے گا۔ جب کہ اتنی آبادی پانی جائے۔ مستقل آبادی نہ ہونے کی صورت میں اس مقام کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسا کہ بعض سرحدی علاقوں میں کئی دیہاتوں کے درمیان چشمہ ہوتا ہے۔ اردگرد کے لوگ پانی بھرنے آتے ہیں اور دن بھر خوب بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ رات کو سب چلے جاتے ہیں۔ اور چشموں پر حجبہ بالا جماع جائز نہیں۔ احکام القرآن میں ہے

انہم مجموعون علی ان الجمعة لا تجوز فی البوادی ومناهل
الاعراب ۱ھ۔

نیز صحت جمعہ کے لئے استيطان اقامت با تفاق ائمہ اربعہ شرط ہے۔ "کافی الادویہ" اور اس مقام پر ایسی اقامت مفقود ہے۔ کیونکہ اقامت شب با شہی سے متحقق ہوتی ہے۔ کافی حاشیہ المراتی۔

ان موضع الاقامة حيث يبیت فيه الاتری انک اذا قلت
لشخص این تسکن فیقول فی مرحلة کذا وهو بالنهار
یکون بالسوق نقله السيد عن العلامة مسکین ۱ھ۔
مسئلہ زیر بحث میں شاید جزئیہ ذیل سے بھی تمک ہو سکے۔

عسکر المسلمین اذا تصدوا موضعا ومعهم اخیتهم و
وفاطیظهم فنزلوا مفازة فی الطريق و نصبوا الاخبیة و
عزموا فیها علی اقامة خمسة عشر یوما لم یصیروا مقیمین
لانها حمولة و لیست بمساکن کذا فی المحیط۔ (ملگری ج ۱ ص ۱۰۰)
کیونکہ محل اقامت جمعہ خاص ہے اور محل توطن عام ہے۔ ایسے مقامات کے بارے میں جب عام
مفتی ہے تو خاص بھی مفتی ہوگا۔ اور لیست بمساکن کی علت مقام زیر بحث کو بھی شامل ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر الملاس ملتان۔ ۲۰/۲، ۱۳۹۹ھ بروز منگل۔



تمہ بندہ کے خیال میں مافیہ اسواق و سبک مدعی پرواضح دلیل ہے۔ لان السبک تکون بین المنازل المسکونة۔

سک بلفظ جمع سے تشلیث پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ تقدیر بابنیہ منی بھی شاید اس لئے ہو کہ منی میں گلیاں تھیں قلیل فیہا ثلث سکک (فتح ج ۱ ص ۱۱۱)۔ آپ کی تحریر میں ”ادخبر“ کے حوالہ سے استدلال واضح ہے۔ تقدیر بابنیہ منی سے استدلال میں یہ اشکال ہے کہ ابنیہ مختص بالبیوت نہیں۔ مطلق تعمیر کے معنی میں ہے۔ اور مطلق ابنیہ محل سوال میں موجود ہیں وان لم تکن بیوتا منا هل الا عراب میں بھی اشکال ہے کہ وہاں ابنیہ نہیں اور یہاں ابنیہ موجود ہیں۔ اسی طرح ومعہم اخبیتہم وخیامہم میں بھی ابنیہ موجود نہیں ہے۔ لیست بمساکن تدرے مفید ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ یہاں یہ لفظ انجسیہ وخیام کے مقابلہ میں آیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ”مساکن“ سے ابنیہ مراد ہیں منازل و بیوت مراد نہیں سکونت و بیوتت تو خیام میں بھی ہو رہی ہے۔

دستخط (حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ)

ادجز المسالك ج ۱ ص ۳۵۱۔ میں ہے۔

الجواب

ففي قصو الذرى عن الميزان ومن ذلك اتفاق

الاثمة الثلاثة على انها لا تصح الا في محل استيطانهم
قال ابن القيم ان فيه صلوة الجمعة اللتي خصت من بين
سائر الصلوات المفروضة بخصائص لا يوجد في غيرها
من الاجتماع والعدد المخصوص واشتراط الاقامة و
الاستيطان اه۔۔۔۔ قال الجصاص في احكام القرآن۔۔۔
فقال اصحابنا هي مخصوصة بالا مصار۔۔۔۔ وقال مالك تصح
في كل قرية فيها بيوت متصلة واسواق متصلة۔۔۔ وقال
الامام الشافعي اذا كانت قرية مجتمعة البناء والمنازل
وكان اهلها لا يظعنون عنها الا ظعن حاجة فقد وجبت
عليهم الجمعة وفي نيل المآرب لفقہ الحنابلة لصحة الجمعة
اربعة شروط احدها الوقت والثاني ان يكون بقرية
مبنية۔۔۔۔ يستوطنها اربعون رجلا استيطان اقامة

لا يظعنون عنها --- وفي الاقتناع لفقہ الشافعیة شرائط فعلها
ثلاثة الاول - البلد مصرا كانت او قرية وفي مختصر
الخليل للمالكية شرط الجمعة وقوع كلها بالخطبة وقت
الظهر باستيطان بلدا و اخصاص اه

عبارات بالا سے ظاہر ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محل اقامت جمعہ کا قریہ متصلہ البیوت
و المنازل ہونا ضروری ہے اور استيطان اقامت بھی لازم ہے۔ پس احناف کے نزدیک بطریق
اولیٰ یہ ضروری ہوگا۔ کیونکہ عند الاحناف محل جمعہ اخص ہے۔ بلاشبہ احناف کے نزدیک صحت
جمعہ کے لئے مصر یا کم از کم قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے۔ اور مصر یا قریہ، شہر یا گاؤں پنڈ کو کہتے ہیں
اور زیر بحث جگہ کو بازار تو کہہ سکتے ہیں شہر۔ گاؤں، پنڈ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ ”مجمع البحار“ میں
ہے۔ القرية المساكن والابنية ايضا۔ اور مصر کی تعریف میں ”سک“ کا
لفظ بھی اس کی واضح دلیل ہے۔ مصر کی تعریف میں ابنہ منیٰ سے مراد بھی بیوت و مساکن ہی ہیں
محض تعمیرات نہیں۔ کما تادل علیہ تعریف الفقهاء۔

بہر حال انتفاء اقامت و استيطان اور انتفاء بیوت و منازل و ”سک“ کی بنا پر
یہ جگہ لغتاً، شرعاً، عرفاً نہ قریہ ہے نہ مصر۔ پس اس میں جمعہ جائز نہیں۔

نقطہ الشرع

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر اللہ اس ملتان

جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کتنی ہیں
جموعہ کے فرضوں کے بعد سنت مؤکدہ کتنی ہیں
دو یا چار یا چھ؟ حدیث و فقہ سے مفصل

ثبوت دیں۔ ہمارے ہاں بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ دو ہیں؟
امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ چار
ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چھ ہیں۔ پہلے چار پڑھے

اور پھر دو۔

۱ : عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم اذا صلى احدكم الجمعة فليصل بعدها اربعاً
(مسلم، ج ۱، ص ۲۸۸)۔

۲ : عن علي رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم
يصل قبل الجمعة اربعاً وبعدها اربعاً يجعل التسليم في
اخرهن ركعة (اخرجه الطبراني في الاوسط)۔

۳ : عن ابن عباس رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله
عليه وسلم يركع قبل الجمعة اربعاً وبعدها اربعاً۔
رواه الطبراني في الكبير)۔

۴ : عن ابي عبد الرحمن عن علي رضي الله عنه انه قال من
كان مصلياً بعد الجمعة فليصل ستاً اخرج الطحاوي
وفي اثار السنن اسناده صحيح - (اعلاء السنن: ج ۲، ص ۹۰-۸۵)
۵ : وعند ابي يوسف السنة بعد الجمعة ست ركعات
وهو مروى عن علي رضي الله عنه والا فضل ان يصل
اربعاً ثم ركعتين للخروج عن الخلاف -
(كبيرى، ص ۳، ۲)۔

۶ : وعلى استئذان الاربع بعدها ما في صحيح مسلم عن
ابي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً اذا صلى احدكم الجمعة
فليصل بعدها اربعاً..... وذكر في البدائع انه ظاهر
الرواية وعن ابي يوسف انه ينبغي ان يصل اربعاً ثم ركعتين
وفي الذخيرة والتجنيس وكثير من مشائخنا على قول
ابي يوسف اه (بحر الرائق، ج ۲، ص ۵۳)۔

روايات بالا سے معلوم ہوا کہ بلا عذر صرف دو پڑھنے والا تارک سنت ہے فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی نیر المدارس ملتان ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰

انجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ تیس الاف تارخیر المدارس ملتان۔

جمعہ ہر موسم میں اول وقت میں ادا کیا جائے

نماز جمعہ کا اول ترین وقت کون سا ہے۔ نماز جمعہ ظہر کے وقت یا نماز ظہر سے قبل کس طرح پڑھا جائے۔ بینوا توجسروا۔

جمعہ ہر موسم میں اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔ احادیث سے کبھی جمعہ کی تعجیل ہی ثابت ہوتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہر موسم میں ایک بچے جمعہ ادا کر لیا جائے۔

وجعة كظهر اصلا و استحبابا في الزمانين لانها خلفه
(در مختار) وفي الشامية تحت قوله و استحبابا في الزمانين
اي الشتاء والصيف لكن حزم في الاشباه من حن
الاحكام انه لا يسن لها الا براد في جامع الفتاوى
لقارنى الهداية قيل انه مشروع لانها تؤدى في وقت
الظهر و تقوم مقامه وقال الجمهور ليس بمشروع لانها
تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفض الى الحرج ولا كذلك
الظهر و موافقة الخلف لاصله من كل وجه ليس

بشروط اه (ج ۱: ص ۳۴۰) - فقط والله اعلم

محمد انور عفا الله عنه

اجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۵، ۲۰۲۰ھ

بندہ عبد الستار عفا الله عنه رئیس الافتاء

ایک گاؤں کی آبادی تین سو گھریں اور اہل سنت
کی دو مسجدیں ہیں۔ آبادی مرد و زن مردم شماری کے

مصر وہی ہے جو مصر سمجھا جاتا ہو

حساب سے دو ہزار کے قریب ہے۔ ایک مسجد میں عرصہ دراز سے جمعہ جاری ہے۔ چار، پانچ
دوکانیں بھی ہیں۔ روز مرہ کی اشیاء خوردنی میسر ہیں۔ گاؤں میں دو حکیم صاحبان بھی ہیں۔ لوگوں
کا اصرار ہے کہ محلہ کی مسجد میں قریب ہی جمعہ پڑھنا چاہئے۔ کیا جائز ہو سکتا ہے ؟

الجواب

مفتی بہ تعریف کے مطابق مذکورہ گاؤں قریہ صغیرہ ہے اس میں جمعہ جائز نہیں۔ سوال میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں علامہ سبکی ^{رحمہ اللہ} لکھتے ہیں کہ یہ منقوض ہے۔ لہذا اس کی رو سے تو پھر مکہ اور مدینہ بھی مصر نہیں بنتے کیونکہ مسجد حرام اور مسجد نبوی ^ص میں وہاں کے باشندوں سے زیادہ افراد کی گنجائش محالاً نہ ہاں عہد نبوی ^ص سے جمعہ ہو رہا ہے۔ نیز اس کی رو سے بعض وہ چھوٹی بستیاں جو بالاتفاق قریہ صغیرہ ہیں وہ مصر بن جائیں گی۔ لہذا مصر کی ہر تعریف میں یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ تعریف کے صادق آنے کے ساتھ ساتھ وہ جگہ عرفاً بھی مصر یا قریہ کبیرہ کہلاتی ہو۔

والفصل فی ذالک ان مکة والمدینة مصران تقام بہما الجمعة من زمانہ علیہ السلام الی الیوم و کل موضع کان مثل احدہما فهو مصر الخ..... حتی التعریف الذی اختارہ جماعة من المتأخرین کصاحب المختار والوقایة و هو ما اجتمع فی اکبر مساجدہ لا یسمعہ فانہ منقوض بہما اذا کل مسجد منہما یسع اہلہ و زیادۃ اھ (غنیۃ ص ۱۵۰)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافاء
مفتی خمیس المدارس ملتان
محمد انور عفا اللہ عنہ

دوران خطبہ پنکھا کرنا : دوران خطبہ گرمی کی فوج سے پنکھا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
ایسی حالت میں پنکھا کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ استماع خطبہ کے خلاف ہے۔
فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نیت کر کے اقتدا کی اور امام ظہر پڑھ رہا تھا

ایک آدمی جمعہ کے روز دیہات پہنچا وہ کثرتِ جمع کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ جمعہ پڑھا

جار رہے جمعہ کی نیت کر کے امام کے ساتھ شریک ہو گیا بعد میں علم ہوا کہ امام نے ظہر پڑھی ہے کیا اس آدمی کا جمعہ ادا ہوا یا ظہر؟

الجواب اس آدمی کی نہ ظہر صحیح ہے نہ جمعہ یہ دوبارہ ظہر ادا کرے۔
وان نوى عند التكبير انه يصلى الجمعة مع الامام

فاذا كان الامام يصلى الظهر لا يجوز ظهرا مع الامام..... (الى قوله) لانه نوى ان يصلى الجمعة مع الامام فاذا تبين ان الامام كان يصلى الظهر انه لم يصح اقتداءه لمكان المغيرة

الجواب صحیح، (قاضی خاں ص ۸۵)

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن دکان کھولنے پر حکومت کا چالان کرنا

اگر گورنمنٹ کا آدمی جمعہ کے دن دکان کھولنے پر چالان کرے تو کیا چالان کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب امور مباحہ میں حکام و اولی الامر کی اطاعت واجب ہے۔ شامیہ میں ہے ان صاحب البحر ذکرنا قلا عن ائمتنا ان طاعة الامام

فی غیر معصیة واجبة فلو امر بصوم یوم و جب۔ (ص ۳۲۲)

اس لئے حکومت کے کہنے پر ترک تجارت ضروری ہے۔ مالی جرمانہ طرفین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔ صرف امام ابو یوسفؒ جواز کے اس حد تک قائل ہیں کہ حصول زجر کے بعد مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔ حاکم بیت المال یا اپنی جیب میں رکھنے کا مجاز نہیں۔ (کذا فی البندیۃ ص ۳۳۶)۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۰ - ۷ - ۱۴۰۸ھ

بعض خطیب حضرات جمعہ وعید پر، کا خطبہ زبانی پڑھتے

زبانی خطبہ بہتر ہے یا دیکھ کر؟
ہیں اور بعض کتاب دیکھ کر۔ ان میں سے کون سا بہتر ہے؟

دو دنوں طرح خطبہ پڑھنا درست ہے۔ شریعت میں کسی خاص طریقے کا حکم دیا گیا ہے نہ کسی خاص طریقے کو ترجیح دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ۱ محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۷ / ۱۴۰۱ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

دیہاتی جمعہ کے دن شہر آجاتے تو اس کے لئے جمعہ کا حکم

دیہاتی آدمی شہر میں آیا۔ اشیاء ضرورت خریدنے کے لئے اور جمعہ کا وقت ہو گیا کیا اسپر بھی جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب صحیح اگر تو پورا دن شہر ٹھہرنے کی نیت تھی تو وہ شہری کے حکم میں ہو گیا، اور اس پر جمعہ فرض ہو گیا لیکن اگر ذہن میں ہو کہ کام ہوتے ہی شہر سے چلا جاؤں گا۔ جمعہ سے پہلے ہو گیا یا بعد میں تو جمعہ واجب تو نہیں ہوا مگر پھر بھی پڑھ لے تو بہت ثواب ملے گا۔

القروی اذا دخل المصر ونوى ان يملك يوم الجمعة لزمته الجمعة لانه صار فاهل المصر فحق هذا اليوم وان نوى ان يخرج في يومه ذلك قبل دخول الوقت او بعد الدخول لا الجمعة عليه ولو صلى مع ذلك كان ماجورا اه (فتاوى ہندیہ ص ۷۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

ناخن وغیرہ کاٹنے کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے

ناخن کاٹنا ایسے ہی جسم کے دیگر غیر ضروری بال صاف کرنے کے لئے کونسا دن افضل ہے؟

الجواب صحیح یہ تمام امور ہفتہ میں کسی ایک دن مستحب ہیں البتہ ان کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے۔ کچھ تاخیر کی بھی گنجائش ہے لیکن چالیس دن سے تجاوز کرنا

گناہ ہے۔ وفي استحان القهستاني عن الزاهدی يستحب أن يقلم أظفاره ويقص شاربه ويحلق عانته وينظف بدنه في كل اسبوع مرة يوم الجمعة أفضل ثم في خمسة عشر يوماً أو الزائد على الأربعين ثم اه (طحاوی ص ۲۸۶)۔ فقط واللہ اعلم،
الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، محمد انور عفا اللہ عنہ

جموعہ کے دن سورۃ کہف پڑھنے کا فائدہ

اکثر لوگوں کا معمول ہے کہ جمعہ کے دن سورۃ کہف کا اہتمام کرتے ہیں۔ کیا شریعت میں اسکا ثبوت ہے؟
حدیث پاک میں ہے جو جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھے گا تو دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لئے نور چمکتا ہے گا۔ علامہ طیبی نے اسکی شرح میں لکھا ہے کہ یہ چمک دل میں ہوگی یا قبر میں یا حشر میں عن ابی سعید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة اضاء له النور ما بين الجمعتين رواه البيهقي قوله اضاء له في قلبه او في قبره او يوم حشره اه۔
(حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۸۹)۔ فقط واللہ اعلم ،
محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۸ / ۳ / ۱۴۰۲ھ

جموعہ کے دن کافر کو عذابِ قبر ہوتا ہے یا نہیں

کیا جیسے مسلمانوں کو جمعہ کے دن اور رات قبر کا عذاب نہیں ہوتا۔ کیا ایسے ہی کافر کو بھی جمعہ کے دن قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔؟
کافر کو باقی ایام میں عذابِ قبر ہوگا۔ البتہ جمعہ کے دن اور رمضان میں اس سے عذابِ قبر اٹھایا جاتا ہے۔

قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسؤال منكر ونكير وضغطة القبر حق لكن ان كان كافراً فعذابه يوم الح يوم

القیامۃ ویرفع عنہ یوم الجمعة وشہر رمضان۔ (شامی ص ۱۲۳)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۱۲۰۶ / ۲ / ۶

جمعہ کے دنوں خطبوں کے درمیان طویل دعا کرنا

ہمارے ہاں ایک خطیب صاحب نے جمعۃ المبارک کا پہلا خطبہ پڑھنے کے بعد بیٹھ کر ۷ یا ۸ منٹ تک مشرقی پاکستان میں شہید ہونیوالوں پر تعزیت فرمائی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل کی۔ اسی دوران ایک شخص نے کہا کہ مولانا یہ آپ خطبہ سے فارغ ہو کر ہی کر لیتے تو کہنے لگے کہ یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے تمہارے نزدیک اگر مسئلہ نہیں تو نہ سہی، وضاحت فرمائی جائے۔ خطبہ کے درمیان وعظ و نصیحت کو فقہاء کرام نے بدعت و خلاف سنت لکھا ہے۔ کما فی فتاویٰ دارالعلوم ص ۶۲۔ کیونکہ حدیث شریف میں خطبہ کو نماز کا جزو ہونے کا حکم دیا گیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ شامی میں ہے (قولہ بل کشطرها) فی الثواب هذا تاویل لما ورد بہ الاثر من ان الخطبة کشطر الصلوة فان متضاہا انها قامت مقام الظهر کما قامت الجمعة مقام الرکتین۔ اس لئے اس نمازی کا مطالبہ صحیح تھا۔ مولوی صاحب کو اس پر ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ اور آئندہ کے لئے احتیاط کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ، محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

دوران خطبہ کسی کو اشارہ سے خاموش کرانا

جب خطیب خطبہ دے رہا ہو اس دوران بچے شور کریں یا کوئی سنتیں پڑھے تو ان کو روکنا کیسا ہے ؟

اشارہ سے منع کر سکتے ہیں۔ وکذا الواشار برأسه او عينه او يده عند رؤية المنكر ولم يتكلم بلسانه الصحيح انه لا يكره (کبری ص ۱۶۶)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

تیمار دار مریض کے پاس رہے یا جمعہ کے لئے چلا جائے

زید اچانک مہینہ کا مریض ہو گیا ڈاکٹر نے اُس کو بوتل لگا دی اور دوائیں تجویز کر دیں
 اتنے میں جمعہ کی نماز کا وقت قریب ہو گیا جو اُس کی تیمار داری کر رہا ہے وہ اُس کے پاس رہے
 یا جمعہ پڑھنے چلا جائے ؟

اگر مریض کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کے پاس رہے اور ظہر پڑھ لے۔
 والحق بالمریض الممرض ان بقی المریض ضالعاً بجنودہ
 علی الاصح - (مططاوی ص ۲۷) - فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

پہلے سلام کے بعد شرکت کر نیوالے کا حکم

ایک آدمی ایسے وقت آیا کہ خطیب نے ایک طرف سلام پھیر دیا تھا۔ وہ شریک ہو گیا کیا
 جمعہ ادا ہو گیا یا نہیں ؟

امام کے پہلے السلام علیکم کے بعد اقتدار صحیح نہیں یہ شخص اب جمعہ نہ
 پڑھے۔ وتنقضی قذوة بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا
 خلافاً للتکملة اھ فلا یصح الاقتداء بھ بعدھا لا نقضاء حکم الصلوة۔
 (شامی ص ۲۹) - فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

جو جمعہ کا خطبہ نہ سن سکا اس کے جمعہ کا حکم

جمعة المبارک کا خطبہ فرض ہے۔ ایک آدمی نہ سن سکا۔ نماز جمعہ ادا ہو گئی یا نہیں ؟

خطبہ سننا بھی بہت اہم اور موجب ثواب ہے۔ مع ہذا نہ سننے کے باوجود
 نماز ادا ہو گئی۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
 الجواب صحیح ، محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ، نائب مفتی خیر المدارس ، ملتان

خطبہ جمعہ کے شروع میں دو دفعہ الحمد للہ کہنا

جمعہ وعیدین کے خطبہ میں جو طریقہ ہے کہ پہلے صرف الحمد للہ کہتے ہیں پھر دوبارہ الحمد للہ علی الذات کہہ کر شروع کرتے ہیں۔ اس طرح یہ طریقہ حدیث سے ثابت ہے؟ اور خطبہ کو اس طرح شروع کرنا سنت ہے یا مستحب؟

الجواب صحیح، یہ مخصوص طریقہ کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں۔ فقط واللہ اعلم،
محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۳/۷ / ۹۲ ہجری

دونوں خطبوں کے درمیان دعائے عمار کیسے کریں؟

جمعہ کے روز دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟
الجواب صحیح ایسے وقت ہاتھ اٹھا کر دُعا نہ مانگیں بلکہ زبان سے بھی نہ مانگیں، دل سے مانگیں۔ وسئل علیہ الصلوٰۃ والسلام عن ساعة الاجابة فقال ما بين جلوس الامام الى ان يتم الصلوة وهو الصحيح قوله وسئل عليه السلام ثبت في الصحيحين وغيرهما عنده صلى الله عليه وسلم فيه ساعة لا يوافقها عبد مسلم وهو قائم يصلي يسئال الله تعالى شيئاً إلا اعطاه اياه الى قوله فيسن الدعاء بقلبه لا بلسانه لانه مأمور بالسكوت - اه
فقط واللہ اعلم، (شامی ص ۷۷۲) احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی بعد یہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعائے عمار

عام مساجد میں معمول ہے کہ جمعہ کے بعد سنتیں پڑھ کر امام صاحب کی فراغت کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں امام صاحب فارغ ہو کر اونچی اونچی آواز میں دُعا مانگتے ہیں

اور متقدمی آئین کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے ؟

سُنن و نوافل کے بعد اجتماعی دُعا قرآن و حدیث اور خیر القرون سے کہیں
الْحَوَاجِبُ ثابت نہیں اس کا اہتمام و التزام بدعت ہے۔ سنیت پڑھنے کے بعد
 ہر شخص اپنی اپنی دُعا مانگ کر فارغ ہو جائے۔ (کذا فی فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۷۷)
 فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۱۲۰۴ / ۲ / ۶

جموعہ کے خطبہ میں "منکرین ختم نبوت" کی تردید کرنا

اس موجودہ پُرفتن دور میں عام طور پر مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کی ختم نبوت کی اہمیت
 جتلانے اور صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کی خاطر کیا اس وقت خطبہ اپنے خطبات میں جمعہ کے روز فقط
 عربی زبان میں مندرجہ ذیل الفاظ بڑھا سکتے ہیں۔ تاکہ مذہب اہل سنت و الجماعت کی پوری ترجمانی
 ہو سکے۔ جو درحقیقت اسلام اور دین حق ہے۔ خطبہ معروفہ کے اولیٰ خطبہ میں و نشہد
 ان من ادعی النبوة بعد سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم سواء کان تشریعیاً او غیر
 تشریحی کسلیمة الکذاب و غلام احمد القادیانی کذاب دجال کافر مرتد
 خارج عن الاسلام لانی بعد سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا
 اور دوسرے خطبہ میں بھی مندرجہ ذیل الفاظ قابلِ اضافہ ہیں۔

اللہم اشد وطأتک علی المرزائین ومن يتولہم من المنافقین و الکافرین
 اعدائک اعداء الدین اللہم انا نجعلک فی نحوہم و نعوذ بک من شر وہم۔
الْحَوَاجِبُ خطبہ جمعہ کے اندر الفاظ مندرجہ بالا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
 ختم نبوت کا تذکرہ ہو۔ اور دیگر مدعیان نبوت کی تردید ہو پڑھنا جائز ہے
 بلکہ جس ملک یا علاقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف کوششیں ہو رہی ہوں
 وہاں اس قسم کے الفاظ ضرور پڑھنے چاہئیں۔ اور مسلمانوں کو خصوصاً حکام اسلام کو ان
 الفاظ پر اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ ورنہ ان کے ایمان کے سخت ضعف کا خطرہ ہے۔ جموعہ خطبوں اور
 دعاؤں میں اللہ سے موجودہ دور کے فتنوں سے پناہ مانگنا عین عبادت ہے۔ اور عبادت

سے روکنا کسی مسلمان کے لئے لائق نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ خادم الافشاء، خیر المدارس، ملتان

نیتِ جمعہ میں اسقاطِ ظہر کو ضروری قرار دینا،

ایک عالم فاضل جو فنِ حدیث و دین کا ماہر ہے وہ لوگوں کے مجمع میں اعلان کرتا ہے کہ جو نیتِ جمعہ تم کرتے رہے ہو نہایت غلط ہے جس کی وجہ سے تمہارے سب جمعے غلط ہوئے۔ اصلی نیتِ جمعہ کی یہ ہے کہ :-

نویت ان اصلی رکعتی الجمعة لله تعالى را سقط عن ذمتی الظہر

متوجہاً الی الکعبۃ الشریفۃ اقتدیت بهذا الامام - دوسرا فریق کہتا ہے کہ :-

نویت ان اصلی رکعتی الجمعة فرضاً لله تعالى اقتدیت۔ بهذا الامام

متوجہاً الی الکعبۃ الشریفۃ - آیا فریق اول کی نیت صحیح ہے یا ثانی کی -

جس جگہ جمعہ واجب ہے وہاں صرف اصلی رکعتی الجمعة فرضاً الخ
کہنا کافی ہے لا سقط عن ذمتی الظہر کی کوئی ضرورت نہیں جس
جگہ جمعہ فرض ہے تو اسقاطِ ظہر کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور جہاں جمعہ فرض نہیں وہاں ظہر ہی پڑھی جائے گی۔

الجواب

فقط واللہ اعلم : بندہ اصغر علی غفرلہ، معین مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۳/۱۸
الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ، مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۳/۱۸

دورانِ خطبہ کوئی اعتراف کرے تو اس کو جو اسب دینا،

ایک خطیب نے خطبہ کی ابتدا میں خطبہ پڑھتے ہوئے یہ کہا:

الحمد لله الذي فضّل نبينا على سائر الانبياء والمرسلين وانزل عليه
الكتاب تبينا لكل شيء وهدى للمؤمنين -

تو ایک نابینا مظلوم نے خطبہ غلط پڑھا ہے۔ مولوی صاحب خطیب نے کہا میں نے تو ابھی خطبہ
جمعہ پڑھنا شروع کیا ہے یہ آیت قرآن پاک پڑھی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا خطبہ پڑھنا غلط
ہے یا صحیح یا ناجائز یا گناہ؟

خطبہ میں کوئی غلطی نہیں ہے بالکل درست ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ :-
الجواب انما بنيت المحظية لذكر الله — لہذا اگر خطیب اس کے بعد آیات
قرآنیہ وغیرہ تلاوت نہ کرے تب بھی خطبہ صحیح ہوگا۔ نابینا کا اعتراض غلط ہے۔

سید مسعود علی غفر اللہ لہ مفتی انوار العلوم

جواب صحیح ہے لیکن خطیب صاحب کو دوران خطبہ نابینا کو جواب دہی کرنا
غیر مناسب تھا بعد از فراغ سمجھانا چاہیے تھا۔ بہر حال ان کا اعتراض غلط ہے اگر واقعہ یہی ہو۔

فقط واللہ اعلم، بندہ عبد اللہ غفر اللہ لہ خادم الاقا۔ خیر المدارس

بوقتِ خطبہ فوت شدہ نماز یاد آگئی تو کیسے کرے؟

جمعہ کے روز جب خطیب خطبہ کے لئے منبر پر آگیا اس وقت سامعین میں کسی کو یاد آیا
کہ اس کے ذمہ فوت شدہ نماز ہے کیا اس وقت فوت شدہ نماز پڑھنے کی گنجائش ہے جبکہ یہ آدمی
صاحب ترتیب بھی ہو۔

شخص مذکور پہلے فوت شدہ نماز ادا کرے پھر جمعہ مل جائے تو جمعہ پڑھ لے ورنہ
الجواب ظہر ادا کرے۔ واذ اخرج الامام فلا صلوة ولا كلام (مراقی)

(قوله فلا صلوة) سواء كانت قضاء فائتة او صلوة جنازة
او سجدة تلاوة او مندورة لفلان الا اذا ترك فائتة ولو وتر او
صاحب ترتیب فلا يكره الشروع فيها بل يجب لضرورة صحة الجمعة

فقط واللہ اعلم،
(طحاوی ص ۲۸۳)

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد اللہ غفر اللہ عنہ

پندرہ بیس آدمی ایک مسجد میں جمعہ کے روز اس وقت پہنچے جبکہ جمعہ ہو چکا تھا۔ کیا یہ لوگ اس مسجد میں جمعہ جمع

مسجد میں تکرار جمعہ کا حکم

خطبہ جماعت سے پڑھیں یا باجماعت ظہر ادا کریں۔؟

چونکہ تعدد جمعہ ہذا سب صحیح جائز ہے اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں اس لئے ان لوگوں کو چاہئے کہ جمعہ باجماعت مع خطبہ ادا کریں اگر

الجواب

اسی مسجد میں ہو تو بھی کوئی عوج نہیں۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو۔ (فتاویٰ عبدالحی ص ۳۱۰)

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۱۰/۱۴۱۰ھ

بعض لوگوں کا معمول یہ ہے کہ

کیا جمعہ کے دن قبرستان جانا درست ہے۔؟

کا اہتمام کرتے ہیں کیا یہ درست ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔؟

پر نیتِ عبرت جمعہ کے دن قبرستان جانا مندوب ہے۔

الجواب

ای لا یأس بہا بل تنذب کما فی البحر عن المجتبی

فکان ینبغی التصریح بہ لئلا ھربھا فی الحدیث المذکور کما

فی الامداد و تزار فی کل اسبوع کما فی مختارات

النوازل قال فی شرح لباب المناسک الا ان الا فضل یوم الجمعة السبت

والاثنين والخمیس فقد قال محمد بن واسع المونی یعلمون بزوارھم

یوم الجمعة یوماً قبلہ و یوماً بعدہ فتحصل ان یوم الجمعة افضل اھ

(شامی ج ۱ ص ۸۲۳) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۳/۱۴۰۹ھ

کیا بغیر خطبہ کے نماز جمعہ درست ہے یا نہیں۔؟

بلا خطبہ نماز جمعہ کا حکم

خطبہ جمعہ کی شرائط سے ہے۔ اس کے بغیر پڑھیں گے تو جمعہ ادا نہیں ہوگا۔

ومنھا الخطبۃ قبلہا حتی لو صلوا بلا خطبۃ او خطب

الجواب

قبل الوقت لم یجزاھ (عالمگیری ص ۴۵) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ كَمَا تَحْقِيقُ !

جمعہ کے دوسرے خطبے میں اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً پڑھا جاتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہری و باطنی گناہ کیا کرتے تھے۔ نعوذ باللہ۔ اس لئے ان کیلئے دُعا مغفرت کی جاتی ہے جبکہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ تو پھر حضرت عباسؓ کے ظاہری و باطنی گناہ کا اقرار کیوں کیا جا رہا ہے۔

۱۔ پرسوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عباسؓ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل نہیں نعوذ باللہ
۲۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی صحابیؓ کا نام لے کر دُعا نہیں کی جاتی بلکہ رضی اللہ الخ پڑھا جاتا ہے۔ صرف حضرت عباسؓ کے لئے دُعا کیوں مخصوص ہے۔ خطبہ میں جب حضرت عباسؓ کے ظاہری و باطنی گناہ کا اقرار کیا جاتا ہے تو ردِ فضیول کا کہنا یہ درست ہے کہ حضرت عباسؓ گناہ گارتھے اور گناہ کرتے رہے۔ اس لئے قیامت کے روز اندھے اٹھائے جائیں گے۔ نعوذ باللہ۔

حضرت عباسؓ کی بابت بالا الفاظ کے ساتھ دعائیں کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ملاحظہ فرمادیں مشکوٰۃ شریف ص ۵۰ ج ۲۔

الجواب

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعباس اذا كان غداة الا ثنين فأتني انت وولدك حتى ادعوا ليكم بدعوة ينفعك الله بها وولدك فعدوا عند ونامعوا بالسناكساء ثم قال اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لَا تَقَادِرُ ذُنُوبًا الخ

جس کسی نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہری و باطنی گناہ میں مُبتلا تھے یا وہ صحابہؓ میں شامل نہیں تھے۔ یہ اس قائل کے سو فہم کا نتیجہ ہے۔ حقیقت سے اس کا دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ



جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنے کی شرعی کیا حیثیت ہے۔
جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنا گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں۔؟ مینوا لوجروا

سنتوں کے بارے میں اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جہاں خشوع زیادہ ہو وہاں پڑھی جائیں
الجواب لیکن آج کل ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی ہے جو قبلہ اور بعدیہ سنتوں کو کوئی اہمیت

نہیں دیتی بلکہ بعض تو ہرے سے منکر ہیں اس لئے آج کل مناسب یہی ہے کہ تمام سنن قبلہ و بعدیہ مسجد میں ادا
 کی جائیں۔ فقط واللہ اعلم
 محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۹/۱۴۱۲ھ

شدید بارش ہو رہی ہو تو جمعہ کے لئے جانے کا حکم جمعہ کے دن شرعی ہے

جمعہ کے وقت تک موسمِ دھار بارش ہو رہی تھی تو کیا ایسے حالات میں بھی جمعہ کے لئے جانا ضروری تھا۔
 ایسی صورت میں نہ جانے کی گنجائش ہے۔

الجواب اذا اصاب الناس مطر شديد يوم الجمعة فهم في سعة
 من التخلف اه (عالمگیری ص ۱۱۷) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خطیب کو وضو کی حاجت پیش آجائے تو کیا کرے؟

بندہ جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا کہ خطبہ کے بعد فریج ریج کا احساس ہوا۔ بنا براعتیاط وضو کر لیا گیا۔
 کیا وہ سابقہ خطبہ کافی ہے یا نماز سے قبل دوبارہ خطبہ دینا چاہیے تھا۔؟

وہی خطبہ کافی ہے۔ اس فصل کی وجہ سے خطبہ کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔
الجواب فاذا اتوا قيمت ويكره الفصل بامر الدنيا اه (درمختار)

(قولہ بامر الدنيا) اما ننهي عن منكر او امر بمعروف فلا وكذا بوضوء
 او غسل لو ظهر انه محدث او جنب كما مر بخلاف اكل او شرب حتى
 لو طال الفصل استأنف الخطبة كما مر فافهمو۔ (شامی ص ۱۱۷)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نماز کے بعد سوال کرنے کا حکم

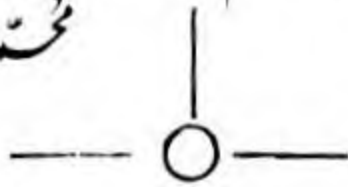
بعض سائلین جمعہ کی نماز کے فوراً بعد سوال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا ان سائلین کو کچھ دینا جائز ہے یا ان کو سوال سے روکا جائے؟

سائل اگر واقعی ضرورت مند ہو پیشہ ورنہ ہو اور کسی مجبوری کے تحت سوال کر رہا ہو اور نمازیوں کو پریشان نہ کرے ناٹخنے میں حد سے تجاوز نہ کرے تو سوال کی گنجائش ہے اور دینا بھی درست ہے۔

الجواب

المختار ان السائل اذا كان لا يترقب بين يدي المصلي ولا يتخطى رقاب الناس ولا يسئال الناس الحافا ويسئال ما لا بد منه لا بأس بالسؤال والاعطاء اه (مجموعۃ الفتاویٰ ۲/۲۱۲) فقط والله اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۱۲/۲۰۰۹ھ



ایک آدمی نابینا ہے شہر میں رہتا ہے کیا اس پر فرض ہے یا نہیں؟

امام محمد کے نزدیک اگر کوئی نابینا کو مسجد میں لے جانے والا بل جائے تو اس پر جمعہ لازم ہے۔

الجواب

وقال محمد الاعمى اذا وجد قاتدا يلزمه والفرد لمحمد ان العمى قادر على السعي الا انه لا يهتدى فاذا وجد قاتدا يلزمه كالصحيح اذا صد الطرقت اه (قاضی خان ص ۸۴)

وفي الشامية بل يظهور وجوبها على بعض العميان الذي يمشى في الاسواق ويعرف الطرقت بلا قاتدا ولا كلفته ويعرف اى مسجد اراده بلا سؤال احد لانه حينئذ كالسريع القادر على الخروج بنفسه بل ربما تلحقه مشقة اكثر من هذا تأمل اه (شامی ص ۶۲)

فقط والله اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۱/۲۰۰۹ھ

جمعہ کے لئے سواری پر آنا بہتر ہے یا پیدل
 جمعہ پڑھنے کے لئے موٹر سائیکل، کار، یا
 کسی دوسری سواری پر سوار ہو کر آنا شرعاً

درست ہے یا نہیں؟

اگر فاصلہ قریب ہو اور ہمت ہو تو پیدل چل کر آنا افضل ہے :-

ولابأس بالركوب للجمعة والعیدین والمشي افضل اه

الجواب

(غلامتہ الفتاویٰ ص ۲۱۱) فقط واللہ اعلم محمد نور عفا اللہ عنہ



کیا خطبہ اونچا پڑھنا ضروری ہے
 خطبہ میں آواز کس قدر بلند ہونی چاہیے؟

دیاجائے۔ ومن المستحب ان یرفع الخضبیب صوتہ وان یكون الجهر فی الثانیۃ دون الاولیٰ اه

(عالمگیری ص ۶۹) فقط واللہ اعلم محمد نور عفا اللہ عنہ ۳/۴/۱۴۱۲ھ



کلام اللہ کی تلاوت جاری رکھیں یا وعظ سنیں
 کلام اللہ کی تلاوت کر رہے ہیں یا تلاوت بند کر کے بیان سننے؟

شرع ہو جانے آیا یہ شخص تلاوت کرتا رہے یا تلاوت بند کر کے بیان سننے؟
 تلاوت کو مؤخر کر کے وعظ سننے بشرطیکہ وہ حقیقت میں وعظ و نصیحت ہو۔ شامی

الجواب

میں (قولہ فاستماع العظۃ اولیٰ) کے تحت لکھا ہے :-

الظاہر ان هذا خاص بمن لا قدرۃ لہ علی فہم الآیات القرآنیۃ
 والتدبر فی معانیہا الشرعیۃ والا تعاط بمواعظہا الحکمیۃ اذ لا شک
 ان من لہ قدرۃ علی ذلك یكون استماعہ اولیٰ بل اوجب بخلاف
 الجاہل فانہ یفہم من المعلم والمواعظ ما لا یفہم من القاری

فكان ذلك النفع لنا اه (شامیہ ص ۶۲) فقط واللہ اعلم
 محمد نور عفا اللہ عنہ

۱۱/۴/۱۴۰۹ھ



خطبہ دیتے وقت دائیں بائیں حاضرین کی طرف نظر کرنا کیسا ہے؟

بعض خطباء کی عادت ہوتی ہے کہ دائیں بائیں حاضرین کی طرف متوجہ ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی اس طرف رخ کر لیا کبھی اس طرف کیا یہ درست یا سیدھا ہی رُخ رکھنا چاہیے؟ —

سُنّت یہی ہے کہ سامنے کی طرف متوجہ رہیں۔ ادھر ادھر متوجہ نہ ہوں :-

الجواب

ما يفعلك بعض الخطباء من تحويل الوجه جهة اليمين ووجه اليسار

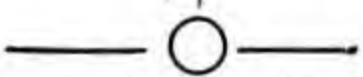
عند الصلوة على النبي عليه الصلوة والسلام في الخطبة الثانية لو أرم من

ذكرة والظاهر انه بدعة ينبغي تركه لئلا يتوهم انه سنة شعر أيت

في منهاج النووي قال ولا يلتفت يمينا وشمالا في شئ منها قال

ابن حجر في شرحه لان ذلك بدعة هـ (شامی ج ۱ ص ۵۹)

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۱/۱۴۱۲ھ



تقریر جمعہ کے پہلے ہو یا بعد میں جمعہ کی نماز سے پہلے یعنی خطبہ سے

پہلے تقریر کرنا اور نماز جمعہ کے بعد وعظ کرنا ان دونوں میں سے کون سا سنت کے مطابق ہے —

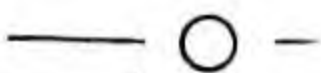
یہ تقریر نماز جمعہ کے آداب و سنن میں سے نہیں مستقل چیز ہے۔ جس وقت میں سلیمین

الجواب

کے لئے انفع ہو۔ اس وقت کا تعین کر لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۶/۳/۱۴۰۲ھ



مسافر جمعہ کی اذان سننے کے بعد سفر نہ کرے

مسافر جمعہ کے روز شہر سے اذان سننے کے باوجود سفر کر سکتا ہے یا نہیں؟

نہیں۔ — ويجب ترك البيع وكذا ترك كل شئ

الجواب

يؤدى الى الاشتغال عن السعي اليها ومنه انشاء السفر

عنده (كذا في السراج مع حاشية الصلحطاوى فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۳/۱۴۰۲ھ

مقدمی سائے نابالغ ہوں تو جمعہ کا حکم،

اگر صرف نابالغ بچے ہوں تو ان کی جماعت بنا کر جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔؟
الجواب جب ایک یا دو بالغ ہوں تو امام کے پیچھے ان کی صف ہونی چاہیے اور نابالغوں کی صف ان کے پیچھے ہونی چاہیے۔ اور صرف نابالغ ہونے کی صورت میں ان کی صف امام کے پیچھے ہو۔ امام کی نماز میں کوئی نقص نہیں آئے گا۔ لیکن جمعہ کی نماز میں صرف بچے ہوں تو جمعہ نہیں ہوگا۔

وتحصل فضيلة الجماعة بصلوته مع واحد (ای من الصبيان) الا في الجمعة
 فلا تصوم بثلاثاء منهمواہ (الاشباه والنظائر ص ۲۸)۔ فقط والله اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۲ / ۱۱ / ۹۸ هج

مفتی خیر المدارس ملتان

خطبہ جمعہ سے قبل حاضرین کو السلام علیکم کہنا

بعض خطبا بہم ہوں ہے کہ منبر پر چڑھتے وقت سامعین کو السلام علیکم کہتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے۔
الجواب خطبہ کے لئے منبر پر چڑھتے وقت السلام علیکم کہنا صحیح سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے منقول نہیں۔ اس لئے یہ مکروہ ہے۔

ولا یسلم الخَطیب علی القوم إذا استوی علی المنبر لانه یلحظهم الی ما
 نھوا عنہ و العروی من سلامہ عندنا غیر مقبول و فی الكبیری قال لیس بالقوی
 وقال عبد الحق فی الاحکام الكبیری هو مرسل قال واسندہ ابو احمد من حدیث
 ابن لھیعہ وهو معروف فی الضعفاء ولا یحتج بہ (کبیری ص ۱۵)

فقط والله اعلم،

الجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ہوائی جہاز میں جمعہ پڑھنے کا حکم

ہماری تبلیغی جماعت نے بیرون ملک ایک طویل سفر کرنا ہے جس میں دن کا اکثر حصہ جہاز میں گزرے گا۔ جہاز میں تین چار آدمی مل کر جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے؛ کیا ہم دوران سفر جمعہ پڑھیں یا ظہر کی نماز ادا کریں۔؟

جمعہ کے لئے مصر یا فناء مصر شرط ہے۔ فناء مصر میں داخل ہے۔ نہ فناء مصر میں لہذا وہاں ظہر ادا کریں۔

(فتاویٰ غلیبہ ص ۱۱۸)

الجواب

سجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۲/۱۴۰۹ھ

جمعہ کے دن بال نماز جمعہ سے پہلے ترشوائیں یا بعد میں؟

شامی میں ہے :-

ويكبره تقليم الاظفار وقص الشارب في يوم الجمعة قبل الصلوة

کیا مفتی یہ قول یہی ہے کہ نماز جمعہ سے قبل ناخن تراشنا اور حجامت بنوانا مکروہ ہے۔

مدلل تحریر فرمائیں۔ بینواتوجروا۔

شامی ج ۲ کتاب الحفظ والاباحۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول مرجوح ہے۔ ناخن

وغیرہ اور بال ترشوانا جمعہ سے پہلے ہو (قولہ دكونه بعد الصلوة افضل) ای لتناولہ بركة

الجواب

الصلوة وهو مخالف لما نذكره قريبا في الحديث ۱۵ ص ۲۶۸

مخطاؤں میں تصریح ہے کہ بال کوٹنا اور ناخن کاٹنا جمعہ سے پہلے سنت ہے۔

وظاهر الاحادیث يدل على ان القلم قبل الصلوة فنانى بعض الكتب

انما بعدها يشهد له بالصلوة لا يعول عليه لانه تليل في مقابلة النص

فقط واللہ اعلم (مخطاوی ص ۲۶۶)

محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی پہلی چار سنتوں میں قعدہ اولیٰ میں تشہد پر اضافہ کا حکم

ایک آدمی جمعہ کی پہلی یا بعد والی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ پہلے تشہد میں درود شریف پڑھ لیتا ہے۔ کیا اس پر سجدہ سہو ہے یا نہیں؟

بینوا تو جسروا

پہلے قعدہ میں تشہد پر اضافہ نہ کرے ورنہ سجدہ سہو واجب ہوگا۔

الجواب

ولا یصلیٰ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدة الاولى فی الرابع

قبل الظہر والجمعة وبعدها ولو صلی ناسیاً فعلیہ السہو وقیل لا شئنی (در مختار)

(قولہ وقیل لا الخ) قال فی البحر ولا یخفی ما فیہ والظاهر الاوّل مراد فی المنح و

من ثم عولنا علیہ وحکینا ما فی القنیۃ بقیل اه (شامی ص ۶۳۳) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶/۲/۱۴۱۰ھ

جمعہ کی نماز میں مسنون ترات

جمعہ کی نماز میں کون کون سی سورت کی ترات مسنون ہے۔؟

جمعہ کی دونوں رکعتوں میں وہی قرأت مسنون ہے جو ظہر کی رکعتوں میں مسنون ہے۔ یہ مختصر

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورۃ جمعہ، منافقون، سبح اسم ربک الاعلیٰ اور سورۃ غاشیہ

الجواب

پڑھنا بھی ثابت ہے۔ مگر اس کو مستقل معمول نہ بنائے تاکہ عام لوگ اسے واجب نہ سمجھیں۔

وفی التحفة وغیرہا یقرأ فیہما قدر ما یقرأ فی الظہر لا یخا بدل منه وان

قرأ بسورة الجمعة واذاجبارك المنافقون او بسبح اسم ربك الاعلى وهل

اتك حديث الغاشية، تبرکاً بالماثورة عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی

ما مرفی صفة الصلوٰۃ کان حسناً لکن یترکہ احیاناً لئلا یتوہم

(کبریٰ ص ۵۱۶)

العامة وجوبہ

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۶/۲/۱۴۱۰ھ

تبلیغی جماعتوں کا زوال سے پہلے شہر سے جانا۔

تبلیغی جماعت والے جمعہ المبارک کے دن شہر سے بستوں میں جاتے ہیں۔ تین دن کے لئے تبلیغ کی غرض سے اور بارہ بجے کے قریب مسجد سے چلے جاتے ہیں جبکہ جمعہ کی اذان ہونے والی ہوتی ہے۔ جمعہ پڑھے بغیر چلے جاتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے۔ جمعہ پڑھ کر جائیں یا پہلے چلے جائیں۔؟ شرعاً کیا حکم ہے۔
 فقط والسلام۔ مولانا حاجی نور محمد صاحب خطیب مہلی مسجد منچن آباد۔ ضلع بہاولنگر
 بہتر یہی ہے کہ جمعہ پڑھ کر جائیں ویسے اگر پہلے بھی چلے جائیں تو گنجائش ہے:

الجواب ۷

ولا یکرہ الخروج للسفر یوم الجمعة قبل الزوال وبعده

وان کان یعلم انه لا ینخرج من مصره الا بعد ماضی الوقت ینلزم ان

ینتہد الجمعة ویکرہ له الخروج قبل اداھا ۱۱۔ (عالمگیری ص ۱۴۳)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ

۳۰ / ۴ / ۱۴۱۰ ھ

جمعت الوداع عید گاہ میں ادا کرنا

ہماری علاقہ میں یہ معمول ہے کہ جمعۃ الوداع عید گاہ میں ادا کیا جاتا ہے کیا یہ شرعاً درست ہے۔؟

الجواب ۷ اگر جامع مسجد منچن گنجائش جمعۃ الوداع کی نماز بھی حسب معمول جامع مسجد میں ادا کی جائے کیونکہ عید گاہ

میں جا کر پڑھنے کا استحباب عیدین کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جمعہ بہر حال ادا ہو گیا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ کے سلام کے بعد دعا مختصر ہو یا لمبی

بعض خطیبوں کی عادت ہوتی ہے کہ مطول دعا مانگتے ہیں۔ کیا نماز جمعہ کے بعد مختصر دعا ہونی چاہیے

یا لمبی۔ شرعاً کیا حکم ہے۔؟

جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں امام مختصر دعا مانگے۔ (بانی الثامیہ ص ۲۹۴ ج ۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب ۷

جمع کے دن کثرتِ درود کی مقدار
 حدیث میں جو آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

ان اولی الناس بی یوم القیمة اکثرهم علی صلوة۔

کیا اس کثرت کی کوئی مقدار متعین ہے۔ اس کثرت سے کیا مراد ہے۔ ؟

یوں تو درود پاک ایسی بابرکت چیز ہے کہ جتنا بھی پڑھا جائے کم ہے۔ لیکن علماء سخاوی

نے قوتِ اقلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم از کم مقدار تین سو مرتبہ ہے۔

الجواب

(فضائل درود ص ۶۹) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۴/۱۴۱۱ھ

امام کے لئے نماز جمعہ میں آیت سجدہ پڑھنے کا حکم
 کیا عام نمازوں کی طرح جمعہ کی

نماز میں بھی امام ایسی آیت پڑھ سکتا ہے جس میں سجدہ تلاوت ہو۔ ؟

وینکرہ للإمام ان یقرأها فی مخالفتہ و نحو جمعة و عید

(در مختار) (قوله وینکرہ للإمام) لانه ان ترک السجود لها فقد ترک

الجواب

واجباً وان سجد بشتباً علی المقتدین شرح المنیہ ۱۱ (شامی ص ۱۱۱)

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۱/۱۲/۱۴۰۹ھ

فقط واللہ اعلم

ٹیپ سے نشر شدہ خطبہ کا حکم
 خطبہ کے لئے کوئی آدمی نہیں مل رہا اگر ٹیپ ریکارڈ

کے ذریعے سے خطبہ پڑھوایا گیا کیا خطبہ ادا ہوگا یا نہیں۔ ؟

چونکہ ٹیپ آواز کی نقل ہوتی ہے جیسے کہ صدائے بازگشت لہذا اس پر پڑھا ہوا

خطبہ معتبر نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ ظہر کا وقت ختم ہو گیا تو جمعہ کا حکم،

بعض لوگ جمعہ کی نمازیں اتنی لمبی لمبی تقریب کرتے ہیں کہ اس دوران جمعہ سے فراغت سے پہلے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے تو کیا ان کا جمعہ ادا ہو گیا۔؟

ان کا جمعہ ادا نہیں ہوا۔ نئے سرے سے ظہر ادا کریں۔

الجواب

وان خرج وقت الظہر قبل الفراغ عن الجمعة فسدت الجمعة

وعليه يستقبل الظہر اه (قاضی خان ص ۸۷ ج ۱) فقط والله اعلم
(محمد انور خیر المدارس ملتان)

شب جمعہ جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کو عذاب قبر نہیں ہوگا،

کیا چنانچہ رمضان یا محرم یا جمعہ کے دن فوت ہو جائے اس کے حساب گانے عذاب ہوتا ہے۔ اگر ہے تو کیا حد ہے آنری جملہ کی وضاحت یعنی ماہ رمضان اور محرم ان دونوں میں مرنے والے سے عذاب قبر اگر موقوف ہے تو آیا اس کے پاس میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اگر ہے تو کیا اس کے لئے حقوق العباد سے سبکدوش ہونا بھی شرط ہے۔ یا یہ کہ دنیا میں جس قدر جی چاہے حقوق غصب کرتا ہے اور نہ خود لے اور نہ وارث دیں۔ مگر مذکورہ بالا دنوں اور مہینوں میں مر جائے تو اسے عذاب قبر نہ ہوگا؟

عذاب قبر کے معاف ہونے کی بشارت جمعہ کے دن یارات میں مرنے والے کے لئے

الجواب

آئی ہے اور ایسے ہی رمضان میں مرنے والے کے لئے بھی ہے۔ مگر عشرہ محرم میں مرنے والے کے لئے بشارت نہیں لیکن حقوق العباد وغیرہ اس سے معاف نہیں ہوں گے۔ ان کی ادائیگی بہر حال ضروری ہے۔ یا صاحب حق سے معاف کرایا جائے۔

ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر. قال الترمذي في شرح المشكوة فتنة القبر أي سؤاله وعذابه وهو يَحْتَمِلُ الاطلاق والتقييد والاوّل هو الاوّل بالنسبة الى فضل المولى اه (مشکوٰۃ ص ۱۲۱ العاشیہ ۷) فقط والله اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ————— مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ میں شرکت سے معذور جمعہ کے بعد ظہر ادا کرنے

معذور اور قیدی یا مسافر جن کے لئے جمعہ میں شرکت کسی بنا پر ممکن ہی نہیں۔ وہ ظہر کی نماز جمعہ ہو چکنے کے بعد پڑھیں یا پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

مذکورہ لوگ جمعہ ہو چکنے کے بعد ظہر ادا کریں۔

الجواب

ولستحب للمريض والمسافر واهل السجن تاخير الظهر الى

فراغ الامام من الجمعة وان لم يؤخر يكره في الصحيح (ہندیہ ص ۷۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور



مختلف بستیاں مل کر جمعہ ادا نہیں کر سکتیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۳ بستیاں مل کر ایک مسجد میں نماز جمعہ پڑھ سکتی ہیں یا نہیں۔ ہر ایک بستی کے گھر بہ ۵۰، ۵۰ ہوں گے اور جملہ گھر ۱۵۰ تا ۱۶۰ ہوتے ہیں۔ ان بستیوں کی مسجد الگ الگ ہے۔ نماز جمعہ کے دن ۳۰/۴۰ بہ آدمی بھی ہو جاتے ہیں۔ ان بستیوں کا آپس میں ایک یا دو فرلانگ کا فاصلہ ہوگا۔ ان میں ایک ایک دکان کر یا نہ کی بھی ہے۔ اور ایک ایک دکان کپڑے کی بھی ہے۔ کیا ان بستیوں میں جمعہ ہو جائے گا یا نہیں۔

صورت مسئلہ میں بوجہ نہ پائے جانے شرط جمعہ کے یہاں اقامت جمعہ جائز نہیں۔ ہر بستی والے ظہر کی نماز ادا کریں۔ جمعہ پڑھنے کی صورت میں ظہران پر باقی رہے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب

فقط واللہ اعلم، العبد الفقیر

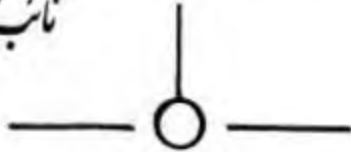
اجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مفتی خیر المدارس ملتان



خطبہ میں حاضرین کا درود پڑھنا خطبہ جمعہ میں جب خطیب ان اللہ وملتکت

پڑھتا ہے۔ اس وقت درود شریف پڑھنا کیسا ہے۔

اس وقت دل میں درود پاک پڑھ لے زبان سے نہ پڑھے۔ والصواب انما یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ ^{اور نماز} اھ

الجواب ۷

(قولہ فی نفسہ) ای بان یسمع نفسہ اولیٰ علی الحروف فانہم فسروہ بہا وعن

ابی یوسف قابلاً انما را لا امری الا نصات والصلوة علیہ صلی اللہ علیہ وسلم

کما فی الکرمانی قہستانی قبیل: باب الاماتہ واقصر فی الجوہرۃ علی الاخیر

جیٹ قال ولم ینطق بہ لانہا تدرک فی غیر ہذا الحال والسماع یفوت ^{ثانی} اھ

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

نابالغ اگر خطبہ دیدے تو کیا خطبہ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

اگر کسی جگہ کوئی بالغ خطبہ دینے والا نہ ہو اور نابالغ نماز حنفی دیکھ کر خطبہ پڑھ دے تو خطبہ صحیح ہو جائے گا؟

مجھے دارالبحر خطبہ پڑھے تو خطبہ صحیح ہو جائے گا۔

الجواب ۸

وفی الظاہیرۃ لو خطب صبی اختلف المشاخ فیہ والخلاف فی

صبی یعقل والا کثر علی الجواز اھ (ثانی ص ۱۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

○
حضرت نانوتوی قدس سترہ اور دیہات میں جمعہ

حضرت اقدس نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معروف ہے کہ وہ جمعہ کے مستند میں نرمی فرماتے

تھے اور فرماتے تھے کہ جہاں جمعہ جاری ہو وہاں نزاع نہ کیا جائے۔ کیا یہ درست ہے۔؟

جمعہ فی القری کے بارے میں حنفیہ کا محقق مذہب وہی ہے جو کتب فتاویٰ میں مصرح

ہے اور تفصیل سے مذکور ہے۔ حضرت نانوتوی کے منع کا مصداق وہ جگہیں ہیں جن کا

الجواب ۹

قریہ صغیرہ یا کبیرہ ہونا مختلف فیہ ہو اور وہاں جمعہ قائم ہو تو حضرت وہاں نزاع سے منع فرماتے تھے۔ بایں وجہ

کہ کسی درجہ میں گنجائش ہے۔

کنزانی فتاویٰ دارالعلوم مبلدہ

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ فی القریٰ کے بائے میں مذہب غیر پر عمل کرنا۔

جمعہ فی القریٰ کے بارہ میں مالیحیہ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ مفقود الخبر کی زوجہ کے بارہ میں
اہم مالک کے مذہب پر عمل کیا جاتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ اہم مالک کے مذہب کی بنا پر جائز قرار دینا درست
نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی ضرورت نہیں جو زوجہ مفقود الخبر میں ہے۔ لہذا اس کو زوجہ

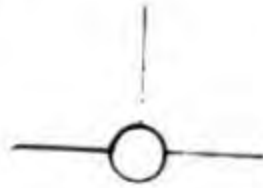
الجواب

مفقود الخبر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ

۱۶/۹/۱۳۷۸ھ



الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

اذانِ اول کے بعد درس و تدریس

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد نماز کی تیاری کر کے مسجد سے باہر ایسی جگہ پر جو کہ مسجد کے بالکل قریب ہے صرف
ایک دیوار مسجد اور اس کے مابین حائل ہے وہیں بیٹھ کر درس و تدریس اکل و شرب میں مشغول ہونا کیسا ہے۔
جبکہ پورا اطمینان ہے کہ اذانِ ثانی و خطبہ سے قبل مسجد میں پہنچ جائے گا۔

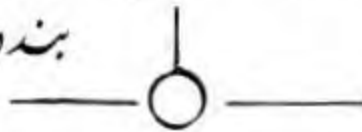
مولانا احسان الحق، مدرسہ عربیہ رائے ونڈ

گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ سورتِ مسئلہ میں یہ درس و تدریس مغلّٰل معنی نہیں۔ نیز ایسا درس

فنائے مسجد میں داخل ہے۔ توسعی متحقق ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴/۶/۲۰۲۰ھ



جمعہ کے بعد بھی تکبیر تشریق پڑھی جائیں

ایام تشریق میں جمعہ کی نماز کے بعد بھی تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے یا نہیں۔؟

جمعہ کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں۔

الجواب

ویکیرون عقبی الجمعة ام (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۱۶)

محمد النور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جموعہ کے لئے "اول آنے" سے کونسا وقت مراد ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو جمعہ کے لئے سب سے پہلے آئے گا۔ گویا اس نے اونٹ کی قربانی دی اور دو آنے والے نے گائے کی۔ اس اول اور دوم آنے سے کونسا وقت مراد ہے۔؟

جمہور کے نزدیک صبح کی نماز کے بعد سے لے کر امام کے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہونے تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ حصوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ مثلاً صبح

الجواب

کی نماز کے بعد سے لے کر فرہوض الامام للخطبة تک پانچ گھنٹے ہوں تو ایک ایک گھنٹہ ہو جائے گا فالذہب فی الاذن والى كالمهدي بؤدنة الخ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر ساعت سے مراد یہ ہو جو آپ فرماتے ہیں تو کوئی بھی بندہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اس لئے کہ ہم نے نہیں سنا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صبح سے سجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہوں اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب کے باوجود چھوڑ دیتے۔ اور حضرت عثمان کی حدیث سے بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اذان کے وقت جبکہ خطبہ ہو گیا اس وقت آئے تو ہاجرین اولین کا اگر یہ حال تھا تو پھر اوروں کا کیا حال پوچھنا۔ اس لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ ساعات بعد الزوال شروع ہونگی اور زوال کے بعد سے لے کر نہوض الامام للخطبة تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر ایک گھنٹہ ہو تو بارہ بارہ منٹ کی ساعات ہو جائیں گی۔

جمہور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زوال کے ہوتے ہی خطبہ کی اذان ہو جایا کرتی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس وقت اذان اول تو تھی ہی نہیں۔ یہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زیادہ کی گئی پھر ساعات کہاں ملیں گی۔ لہذا ساری ترغیب بیکار ہو جائے گی اور یہ کہنا کہ صحابہ سے منقول نہیں ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے اور یہاں جمہور اور مالکی کے خلاف چکی کا پاٹ ہے اور جہ میں اس کے موافق روایات تلاش کر کے لکھی گئی ہیں وہاں رکھو۔ اجمال یہ ہے کہ ذہاب الی الجمعۃ کے بارے میں مختلف روایات ہیں بعض میں "من غدا الی الجمعۃ" ہے۔ غدوہ کے معنی ہیں صبح کو جانا اور بعض میں راح ہے اور رواح کے معنی ہیں زوال کے بعد جانا اور بعض میں بکر ہے اور تبکیر و غدوہ ایک ہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ تبکیر میں کچھ مبالغہ اور بعض میں مجرہ کا لفظ ہے۔ میرے نزدیک بجز والی روایت راجح ہے۔ کیونکہ تبکیر کے معنی ہیں دھوپ میں جانا اور اس کے مراد لینے میں ہر روایت میں جمع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تبکیر و غدوہ کی روایات مجازاً قرآن کی وح سے تہجیر والی روایات پر محمول ہو جائیں گی۔ اس طرح راح والی بھی مجازاً اس پر محمول ہو جائے تو اب نہ مالکیہ کا اشکال رہتا ہے اور نہ جمہور کا۔ (از تقریر بخاری حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ)

فجر کی نماز رہ جائے تو جمعہ کی نماز کا حکم
 زید جمعہ کی نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کو یاد آیا کہ
 میں نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔ اب زید کے لئے

شرعاً کیا حکم ہے۔؟ — بینوا تو جسروا

اگر تو وقت اتنا تنگ ہے کہ جمعہ کی نماز توڑ کر فجر پڑھے گا تو جمعہ کا وقت ہی نکل جائیگا تو پھر جمعہ

ہی پڑھے ورنہ شیخین کے نزدیک جمعہ توڑ کر پہلے فجر ادا کرے اور امام محمد کے نزدیک

الجواب

جمعہ پڑھے پھر فوراً فجر ادا کرے۔

لو ذکر فی الجمعة ان علیہ الفجر فان کان لا یخاف فوت الجمعة یقطعها ویسبأ بالفجر

ولو فات الوقت یتم الجمعة لسقوط الترتیب بضیق الوقت اما لو خاف فوت

الجمعة لا الوقت فعندہما یسبأ بالفجر وعند محمد یتم الجمعة اه (عالمگیری ج ۱)

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ



جمعہ کی رات کو مرنے والے کی تدفین کو جمعہ تک مؤخر کرنا

کوئی شخص جمعہ کی رات کو فوت ہو گیا تو نماز جنازہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کے بعد تک تاخیر

کرنا شرعاً کیا ہے۔؟

سُنّت یہ ہے کہ تدفین میں جلدی کی جائے۔ اتنی دیر تک تدفین کو روکے رکھنا خلاف

سُنّت ہے۔ لہذا جتنے حاضرین جمع ہوں مل کر جنازہ پڑھ لیں۔ ہاں اگر تدفین میں مشغولیت

الجواب

کی وجہ سے جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر جمعہ کے بعد جنازہ پڑھ لیں۔

وکرہ تاخیر صلواتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوة الجمعة

إلا اذا خیف فوتھا بسبب دفنہا (در مختار) —

(قوله الا اذا خیف الا) فیؤخر الدفن وتقدم صلوة العید علی

صلوة الجنائز والجنائز علی الخطبة اه (شامی ج ۱ ص ۸۳۳)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۰/۹/۱۳۹۸ھ



جمعہ کے خطبہ میں حاکم وقت کے لئے عدل و انصاف کی دعا
کیا جمعہ کے خطبہ میں حاکم وقت کے لئے عدل

اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کی توفیق کی دعا کرنا درست ہے۔

درست ہے مگر تعریف و القاب میں مبالغہ نہ کریں۔ دعا تک ہی محدود

رکھیں : و جاز الدعاء للسلطان بالعدل والاحسان

محمد انور عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم (مخطاوی ص ۲۸۱)

الجواب

بوقتِ خطبہ سر پر عمامہ باندھنا جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو تو اس دوران سر پر

عمامہ باندھنا کیسا ہے۔

استماعِ خطبہ کے دوران درست نہیں۔

و یحرم فی الخطبة ما یحرم فی الصلوة حتی لا ینبغی ان

یاکل و یشرب۔ والامام فی الخطبة (عالمگیری ص ۱۱)

محمد انور عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم

الجواب

مالکِ مزدور کو جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں؟ مزدور یا مہتری کو مالک مکان

جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں روک سکتا تو جتنا وقت جمعہ و نماز میں لگے گا اس کی وجہ

مزدور کی تنخواہ میں کمی کی جائے گی۔

بینوا تو جسروا

جمعہ کے لئے جانے سے روک تو نہیں سکتا۔ اگر مسجد دور ہو اور وقت

کافی صرف ہو تو اتنی اجرت کاٹ سکتا ہے۔

الجواب

وللمستأجر ان ینزع الاجیر عن حضور الجمعة وهذا قول الامام ابی حفص

قال ابو علی الدقاق لیس له ان ینزع فی لمصر و لکن یسقط عنه الاجر بقدر

اشتغاله بذلك ان کان بعیداً وان کان قریباً لا یحط عنه شیء

عالمگیری (ص ۱۱۴) فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ

شہر قریہ صغیرہ بن جائے تو وہاں جمعہ کا حکم

ایک شہر بہت بڑا دریا کے کنارے موجود تھا مگر دریا کی کٹائی کی وجہ سے اب چند صد گھنٹہ

باقی بچ گئے۔ کیا اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

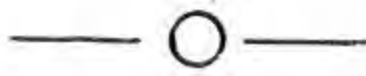
صحت جمعہ کے لئے اقامت جمعہ کے وقت اس جگہ کا مصر یا قریہ بکیرہ ہونا شرط ہے۔

ماضی میں شہر رہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہذا اب مذکورہ جگہ ظہر باجماعت ادا کریں۔

الجواب

وتقع فرضاً فی القصبات والقری البکیرۃ الی فیہا اسوات۔ (شامی ج ۱ ص ۴۸)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ (۱۰/۴/۱۳۹۶ھ)



جہاں جمعہ درست نہیں وہاں ظہر باجماعت پڑھیں

جہاں جمعہ کی ادائیگی کی شرائط بالاتفاق نہیں پائی جاتیں اور وہاں لوگ جمعہ پڑھ رہے ہیں وہ جمعہ ترک کر دیں

یا پڑھتے رہیں اگر جمعہ ترک کریں تو سابقہ ظہر کی نمازوں کی قضا کریں یا نہ کریں۔؟

جمعہ ترک کر دیں اور ظہر باجماعت کا اہتمام کریں اور سابقہ ظہر کی نمازوں کا حساب کر کے

ان کی بھی قضا کریں:

الجواب

فی الجواہر لوصلا فی القری لزہود اداء الظہر اھ (شامیہ ص ۴۸)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی ابتدائی سنتیں اگر رہ جائیں تو بعد میں ادا کی نیت سے پڑھیں۔

اگر جمعہ کی ابتدائی چار سنتیں رہ جائیں تو جمعہ کے بعد ان کو ادا کرتے وقت نیت ادا کی کریں یا قضا

کی نیت سے پڑھیں۔؟

ادا کی نیت کی جائے کیونکہ ظہر کا وقت باقی ہے۔ صرف ترتیب بدلی ہے۔

الجواب

(امداد الفتاویٰ ص ۴۵ ج ۱)

الجواب صحیح: بندہ عبد التار عفا اللہ عنہ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ



کیا خطبہ کے لئے منبر ضروری ہے۔؟ کیا خطبہ دینے کے لئے منبر کا ہونا ضروری ہے یا

بغیر منبر کے بھی خطبہ دیا جاسکتا ہے۔؟

سنت یہی ہے کہ خطبہ منبر پر دیا جائے :

ومن السنن ان یکون الخطیب علی منبر اقتداً برسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اھ (عالمگیری ص ۶۶) فقط و الشراعیہ
محمد انور عفا اللہ عنہ

نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز کا حکم

اگر جمعہ کے دن نمازی زیادہ ہو جائیں تو کیا مسجد کی چھت پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟
اگر نمازی زیادہ ہوں اور جگہ نہ ہو تو مسجد کی چھت پر بلا کراہت نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ و لہذا اذا اشتد الحر یکرہ

ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فینتد لا یکرہ الصعود علی

سطحہ بالضرورۃ اھ (عالمگیری ص ۳۲۲) فقط والسلام
محمد انور عفا اللہ عنہ

خطبہ کے لئے قیام فرض ہے یا سنت

اگر کوئی خطیب بیٹھ کر خطبہ پڑھ لے کیا شرعاً خطبہ ادا ہو گیا یا نہیں۔؟ بیٹھا تو جرداً
سنت یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دیا جائے۔ گو بیٹھ کر پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گا

واما سننہا فخمستا عشر الی قولہ وثانیہا القیام ولو

خطب قاعداً او مضطجعا جاز اھ (عالمگیری ص ۵۵ ج ۱)

محمد انور عفا اللہ عنہ

فقط و الشراعیہ

۴/۱۲/۱۴۱۱ھ

بوقتِ خطبہ سامعین قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہوں

جب امام خطبہ دے رہے ہوں تو سامعین باادب قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ

ہو کر بیٹھیں — ؟

جو امام کے سامنے ہوں اور جو دائیں اور بائیں قریب بیٹھے ہوں ان کے لئے مستحب ہے کہ امام کی طرف رخ کر کے ہمہ تن گوش بن کر بیٹھیں —

الجواب

يستحب للرجل ان يستقبل الخطيب بوجهه هذا اذ كان امام الامام
فان كان عن يمين الامام — — — او عن يساره فربما من

الامام يخرف الى الامام مستعد السماع (عالمگیری ص ۱۰۳ ج ۱) فقط والله اعلم۔

محمد انور عفا الله عنه

جہاں کثرتِ اترہام کی وجہ سے سجدہ کی جگہ نہ ملے

رائے وندیشی جماعی طور پر پڑھا جاتا ہے۔ بعض صفوں میں نماز کے ترتیبی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے سجدہ کرنے کی جگہ نہیں ملتی ایسی صورت میں کیا کیا جائے۔ ؟

ای شخص انتظار کرے جب لوگ سجدہ کر کے اٹھ جائیں اور زمین پر جب کہ مل جائے پھر سجدہ کرے۔ اگر کسی کی پشت پر سجدہ کر لیا۔ پھر بھی ادا ہو جائیگا۔

الجواب

ما رجل لم يستطع يوم الجمعة ان يسجد على الارض من الزحام فانه
ينتظر حتى يقوم الناس فاذا رأى خرجة يسجد وان سجد على

ظهر الرجل اجزاء۔ (قاضی خاں ص ۱۰۵ ج ۱) فقط والله اعلم

محمد انور عفا الله عنه

خطبہ کے بعد اقامت کے پہلے صفیں سیدھی کرنے کے بارے میں کہنا

بعض مساجد میں معمول ہے کہ جب امام خطبہ دے چکتا ہے تو اقامت سے پہلے کچھ لوگ بلند آواز سے پکار پکار کر کہتے ہیں صفیں سیدھی کر لیں۔ بچوں کو پیچھے نکال دیں۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔ ؟

درست ہے : (و یصف ای یصفہم الامام بان یا مرہم

الجواب

بأن يترأصوا وليسدوا الخلل ويسوا منا كبهم (در مختار علی الشامی ص ۵۲۱)
 فقط واللہ اعلم
 محمد انور عفا اللہ عنہ

صرف جمع کے دن کا روزہ رکھنا کیا جمع کے دن کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ خدام الدین میں

من درجہ ذیل احادیث درج ہیں جن کی رو سے جمع کا روزہ رکھنا منع معلوم ہوتا ہے احادیث :-
 (۱) — عن ابی ہریرۃ قال سمعت رسول اللہ یقول لا یصوم من احدکم یوم الجمعتہ الا یوماً قبلہ او بعدہ (۲) — وعن محمد بن عباد قال سألت جابرًا
 انہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الجمعتہ قال نعم (بخاری ومسلم)
 مولانا مفتی کفایت اللہ نے رسالہ تعلیم الاسلام میں جمع کے دن کو افضل قرار دیا ہے۔ ۹ ذی الحجہ کو اگر جمعہ
 آجائے تو کیا مندرجہ بالا احادیث کی رو سے یہ روزہ رکھنا بھی ممنوع ہوگا؟

الجواب صرف ایک روزہ جمع کے دن کا رکھنا جائز ہے اور مذکورہ بالا حدیث میں
 نہیں عن اضراء صوم یوم الجمعتہ تنزیہی ہے۔ (کافی فتح الملہم

ص ۱۵۵ ج ۳) وذهب الجمهور الى ان النهی فیہ لا یتنزیہ وعن مالک والبی
 حنیفۃ لا یکرہ — البتہ احتیاط اس میں ہے کہ دو روزے رکھے جائیں؛
 کما فی التخیس عن ابی یوسف فکان الاحتیاط ان یضم الیہ یوماً
 آخر۔ (فتح الملہم ص ۱۵۵ ج ۳) یوم جمعہ اگر اتفاقاً یوم عرفہ بھی ہو تو ان احادیث کی رو
 سے اس کو غیر حاجی کے لئے ممنوع یا مکروہ کہنا صحیح نہیں بلکہ اس دن بلا کراہت تنزیہ روزہ رکھنا جائز
 ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
 بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ — — — ۲۴ / ۲ / ۱۳۸۶ ھ
 بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

خطبہ کی جگہ قرآن مجید کا رکوع پڑھنا چند ساتھی ایک گاؤں میں گئے جن میں کوئی

باقاعدہ عالم نہیں تھا۔ کہ خطبہ پڑھ سکتا۔ مگر چند رکوع قرآن شریف کے یاد تھے۔ ایک رکوع اگر پڑھ دیا
 جائے۔ جمعہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

قرآن حکیم کا بہ نیت خطبہ پڑھنے سے خطبہ تو ادا ہو جائے گا مگر خطبہ میں جو چیزیں سنت
ہیں وہ رہ جائیں گی

الجواب ۷

الخطبة تشتمل على فرض وسنة الى قوله واما سننها فخمسة عشر الى قوله و
سادسها البداية بحمد الله وسابعها الشاء عليه بما هو اهل و
ثامنها لشهادتان وتاسعها الصلوة على النبي عليه الصلوة والسلام
والحادى عشر قراءة القرآن (عالمگیری ج ۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن مقبولیت کی گھڑی کا صحیح وقت کون سا ہے؟

جمعہ کے دن وہ گھڑی جس میں دعاء قبول ہوتی ہے کیا شریعت میں اس کی کوئی تعیین کی گئی ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں تقریباً بیس قول منقول ہیں جن میں سے راجح یہ دو قول ہیں۔ ۱۔
وہ گھڑی بین الخطبتین ہے جب امام بیٹھا ہے تو اس وقت ہوتی ہے۔

الجواب ۸

۲۔ عصر سے لے کر مغرب کے وقفہ میں وہ گھڑی آتی ہے۔ اکثر نے اسی کو پسند کیا ہے مگر بین الخطبتین

دعاء رد سے کریں۔ و سئل عليه السلام عن ساعة الاجابة فقال ما بين جالوس

الامام الى ان يتم الصلوة وهو الصحيح وقيل وقت العصر واليه ذهب

المشايخ (قوله وسئل عليه السلام) ثبت في الصحيحين وغيرهما عن

صلى الله عليه وسلم فيه ساعة لا يوافقها عبد مسلم وهو قائم يصلى يسأل الله

تعالى شياً الا اعطاه اياه وفي هذه الساعة اقوال اصحها او من اصحها انها

فيما بين ان يجلس الامام على المنبر الى ان يقضى الصلاة كما هو ثابت

في صحيح مسلم عنه صلى الله عليه وسلم ايضاحلية قال في المعراج فيسن الدعاء

بقلمه لا بلسانه لانه مأمور بالسكوت اه وفي حديث آخر انها

آخر ساعة في يوم الجمعة وصحح الحاكم وغيره وقال على شرط الشيخين ولعل هذا

هو مراد المشايخ ونقل طعن الزرقاني ان هذين القولين مصححان من اثنين

واربعين قولاً فيها وانها دأثره بين هذين الوقتين فينبغي الدعاء

جنکی اکثریت کو بوقت نماز و ذر و البیع کہہ کر ان کو مشاغل سے روکا جاسکے اور یہ خطاب ان کو صحیح ہو واللہ اعلم نہ کہ ایسے لوگ جنکی اکثریت کو عاقل و ذر و البیع کا خطاب نہ کر سکیں۔

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ،
 عبد اللہ غفرلہ ، مفتی خیر المدارس ، ملتان ،
 نائب مفتی خیر المدارس ، ملتان ، ۲۲/۵/۸۰
 ۲۶/۵/۸۰

جامع مسجد نئی بنالی جا تو پرانی میں جمعہ ترک کر سکتے ہیں۔؟

ایک جامع مسجد نئی زیر تعمیر ہے جس کا کام شروع ہو چکا ہے اس کی تکمیل کے بعد اگر ہم سابقہ مسجد کی جگہ نئی جامع مسجد میں جمعہ پڑھیں اور سابقہ مسجد میں جمعہ کی نماز ترک کر دیں تو کیا شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں۔؟

اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں درمختار میں ہے :—

وافادات المساجد تغلق یوم الجمعة لا الجامع۔

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۹/۱۰/۱۳۸۸ھ

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

جمعہ سے پہلے ظہر ادا کر لی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں؟

زید کو کوئی عذر بھی نہیں اس نے بجائے مسجد جانے کے گھر میں ہی ظہر پڑھ لی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں؟

جمعہ کے دن بلا عذر جمعہ چھوڑ کر ظہر پڑھنا گناہ اور قابل مواخذہ ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک تو ظہر ادا ہی نہیں ہوتی اگرچہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ظہر ادا ہو گئی۔

الجواب صحیح

ومن صلى الظهر يوم الجمعة قبل صلاة الامام الجمعة ولا عذر له صحت ظهره عندنا وان كان عاصيا وعند زفر لا تصح وهو قول الثلثة (القول) قلنا فرض الوقت في هذا اليوم ايضا هو الظهر كما في الايام ولذا لو خرج الوقت لا يقضوا الظهر بالاجماع الا انما ما مور باسقاط الظهر بالجمعة فاذا لم يفعل كان عاصيا معاقبا وهو لا ينافي الصحة اه (بکبری ص ۱۸۵) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

باب العيدين

انا اعطيتك الكوثره فصل لربك
وانخره ان شئتك هو الابرته

خير الفوائد
(جلد سوم)

تکبیراتِ عیدین واجب ہیں نمازِ عید کی زائد تکبیرات واجب ہیں یا سنت، یا مستحب؟ اگر کوئی تکبیر چھوٹ جاتے تو نمازِ عید

ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب تکبیراتِ عیدین واجب ہیں۔ صاحبِ تنویر الابصار واجبات کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ولفظ السلام و قنوت الوتر و تکبیرات العیدین

و کذا احدھا اذا ان کل تکبیرة واجب مستقل۔ (شامیہ ج ۱ ص ۳۲۹)۔

تکبیر چھوٹ جانا موجب سجدہ سہو ہے۔ کافی المراقی۔ لیکن چونکہ عید میں بوجہ اندیشہ فقہ، سجدہ سہو نہیں کیا جاتا۔ لہذا اگر سجدہ سہو نہ کیا گیا تو نمازِ عید درست ہو جائے گی۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔ کافی الدر المختار، ج ۱ ص ۵۲۸۔

وفي المراقی۔ ويجب تکبیرات العیدین و هكذا فی الهدایة

والکنز وغیرھا من المعتبرات۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۸ / ۱۰ / ۸۳ / ۱۳ ھ

اجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

نمازِ عید زوال تک پڑھ سکتے ہیں یہاں لوگ نمازِ عید میں بہت تاخیر کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ساڑھے گیارہ بجے پڑھتے ہیں۔

کیا یہ جائز ہے؟ محمد صدیق، تحصیل کنڈیارو، نواب شاہ سندھ

الجواب وفي الدر المختار على الشامية ج ۱ ص ۹۷ (و وقتها من الارتفاع) قدر رُمح فلا يصح قبله بل تكون

نفلا محرما (الى الزوال) باسقاط الغاية. اهـ -

اگر نماز عید زوال سے پہلے پڑھ لی جاتی ہے تو درست ہے فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی

الجواب صحیح

۱۰ / ۱۱ / ۱۳۸۶ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا

جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا جو جگہ پچاس ساٹھ سال سے جنازہ گاہ بنی ہوئی ہے اس جگہ عید کی نماز پڑھنا از روئے شرع جائز ہے

یا نہیں؟

الجواب جنازہ گاہ میں اگر عید کی نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جائے گی۔ جنازہ گاہ میں

عید کی نماز ناجائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

الجواب صحیح

بندہ اصغر علی غفرلہ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

عید گاہ آبادی کے اندر آجائے تو وہ جب انہ (صحرا کے حکم میں نہیں

عیدین کی نماز محلہ کی مساجد میں کہ جن میں سڑ ڈیڑھ سو آدمی جمع ہوتے ہیں بلا کراہت درست ہے؟ یا اس کے لئے بڑا اجتماع مطلوب ہے؟ نیز عید گاہ کا شہر سے باہر ہونا مطلوب شرعی ہے یا نہیں؟

اگر مطلوب شرعی ہے تو اس صورت میں ملتان شہر کی غالباً کوئی عید گاہ بھی شہر سے باہر نہیں؟

في الدر المختار والخروج اليها اي الجبانة لصلوة

العيد سنة وان وسعهم المسجد الجامع هو

الصحيح - ج ۱ - ص ۷۷ - نماز عیدین کے لئے مسنون طریقہ یہی ہے کہ صحرا۔

میں آبادی سے باہر پڑھیں۔ جو عید گاہ آبادی بڑھنے کی وجہ سے شہر کے اندر آگئی ہے وہ حکم جہاں یعنی صحرا نہیں ہے۔ مسجد محلہ میں اگر نماز عید پڑھی جائے تو ادا ہو جائے گی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی

۱۳۸۸ / ۱۲ / ۷

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

تکبیرات تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ کہی جائیں یا تین دفعہ

تکبیر تشریق فرض نماز کے بعد کوئی دو تین دفعہ کہے تو یہ بھی جائز ہے یا صرف ایک ہی

مرتبہ کہے؟ المفتی، محمد شفیع حیدر آباد سندھ

تکبیر تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ سے زائد کہنا بھی درست ہے۔

مؤتة وان زاد علیہا یکون فضلاً۔ (درمختار)۔

الجواب

بعض فقہاء نے زیادتی کو خلاف سنت قرار دیا ہے۔ (شامی: ج ۱، ص ۷۸۵)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نماز عید واجب ہے اور اسے سمجھنے والے کی اقتدار کا حکم

۱۔ کیا نماز عید واجب ہے یا سنت؟ اگر واجب ہے تو جو شخص نماز عید کو سنت سمجھے

تو کیا اس کے پیچھے ان مقتدیوں کی نماز جائز ہے جو عید کو واجب سمجھتے ہوں؟

۲۔ نماز عید کے وجوب کی دلیل بھی بیان فرمائیں؟

۱۔ نماز عید واجب ہے۔ صلوٰۃ العید واجبة (نور الایضاح)۔

نماز عید کو سنت سمجھنے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز عید درست ہے۔

الجواب

یہ اجتہادی اختلاف مفسد اقتدار نہیں۔

۲ : وجوب عید کی دلیل یہ ہے۔

لانہ ثبت بالنقل المستفیض عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یصلی صلوٰۃ العیدین من حین شرعیتهما الی ان توفاه اللہ تعالیٰ من غیر ترک کذا الخلفاء الراشدون والائمة للمجتہدون وهذا دلیل الوجوب۔ (حاشیہ طحطاوی علی راقی الفلاح)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

۲۰ / ۱۰ / ۱۳۹۲ھ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۱ / ۱۰ / ۱۳۹۲ھ

”عید مبارک“ کہنے کا حکم عید الفطر کے دن ”مبارک باد“ کہنا، کہیں ثابت ہے یا نہیں؟ نیز اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب کہنا کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔ اس عقیدے کے بغیر اگر کسی کو روزے پورے کرنے کی مبارک دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

”والتمنئة بتقبل الله منا ومنكم لا تنكروا“ قوله لا تنكروا

خبر لقوله التهنئة الخ قال المحقق ابن امير الحاج بل

الاشبه انها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق اثاراً

باسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك ثم قال

والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك

عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك في المشروعية

والاستحباب لما بينهما تلازم فان من قبلت طاعته في

زمان كان ذلك الزمان عليه مباركاً على انه قد ورد

الدعاء بالبركة في امور شتى فيؤخذ منه استحباب

الدعاء بها هنا ايضا فاي ۳/۱۳۱ھ۔ فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ————— اتق محمد انور عفا اللہ عنہ ۳۰ / ۹ / ۱۳۹۴ھ

تکبیرات تشرقی نماز عید کے بعد بھی کہی جائیں

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ عید الاضحیٰ کی تکبیرات جو کہ نوں تاریخ سے شروع ہوتی ہیں عید کی نماز کے بعد نہ کہے۔ جب کہ ہدایہ میں ہے کہ کہی جائیں۔ صحیح جواب کیا ہے ؟

مولانا فقیر حسین صاحب

خطیب مسجد بابر کرم شاہ نوشہرہ صدر ضلع لپشاور

عید کی نماز کے بعد بھی تکبیرات کہنا مستحب ہے۔ یہی راجح ہے۔

الجواب

ولا بأس به عقب العید لان المسلمین توارثوه

فوجب اتباعهم وعليه البلخيون (درمختار) وفي الشامية تحت قوله كلمة لا بأس قد استعمل في المندوب كما في البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم قوله فوجب الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح عليه وفي البحر عن المجتبي والبلخيون يكبرون عقب صلوة العید لانها تؤدى بجماعة فاشبهت الجمعة - (شامی ج ۱ ص ۵۶۲) - فقط والله اعلم

احقر محمد انور عفا الله عنه مفتی نیر المدارس ملتان -

چھوٹے دیہاتوں میں عید پڑھنے کا حکم دیہات میں جہاں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں وہاں عید کی نماز ہو جائے گی ؟ اگر عید کی نماز

پڑھنا چاہیں تو کس صورت میں ادا ہو سکتی ہے ؟

چھوٹے دیہاتوں میں عیدین کی نماز پڑھنا درست نہیں۔ تجب صلاتہما

فی الاصح علی من تجب علیہ الجمعة بشرائطها المتقدمة

الجواب

وفي القنية صلاة العید فی القرى تكراه تحريما... ای لانه

اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة اه (درمختار علی الشامية ج ۱ ص ۵۵)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲/۱۲/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عیدین کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے ہم پہلے ریلوے گراؤنڈ میں عید ادا کرتے تھے اب مسجد بھی تیار ہو گئی ہے کیا

مسجد میں عید ادا کی جاسکتی ہے ؟ مولانا محمد اشرف ، اشرف المدارس ہارون آباد عیدین کی نماز کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے۔ گو مسجد میں تمام نمازی آسکتے ہوں۔ آنحضرت علیہ السلام نے سوائے ایک دفعہ کے ، وہ بھی بارش کی وجہ سے ، ہمیشہ عیدین کی نماز جنگل میں ادا فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زیادہ ثواب اتباع سنت میں ہے۔ لہذا گراؤنڈ میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔ معہذا مسجد میں پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گی۔

والخروج اليها اي الجبابة لصلوة العيد سنة وان

وسعه المسجد الجامع هو الصحيح (شامی ۱ھ: ص ۴۴۶ ج ۱۱)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

۲۰ / ۹ / ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تیس الافتار

جو عید کا خطبہ پڑھے وہی نماز پڑھنے کی اگر نماز عید ایک شخص پڑھائے اور اسے خطبہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے خطبہ دوسرا

شخص پڑھے تو نماز عید ہو گئی یا نہیں ؟

الجواب اگرچہ ایسا کرنا نامناسب ہے تاہم نماز عید صحیح ہو گئی۔ اس کے جواز و ادائیگی میں کوئی شبہ نہیں۔ وما یسن فی الجمعة ویکره یسن فیہا ویکره۔

(در مختار علی الشامیة : ج ۱ ص ۵۶۱)۔ وفی باب الجمعة من شرح تنویر الابصار علی

ہا مش رد المحتار لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانہما کثنی واحد (۵۵۲/۱)

فقط واللہ اعلم : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عیدین میں دعا نماز کے بعد مانگی جائے
عید کی نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون
ہے یا مستحب۔ نیز دعا نماز کے بعد مانگی

جائے یا خطبہ کے بعد ؟ مفتی محمد امجد، مرید والا، ضلع فیصل آباد۔

فتاویٰ دارالعلوم، ج ۵، ص ۸۸ پر ہے۔ عام طور پر نماز کے بعد دعا مانگنا وارد

ہوا ہے۔ لہذا عیدین میں بھی نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون و مستحب ہے۔ و فیہ

فی مقام آخر۔ ہمارے اکابر حضرات کا یہی معمول رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔

۱۹ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ

خیر المدارس، ملتان، ۱۹ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

ایک شخص نے عید کی نماز پڑھائی۔ اور نماز پڑھا کر

صرف پہلا خطبہ پڑھا دوسرے سے خطبہ کو چھوڑ دیا اور

پہلا خطبہ پڑھ کر دعا کھڑے ہو کر منگوئی۔ آپ بتائیں کہ نماز ہو گئی یا نہ ؟ خطبہ واجب تھا ایک

تو چھوٹ گیا۔ نماز میں کوئی نقص تو نہیں آیا۔ ؟

نماز ادا ہو گئی، واجب خطبہ بھی ادا ہو گیا۔ البتہ خلاف سنت کیا۔ زنا بھی

نماز کے بعد مانگنی چاہئے تھی۔ و یخطب بعدھا خلیبین و ہما

سنة۔ ۱ھ۔ (در مختار علی الشامیة ج ۱ ص ۸۲)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۴ / ۱۰ / ۱۴۰۸ھ

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عید الفطر کے بعد ملنا کیسا ہے۔ یہ سنت طریقہ ہے یا بدعت

ہے ؟ (۲) مصافحہ کرنا چاہئے یا کہ بغل گیر ہونا چاہئے ؟

عیدین کے بعد مصافحہ کرنا

اگر منع ہے تو کیوں ؟

اگر مصافحہ و معالقة عید کا تتمہ اور حصہ سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ہے کیونکہ

اجواب صحیح

یہ ردائف کا شمار ہے۔ کذا فی امداد المفتین - ص ۹۵ ج ۱: ۱
 نقطہ واللہ اعلم
 اجازت محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
 اکبواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الاقنار
 ۴ / ۱۰ / ۲۰۰۷ھ

عیدین میں خطبہ کے بعد عاکسی درجہ میں بھی ثبوت نہیں

نماز عید کے بعد دعا ہے یا نہیں؟ صحیح بخاری و مسلم کی روایات میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں خواتین کا عید گاہ جانا اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہونا بالتحریح موجود ہے۔ اگر یہ دعا اجتماعی نہ تھی تو شرکت کا کیا مطلب؟ نیز اگر دعا ہے تو اجتماعی بہتر ہے یا انفرادی؟

از مدرسہ العلوم، بلاک نمبر گلشن اقبال کراچی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے منقول نہیں کہ نماز یا خطبہ کے بعد دعا کرتے تھے۔ اور اسی طرح کتب فقہ میں بھی یہ دعا مذکور نہیں۔ اور اکابر علمائے دیوبند کا طرز عمل بھی یہی لکھا ہے کہ وہ خطبہ کے بعد دعا نہیں مانگتے تھے۔ اور حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں وارد ہے۔

و یشہدن الخیر و دعوة المؤمنین و فی رواية یشہدن
 جماعة المسلمین و دعوتهم الخ -

لفظ "دعوتهم" سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ معروف طریقے پر اجتماعی دعا کرنا اس سے مراد ہے۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو شروع حدیث اور کتب فقہ میں مستقلاً اس دعا کا ذکر ہوتا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوت سے مراد خطبہ ہے۔ یا نماز و خطبہ میں کی جانے والی دعائیں ہیں۔ سورہ فاتحہ میں دعا ہے، تمام مقتدی آمین کہہ کر اس میں شریک ہوتے ہیں اور اللہ پاک کی بارگاہ سے نازل ہونے والی رحمت و اجابت اس پورے مجمع کو گھیر لیتی ہے۔ ۶ خزی شہد میں دعائیں ہیں اور ایک روایت میں ہے

فاذا كان يوم عيدهم يعني يوم فطرهم باهني بهم ملائكتك

فَقَالَ يَا مَلَكُوتِي (اِلَى اَنْ قَالَ) عِبِيدِي وَاَمَائِي قَضُوا فَرِيضَتِي
عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوا يَعْبُجُونَ اِلَى الدَّعَاءِ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي
وَكُرْمِي وَعُلُوِّي وَاِرْتِفَاعِ مَكَانِي لَا جِيْبِنَهُمْ فَيَقُولُ اِرْجِعُوا قَدْ
غَفَرْتُ لَكُمْ الْحَدِيثُ - (مشکوٰۃ : ص ۱۸۲ ج ۱-)

اس حدیث میں عید کو جاتے ہوئے دعاء کا ذکر ہے۔ تکبیرات بھی معنی دعاء ہیں۔ کیوں کہ
رب کریم کی ثناء و تکبیر بھی دعاء ہے۔

الغرض اتنی متنوع اور متعدد متفقہ دعاؤں کی موجودگی میں ” دعوتہم “ کے لفظ
کو معروف زمانہ دعاء پر محمول کرنا قرین قیاس نہیں۔ البتہ دیگر تمام نمازوں کے بعد دعاء مانگنا
چونکہ مستحب ہے۔ اس عموم کے تحت داخل کرتے ہوئے اگر نماز عید کے بعد بھی دعاء کر لی جائے
تو گنجائش ہے۔ لیکن خطبے کے بعد دعاء کرنا کسی طرح بھی ثابت نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الاقارب خیر المدارس ملتان

۱۹ / ۸ / ۲۰۲۳ھ

مکرمی و محترمی حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعد ادا ب عرض ہے کہ آپ کا فتوے ہمارے استفتا بابت ”دعائے عید“ کے جواب میں موصول
ہوا۔ کہ آپ نے نماز عید کے بعد دعاء کی گنجائش تمام نمازوں کے بعد دعاء پر قیاس کر کے نکالی
ہے۔ جب کہ خود مقیس علیہ یعنی دعاء بعد الفرض احادیث و فقہ سے ثابت نہیں۔ بلکہ فقہاء رحمہ
فرضوں کے بعد جب کہ سنن باقی ہوں، دعا کو مکروہ و بدعت لکھا ہے۔ ” خلاصۃ الفتاویٰ “
میں ہے۔ ” ویکرہ الدعاء بجساعة بعد الفرائض “ اسی طرح ”بزاز“
اور ”مدخل“ وغیرہ میں بھی تصریح موجود ہے۔

نیز نماز اور خطبہ کے درمیان فصل بالدعاء احداث فی الدین معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ خطبہ
کے بعد بوجہ اعمال عید مکمل ہونے کے اباحت و استحسان معلوم ہوتا ہے۔ نیز حضرت شاہ صاحب
رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ مکتوبات کے بعد دعوات سنن و نوافل کے بعد دعوات پر قیاس ہے۔

ملاحظہ ہو، فیض الباری : ج ۴، ص ۲۱۷۔

نیز جب تک اس بات کا ثبوت نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا خیر القردن میں کسی نے بھی نماز عید اور خطبہ کے درمیان کسی تیسرے عمل سے فصل کیا ہو یہ دعا کس طرح مستحسن اور مستحب ہو سکتی ہے۔ ہمیں قوی اندیشہ دعا بعد الصلوٰۃ پر ہے۔ نہ بعد الخطبہ پر آپ غور فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں۔ اردو کے فتاویٰ قطعاً محل نظر ہیں۔ والسلام مع الاکرام

المستفتی : الاسقر محمد زاول خال عفا اللہ عنہ

حوالہ نمبر ۶۳/۷۳۶ : ۳۰/۲/۲۰۱۴ھ

فرائض کے بعد دعا حدیث وفقہ سے فی الجملہ ثابت ہے۔

الجواب

» قال صلیت مع رسول اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم

انحرف ورفع یدیه ودعا الحدیث اخوجه ابن ابی شیبہ کذا

فی معارف السنن : ج ۳ : ص ۱۲۳)۔

۲ : عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رفع یدیه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة فقال اللهم

خلص الولید بن الولید ۱ھ قال یعقوب هذا حدیث صحیح۔ (۳)

اور معارف السنن ہی میں علامہ نوویؒ وغیرہ سے فرائض کے بعد دعا کا استحباب نقل کیا ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ کی عبارات بقیہ صفحہ نقل کی جائیں تاکہ ان پر غور کیا جاسکے۔

جب فرائض اور سنن کے مابین دعا اور اوراد کا پڑھنا احداث فی الدین نہیں بلکہ فقہاء اور

کی ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ تو عید کے بعد یہ « احداث » کیوں کر قرار دیا جائے

گا۔ دعا کو نماز کے تابع میں شمار کیا جائے گا نہ کہ اجنبی۔

حضرات محدثین کی ایک جماعت نے وتر کے بعد نوافل کی یہ توجیہ کرتے ہوئے حدیث

» اجعلوا آخر صلواتکم باللیل و ترا « کے ساتھ اس کی تطبیق بیان فرمائی

ہے کہ یہ نفل وتر کے تابع ہیں۔ گویا کہ مستقل نماز نہیں۔ اسی لئے حدیث اجعلوا الخ کے

خلاف نہیں۔ (کما فی صمد الشوکانی فی انیل ج ۳ : ص ۳۳ و ابن القیم فی المدی)۔

تاہم اگر کسی کو پسند نہ ہو۔ تو ہم نے اس دعا کو نہ فرض کہا تھا نہ واجب نہ سنت بلکہ صرف یہ

کہا تھا کہ "گنجائش" ہے۔ اعمال عید کا مکمل ہو جانا ہی استحسان دعاء بعد از خطبہ کے لئے کافی نہیں بلکہ اس اجتماعی عمل کو مشروع و مستحسن قرار دینے کے لئے فی الجملہ حدیث وغیرہ سے ثبوت چاہئے۔ بعد از نماز کے لئے تو کسی درجہ میں ثبوت موجود ہے۔ اور بعد از خطبہ کے لئے اتنا بھی نہیں پس احتراز چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۶/۳/۲۰۲۱ء

عند الاحناف عیدین میں تکبیرات زوائد چھ ہیں

عیدین کی تکبیروں کی تعداد کتنی ہے؟ ایک صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ یہ تکبیریں بارہ ہیں اگرچھ کا کوئی ثبوت ہو تو پیش کیا جائے۔ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں۔؟

عیدین میں تکبیرات زوائد عند الاحناف چھ ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے صحیح سند کے ساتھ متعدد اقوال منقول ہیں۔ احناف نے چھ والی روایت کو بہ چند وجوہ قوی ہونے کی بنا پر اختیار کیا ہے۔

— عن ابی عائشة ان سعید بن العاص سأل ابا موسیٰ و حذیفۃ رضی کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یكبر فی الاضحی و الفطر فقال ابو موسیٰ کان یكبر اربعاً تکبیراً علی الجنائز فقال حذیفۃ رضی صدق فقال ابو موسیٰ کذا لک کنت اکبر فی البصرۃ حیث کنت علیہم اھ (رواہ ابوداؤد بیہقی، ابن ابی شیبۃ (از اوجز ج ۲، ص ۲۴۹)۔ قال النیموی اسنادہ حسن۔

— عن کردوسی قال قدم سعید بن العاص فی ذی الحجۃ فارسل الی عبد اللہ و حذیفۃ رضی و ابی مسعود الانصاری رضی و ابی موسیٰ الاشعری رضی فسألہم عن التکبیر فاسندوا امرہم الی عبد اللہ قال عبد اللہ یقوم فی کبر ثم ینکب ثم ینکب ثم ینکب ثم ینکب

فبقراً ثم يكبر ويركع ويقوم فيقرأ ثم يكبر ثم يكبر
 ثم يكبر ثم يكبر الرابعة ثم يركع - (مصنف ابن
 ابي شيبة) -

— عن عبد الله بن الحارث قال صلى بنا ابن عباس رضي يوم
 عيد فكبرتسع تكبيرات خمساً في الاولى واربعاً في الاخرة - اه
 (رواه ابوبكر في مصنفه وقال الحافظ في التلخيص اسناد
 صحيح) -

— عن ابي عبد الرحمن قال حدثني بعض اصحاب رسول الله
 صلى الله عليه وسلم قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم
 يوم عيد فكبّر اربعاً اربعاً ثم اقبل علينا بوجهه حين
 انصرف فقال لا تنسوا كتكبير الجنائز و اشار باصابعه
 وقبض ابهامه - اه (قال الطحاوي فهذا حديث حسن
 الاِسناد) -

— صحابہ کرام علیم الرضوان میں سے حضرت ابن مسعود رضی ، ابو موسیٰ اشعری رضی ، حذیفہ بن
 الیمان رضی ، عقبہ بن عامر رضی ، ابن زبیر رضی ، ابو سعید بدری رضی ، ابو سعید خدری رضی ،
 براء بن عاذب رضی ، عمر بن الخطاب رضی ، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے
 بھی یہی منقول ہے - (اوجز ۱ ج ۲ : ص ۲۵۰) -

— طبقہ تابعین میں سے حضرت حسن بصری رضی ، ابن سیرین رضی ، سفیان ثوری رضی اللہ
 علیہم اجمعین کا بھی یہی مسک تھا۔ لہذا چھ تکبیروں کو بلا ثبوت کہنا جہالت فاحشہ ہے یا دیدہ و
 دانستہ خلاف واقعہ کہنا ہے - فقط واللہ اعلم

احقر محمد نور عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۷ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

رئیس الافغان خیر المدارس ملتان

اگر امام نے چھ سے زائد تکبیریں کہیں تو نماز ہوگئی یا نہیں

امام صاحب نے عید الفطر کی نماز پڑھاتے ہوئے، زور سے نیت کرتے ہوئے گیارہ تکبیروں کا اعلان کیا اور کہیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے ان سے ذکر کیا تو کہنے لگے کہ ”میں سلام کی گہرائی میں چلا گیا تھا اور تم کو پتہ نہیں“ کیا نماز صحیح ہوگئی یا نہ؟ نماز ہوگئی۔ مگر تکبیرات زوائد عند الاحسان ف چھ ہی ہیں۔

الجواب

ویصلی الامام بهم رکعتین مثنیاً قبل الزوائد

وهی ثلاث تکبیرات فی کل رکعة ولو زاد تابعه الی ستة عشر لانه مأثور (در مختار علی الشامیہ ج ۱ ص ۷۷۷)۔

فقط واللہ اعلم

اسحق محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵/۱/۱۳۹۶ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تکبیرات زوائد کے بعد شامل ہونی والا تکبیرات کب کہے؟

نماز عید میں تکبیرات زوائد کے بعد کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوا تو یہ تکبیرات کس وقت کہے؟ اور اگر کوئی دوسری رکعت یا تشهد میں شریک ہوا تو وہ تکبیرات کس وقت کہے؟

۱۔ اگر یہ امام کے تکبیرات کہنے کے بعد بلاہے تو شامل ہوتے ہی تکبیرات زوائد از خود کہہ لے۔ ۲۔ اگر دوسری رکعت میں ملاہے تو پھر جب اٹھ کر پہلی رکعت ادا کرنے سے تو قرأت کے بعد تکبیریں کہے۔ ۳۔ اگر اس حالت میں پہنچا کہ امام رکوع میں ہے تو اگر غالب خیال یہ ہو کہ امام کے رکوع سے اٹھنے سے پہلے تکبیرات کہہ لوں گا تو کہہ کر رکوع میں جائے ورنہ رکوع میں ہا کہہ لے۔

الجواب

۴۔ اگر رکوع میں تکبیریں پوری ہونے سے پہلے امام رکوع سے اٹھ جائے تو یہ بھی اٹھ جائے بقیہ تکبیرات ساقط ہو جائیں گی ۵۔ اگر امام کو رکوع کے قیام میں پایا جائے تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب یہ رکعت قضا کرے گا تو اس میں کہہ لے۔ قَالَ فِي الْعَلَاثِيَةِ وَلَوْ اَدْرَكَ الْمُؤْتَمِ اللّٰمَامُ فِي الْقِيَامِ بَعْدَ مَا كَبَّرَ كَبْرًا فِي الْحَالِ بِرَأْيِ نَفْسِهِ لَا نَهَ مَسْبُوقٌ۔ وَلَوْ سَبَقَ بَرَكَةَ يِقْرَأُ تَمَّ يَكْبِرُ لَسَلَّ يَتَوَالِحُ التَّكْبِيرَاتِ (در مختار) وَفِي الشَّامِيَةِ (قَوْلُهُ فِي الْقِيَامِ) اَي الَّذِي قَبْلَ الرُّكُوعِ۔ اِمَالُوْ اِدْرَكَ رَاكِعًا فَاِنْ غَلَبَ عَلٰی ظَنْنِهِ اِدْرَاكُهُ فِي الرُّكُوعِ كَبْرًا قَائِمًا بِرَأْيِ نَفْسِهِ ثُمَّ رَكَعَ وَالِاِدْرَاكِ وَكَبْرًا فِي رُكُوعِهِ خِلَافًا لِّبَنِي يُوْسُفَ۔ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ لِاَنَّ الْوَضْعَ عَلٰی الرُّكْبَتَيْنِ سُنَّةٌ فِي مَحَلِّهِ وَالرُّفْعَ لَا فِي مَحَلِّهِ۔ وَانْ رَفَعَ اللّٰمَامُ رَاْسَهُ سَقَطَ عَنْهُ مَا بَقِيَ مِنَ التَّكْبِيرِ لَسَلَّ تَفْوُتُهُ الْمَتَابَعَةَ۔ وَلَوْ اِدْرَكَ فِي قِيَامِ الرُّكُوعِ لَا يَقْضِيْهَا فِيْهِ لِاَنَّهُ يَقْضِي الرُّكُوعَ مَعَ تَكْبِيرَاتِهَا۔ فَتَحْ وَبَدَأَ اِهْ

(شامی ص ۴۸۱)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ ۱۰ / ۴ / ۱۴۰۴

عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا تو عید کا حکم

ایک دیہاتی امام صاحب عید کے مسائل سے ناواقف تھا اس نے جمعہ کی طرح عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا اور بعد میں نماز عید پڑھائی ؟

امام صاحب نے خلاف افضل کیا خطبہ بہر حال ہو گیا اعادہ کی حاجت نہیں

لو خطب قبل الصلوة جاز وترک الفضیلة دلائل و مثله

فی المسکین اھ (طحاوی ص ۲۸۸)۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

عید گاہ جاتے ہوئے بجیرات جھرا پڑھیں یا سراً

نماز عید الفطر کے لئے عید گاہ جاتے ہوئے بجیرات تشریح آہستہ آواز سے پڑھی جائیں یا اونچی آواز سے ۔

امام صاحب سے منقول ہے کہ آہستہ پڑھیں اور علامہ شیخ قاسم نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے ۔ یہی معمول بنایا جائے ۔

ولیوم الفطر لا یجہر بہ عندہ و عندہما یجہر و ہور وایۃ عنہ
والخلاف فی الافضیلۃ اما الکراہۃ فمُنتَفِیۃٌ عن الطرفین
وَقَدْ ذَكَرَ الشَّيْخُ قَاسِمٌ فِي تَصْحِيحِهِ اِنْ الْمَعْتَدِلُ قَوْلَ الْاِمَامِ اِه
شامی ص ۷۸ (۱) - محمد انور غفرلہ

پہلے دن عید الفطر نہ پڑھ سکیں تو دوسرے دن پڑھنے کا حکم

اگر نماز عید الفطر کے روز کسی عذر کی بنا پر ادا نہ کی جا سکے تو کب تک ادا کرنے کی گنجائش ہے ؟

اگر کوئی ایسا معقول عذر پیش آجائے کہ عید الفطر کی نماز عید کے دن ادا نہ کر سکیں مثلاً چاند کی گواہی زوال کے بعد ملی یا ایسے وقت میں ملی کہ لوگوں کا اجتماع مشکل ہو تو اگلے دن زوال تک پڑھ سکتے ہیں ، دوسرے دن بھی نہ پڑھ سکیں ، تو پھر نہ پڑھیں ۔

وَتَوَخَّرَ صَلَاةَ عِيدِ الْفِطْرِ إِلَى الْغَدَا إِذَا مَنَعَهُمْ مِنْ إِقَامَتِهَا عَذْرٌ
بِأَنَّ غَمَّ عَلَيْهِمُ الْهَلَالَ وَأَشْهَدُ عِنْدَ الْإِمَامِ بَعْدَ الزَّوَالِ أَوْ قَبْلَهُ بِحَيْثُ
لَا يُمْكِنُ جَمْعُ النَّاسِ قَبْلَ الزَّوَالِ أَوْ صَلَاةَ هَافٍ يَوْمَ غَيْمِ فَظْهَرِ
أَنَّهَا وَقَعَتْ بَعْدَ الزَّوَالِ وَلَا تَوَخَّرَ بَعْدَ الْغَدَا (عالمگیری ص ۷۸)
فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بعض جگہ دستور ہے کہ جب خطبہ عیدین کے درمیان چندہ کرنا : امام عید کا خطبہ شروع کرتا ہے تو دو آدمی چادر لیکر صفوں کے آگے سے گزرتے ہوئے چندہ کرتے جاتے ہیں کیا یہ درست ہے ؟

منع ہے ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۰/۹۵ھ

عیدین میں مسنون قرأت : نماز عیدین میں کون سی سورتوں کی قرأت سنت ہے ؟

سورة اُعلیٰ اور سورة غاشیہ کا پڑھنا سنت ہے مگر اس قدر معمول نہ بنالیں کہ لوگ انہی کو ضروری سمجھ لیں اور کسی اور سورت کو پڑھنا درست نہ سمجھیں و یقرأ کالجمعة (در مختار)

(قوله یقرأ کالجمعة) ای کالقرآۃ فی صلوة الجمعة لما روی ابوحنیفۃ انه صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی العیدین دیم الجمعة الاعلیٰ والغاشیة كما فی الفتح . وقال فی البدائع فان تبرک بالاعتداء به صلی اللہ علیہ وسلم فی قرأتہما فی اغلب الاوقات فحسن لکن ینرہ ان یتخذہما حتما لا یقرأ فیہا غیرہما لما ذکرنا فی الجمعة ۱ھ (شامی ص ۸۱۷) . فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

عید کے دن ہر ایک کے لئے نہانا مستحب ہے

اگر ایک آدمی عذر کی بنا پر عید کی نماز کے لئے نہیں جاسکتا کیا اس کے لئے بھی عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے ؟

الجواب اس کے لئے بھی غسل کرنا مستحب ہے۔ وندب ان یغتسل تقدم انه للصلوة
 لانه صلى الله عليه وسلم كان يغتسل يوم الفطر ويوم النحر (مراقی)
 قوله (وتقدم انه للصلوة) ذكر السرخسی عن الجواهر یغسل بعد الفجر
 فان فعل قبله اجزاً ویستوی فی ذلك الذاهب الى الصلوة والقاعد لانه
 يوم زینة واجتماع بخلاف الجمعة قال السروجی وهذا صحیح وبه
 قالت المالکیة والشافعیة كما فی الحلبي واختار فی الدرر ایضاً کون
 الغسل والنظافة فيه لليوم فقط وعمله فی النهر بان السرور فيه عام
 فیندب فيه التنظيف لكل قادر علیه صلى ام لا هو - ططا دی ص ۲۸۹ -
 فقط والشرع علم ، محمد النور ۱۸ / ۲ / ۱۳۹۸ ۶

فاتحہ پڑھنے کے بعد تکبیرات یاد آئیں : اگر امام نے نماز عید میں

پہلی تکبیر کہہ کر قرأت

شروع کر دی اور سورہ فاتحہ پڑھ لی۔ اب اس کو یاد آیا کہ تکبیرات زوائد چھوٹ گئی ہیں
 تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے ؟

الجواب اب ابتداء سے تکبیرات زوائد کہہ کر دوبارہ فاتحہ اور سورہ پڑھے۔
 فی البحر عن المحيط بدأ الامام بالقرأة سهواً فتذكر بعد الفاتحة
 والسورة يمضى فی صلواته وان لم یقرأ الا الفاتحة کبر واعد القرأة
 لذوما لان القرأة اذالم تتم كان امتناعاً عن الاتمام لا رفضاً للفرضا
 (شامی ص ۷۸۱ ج ۱) - فقط والشرع علم ، محمد النور عفا اللعنة



کیا عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد گھر آ کر نوافل پڑھنا مستحب ہے ؟

بعض لوگوں سے سنا ہے عید الاضحیٰ کے بعد گھر آ کر چار رکعت پڑھنا مستحب ہے

کیا یہ درست ہے ؟

دُرست ہے۔ عالمگیری میں ایسے ہی ہے۔
 المستحب ان یصلی اربعاً بعد الرجوع الی منزله کذا
 فی الزاد اھ (عالمگیری ص ۱۰۷) فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ

عید کے چاند کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا حکم

عید الفطر کے موقع پر بہت سے مقامات میں اختلاف ہو جاتا ہے اور اس کی اصل وجہ ریڈیو کی خبریں ہوتی ہیں اس لئے اس ضمن میں چند سوالات دریافت طلب ہیں

- ۱۔ کیا صرف ریڈیو پاکستان کے اعلان پر عید الفطر کا حکم دیا جاسکتا ہے خاص کر جبکہ خبر نشر کرنے والی عقیدہ مسعود نامی عورت ہے۔

۲۔ موجودہ دور میں ٹیلیفون تار وغیرہ اس سلسلہ میں کہاں تک معتبر ہیں۔

۳۔ ایک مقام پر متعدد اطراف سے فون کے ذریعہ کسی عالم ثقہ کو عید الفطر کی اطلاع پہنچ جاتی ہے جس کی بنا پر عید کا اعلان کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر کسی اور مقام سے بذریعہ فون اس عالم ثقہ سے رابطہ قائم کر کے اس ایک ہی قاضی یا عالم کی خبر سن لیتے ہیں تو کیا وہ اپنے شہر میں عید الفطر کا حکم دے سکتے ہیں؟ جبکہ ایک فون ہو خبر سنانے والا صرف وہی ایک قاضی ہو۔

۴۔ اگر ایک جگہ کے عالم دین اس دوسری جگہ جہاں فون کے ذریعہ اعلان کر چکا ہے چلا جائے تو شریعت کے مطابق کس طرح اس سے ثبوت حاصل کرے۔ کیا باقاعدہ شہادت لے کر یا صرف متعدد مقامات سے فون کی خبر سن کر اپنے لئے وہ عالم دین گنجائش مہیا کر سکتا ہے؟

۵۔ اگر کسی جگہ بلکہ اس علاقے میں کہیں چاند نظر نہ آیا تو شریعت میں کہاں تک اجازت ہے کہ ضرور ہی اس رات دوڑ دھوپ کرے اور عید کی خبر لے آئے اور کتنی دور جاسکتا ہے اور کتنی کوشش کرنی چاہیے کیا یہ کوشش کرنا۔ رات کو بھاگنا وغیرہ ضروری ہیں تاکہ دوسرے دن ضرور ہی عید منائی جائے؟

عید الفطر کے لئے حسبِ قاعدہ فقہاء جبکہ مطلع صاف ہو تو جَمِّ غَفِير کی رویت ضروری ہے ورنہ دُوْ عَادِل ثِقَّة اَدْمِيُوں کی شہادت پر قاضی یا حاکم یا شہر کا مُستند عالم اعتماد کرتے ہوئے فیصلہ عید الفطر لے سکتا ہے۔ اور اگر کسی شہر یا علاقہ میں مذکورہ بالا طریق سے ثبوت بہم نہیں ہوا تو محض ریڈیو کے اعلان پر خصوصاً اس دور میں جبکہ حکومت کی طرف سے توسطِ معتمد علماء رویتِ ہلال کا کوئی بھی اہتمام نہیں بلکہ محض افواہوں کی بنا پر اعلان کا خطرہ لاحق ہے۔ عید کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کسی دوسری جگہ جہاں تک اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں ہے چاند نظر آیا اور وہاں سے شرعی قواعد کے مطابق اطلاع پہلی جگہ پہنچ گئی تو پھر یہاں کے لوگوں کو عید کرنا ضروری ہوگا۔ شرعی قواعد کا مطلب ہے کہ شہادتِ علی الشہادت یا استفاضہ اور تواتر اخبار سے رویت کا علم شہر والوں کو ہو جائے ان خبروں کے ساتھ ریڈیو کی اطلاع کو تائیداً قبول کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔

۲۔ ٹیلیفون اور تاریخبر کے درجہ میں معتبر ہیں جہاں تک خبر معتبر ہے وہاں تک ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور شہادت کے باب میں غیر معتبر ہیں ہاں استفاضہ اور تواتر میں مفید ہو سکتی ہیں۔

۳۔ پہلے عالم کے لئے جائز ہے کہ جب اسے بطریق شرعی رویتِ ہلال حاصل ہو عید الفطر کرے۔ لیکن دوسرے شہر کے لوگوں کو اس عالم سے ایک فون کے ذریعہ پرکتفا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ دوسرے شہر کا عالم دُوْ عَادِل گواہوں کی شہادت یا پہلے عالم کے فیصلہ پر دُوْ عَادِل گواہوں کی شہادت یا استفاضہ اخبار پر اعتماد کرتے ہوئے عید منانے کا فیصلہ کرے۔

۵۔ عید الفطر کا چاند ہو یا کوئی اور اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا اور تحقیق کرنا ضروری ہے جہاں تک ہو سکے اس میں کوئی حد بندی اور تحدید نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس۔ ملتان

۱۸ ذی قعدہ ۱۹۲۰ھ

عید سے پہلے نوافل پڑھنے کا حکم : عیدین کی نماز سے پہلے نمازِ اشراق گھر اور عید گاہ میں پڑھنا

کیسے ہے —؟

الجواب عیدین کی نماز سے پہلے کوئی نوافل نہ پڑھیں نہ گھر میں نہ عید گاہ میں حتیٰ کہ عورت نے بھی اگر چاشت کی نماز پڑھنی ہو تو امام کے عید سے فارغ ہونے کے بعد پڑھے۔

ولا یتنفل قبلہا مطلقاً یتعلق بالتکبیر والتنفل (در مختار) یتعلق بالتکبیر والتنفل المراد التعلق المعنوی ای انه قید لهما فمعنی الاطلاق فی التکبیر ای سواء کان سراً او جہراً و فی التنفل سواء کان فی المصلی اتفاقاً او فی البیت فی الاصح وسواء کان ممن یصلی العید اولاً حتی ان المرأة اذا ارادت صلاة الضعی یوم العید تصلیها بعد ما یصلی الامام فی الجبانه افاده فی البحر شامی ص ۱۱۷ - فقط واللہ اعلم . احقر محمد انور

امام نے بے وضو عید پڑھا دی تو کیا کیا جائے

اگر امام نے نماز عید پڑھا دی، پڑھانے کے بعد پتہ چلا کہ امام کا وضو نہ تھا تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے؟

الجواب ایسی صورت میں اگر تو فوری پتہ چل جائے اور لوگ ابھی موجود ہوں تو وضو کر کے دوبارہ نماز عید ادا کر لیں اور اگر اب ان کو واپس لانا مشکل ہو تو شرعاً یہ کہا جائے گا کہ نماز ہو گئی۔

امام صلی العید علی غیر وضوء ثم علم بذالك قبل ان یتفرق الناس توضأ و یعیدون وان تفرق الناس لم یعد بهم و جازت صلواتهم صیانة للمسلمین و اعمالهم اه (شامی ص ۱۱۷)۔

جو نماز کا عادی نہ ہو اس کا عیدین میں شریک ہونا

جو آدمی کبھی نماز پڑھنے کا عادی نہ ہو وہ عیدین میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب عیدین کی نماز جہاں واجب ہے وہاں اس کو بھی ضرور پڑھنی چاہئے
 البتہ فرائض کا ترک بہت بڑی معصیت ہے ان کی ادائیگی کا اہتمام
 ضروری ہے سابقہ نمازوں کا حساب لگا کر ان کا قضا کرنا ضروری ہے۔

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

عید گاہ میں حدت لاحق ہو جائے تو تیمم کا حکم

اگر کسی کو عید گاہ میں نماز عید سے قبل حدت لاحق ہو گیا۔ اب اگر یہ وضو کرتا ہے تو
 نماز عید فوت ہونے کا خطرہ ہے کیا یہ آدمی تیمم کر کے نماز عید میں شامل ہو سکتا ہے؟
الجواب اگر وضوء میں مشغول ہونے سے نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم
 کر کے نماز میں شامل ہو جائے۔

رجل أحدث في الجبابة قبل الصلوة ان خاف صوت الصلوة لو
 اشتغل بالوضوء كان له ان يصلى بالتيمم بلا خلاف اه

(فتاویٰ قاضی خاں ص ۸۸)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

عیدین کے لئے تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

پانی موجود ہے عید کی نماز ہو رہی ہے۔ تیمم کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب اگہ مطلقاً صلوة عید فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بجائے وضوء کے تیمم سے ادا کرے۔ التیعم لصلوة العید ولا يجوز للمقتدی اذا لم یخففوت الصلوة لو توضعاً ولا یجوز الخ (عالمگیری ج ۱۲)۔ فقط واللہ اعلم،
الجواب صحیح، بندہ محمد انور، مفتی خیر المدارس، ملتان
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۴ صفر ۱۴۰۲ھ

عید کے روز ایک دوسرے کو کہنا اللہ قبول کرے

عیدین کے روز ایک دوسرے کو یہ کہنا کہ اللہ پاک قبول کرے یہ درست ہے یا نہیں؟
ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

الجواب اختلف فی قول الرجل لغيره یوم العید تقبل اللہ هئنا
ومنك..... والاظہر انہ لا بأس به لما فیہ من الاثر اھ
(کبیری ص ۵۱۶)

فقط واللہ اعلم، محمد انور، ۱۴-۲۰-۱۳۹۸ھ

روزہ رکھ کر عید پڑھانا : ۲۹ رمضان کے بعد چاند دیکھنے کی
بہت کوشش کی گئی۔ مطلع بھی صاف

تھا مگر چاند نظر نہیں آیا۔ تراویح وغیرہ کے بعد پتہ چلا کہ بعض مواضع پر چاند
نظر آیا ہے مگر ہمارے مولوی صاحب نے ان خبروں پر اعتبار نہ کیا اور روز رکھ کر
لوگوں کے مجبور کرنے سے عید بھی پڑھادی تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب صورتِ مسئلہ میں مولوی نور محمد صاحب نے یہ تو درست کیا کہ محض لوگوں
کی خبروں پر افطار نہیں کیا بلکہ روزہ رکھا لیکن روزہ رکھا تھا تو نماز
عید الفطر پڑھنی جائز نہ تھی۔ نماز عید الفطر نادانی اور لاعلمی پر مبنی ہے اس پر شرعاً

کوئی حد یا تعزیر نہیں ہے اور نہ ایسا امام قابل معزولی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

الجواب صحیح،

۲۴ سوال

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

امام مردوں کو مسجد میں عید پڑھا کہ گھر میں عورتوں کو عید نہیں پڑھا سکتا

دیہات کے امام مسجد نے مسجد میں عید کی نماز پڑھائی پھر گھر میں جو عورتیں آئی ہوئیں تھیں پھر ان کو پڑھائی کیا یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

عورتوں پر عیدین واجب نہیں وہ اگر پڑھیں گی تو یہ نفل ہونگے اور نفل الجواب جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔ لا یصلی التطوع بالجماعة

ما خلا قیام رمضان وکسوف الشمس البدائع ص ۲۴۱ التطوع بالجماعة اذا کان علی سبیل التداوی یکرہ (ہندیہ ص ۸۶) و التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداوی بان یقتدی اربعة لواحد کما فی الدرر (درمختار) قال شمس الائمة الحلوانی ان کان سوی الامام ثلثة لا یکرہ بالاتفاق وفي الاربع اختلف المشائخ والاصح انه یکرہ هکذا فی الخلاصة (عالمگیری) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

عید الاضحیٰ بے وضو پڑھی گئی تو قربانی ہوگئی یا نہیں؟

امام نے نماز عید پڑھا دی اس کے بعد بعض لوگوں نے قربانی کر لی۔ زوال کے بعد علم ہوا کہ امام صاحب نے نماز عید بغیر وضو کے پڑھا دی ہے اس صورت میں جن لوگوں نے قربانی کر لی اسکی قربانی درست ہوگئی یا نہیں؟

قربانی درست ہو گئی مگر اگلے دن عید کی نماز حسب معمول ادا کریں۔

الجواب

امام صلی بالناس صلوة العید یوم الفطر علی غیر وضوء فعلم بذلك قبل الزوال اعادة الصلوة وان علم بعد الزوال خرج من الغد و صلی فان لم یعلم حتی زالت الشمس من الغد لم یخرج۔

وان كان ذالك في عيد الاضحى فعلم بعد الزوال وقد ذبح الناس جاز ذبح من ذبح و يخرج من الغد ویصلی اھ۔
(فتاویٰ عالمگیری ص ۱۲۱)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ



جو نماز ہو چکنے کے بعد عید گاہ پہنچا وہ بطریق ذیل چار نفل پڑھے۔

زید تیاری وغیرہ کے عید گاہ پہنچا تو لوگ فارغ ہو کر عید گاہ کے لوٹ رہے تھے۔ آیا زید بھی لوٹ آئے یا کچھ نفل

وغیرہ پڑھے۔

زید بترتیب ذیل — چار نفل پڑھے۔ ومن خرج الى الجبانة ولو

الجواب

يدرك الامم في شئ من الصلوة ان شاء انصرف الى بيته وان

شاء صلي ولم ينصرف ولا فضل ان يصلي اربعاً فتكون له صلوة الضحى لماروى عن ابن مسعود انه قال من فاتته صلوة العید صلي اربع ركعات يقرأ في الاولى

بسم اسم ربك الاعلى وفي الثانية والشمس وضحها وفي الثالثة والليل اذا يفتي

وفي الرابعة والضحى وروى في ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعداً

جميلاً وثواباً جزيلاً اھ (قاضی خاں ص ۸۸) فقط واللہ اعلم
فقیر محمد انور عفا اللعنة

بَابُ الْجَنَائِزِ

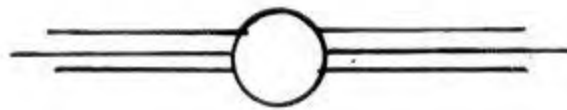
كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَشَوْ

{ الْقُرْآنُ
سُورَةُ عَبَسَتْ
پارہ ۱۲ }

أَلَيْنَا تَرْجِعُونَ

۵۔ جسکے جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے

یہ عبرت کی جگہ ہے متاثر نہیں ہے۔



خَيْرُ الْفِتَاوَى

(جلد سوم)

غسل میت کے احکام

چھوٹے بچے کو ہر ایک غسل دے سکتے ہیں۔ دو ماہ کی بچی فوت ہو گئی تو اس کو امام مسجد نے غسل دیا کیا یہ درست ہے۔ نیز امام مسجد ضعیف العمر ہو تو

کیا حکم ہے اور اگر جوان ہو تو کیا حکم ہے ؟ - ۲ : مرد کتنی عمر تک کی لڑکی کو غسل دے سکتا ہے۔

۳ : اور ایسے ہی لڑکا میت ہو تو اسے عورت غسل دے سکتی ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے ؟

۱۔ مذکورہ بچی کو جو امام صاحب نے غسل دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

الجواب

۲-۳: جو بچہ ذہنی حدِ شہوت کو نہ پہنچا ہو اس کو ہر ایک مرد و عورت غسل دے سکتا ہے۔ اور

قریب البلوغ بچی کو مرد غسل نہیں دے سکتا۔ غواہ کتنی عمر کا کیوں نہ ہو۔

و الصغیر والصغیرۃ اذا لم یبلفا حد الشہوة یفسلہما الرجال والنساء۔

فقط واللہ اعلم

(شامینہ : ج ۱ ص ۶۳۶)۔

محمد النور عفا اللہ عنہ ۲۶ / ۶ / ۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد التبارع عفا اللہ عنہ

بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ولا عکس میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں ؟

بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ہاتھ بھی لگا سکتی ہے۔ خاوند صرف دیکھ سکتا ہے غسل

الجواب

نہیں دے سکتا اور نہ ہی بلا حائل چھو سکتا ہے۔ و یمنع زوجها من غسلها ومسها

لا من النظر الیہا وہی لا تمنع من ذلك اھ (در مختار علی الشامیۃ ، ج ۱ ص ۶۰) فقط واللہ اعلم

اتھ محمد النور عفا اللہ عنہ مفتی نذیر الدار س ملتان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دینے کی حقیقت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خود غسل دیا تھا۔ یہ کس حد تک درست ہے ؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا تھا
الجواب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت اس حیثیت سے ہے کہ آپ سامانِ غسل وغیرہ

میں تعاون فرما رہے تھے۔ قال فی شرح المجمع لمصنفہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا

غسلتہا ام ایمن حاضنتہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی عنہا فتحمل

روایۃ الغسل لعلی رضی اللہ عنہ علی معنی التہیئة والقیام التام باسبابہ

(شامی ج ۱ ص ۸۰۳)۔

اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مباشرتاً غسل تھے تو پھر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت پر محمول ہے۔ ولئن ثبت الروایۃ فهو مختص بہ لقولہ علیہ السلام
 کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی اھ (شامی ج ۱ ص ۸۰۳)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد نور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

غسل کی وقت میت کو کیسے لٹایا جائے
 ایک جگہ میت کو غسل دیتے وقت پاؤں قبلہ کی طرف
 اور سر مشرق کی طرف کیا گیا۔ کیا یہ درست ہے ؟

الجواب ایسے بھی جائز ہے مگر مستحسن یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ ہو جیسے قبر میں لٹایا جاتا ہے۔
 در کیفیۃ الوضوع عند اصحابنا الوضوع طولاً کمافی حالۃ

الموض اذا اراد الصلوۃ بایمانہ ومنہ من اختار الوضوع کما یوضوع

فی القبر والاصح انہ یوضوع کما تیشد۔ اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۸۱)۔

وجہ استحسان یہ ہے کہ بیت اللہ شریف ہر حال میں قبلہ ہے زندگی میں بھی اور بعد الموت بھی۔

روی ابوداؤد ان رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الکبائر فقال

ھی تسع و ذکرھا الی ان قال واستحلل البیت قبلتکم احیاء و

امواتا ھ (امداد الفتاویٰ: ج ۱ ص ۲۷۰)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/۵/۱۳۹۸ھ

اجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

میت کو غسل دینے والے کیلئے غسل کا حکم
کوئی مسلمان کسی میت کو غسل دیتا ہے۔ تو غسل دینے
کے بعد خود کو غسل کرنا چاہئے یا نہ؟

میت کو غسل دینے کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے۔ مرقی میں ہے۔ و (سند ب)

الجواب

عند الفترأغ من حجامة و غسل میت خروجا للخلاف

من لزوم الغسل بهما ۵۸ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبدالستار مفتی ۱۱/۳/۲۰۰۶ھ

اجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

کچھ آدمی ٹرک کے لٹنے سے ٹرک کے بوجھ
تلے آگئے کیا یہ لوگ شہید ہیں؟ اور

ٹرک کے نیچے دب کر مرے ہوئے لوگوں کو غسل و کفن دیا جائے

کیا ان کو غسل و کفن دیا جائے گا؟

یہ لوگ اخروی شہید ہیں۔ دنیا میں ان پر عام میت کے احکام جاری ہوں گے۔ لہذا
انہیں غسل و کفن دیا جائے گا۔ لومات حتف انفہ او تردی من موضع او

الجواب

احترق بالنار او مات تحت ہدم او غرق لایکون شہیداً ای فی حکم
الدنیا و الا فقد شہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للغریق و الحریق و
المبطون و الغریب بانہم شہداء فینالون ثواب الشہداء ھ۔

(بحر الرائق: ج ۲ ص ۲۱۱)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی نیر المذارس ملتان

۱، طہارت ہو کہ نماز جنازہ کے لئے شرط ہے
کسی عذر کی بنا پر ساقط ہوتی ہے یا نہیں؟

جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو غسل و جنازہ کا حکم

مثلاً ایک آدمی آگ میں جل گیا۔ یا دریا میں مر کر چند دن بعد برآمد ہوا جس کا جسم سو جا ہوا اور بدبو کرتا ہے اور ہاتھ لگانے کے قابل نہیں۔ یا ریل گاڑی کے نیچے اس کا سارا جسم چور چور ہو گیا۔ یا اس کا اکثر یا کم جسم چور چور شدہ باقی بچا تو ان صورتوں میں میت کے لئے غسل اور جنازہ کی کیا صورت ہوگی؟
 فضل محمد لپشاہ

وفی العالمکیریۃ، ج ۱ ص ۸۱۔ ولو کان میت متفسخاً یتمعدز

مسحہ کفی صب الماء علیہ کذا فی التاتاریخانیۃ ناقل عن

الجواب

العتابیہ۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر میت کا جسم پھولا ہوا بدبو کرتا ہے اور ہاتھ سے اس کا مسح کرنا مشکل ہے تو اس پر صرف پانی ڈال دینا کافی ہے غسل مسنون دینا اس کے لئے واجب نہیں اور یہی حکم اس میت کا ہو گا جو گاڑی کے نیچے آکر چور چور نہ ہو گیا ہو یا آگ میں جل کر کوئلہ نہ بن گیا ہو بلکہ ڈھانچہ اس کا موجود ہو۔ البتہ اگر کسی میت کا اکثر بدن یا نصف سر سمیت سالم مل گیا ہے تو اس کو غسل دینا فرض ہے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

کافی العالمکیریۃ، ج ۱ ص ۸۶۔ ولو وجد اکثر البدن او نصفہ مع الرأس

یغسل ویکفن ویصلی کذا فی المضمرة۔

اور اگر میت کے اعضاء جدا جدا ہو گئے ہیں خواہ گاڑی کے نیچے آکر یا آگ میں جل کر یا اس کا جسم پھٹ گیا اور اعضاء اس کے علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ تو ایسی صورت میں نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ اس کو غسل دینا فرض ہے۔

کافی الطحاوی، ص ۳۲۲۔ قوله ما لم یتفسخ ای تتفرق اعضاءه فان

تفسخ لا یصلی علیہ لانها شرعت علی البدن ولا وجود له مع التفسخ۔ ۱ھ

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۳۰ / ۱۰ / ۱۳۸۵ھ

اجواب صحیح

نیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا

۳۰ / ۱۰ / ۱۳۸۵ھ

غسل کے بعد نجاست خارج ہو تو دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں

ایک شخص فوت ہو گیا ہے جب اس کو غسل دیا جاتا ہے تو غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت کو پاخانہ آجاتا ہے۔ تو اس کو دوبارہ غسل دینا واجب ہو جاتا ہے یا نہیں؟

صورتِ مسئلہ میں اعادہ غسل کی ضرورت نہیں نجاست کو دھو لینا ہی کافی ہے۔ ہندیہ میں ہے

الجواب

ویمسح بطنہ مسحاً رقیقاً تحرزاً عن تلویث اللکفن فان خرج

منہ شئی غسله ولا یعیده غسله ولا وضوءه - فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۶/۲۷/۱۴۰۸ھ

میت کو غسل دینے والا بدن غسل جنازہ پڑھا سکتا ہے مردے کو غسل دینے والا آدمی بغیر غسل کئے اور بغیر کپڑے تبدیل کئے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

ایک حافظ صاحب کہتے ہیں کہ ایسا آدمی نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ آیا ان کا کہنا شریعت کے مطابق ہے یا؟

غسل میت کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے فرض یا واجب نہیں۔ لہذا ایضاً صحیح ہے۔

الجواب

ویندب الاغتسال فی ستۃ عشر شیئاً و ذکر عنہا وعند

الفراغ من حجامۃ وغسل میت خروجاً للخلاف الخ

لہذا اگر غسل کے بدن یا کپڑوں پر بالکل نجاست نہیں ہے تو صورتِ مسئلہ میں نماز جنازہ شرعاً درست ہے

اسے واجب الاعادہ کہنا سراسر غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ بن مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۱/۱۴۰۸ھ

خفتی مشکل کو صرف تیمم کرایا جاتے مسد : خفتی مشکل کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

اگر خفتی واقعاً مشکل ہو تو اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمم کرایا جائے۔ « وَيُتِمُّ الْخَفْتِي الْمَشْكُلَ لَوْ مَرَاهِقًا

الجواب

در مختار علی الشامیہ ج ۱ ص ۸۶ - فقط واللہ اعلم -

مفتی محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

سنی شیعہ کو غسل کیسے دے
ہمارے یہاں ایک شیعہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے رشتہ دار
از قسم عصبیات وغیرہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

تو وہ اس کو کیسے غسل دیں۔؟ - عبدالرشید مظفر گڑھ

الجواب
اگر اس شیعہ کے عقائد کفریہ تھے تو بہتر یہ ہے کہ اس کو اس کے ہم مذہبوں کے حوالے
کر دیں۔۔۔ اگر ایسی صورت نہ ہو سکے تو غسل اور کفن و دفن کے آداب ملحوظ رکھے بغیر

اسے نہلا کے کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں دبا دیں۔

و یغسل المسلمو ویکفن ویدفن قریبہ کخالہ (الکافر الاصلی)
اما المرتد فیلقی فی حفرة کالکلب (عند الاحتیاج) فلولہ
قریب فالاولی ترکہ لہم (من غیر مراعاة السنۃ) فیغسلہ
غسل الثوب النجس ویلفہ فی خرقة ویلقیہ فی حفرة - ۱ھ
(در مختار علی الشامی ج ۱ ص ۸۳) - فقط واللہ اعلم

مفتی محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان



قبرے گرانہ ممنوع نہیں نیز ابن سعود سے صراحتاً گرانے کا حکم دینا ثابت نہیں

زید نے کہا کہ ابن سعود حاکم حرمین دجال ہے اور یزید ہے اس لئے کہ اس نے صحابہ رضی اور اماموں کے روضے اور قبریں گرا دیں۔ عمرو نے کہا کہ یہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اگر تو اس نے صحابہ رضی کے لغض و عناد سے ایسا کیا ہے تو وہ مجرم ہے ورنہ اس نے حدیث شریف پر عمل کیا ہے۔

« وعن ابی الصبیح الاسدی قال قال لی غلی الا ابغثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع تمثالاً الا طمستہ ولا قبرا مشرقا الا سقیتہ - (رواہ مسلم) مشکوٰۃ ص ۱۱۳ -

دوسری کتاب «زینتہ الاسلام» میں حضرت حافظ محمد صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ بدعت ہے۔ اب آپ فرمادیں کہ یہ قبریں گرانے کیسے ہے؟

الجواب قبور پر پختہ فرش اور گنبد بنانا ناجائز اور حرام ہے۔ بنانے والے اور جو اس فعل سے راضی ہوں گنہگار ہیں اور آنحضرت علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

« قال نفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ »

جب گنبد بنانا اور قبہ جات تعمیر کرنا گناہ ٹھہرا تو اس گناہ کا ازالہ کرنے والے مستحق اجر ہوں گے نہ کہ مورد طعن لہذا ابن سعود کو اس فعل کی بنا پر دجال کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم
خود طے، نیز یہ بھی پوری طرح ثابت نہیں ہو سکا کہ ان قبہ جات کا گرانہ ابن سعود کے حکم سے تھا۔ بلکہ بعض واقف حضرات کی رائے یہ ہے کہ زمانہ انقلاب میں جب کہ شریف حسین پر ابن سعود کا غلبہ ہوا تو بعض لوگوں نے ایام بلوی میں اس کا ارتکاب کیا تھا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

۱۴ - ۵ - ۱۳۷۰ھ



اجواب صحیح

خیر محمد عفی عنہ

دعا ر عند القبر میں رُخ کدھر ہو
زیارت قبر کا شرعی اور سنون طریقہ کیا ہے؟ دعا کرتے وقت استقبال
الی القبر اولیٰ ہے یا استقبال الی القبلة۔ اور دعا کرتے وقت استیبار

الی القبر قبر کی بے ادبی نہیں ؟ محمد ادریس ادارہ تعلیم القرآن پشاور

الجواب

شرح "شرعۃ الاسلام" میں ہے۔ قال فی الاحیاء والمستحب فی

زیارة القبور ان یقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه المیت اللہ
اس روایت سے معلوم ہوا کہ دعا کرتے وقت میت کی طرف متوجہ ہو کر قبلہ کی طرف بیٹھ کر کے کھڑے ہو۔ ہاتھ

اٹھانا دعا کے وقت ثابت نہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح

۲۵ / ۱ / ۱۳۶۹ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

لحد کتنی وسیع ہو لحد کتنی وسیع ہونی چاہئے ؟ بعض کہتے ہیں کہ اتنی ضروری ہے کہ میت اس
میں بیٹھ سکے۔ کیا یہ ضروری ہے ؟

لحد کے بارے میں اسی قدر حکم ہے کہ وسیع اور فراخ ہو جس میں مردہ اچھی طرح ٹٹایا جائے
اور کوئی خاص تحدید لحد کے بارے میں وارد نہیں۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ لحد اس قدر اونچی ہو
کہ میت اس میں بیٹھ سکے یہ کچھ ضروری شرط نہیں۔ کمانی فتاویٰ دارالعلوم، ج ۵، ص ۳۷۶۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ

میت کو لحد میں کروٹ دی جائے صرف رخ قبلہ کی طرف کرنا کافی نہیں

یہاں ایک عورت فوت ہو گئی۔ جب اس کی میت کو لحد میں اتارنے لگے تو ایک بزرگ نے جو کہ حضرت تھانوی
رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے مرحومہ کو پہلو کے بل اس طرح لٹوایا کہ اس کی کمر لحد سے لگ گئی۔ تو میت کو لحد میں کس
طرح لٹانا چاہئے۔

الجواب

وفی الاہندیۃ الفصل السادس ج ۱، ص ۱۵۵ ویوضع فی القبر علی

جنبہ الایمن مستقبل القبلة ۱۵ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ بزرگ موصوف نے یہ

کیا اور آئندہ کے لئے بھی اسی طرح کرنا چاہئے اور عام رواج کو چھوڑ دینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۸، ۶، ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ

دفن کے بعد تلقین کا حکم اور اس کے الفاظ

مراقی الفلاح ۱ ص ۱۱ - تلقینہ بعد ما وضع فی القبر مشروع ونسب الی
 اهل السنۃ والجماعۃ وقیل لا یلقن فی القبر ونسب الی المعتزلۃ -
 مراقی الفلاح میں لکھا ہے - تلقین بعد دفن کے جائز ہے یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے اور معتزلہ اس کو ناجائز
 سمجھتے ہیں - اور اس میں تلقین کا طریقہ بھی لکھا ہے - مراقی میں یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعد دفن کو مستحب سمجھتے
 تھے اور کہتے تھے - آپ اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں - نیز تلقین کے الفاظ بھی تحریر فرمائیں -

حافظ غلام حسین ، لوہاری گیٹ ملتان

اس تلقین کی صورت یہ ہے کہ لحد میں رکھنے کے بعد ایک صاحب (جو ذی علم ہو) میت کو مخاطب
 کر کے یوں کہے کہ " یا فلاں ابن فلاں یاد کر اس دین کو جس پر تو تھا - یعنی اس بات کی شہادت
 کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں - اور یہ کہ جنت برحق ہے
 اور جہنم کا عذاب حق ہے - اور موت کے بعد جی اٹھنا حق ہے - اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اور تمام قبروں والوں
 کو اللہ تعالیٰ زندہ کریں گے - اور تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر ، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کے نبی ہونے پر ، قرآن پاک کے امام اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر اور تمام مومنین کے بھائی ہونے پر راضی تھا "۔
 طریقہ بالا سے تلقین (لحد میں رکھنے کے بعد) کے جواز میں کوئی کلام نہیں

البتہ اس طرح پر تلقین کرنا اولیٰ ہے یا نہ کرنا - اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے - شرح منیہ
 میں ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک نہ کرنا ادنیٰ ہے اور حدیث لقنوا موتاکم مجاز پر محمول ہے - اور خبازیہ
 اور کافی میں شیخ زاہد صفار سے تلقین کرنے کو راجح لکھا ہے - فقط واللہ اعلم (شامی ج ۱ ص ۹۷)۔

بندہ محمد اسماعیل غفرلہ
 نائب مفتی نیر الدین سلسلتا

اجواب صحیح
 بندہ محمد عبدالرشید عفا اللہ عنہ

لے شامی کی عبارت یہ ہے - (قوله ولا یلقن بعد تلجیدہ) ذکر فی العراج انه ظاہر
 الروایۃ ثورقال وفی الخبازیۃ والکافی عن الشیخ النواہد الصفار ان هذا علی
 قول المعتزلۃ لان الاحیاء بعد الموت عندهم مستحیل اما عند اهل السنۃ فالحدیث
 بقیہ حاشیہ بر ۱۵۱

امانتِ دفن کرنے کے بعد بھی نکالنا جائز نہیں

زید کی لڑکی فوت ہوگئی۔ جس جگہ فوت ہوئی وہیں بطورِ امانت دفن کر دیا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عمر گزر چکا ہے۔ اب اسے نکال کر دوسری جگہ دفن کر سکتے ہیں ؟
اب مذکورہ لڑکی کو دوسری جگہ منتقل کرنا درست نہیں۔

الجواب

« ولا يخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدتی۔ اھ

(شامی ج ۱ - ص ۶۲۸)

اس امانت کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔ فقط واللہ اعلم
احقر محمد نور عفا اللہ عنہ

قبر کے گرد چار دیواری بنانا بھی مکروہ ہے

حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی
خطیب جامع مسجد مہتمم مدرسہ قادریہ

تلمبہ، کامورخہ، ۱۷ مئی ۱۹۷۷ء کو انتقال ہو گیا۔ ان کے فرمان کے مطابق انہیں جامع مسجد کے احاطہ ہی میں دفن کیا گیا۔ مدفن کے تین اطراف میں قدیم عمارات کی دیواریں ہیں اور ایک طرف کھلی جگہ ہے اس کھلی جگہ میں ایک دیوار چار فٹ اونچی بطور پردہ تعمیر کر دی گئی۔ اب اس تعمیر میں اختلاف پڑ رہا ہے صحیح حکم شریعت سے مطلع فرمایا جائے۔

منجانب، اراکین اہلسنت والجماعة، تلمبہ

فتاویٰ دارالعلوم، ج ۵، ص ۳۹۵ - ج ۵، ص ۴۰۶ پر ہے کہ قبر کے گرد
چار دیواری بنانا مکروہ ہے۔ اور بصورتِ مشورہ چار دیواری بنتی ہے اور شامی میں ہے

الجواب

« وعن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ

او نحو ذالک بہما روی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فہی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم عن تجسیص القبور وان یکتب علیہا

وان یبنی علیہا رواہ مسلم وغیرہ - (شامی ج ۱ ص ۱۳۹) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — محمد نور عفا اللہ عنہ

خالی قبر میں غلہ بھرنا گناہ ہے میں نے کسی مولوی صاحب سے سنا ہے کہ اگر مرضِ سکتہ کی وجہ سے کوئی

مردہ معلوم ہو اور اس کے لئے قبر کھودی جاتے، مردہ داخل بھی کر دیا گیا، پھر

وہ مردہ زندہ ہو گیا تو اس قبر میں گندم یا چنا بھر کر بند کر دیں قبر کو خالی بند کرنا گناہ ہے کیا یہ صحیح ہے؟

ماسٹر اللہ وسایا نائب مدرس حصہ پرائمری خیر المدارس ملتان

یہ بات غلط ہے کہ قبر کو خالی بند کرنا گناہ ہے۔ کوئی گناہ نہیں۔ ایسی صورت میں خالی ہی قبر کو بند کر

دینا چاہیے۔ غلہ وغیرہ اس میں بھر کر اسے بند کرنا اضاعتِ مال اور گناہ ہے۔

الجواب

فقط واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی۔

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مردہ بچے کو کہاں دفن کیا جائے میرے گھر مردہ بچہ پیدا ہوا۔ ایک عالم کہتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں

کے قبرستان میں دفن نہ کریں باہر کسی جگہ دفن کریں۔ اور دوسرے عالم

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں۔ آپ جواب سے مطلع فرمائیں۔

والا یتھل غسل وسمی وادرج فی خرقۃ ودفن ولم یصل علیہ اھ (در مختار)

ونقل فی الشامیۃ والذی یقتضیہ مذهب اصحابنا انہ ان استبان

الجواب

(بقیہ ماشیہ ص ۲۵۴)

ای لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ محمول علی حقیقتہ لان اللہ تعالیٰ یحییہ علی ماجاوت

به الآثار وقد روی عنہ علی الصلوۃ والسلام انہ امر بالتلقین بعد الدفن فیقول

یا فلان ابن فلان اذکر دینک الذی کنت علیہ من شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ

وان الجنۃ حق والنار حق وان البعث حق وان الساعۃ آتیۃ لا ریب فیہا وان اللہ یبعث من فی

القبور وانک رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا وبالقرآن

اماما وبالکعبۃ قبلۃ وبالعمومنین اخوانا۔ اھ وقد اطال فی الفتح فی تأیید حمل

موتاکم فی الحدیث علی حقیقتہ مع التوفیق بین الادلۃ علی ان المیت یسمع اولاً

کما سیأتی، ج ۱ - ص ۹۷ - محمد انور عفا اللہ عنہ

بعض خلقه فانہ یحشر وهو قول الشعبی وابن سیرین اھ وذكر
 العلقمی حدیث سمو اسقاطكم فانهم فرطكم اھ (شامیہ ج ۱ ص ۶۲۱)
 مردہ بچہ کا دفن کیا جانا اور حشر کیا جانا عبارت بالا سے مصرح ہے۔ گویا اس مسئلہ میں فی الجملہ یہ زندہ بچے کے
 حکم میں ہے اس لئے اسے قبرستان میں دفن کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں، قبرستان میں اسے دفن کیا جاسکتا ہے
 کوئی دلیل اس کے خلاف ہو تو تحریر کی جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۲۵ / ۱۱ / ۱۴۰۰ ھ

قبر پر دعاء کرتے ہوئے رفع ایدی کا حکم
 بعد دفن قبر پر دعاء مانگنے کے لئے قبر کے ارد گرد کھڑے ہونا
 سنت ہے یا قبر کے ایک طرف ہٹ کر ؟

۲ : دعاء مانگتے وقت ہاتھ اٹھانا کیسا ہے ؟

الجواب
 دونوں طرح جائز ہے اور ایک موقوف حدیث میں ”سول قبری“ کے الفاظ ہیں
 جس سے ارد گرد کھڑے ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۲ : ہاتھ اٹھانے ہوں تو قبر سے ہٹ کر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعاء کرے ورنہ بلا ہاتھ اٹھائے دعاء کرے۔
 فتح الباری : ج ۱۱ ص ۱۲۲ - میں ہے۔

» وفي حدیث ابن مسعود : رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر
 عبد اللہ ذی البجادین الحدیث وذیہ لما فرغ من دفنہ استقبل
 القبلة رافعا یدیہ اخرجہ ابن عوانة فی صحیحہ - (دارالعلوم ج ۵ ص ۴۵۵)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۲۶ / ۱۱ / ۱۴۰۰ ھ

قبروں پر کھانا پکا کر کھلانا جائز نہیں
 دفن کے بعد قبر پر کھانا پکا کر کھلاتے
 ہیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب
 قبرستان عبرت کی جگہ ہے قبور کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ وہاں دعوتوں
 کا انتظام کرنا درست نہیں معینا قبر کے پاس آگ جلانا بھی ممنوع ہے اس سے میت

کو تکلیف ہوتی ہے۔

« وکان ينبغي أن لا يقرب الميت بشيء من اشر النار اصلاً لما ورد في الحديث من النهي من اتباع الميت بالنار فما بالك بها توقد عند القبر (للدخل، ج ۱، ص ۳ : ص ۲۴)

ويعكره اتخاذ الطعام الحى قوله ونقل الطعام الى القبر في المواسم اه (مشاحی - ج ۱، ص ۶۳) - فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
خادم دار الافتاء خیر المدارس سلطان

قبر پر چھڑکاؤ کرنے کا حکم ایک قبرستان میں دیکھا گیا کہ ایک میت کا رشتہ دار آیا اور اس نے دو ڈبے پانی کے بھرے اور ٹھنڈی کرنے کے لئے قبر پر چھڑکے۔ ایسا فعل کرنا کیسا ہے؟ اگر امام الحق راولپنڈی -

مٹی جمانے کے لئے ہو تو گنجائش ہے۔ ولا بأس بمرش الماء علی حفظا الجواب لترا به عن الاندرا س اه - (مشاحی - ج ۱، ص ۶۲) -

اجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ - ۲، ۱۳۹۹ھ
فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بہت ہی پرانی قبر میں نئی تدفین کا حکم قبرستان میں جو قبریں بہت پرانی ہو جاتی ہیں اور مٹی سی جاتی ہیں ان میں از سر نو نئے مردہ کو دفن کرنا کیسا ہے؟

اگر پہلا مردہ بوسیدہ و مٹی ہو گیا ہو تو نئی میت کو اس جگہ دفن کرنا جائز ہے۔ الجواب « وقال الزیلعی ولو بلی الميت وصار تراجا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیہ اه (مشاحی - ج ۱، ص ۶۲) - فقط واللہ اعلم۔

اجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

وقف قبرستان میں زندگی زید عمر رسیدہ ہے۔ اشتغالِ دنیوی بظاہر ختم کر کے اپنے
میں قبر بنوانے کا حکم آخری عمر گوشہ نشینی میں طے کر رہا ہے۔ زید کی تمنائے کہ قبرستان
 میں اپنی قبر خود تیار کر والے تاکہ وقت پر احباب کو تکلیف نہ ہو۔ تو ذہن میں کچھ اشکال سا ہے کہ شاید
 جائز نہ ہو۔ تو برائے مہربانی اس کا حل فرمادیں۔ حاجی غلام قادر بیادول پورہ

الجواب شامی میں تحریر ہے کہ اپنے لئے قبر بنوانا درست ہے بلکہ اس پر ثواب کی بھی امید
 ہے۔ "یحفر قبراً لنفسه الخ و فی التا قار خانیه۔ لا بأس

به ویوجر علیہ وهکذا عمل عمر بن عبد العزیز والربیع بن
 خثیم وغیرهما اه (شامیہ: ج ۱- ص ۶۳۲) - فقط واللہ اعلم
 احقر محمد النور عفا اللہ عنہ
 مفتی خیر المدارس پ ملتان

مٹی ڈالتے وقت قبر بیٹھ جائے تو میت کونہ نکالا جائے ایک شخص فوت ہو گیا اور دفن کرنے
 کے لئے جب قبر میں اتارا، اور مٹی
 ڈال رہے تھے تو بوجہ سیم زدہ ہونے اراضی کے، قبر بیٹھ گئی بشرع محمدی میں کیا حکم ہے۔ کہ دوسری
 قبر کھود کر میت رکھی جائے یا اسی قبر کو پاٹ دیا جائے۔ قبر کھدالی تھی اور بیٹھی اس لئے کہ کھد کر نیچے جا رہی۔
 تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب اگر مٹی ڈال چکے ہوں تو اسی قبر کو درست کر دیا جائے میت کونہ نکالا جائے۔
 " ولا یخرج منه بعد اھالة التراب الا لحق آدمی اھ

(شامی: ج ۱ ص ۱۳۹) - فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۱۰/۱۴۰۶ھ

لا وارث میت کو کہاں دفن کیا جائے ایک عورت کی نعش ملی ہے: یہ پتہ
 نہیں کہ وہ عقیدے اور مذہب کے

محافظ سے کیا تھی۔ کیا اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر سکتے ہیں؟

مذکورہ عورت کو جنازہ پڑھنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے

الجواب

ولو وجد میت او قتیل فی دار الاسلام الصحیح انه

یفسل ویدفن فی مقابر المسلمین لحصول غلبۃ الظن بکونه

مسلمًا بدلالة المكان وهی دار الاسلام وفیه وهل یعمل بدلیل

المكان وحده الصحیح انه یعمل به لحصول غلبۃ الظن عنده

(بدائع : ج ۱ - ص ۳۰۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۹ - ۹ - ۱۳۰۶ھ

محمد صدیق غفرلہ مدرس نیر المدارس ملتان

ارض غیر میں بلا اجازت قبر بنالی جائے تو مسما کر نہ کیا حکم ایک جگہ جو سرکاری ملکیت ہے

وہاں لوگوں نے بلا اجازت قبریں بنالی

ہیں۔ ایک آخری قبر جس کے بارے میں یہ اطلاع ہے کہ وہ ۱۹۸۳ء میں بنائی گئی ہے جو کہ راستہ

میں نہیں آرہی مگر باقی جو قبریں ہیں ان کا کوئی وارث نہیں۔ اور نہ ہی ان کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ

کن لوگوں کی ہیں؟ کیا حکومت اس جگہ کو اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتی ہے یا نہیں؟

جب یہ جگہ سرکاری ملکیت ہے اور قبریں بلا اجازت بنائی گئی ہیں تو حکومت زمین

ہموار کر کے اسے اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتی ہے۔

الجواب

(ولا یخرج) منه بعد اھالة التراب (الا) لحق آدمی کأن

تكون الارض منصوبۃ او اخذت بالشفعة) و یخیر المالك

بین اخراجه و مساواتہ بالارض کما جاز زرعه و البناء علیہ اذا

بلی و صار ترابا (الثانیۃ ص ۶۶۲) فقط، محمد انور

غلطی سے قبر بچتہ بنا دی گئی تو کیا کیا جائے میں نے اپنے والد محترم کی تربت بوجہ شکستہ

ہونے کے بچی کرادی۔ یعنی کچی قبر کے چاروں

طرف اینٹوں کا بند بنا کر باقی قبر پر پانی وغیرہ چھڑکنے کے بعد سمینٹ کرادیا تاکہ بارشیں یا کسی اور وجہ سے

گڑھانہ پڑے۔ لیکن حال ہی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک معلوم ہوئی کہ قبر کو سنجتہ نہ بنایا جائے۔ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحصص القبر وان ینبئ علیہ وان یقعد علیہ۔ (مسلم، ج ۱، ص ۳۱۲؛ مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۲۸)۔

قال الامام محمدؒ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن تربع القبور وتجصیصھا قال محمد بہ ناخذ وهو قول ابی حنیفۃؒ۔

(کتاب الاثار للامام محمدؒ: ص ۹۶، ۹۷)۔

اس علم کے بعد مجھے اپنے اور اس سیمنٹ شدہ قبر کے بارے میں حکم مطلوب ہے۔

مفتی، محمد اشرف، ٹرانسپورٹ جنرل فور میں۔

ڈومینر، ٹی۔ پی، انجیر، العربیۃ السعودیۃ

قبر کا زمین سے اونچائی والا حصہ کچا رکھنا چاہتے۔ لہذا اب اس حصے سے سیمنٹ

اکھیڑ کر مضبوط کچی لپائی کر دی جلتے۔ اس کے بعد چاہیں تو اس پر پتھر کی چھوٹی

چھوٹی کنکریاں ڈال دیں جس سے وہ جگہ بہت مضبوط ہو جائے گی۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

مزار مبارک کے بارے میں بھی ایسے ہی منقول ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ۲۷، راجہ ۱۴۰۰ھ

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا

گھر میں دفن کرنے کی وصیت درست نہیں اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں

ایک شخص مسی مولوی محمد یار سائل اللہ وصیت کرتا ہے کہ مجھے میرے اپنے مکانوں میں جب میں سے مر جاؤں تو دفن کرنا، گورستان میں مجھے نہ رکھنا۔ اس کے بیٹے کہتے ہیں کہ یہاں قبر بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچے ڈریں گے۔ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے جہاں پہلے سے ہمارے مردہ دفن ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اور یہاں پر ارد گرد بستی ہے۔ گورستان تو عام بن نہیں سکتا۔ اور بدعت بھی شروع ہو جائے گی۔ اب طلب امر یہ ہے کہ شرعاً عام مسلمانوں کے گورستان میں دفن کر دیں تو گناہگار تو نہیں ہوں گے؟

الجواب ایسی وصیت کرنا درست نہیں ہے اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں۔ عام قبرستان میں دفن کرنا سنون ہے۔

« ولا ينبغي أن يدفن الميت في الدار ولو كان صغيراً لاختصاص هذه السنة بالانبياء ورفقائهم ولا يدفن صغيراً ولا كبيراً في البيت الذي مات فيه فان ذلك خاص بالانبياء بل ينقل الى مقابر المسلمين - (شامی : ج ۱ ص ۸۳) - فقط والله اعلم

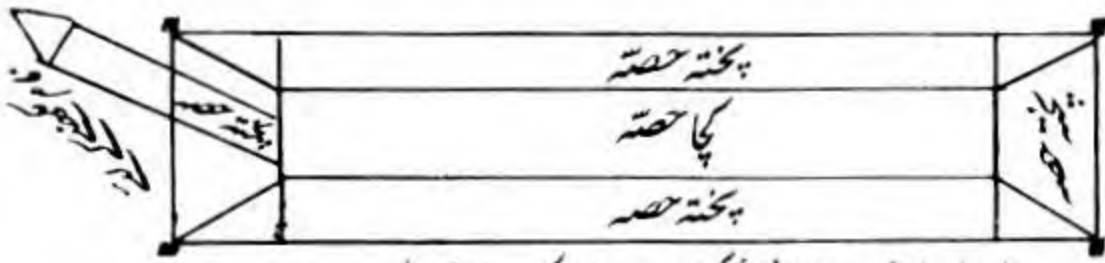
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸ / ۳ / ۱۴۰۴ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الاقبار

نیم پختہ قبر کا حکم اگر قبر کی چاروں طرف سے اینسٹوں کی پختہ چٹائی کی گئی ہو اور اوپر سے بارش وغیرہ کے زور سے پچانے کے لئے ایک دو باشت کنارہ پختہ کئے جائیں تو آیا ایسی قبر پر بھی عچی قبر ہونے کا اطلاق ہوتا ہے ؟



چاروں طرف سے اونچائی کی مقدار ایک اینٹ ہے

مذکورہ صورت سلف کے عمل کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸ / ۴ / ۱۴۰۴ھ

قبر میں پیسے ہ جائیں تو نکالنے کے لئے نبش قبر کا حکم ملک اللہ دتہ کالٹر کا محمد اکرم فوت ہو گیا دفن کرتے ہوئے ملک اللہ دتہ کے

تقریباً ساڑھے چار ہزار (۴۵۰۰) روپے قبر میں رہ گئے اور لقیینا علم ہے کہ وہ قبر میں رہے ہیں کیا اس عذر کے لئے قبر کھودنا جائز ہے ؟

الجواب صورتِ مسئلہ میں قبر اکھاڑ کر وہ رقم نکالی جاسکتی ہے۔ قولہ ولا ینبش لیوجہ الیہا الخ ولوبقی فیہ متاع لا لسان فلا بأس بالنبش اه (شامی ج ۱ ص ۶۲۶) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۲۷ / ۴ / ۱۳۹۷ھ

قبر پر اذان دینا بدعت ہے میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر کے اوپر اذان دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب قبر پر اذان دینا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔ لہذا بدعت ہے۔
” و فی الاقتصار علی ما ذکر من الورد اشارۃ الخ

انہ لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما هو المعتاد الان وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانہ بدعتہ اه۔ (شامی ج ۱ ص ۶۲۶) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۱۲ / ۷ / ۱۳۹۳ھ

عام قبرستان میں تدفین بہتر ہے ایک آدمی نے تبلیغی مرکز کے لئے جگہ خریدی۔ اس میں کچھ جگہ مسجد کے لئے مخصوص کر دی کچھ رہائش گاہ

بنادی۔ اور کچھ جگہ اپنی قبر کے لئے مختص کر دی۔ کیا جگہ کی یہ تقسیم درست ہے ؟

الجواب مذکورہ جگہ میں قبر بنانا درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ یہاں قبر نہ بنائی جائے۔
عام قبرستان میں تدفین شریعت میں زیادہ پسندیدہ ہے۔ ولنعلم ما قیل۔

شاہوں کے مقبرے سے الگ کچھ دفن ہم فقیروں کو گورِ غریبان پسند ہے
لا یدفن فی مدفن خاص کما یفعلہ من یبنی مدرستہ ونحوہا و
یبنی لہ بقربھا مدفنًا اه (شامی ج ۱ ص ۶۲۶) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ○ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۸ / ۷ / ۱۳۹۹ھ

قبرستان کے راستہ پر چلنے کا حکم ۱ : ایک بستی سے ملحق ایک سو سال پرانا قبرستان ہے جس

کے ایک حصہ میں قبروں کے نشان مہٹ چکے ہیں۔ اس جگہ لوگ مویشی باندھتے ہیں اور راستہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اب بعض اہل دہ کا ارادہ ہے کہ قبرستان کو بے حرمتی سے بچایا جائے۔ اور قبرستان کے جس حصہ میں قبریں مٹی ہوئی ہیں ایک شاہراہ بنا دی جائے اور باقی قبرستان کی بذلیہ فیصل حفاظت کی جائے۔ کیا قبرستان کی زمین کو ان لوگوں کے لئے شاہراہ بنانا جائز ہے ؟ قبرستان کافی پرانا ہے کبھی کبھار بارش کے موقع پر کچھ وغیرہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور کبھی ہڈیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ لیکن میت صحیح حالت میں کبھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ یہ قبرستان پہلے دہ کے شاملات میں شمار ہوتا تھا۔ بند و بست جدید میں اس کو قبرستان کے نام منتقل کر دیا گیا ہے کسی مملوکہ نہیں ہے بعض لوگوں نے کچھ حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کیا یہ قبضہ درست ہے ؟

۲ : کیا قبرستان کے درخت بیج کر ان کی آمدنی سے قبرستان کی حفاظت کیلئے فیصل وغیرہ بنانا جائز ہے ؟

۳ : پرانے قبرستان کی زمین کو فروخت کر کے قبرستان کی مشترکہ ضروریات پر رقم استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

قبرستان کے کسی حصے کو راستہ بنانا درست نہیں۔ قبرستان میں جو راستہ بنایا جائے اس پر شرعاً چلنا درست نہیں ہے شامی میں ہے۔

الجواب

و یکرہ المشی فی طریق ظن انه محدث حتی اذا لم یصل الی قبر الا

بوطأ قبر ترککھ۔ (در مختار علی الثامی ج ۱- ص ۸۴۶)

اس حصہ کو بھی قبرستان کی چار دیواری میں شامل کیا جائے۔

سئل القاضی الامام شمس الاعظم محمود لا وز جندی عن المقبرة

فی القرى اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموقی لا العظم ولا

غیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم

المقبرة۔ (عالمگیری ج ۲- ص ۳۵۱)۔

۲ : سئل نجم الدین فی مقبرة فیها اشجار الخ قیل له فان

تداعت حیطان المقبرة الی الخراب یصرف الیها او الی المسجد

قال الی ماھی وقف علیہ۔ (عالمگیری ج ۲: ص ۳۵۲)۔

مذکورہ جہز تہ سے معلوم ہوا کہ ان درختوں کو بیچ کر اس قبرستان پر صرف کرنا درست ہے۔
 ۳ : اگر کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں تو فروخت کرنا درست نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔
 احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳، ۲، ۱۳۹۹ھ

بہت نرم زمین میں پختہ قبر بنانا جائز ہے اگر زمین بہت نرم ہو اور پانی بھی بالکل قریب ہو تو کیا قبر کے اندر کے حصہ میں پختہ

اینٹیں اور سمنٹ لگانا جائز ہے ؟

جائز ہے۔ و جاز ذالك حوله بارض رخصة كالتابوت اه
 (در مختار)۔ وفي الرد في شرح قوله ذالك اى الاجر

الجواب

۱۱ ص ۸۳۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۴، ۱۲، ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اپنی مملوکہ زمین میں قبر بنوانے کا حکم اپنی ملکیت میں اپنی حیات میں قبر تیار کر دانا درست ہے یا نہیں ؟

جائز ہے۔ وفي رد المحتار وفي التا قار خانية لا بائس
 به ويؤجر عليه هكذا عمل عمر بن عبد العزيز

الجواب

والربيع بن خيثم وغيرهما اه - (ج ۱ ص ۸۲۵)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۴، ۱۲، ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تدفین مکمل ہو جانے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے ایک عورت کی قبر دفن کرتے وقت بیٹھ گئی۔ کیا اس عورت کو نکال

کر دوسری قبر تیار کر کے دفن کر سکتے ہیں یا اسی طرح مٹی ڈال دیں۔ اگر دفن کرنے کے بعد مٹی بھی برابر کر دی

پھر قبر بیٹھ گئی تو کیا حکم ہے۔ ان احکام میں عورت اور مرد کا ایک ہی حکم ہے یا فرق ہے ؟
 اگر نصف مٹی ڈالنے پر قبر بیٹھ گئی تو اختیار ہے۔ چاہے دوسری جگہ قبر بنالی جائے چاہے
 اسی کو درست کر لیا جائے۔ اور اگر قبر تیار ہو جانے کے بعد گری ہے تو اب اوپر سے
 مٹی درست کر دی جائے میت کو نہ نکالا جائے۔ کیونکہ دفن کے بعد اس وجہ سے میت کو نکالنا درست
 نہیں۔ ولا یخرج منه بعد اھالة التراب الا لحق آدمی ۱۱ (رشامی ج ۱۔ ص ۸۳۹)
 وکذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱ ج ۵ ص ۳۸۷۔ اور مرد و عورت کی قبر کا حکم
 اس بارے میں یکساں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
 ۴ / ۷ / ۱۳۹۸ ھ

الجواب صحیح
 محمد صدیق غفرلہ

میت کو لکڑی کے تابوت میں رکھنے کا حکم
 لکڑی کے صندوق میں میت رکھنی جائز ہے یا نہیں ؟
 قبر کے اندر چکی اینٹ لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب
 اگر زمین بہت نرم ہو تو بوجہ ضرورت تابوت کا استعمال درست ہے اور بلا حاجت
 مکروہ ہے۔

ولا بأس باتخاذ تابوت ولومن حجر او حديد عند الحاجة
 كرخاوة الارض (درمختار) بیرخص ذلك عند الحاجة و
 الا کره كما قدمناه انفاً ۱۱ (رشامی ج ۱ ص ۶۲۵)۔
 جس عذر سے تابوت جائز ہے اسی عذر کے وقت پختہ اینٹ کا استعمال بھی درست ہے۔ بہتر
 پھر بھی یہی ہے کہ اندر لکڑی ہو۔ ارد گرد پختہ اینٹ لگا سکتے ہیں۔

” قال مشائخ بخارا لا يكره الأجر في بلدتنا للحاجة اليه لضعف الاراضي (رشامی ج ۱ ص ۶۳۷)۔

فقط واللہ اعلم : احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۱۰ / ۱۰ / ۱۳۹۸ ھ

ضرورت کی وجہ سے قبر پختہ بنانے کا حکم
 ہمارے علاقہ میں سیم اچکی ہے۔ جب قبر نکالتے
 ہیں تو پانی نکل آتا ہے لکڑی بھی نہیں نکلتی۔ لوگ پختہ

قبریں بنا رہے ہیں اس معاملہ میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

الجواب جب کچی قبر کسی طرح نہ ٹھہرتی ہو تو پختہ بنانے کی بھی گنجائش ہے لہذا زیادہ تشدد نہ کریں۔

قال مشايخ بخارا لا يكره الأجر في بلدتنا للحاجة اليه

لضعف الاراضى - الف - (شامی ۱۳ ص ۸۲۷) - فقط والله اعلم۔

احقر محمد انور عفا الله عنه

یکم جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا الله عنه

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روضہ اطہر میں تدفین سے منع کرنے کی وجہ

بخاری شریف ۱ ج ۱ ص ۱۸۶۔ کتاب الجنائز کے اندر ایک حدیث ہے جس پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا میں انہیں پاک نہیں سمجھتی، کیا یہ شیعوں کا اعتراض صحیح ہے؟

الف : مذکورہ حدیث سوال میں صحیح نقل نہیں کی گئی۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔ لا تدفنی

معہ وادفنی مع صواحبی بالبقیع لا ازکی بلہ ابدا۔

ب : حدیث پاک کا ترجمہ بھی غلط ہے۔ بلکہ تحریف ہے۔ حدیث پاک میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو کہ "میں انہیں پاک نہیں سمجھتی"۔ عمدۃ القاری مشرح صحیح بخاری شریف میں تصریح ہے کہ "لا اذکی" مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہیں۔ "ای لا یشتی علی بسببہ" عمدۃ القاری ۸ ج ۱ ص ۲۲۸)۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو اضعاف فرمایا کہ اگر میں روضہ اقدس علی صاحبہا الف الف التحیة والسلام میں دفن کی جاؤں تو اس تدفین کی وجہ سے لوگ میری تعریف و ثناء بیان کریں گے کہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا وہ مقام نہ تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ کو روضہ پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دفن کیا گیا ہے اور دیگر ازواج مطہراتؓ کو جنت البقیع یا دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ میں اپنی یہ تعریف نہیں چاہتی۔ اس لئے روضہ پاک میں حضور علیہ السلام اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ مجھے دفن نہ کیا جائے۔ جنت البقیع میں دیگر

ازواج مطہرات رضہ کے ساتھ دفن کیا جائے۔

” قال ابن بطال فيه معنى التواضع كرهت عائشة ان يقال

انها مدفونة مع النبي صلى الله عليه وسلم فيكون في ذلك تعظيما لها۔ (عمدة القاری: ج ۸)۔

نیز عمدة القاری میں تحملہ لابن الابداد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس

سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ کا یہ فرمانا کہ مجھے حضور علیہ السلام، حضرت ابو بکر صدیق رضہ، اور

حضرت عمر رضہ کے ساتھ دفن نہ کرنا، اس کی وجہ بھی ایک فرمان نبوی تھا۔ روضۃ اقدس میں جن جن حضرات کا

دفن ہونا مقدر تھا ان کی تعیین خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دی تھی۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قلت للنبي صلى الله عليه وسلم

انني لا اراي الا ساكون بعدك فتأذن لي ان ادفن الى جانبك

قال واني لك ذلك الموضع صافيه الاقبري وقبري بكرة

وعمره وفيه عيسى بن مريم عليه السلام۔ (ج ۸ ص ۲۲۸ عمدة القاری)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ابتداء روضہ پاک میں تدفین کی خواہش

تھی لیکن مفہوم نبوی اور تواضع کے پیش نظر وہاں تدفین سے منع فرمایا۔ اس حاصل۔ ”میں نہیں پاک نہیں سمجھتی“

یہ حدیث کا مفہوم نہیں بلکہ بغض صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لبریز کسی دشمن اسلام کے ذہن کی پیداوار ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹/۱/۲۰۰۸ھ

ابجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبر پر دعاء کھڑے ہو کر کی جائے یا بلبیٹھ کر بعد دفن میت، کھڑے ہو کر دعاء کرنا کیسے سنون ہے

استغفار اور دعاء کرنے کا سنون طریقہ کیا ہے؟

برف یدین یا بلا برف یدین۔ جواز یا عدم جواز کا سوال نہیں بلکہ سنون طریقہ بتائیں کیسے ہے۔

اصل یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دعاء کی جائے۔

الجواب

” والسنة زيارتها قائما و الدعاء عندها قائما كما

كان يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخروج الى البقيع۔

(مراقي، ص ۳۲)

یہ محض دعاء کے لئے ہے۔ اور اگر وہاں کچھ دیر ٹھہرنا ہو، جیسا کہ حدیث شریف سے اس کا استنباط معلوم ہوتا ہے تو پھر بیٹھ بھی سکتا ہے۔

« كما في الدر المختار وجلس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه وفي الشامية لمافي سنن ابى داؤد كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال استغفروا لاختيكم واسئلوا الله له التثبيت فانه الاذن يسئل اهـ -

وكان ابن عمر يستحب ان يقرأ على القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها اهـ (شامح ج ۱ ص ۲۰۱) -

اور طحاوی و مراقی میں بھی اس جلوس کی بایں الفاظ تعلیل کی ہے۔

« ويستحب للزائر قراءة لیس (مراقی) وفي الطحاوی بعد ان يقعد لتادية القرآن على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر ولا تعاض اهـ (ص ۳۲۱) -

اور یہ دعاء استقبال قبلہ کی صورت میں بشرطیکہ قبر سامنے نہ ہو تو رفع یدین کے ساتھ کر سکتا ہے۔ ورنہ بغیر رفع یدین ہی دعاء کرے۔ اور رفع یدین کے ساتھ دعاء کرنے والے سے الجھنا بھی نہیں چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ



قبر پر غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں ایک صحیح العقیدہ آدمی قبر سے اس واسطے غلاف اٹھا کر جلا دیتا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ ایسا کرنے

والے سپند آدمی ہیں جو اٹھانے والے کے ساتھ تھے۔ آپ ہر ایک کا شرعی حکم صادر فرمائیں۔ اگر کوئی شریعت میں سزا وغیرہ ہو تو۔

قبر پر غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں۔ لیکن امر بالمعروف بالیہ صاحب اقتدار

لوگوں کے لئے ہے۔ عالمگیریہ میں ہے۔

الجواب

” یقال الامر بالمعروف بالید علی الامراء و باللسان علی العلماء

و بالقلب لعوام الناس الخ (ج ۲ - ص ۱۱۱)۔

قبر پر غلاف ڈالنے سے مالک کی ملک نفع نہیں ہوتی۔ لہذا اتارنے والے پر ضمان آئے گی۔ پھر اگر جلانے والے کے حکم سے اتارا تھا اور اتارنے کے بعد اس کے سپرد کر دیا۔ تو اسے جلانے والے پر تبرع کا حق ہے۔ عالمگیری میں یہ ہے۔

” قال قاضی خان الفتوی علی ان الآخذ ضامن علی کل حال ثم

هل یرجع بذالك علی الامر ان كان دفع الماخوذ لی الامر

یرجع الخ (ج ۳، ص ۶۵۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۵، ۱۱، ۳، ۱۴۰۳ھ

اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے تو اتنے پیسے اس کی طرف سے صدقہ کر دیتے جائیں۔

واجوب صحیح

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ : ۲۶، ۱۱، ۳، ۱۴۰۳ھ



قبر پر کتبہ لگانا قبر کو نچتہ بنانے کی ممانعت تو عام طور پر سنی پڑھی گئی ہے۔ اب یہ فرمائیں کہ قبر کو قائم رکھنے کے لئے کبھی کبھی مٹی کی لپائی کر دی جا یا کرے تاکہ

کبھی خود اور کبھی رشتہ دار جو ہمارے پاس آتے ہیں فاتحہ خوانی کے لئے دہاں جانا چاہیں تو تھوڑے نشان کے لئے پتھر کی سل لگادی جلتے جس پر متوفی کا نام لکھا ہوا ہو۔ قرآن و حدیث کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟

۲ : بڑے بڑے اولیاء کرام کی قبریں تمام تر نچتہ میں یا اگر کچی ہیں تو ان کے اوپر بڑا سا گنبد نچتہ بنا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی اظہار خیال فرمائیں۔

ضرورت ہو تو قبر کی حفاظت کے لئے لپائی کرنا اور کتبہ لگانا درست ہے۔

کتبہ پر آیات قرآنی وغیرہ مت لکھیں۔ نیز قبر سے قدرے ہٹ کر لگائیں۔

الجواب

” اخروج ابوداؤد باسناد حید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمل حجراً فوضعه

عند رأس عثمان بن مظعون وقال ألعلم بقبیر اخی و ادفن الیہ من مات من اہلی

فان الکتبہ طریق تعرف القبر بہما۔ (شامی ج ۱ - ص ۸۳۹)۔

۲ : مشرعیّت کے تو خلاف ہے - فقط واللہ اعلم -

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۶/۲۰۰۷ھ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ (مثلاً قبور وغیرہ) کو سجدہ تعظیمی کرنا جائز ہے۔ کیا یہ جائز ہے یا نہ۔ اور اگر جائز

قبر کو سجدہ کرنا سخت حرام ہے

نہیں تو جائز کہنے والوں کا کیا حکم ہے۔

بوسہ دینا قبورِ اولیاء و دیگر صلحاء و عظام کو، اور طواف کرنا قبر کے گرد، اور تعظیماً سجدہ

الجواب

کرنا، یہ سب عادات نصاریٰ و طریقہ پرستش کفار ہے۔ حضرت علامہ ملا علی قاری

رحمہ اللہ۔ اپنی کتاب شرح مناسک میں باب زیارت مزار پُر انوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں۔

” لا یطوف ای لایدور حول البقعة الشریفیة لان الطواف من

مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء والا ولیاء

ولا عبدة لما یفعله الجهلة الی ان قال واما السجدة فلا

شک انها حرام۔ عزیز الفتاویٰ : ج ۱ - ص ۱۰)۔

قال اللہ تعالیٰ لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ

الذی خلقھن“ الآیة - (۲۲)۔ وقال تعالیٰ وان المساجد للہ الیہ

(سورہ جن)۔

دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہے

کہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سیرہ گیا۔

میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ پس آپ اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو

سجدہ کیا جائے۔

۲ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا

تو عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاندانوں کو سجدہ کیا کریں اھ (مشکوٰۃ ج ۲ - ص ۲۸۲)۔

الحاصل اس آیت مشرعیہ، حدیث صحیح اور اجماع امت سے سجدہ تعظیمی کا عدم جواز ثابت ہے۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قصہ سے استدلال درست نہیں۔ کیونکہ یہ پہلی شریعت کی بات ہے جو ہماری شریعت میں منسوخ ہو گئی ہے۔ نیز ہو سکتا ہے کہ سجدہ حقیقی نہ ہو۔ جیسا کہ تفسیر جلالین میں مذکور ہے۔

وخر والہ سجداً سجوداً انحناءاً وضع جبهة وکان تحتہم
فی ذالک الزمان (ص ۱۹۵)۔

الغرض شریعت محمدیہ میں تعظیماً سجدہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفری
خیالمدارس ، ملتان۔

اجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳۰، ۳۱، ۳۲

دفن مسنون طریقے پر نہ ہو تو نبش کا حکم

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رانی پوری قدس سرہ کو اس طرح دفن کیا گیا کہ زمین پر ایک پختہ چبوترہ تعمیر کر کے اس پر تابوت مبارک رکھ کر ارد گرد اور اوپر مٹی ڈال کر قبر کی شکل بنا دی گئی۔ کیا یہ تدفین درست ہے؟ یا اسے ختم کر کے دوبارہ مسنون طریقہ پر انہیں دفن کیا جائے۔ مفصل و مدلل جواب سے نوازیں۔

یہ امر اس وقت زیر بحث نہیں کہ حضرت قدس سرہ کے لئے تدفین کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ خلاف سنت اور مکروہ تھا۔ یا بعض اعذار کی بنا پر اس کی بھی شرعاً اجازت دی جاسکتی تھی۔ کیونکہ اگر اس تدفین کو خلاف سنت بھی قرار دیا جائے تو بھی فریضتین کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ محض کراہت تدفین کے سبب نبش میت کی شرعاً اجازت نہیں دی جاسکتی۔ بلکہ تحقق دفن کے بعد نبش حرام ہوگا۔ جیسا کہ کتب فقہ نیز سابقہ فتاویٰ میں موضح ہے۔

اصل بحث اس وقت یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں نفس تدفین مستحق ہوئی یا نہ؟ مشروعیت دفن سے جو مقصود شارع ہے وہ حاصل ہوا یا نہ؟

یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ دفن میت فرض کفایہ ہے۔ لیکن حقیقت دفن اور اس کی ذاتیات کیا ہیں جن کے فوات سے دفن معدوم ہو جائے گا۔ بعض حضرات کے ہاں یہ ہے کہ تحقق دفن کے لئے حضور بشر شرط ہے اور فرض ہے۔ بدون حضور کے دفن مستحق نہیں ہوگا۔ اور پھر غالباً حضور حکمی یا حضور قدیم کو بھی یہ حضرات کافی نہیں سمجھتے مگر اولہ شرعیہ اور لغت سے اس موقف پر کوئی واضح اور محکم دلیل موجود نہیں۔ ہاں دفن مسنون کیلئے حضور احد

شق کے الفاظ ملتے ہیں مگر یہ تنازع فیہ نہیں بلکہ اذکارہ اور ائمہ لغت کی تصریحات سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ اس کے برعکس یہ ہے کہ دفن کی حقیقت ”ستر“ اور ”مواراة بالتراب“ ہے۔ حضرت حقیقی ہو یا نہ ہو، دفنہ کا معنی ائمہ لغت نے حضرت جبریل المیت فی الحفیرة یا اس کے ساتھ ملتے جلتے الفاظ سے نہیں لکھا بلکہ اس مادہ کے کسی لفظ کا ترجمہ مادہ حفر کے کسی لفظ کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ بلکہ ستر مواراة غیبوت جیسے الفاظ سے ان کی تفسیر و شرح کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقت دفن مواراة اور ستر ہے اور حضرت اس کے لئے شرط نہیں ہے۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی اپنی معتمد کتاب ”قاموس“ میں لکھتے ہیں کہ

دفنه يدفنہ ستره و واره و ادفن العبد کا فعل ابق قبل وصول المصر و تدافنوا تکاتفوا و رجل دفن حامل۔

(ج ۲ - ص ۸۷۵ - نو لکچور)

صریح میں ہے کہ ”دفن در خاک پنہاں کردن تدافن پنہاں شدن“ (ج ۱ - ص ۳۶۴)۔ ایسے چشمے کو جو آندھی چلنے کی وجہ سے مٹی میں دب گیا ہو منھل دفن و دفان کہا جاتا ہے دفن کے حقیقی معانی بیان کرتے ہوئے صاحب ”اساس البلاغہ“ لکھتے ہیں کہ۔

منھل دفن و دفان سفت الريح فيه التراب في الدفن الخ (ص ۱۸۰) اس میں مصرح ہے کہ خارج سے لائی گئی مٹی میں دب جانے والی چیز کو بھی مدفون کہا جاتا ہے۔ اور اس میں حضرت ضروری نہیں۔ ”قاموس“ میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ نہایت میں علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ۔

الداء الدفين اي المستتر الذي قهرته الطبيعة “ دفن کے علاوہ دوسرا لفظ قبر کا ہے۔ ائمہ لغت کی تصریح کے مطابق اس میں بھی حضرت ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ ”صاحب قاموس“ لکھتے ہیں۔

القبر مدفون الانسان (ولو يفسره بالحفيرة ناقل) قبره دفنه۔

(ص ۳۱۵)
ع ۱ - ۲

اور دفن میں حضرت شرط نہیں ہے۔ جیسے پہلے بیان ہوا۔

وقول ابن عباس رضي الدجال وولد مقبوراً معناه ان أمه وضعتہ في جلدتہ مضمته لا شق فيها ولا ثقب

فَقَالَتْ قَابِلَتَهُ هَذِهِ سَلْعَةٌ لَيْسَ فِيهَا وَلَدٌ فَقَالَتْ أُمَّةٌ بَلْ فِيهَا

وَلَدٌ وَهُوَ مَقْبُورٌ فِيهَا فَشَقَّوْا عَنْهُ فَاسْتَهْلُوا - (قاموس: ج ۱۶)

جھلی میں پٹے ہونے بچے پر عرب العربا کے استعمال میں مقبور کا اطلاق ہمارے مدعا پر واضح دلائل کر رہا ہے کہ مقبور ہونے کے لئے سخر شرط نہیں۔ سخر و معنیب بالصفة المخصوصہ ہونا کافی ہے۔ لغت کے علاوہ قرآن و حدیث اور فقہ سے بھی یہی امر مستنبط ہوتا ہے کہ دفن میت سے اصل مقصود مواراة ہے۔ جس کے لئے بالفعل کسیوں کے ساتھ گڑھا کھودنا ضروری نہیں بلکہ گڑھے کی صورت بھی کافی ہو سکتی ہے خواہ یہ پہلے موجود ہو یا مٹی کو ارد گرد جمع کر کے ایسی صورت بنائی جائے یا گڑھا کھودنے سے یہ شکل بن جائے قرآن کریم میں ہے۔

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِعُ
سَوَاءَ أَخِيهِ الْآيَةَ -

آیت کے اسخری ٹکڑے میں مذکور ہے۔ دفن میت سے مقصود مواراة نعش ہے۔

۲ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعش البوطاب کے بارے میں حکم دیا تھا۔ "فوارہ"۔ بخاری شریف میں صیغہ ہذا مقصد دفن کی طرف مشعر ہے۔ فقہار نے اسی حدیث کے پیش نظر لکھا ہے کہ۔

يُنْفِلُ الْمُسْلِمَ وَيُكْفِرُ وَيُدْفِنُ قَرِيبَهُ الْكَافِرَ الْأَصْلَى مِنْ

غَيْرِ مَرَاعَاةٍ لِلسَّنَةِ - (تنوير)

معلوم ہوا کہ مواراة دفن ہے لیکن غیر سنون ہے۔

۳ : علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ۔

فصل في الدفن المقصود منه ستر سواء الميت واليه الإشارة

في قوله تعالى فبعث الله غرابا - الخ

(ج ۱ - ص ۱۲۰ - كما في الرسالة المطبوعة، ص ۲۶)

۴ :- علامہ بخاری فرماتے ہیں کہ۔ اما الدفن انما يتم باهالة التراب -

۵ : گڑھا کھودنا اور گہرا کرنا فی حد ذاتہ مقصود نہیں بلکہ اس سے اصل مقصود لاشس کی بدبو روکنا اور

اسے دزدوں سے محفوظ کرنا ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

وهذا حد العمق و المقصود منه المبالغة في منع الرائحة

ونبش السباع - (ج ۱ - ص ۱۳۵) -

مندرجہ بالا عبارت اپنے مفہوم و منشا کے اعتبار سے کسی تفسیر کی محتاج نہیں ہے سب کا مشترکہ مضمون یہ ہے کہ مٹی میں نعش انسانی کو اس طرح سے چھپا دینا کہ دزدے اس کو نہ اٹھا سکیں اور اس کا تعفن اور بدبو لوگوں تک نہ پہنچے۔ دفن ہے۔ اور اس سے یہی مقصود ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرات مفسرین کی چند عبارتیں لکھی جاتی ہیں۔

— علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔

« ثم امانته فاقبره » ای جعل له قبرا یوارى فيه اكراما

ولم يجعله مما یلقى علی وجه الارض تأكله الطیر والعوا فی قاله

القرآن - (ج ۱۹ - ص ۲۱۹) -

— روح المعانی میں ہے۔

« جعله ذاقبر توارى فيه حیفته تکرمة له لم يجعله مطروحا

علی الارض یستقذره من یراه و تقسمه السباع والطیر »

(عم ص ۲۳)

— تفسیر جلالین و جمل میں ہے۔

« وجعله فی قبر لیستره ای ولم يجعله مما یلقى للطیر والسباع »

(پارہ عم) -

بقر کی صفت توارى فیہ حیفته یہ وصف دال علی العلیت ہے۔ نیز اس کا مقابل ولم يجعله مما یلقى علی وجه الارض کو ٹھہرایا۔ یہ مجموعہ دلالت علی المقصود کے بارے میں بالکل صریح ہے۔ تحقق دفن کے لئے جیسے حضر ضروری نہیں ہے ایسے ہی کد حقیقی جو گڑھا کھود کر اس کے اندر کھودی گئی ہو یا شق حقیقی ضروری معلوم نہیں ہوتی بوجہ ذیل

— الف : نعش کافر کو بدون کد و شق کے گڑھے میں دبانے کا حکم ہے۔ فقہاء نے اس پر

لفظ دفن کا اطلاق کیا ہے۔ جیسا کہ بحوالہ تنویر پہلے ذکر ہوا۔

ب : بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں نے وصیت فرمائی تھی کہ لحد و شق بنائے بغیر ہمیں ویسے ہی مٹی میں دبا دیا جائے۔

» و اوصی کثیر من الصحابة ان یوسوا فی التراب من غیر لحد ولا شق قال لیس احد جنبی اوطی بالتراب من الآخر و یوقی وجهہ التراب بلبنتین او ثلاث۔“ (مخطاوی ۱ ص ۳۳۳) - فتح القدر (کبریٰ)۔

اگر لحد و شق دفن کے لئے ضروری ہوتی تو یہ حضرات ایسی باطل وصیت فرما کر لوگوں کو گناہ میں مبتلا کرنے کا کیسے سبب بن سکتے تھے۔ نیز یہ ممکن نہیں کہ ان حضرات کو تا حال غیر مدفون قرار دیا جائے۔ اور یہ تسلیم کرنا نہایت مشکل ہے کہ ان حضرات کو مسائل شرعیہ اور ان کے حقائق کے فہم سے (العیاذ باللہ) بالکل غاری سمجھا جائے۔

ج : علامہ ابن الہمام نقل فرماتے ہیں۔

» بل ذکر لی ان بعض الارضین من الرمال یسکنها بعض الاعراب لایتحقق فیہ الشق ایضا بل یوضع میت ویہمال علیہ نفسہ“ (ص ۲۹۹ - نوکثوری)۔ علامہ موصوف نے اس پر کوئی

نکیر نہیں فرمائی۔

د : فساق میں دفن کرنے کو فقہاء نے دفن ہی قرار دیا ہے۔ گو مکروہ لکھا ہے۔ حالانکہ نہ اس میں لحد نہ شق ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل دفن کے تحقق کے لئے یہ دونوں ضروری نہیں۔ البتہ دفن سے معروف کسٹون کے لئے اس کی حاجت ہے۔ تفصیل بالا سے امور ذیل محقق ہوئے۔

۱ : دفن کی حقیقت ستر و مواراة محفوظہ و مخصوصہ اور حفرا اس کی حقیقت میں داخل نہیں۔
۲ : دفن سے مقصود اعزاز اور حفاظت لغش انسانی ہے۔ تاکہ دیگر حیوانات کی طرح نظروں کے سامنے گلٹی، سڑتی اور بچتی نہ رہے۔

۳ : دفن کی حقیقت میں لحد حقیقی، شق حقیقی داخل نہیں۔ پس حقائق بالا کی روشنی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت قدس سرہ کی لغش مبارک کو سپرد خاک کرنے کی جو تفصیل صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے اس سے بلاشبہ تدفین محقق ہو گئی ہے۔ اور اس پر دفن کے احکام جاری ہوں گے۔ کیوں کہ مواراة جسد علی وجه الاقم پائی گئی اور منشاء شریع بھی پورا ہو گیا۔ تحقق دفن کے لئے حفرا یا شق حقیقی درجہ شطر میں

نہیں۔ کما تر۔ چنانچہ قبل ازیں مطبوعہ رسالہ کے مطابق پاک و ہند کے معتد ترین دارالافتاء اور اکابر بھی اسے تدفین قرار دے چکے ہیں۔ پس صورتِ سولہ میں مزار شریف کو دوبارہ کھولنا ہرگز جائز نہیں۔ اور اس پربش کے احکام جاری ہوں گے۔

تمہ : واضح رہے۔ و مفادہ انہ لا یجوزی دفنہ علی وجہ الارض اس کے خلاف نہیں۔ اولاً : اس لئے کہ یہ علامہ شامیؒ کا استنباط ہے۔ کتب حنفیہ میں صریحاً یہ جزئیہ کہیں مذکور نہیں۔ جیسا کہ علامہ موصوف نے خود اس کا اعتراف کیا ہے۔ اور مفادہ کا لفظ بھی اس طرف مشعر ہے۔

ثانیاً : اس لئے کہ دلائل بالاکی بنا پر اس کی تاویل ضروری ہے۔ لا یجوزی دفنہ علی الوجہ المسنون والمتوارث جمعاً بین الادلۃ۔

ثالثاً : بر تقدیر تسلیم ظاہر جواب یہ ہے کہ متنازع صورت کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ زیر بحث صورت میں تابوت کے ارد گرد دیوار بنا کر ڈاٹ لگائی گئی ہے۔ پھر اس کے چاروں طرف دور تک پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر اسے سطح مسجد کے برابر کر دیا گیا ہے اور اس کے اوپر کچی قبر کا نشان بنا دیا گیا۔ مانعہ مطبوعہ رسالہ۔

اب سنا ہے کہ اس صحیح کو مزید وسیع کرتے ہوئے ارد گرد مزید مٹی ڈال کر وہیں پر مدرسہ کی تعمیر ہو گئی ہے۔ اس سے یہ ساری سطح زمین بلند ہو گئی ہے۔ جس کے ایک حصہ میں گویا کہ بصورت شق تابوت مدفون ہے۔ اور جزئیہ میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ قطعاً اس سے مختلف ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ لاش زمین پر رکھ کر ارد گرد اینٹیں لگادی جائیں جس سے قبر کی سعی صورت بن جائے۔ اور اسے گہرائی میں چھپا یا نہ جائے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے منشاء شریع اور مقصود تدفین حاصل نہیں ہو سکتا۔ اینٹوں کے اکھڑنے اور حشرات الارض کے سوداخ وغیرہ کی صورتوں میں لعش کی بدبو پھیلنے اور لقمہ حیوانات بن جانے کا احتمال بعید از قیاس نہیں اور پختہ اور چونا گچ کرنا جزئیہ میں مذکور نہیں۔ اور کیا یہ چیزیں ہر ایک کو سب میسر ہو سکتی ہیں؟ اور اسلامی سادگی کی خلاف ورزی تو ظاہر ہے۔ الغرض صورت زیر بحث کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا غلط ہے۔ زیر بحث صورت میں منشاء شریع دفن کی تکمیل ظاہر ہے اور جزئیہ کی صورت میں یہ منشاء پورا نہیں ہوتا اور اس طرح فرمان نبوی

احفروا و اعمقوا و احسنوا و ادفنوا الاثنین و ثلاثہ فی قبر واحد

وقدموا احسنهم قدراً

سے بھی اشتراطِ حفر پر استدلال کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ اگر یہ استدلال صیغہ امر سے ہے تو تقدیم احسن قرآن بھی اسی طرح فرض اور شرط ہوگی اور اس کے بغیر دفن کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ حالانکہ اس کا التزام درست نہیں۔ اور اگر استدلال کسی خارجی مقدمہ پر مبنی ہے تو جواب اس کے معلوم ہونے پر دیا جاسکتا ہے۔ نیز بعض حضرات کو ”بحث فی الارض“ سے یہ شبہ ہو گیا ہے، یہ شبہ بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی تفسیر میں دو احتمال ہیں کہ یہ بحث بغرض حفر تھا تاکہ اس میں کوئے کو رکھ کر دیا جاسکے۔ اور احتمال ثانی یہ ہے کہ بحث بغرض ستر اور مولات تھا۔ یعنی کوئے پنچوں کے ذریعہ مٹی ڈال ڈال کر غراب میت کو دفن کر دے۔

احتمال ثانی اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس میں تقلیلِ حدف ہے اور یہ عاداتِ غراب سے مشابہ ہے۔ اس لئے علامہ سیوطی نے اس تفسیر کو ختم کیا ہے فرماتے ہیں۔

” یبحث فی الارض ینش التراب بمنقارہ ورجلیہ ویشیر علی

غراب اخرمیت حتی واراہ “ (جلد لین شریف)۔

تفسیر مذکورہ بنا پر سقوطِ استدلال ظاہر ہے۔ اور اس کی تائید ایک دوسری تفسیر سے ہوتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ غراب دوسرے غراب میت پر مٹی نہیں ڈالتا تھا۔ بلکہ ہابیل کی نعش پر کرید کرید کر مٹی ڈال رہا تھا تاکہ دفن کی تعلیم کرے۔

” وقال الاصل لما قتله وترکہ بعث اللہ غراباً یحتو التراب

علی المقتول “ (ج ۳ - ص ۳۹۲)۔

اور احتمال اول بھی ہمارے لئے مضر نہیں۔ اولاً۔ اس لئے کہ یہ مقصود نہ تھا۔ جیسا کہ آیت میں مذکور ہے۔ لیرئہ کیف یواری۔ اس کی ایک صورت حفر بھی ہے۔ پس حفر کی فرضیت اور تعیین ثابت نہیں ہوگی۔ الحاصل آیت زیادہ سے زیادہ مفید حفر ہے مفید حصر نہیں۔ پس ثابت میں نزاع نہیں ہے۔ اور تنازع فیہ ثابت نہیں۔

ثانیاً۔ آیت کی تفسیریں گویا مختلف ہیں۔ لیکن ان کا معنی متحد ہونا ضروری ہے۔ تاکہ مراد خداوندی میں تخالف لازم نہ آئے۔ جب کہ مسئلہ دفن امت کے مابین مختلف فیہ نہیں۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ احتمال اول حفر کو فرضیت اور تعیین کے لئے نہ لیا جائے۔ اور یہی اوفق لعموم العلة

ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تقریباً نو سال حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر صاحب رانپوری قدس سرہ کی وفات کو ہو چکے ہیں۔ اور ان کی نعش مبارک کو تابوت میں رکھ کر اس کے چار طرف نیچے اوپر کی اینٹیں لگا کر قبر کے ارد گرد ۳۸ فٹ لمبا، اٹھائیس فٹ چوڑا، اور پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر چبوتر بنا یا گیا ہے۔ جس کی بنا پر بایقین یہ صادق آتا ہے کہ حصل الدفن یعنی مواراة الميت فی التراب دفن کا معنی اور مقصد یہی ہے۔ مگر کچھ دفن کی سنون شکلیں ہیں۔ نفس دفن ان پر موقوف نہیں۔ جیسا کہ مفتی صاحب نے جواب میں واضح فرمایا ہے۔ لہذا دفن کے تحقق کے بعد اگر وہ خلاف سنت بھی ہو چکا ہو تبش حرام ہوگا۔ بنا علیہ اب ضروری ہے کہ حضرت رانپوری رح کے مریدین اور متوسلین اور خدام تمام محنت و سعی کو حضرت رح کے اسوۂ حسنہ کے احیاء اور اشاعت طریق میں تخریح کریں۔ اہل اسلام میں پہلے بھی کافی اختلاف اور انتشار برپا ہے۔ اب یہ بحث نو سال بعد چھیڑنا مزید موجب افتراق اور تشیت ہوگا۔ جو کسی قسم کی اسلامی خدمت نہیں ہوگی۔ بلکہ اعداء اسلام کے لئے باعث شہادت ہوگا۔ اس لئے اس بحث کو ہماری رائے میں ختم کرنا بالکل مناسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

ابجواب صحیح

ابجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفرلہ

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان۔

مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

میت کی وصیت کردہ جگہ میں دفن کرنے کیلئے دفن کے بعد قبر کھود کر میت لے جانے کا حکم

حضرت رانپوری رحمہ اللہ کالامہور میں انتقال ہوا اور ان کے وارثوں میں سے بھائی اور بھتیجے موجود تھے انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی وطن میں تدفین کی۔ کچھ حضرات حضرت رح کی میت مبارک کو ہندوستان منتقل کرنے پر اصرار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت رح نے وصیت کی تھی کہ مجھے وہاں دفن کیا جائے۔

۱ : میت کا حق تدفین کس کو ہے ؟ اگر وارث حق تدفین کو استعمال کرتے ہوئے ایک جگہ دفن

کر دیں تو دوسرے متعلقین کو اس کے خلاف کاروائی کا جواز ہے یا نہیں؟

۲ : اگر میت کسی جگہ دفن کی وصیت کر گئے ہوں تو مستحق تدفین کو اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

۳ : اگر خلاف وصیت میت تدفین عمل میں آچکی ہو تو موافق وصیت اس میت کو نکال کر دوسری

جگہ دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب : ۱ : میت کی تجہیز و تکفین کا حق ولی اقرب کو حاصل ہے جیسا کہ حوالہ ذیل سے ظاہر

ہے۔ نماز جنازہ میں حق تقدم کس شخص کو حاصل ہے؟ اس مسئلہ کے ضمن میں

”صاحب بحر لکھتے ہیں کہ۔“

» (شع الولى) لانه اقرب الناس اليه والولاية له في الحقيقة

كما في غسله وتكفينه وانما يقدم السلطان عليه اذا حضر

كيلا يكون از دراء به. « (ج ۲ - ص ۱۹۴)۔

» وفي الدر المختار ويغسل المسلم ويكفن ويدفن قربة « (شامی ج ۱ ص ۸۳۲)۔

اس جزیئیہ سے بھی مسئلہ ہذا کی تائید ہوتی ہے۔ گویا غیر مسلم میت کے بارے میں ہے۔

۲ : وراثت کے لئے ایسی وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں۔ قال في الدر المختار (ج ۱ - ص ۸۲۴)۔

(مع الشامية) والفتوى على بطلان الوصية بغسله والصلوة

عليه عزاه في الهندية الى المضمرة اي لو اوصى بان

يصلى عليه غير من له حق التقدم او بان يغسله فلان

لا يلزم تنفيذ وصيته ولا يبطل حق الولي بذلك وكذا

تطل لو اوصى بان يكفن في ثوب كذا او يدفن في موضع

كذا كما عزاه الى المحيط «

۳ : دفن ہو جانے کے بعد عمل بالوصیت کی غرض سے قبر کو کھولنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ جیسا کہ اگر

کسی میت کو بلا غسل و نماز کے دفن کر دیا گیا ہو تو نبش جائز نہیں۔

» كما اذا دفن بلا غسل او صلاة او وضع على غير يمينه او الى

غير القبلة. فانه لا ينبش عليه بعد اهالة التراب كما مر

(الشامية - ص ۸۳۹)۔

ج ۱ - ص ۱

جب ترکِ غسل کی وجہ سے نبش جائز نہیں حالانکہ غسل فرض ہے۔ اور اس کا کوئی قائم مقام بھی موجود نہیں تو خلاف وصیت ہو جانے کے عذر کی بنا پر نبش کیسے جائز ہوگا۔ جب کہ وصیت ہذا پر عمل کرنا نہ فرض ہے نہ واجب، بلکہ فقہار نے اسے بطلان کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ الغرض جس وصیت پر دفن سے قبل عمل واجب نہیں بعد از دفن اس پر عمل کرنے کے لئے نبش کو کیسے مباح قرار دیا جاسکتا ہے۔ فقہار اہلہ تراب کے بعد دوسرے منٹ میں نبش کی ممانعت فرماتے ہیں۔ پس آٹھ، نو برس کی مدتِ طویلہ گزر جانے کے بعد بطریقِ اولیٰ اس کی ممانعت کا حکم کیا جائے گا۔ دفن بطریقِ مسنون ہوا ہو یا خلافِ مسنون دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے کہ اہلہ تراب کے بعد نبش جائز نہیں۔ جزیئہ بالا اس بارے میں صریح ہے۔ کیونکہ دفن بلا غسل، دفن بغیر صلاۃ، وضع علی غیر الیمین، وضع الی غیر القبلة سب امور طریقِ مسنون کے خلاف ہیں اس کے باوجود نبش کی اجازت نہیں دی گئی۔

فقط واللہ اعلم، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

اجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲، ۳، ۱۳۹۱ھ

قبر میں ”مَنْ نَبِيكَ“ سے سوال ہوگا یا ”مَا تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ“ سے

قبر میں مردے سے منکرِ نوحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب سوال کرتے ہیں تو کیا ہذا الرجل کہتے ہیں یا مَنْ نَبِيكَ کہتے ہیں؟

دونوں طرح کے الفاظ حدیث میں ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

الاجاب

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العبد اوضح

في قبره وتولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعاله انا ملكان فيقعدانه فيقولان ما كنت تقول في هذا الرجل لمحمد احدث بشكوة باب غزاة القبر: ۲۷)۔ اور مجمع الزوائد میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے۔

وان المؤمن يجلس في قبره فيسئل من ربه فيقول رب الله فيقول من نبيك فيقول نبي محمد صلى الله عليه

وسلم قال ما دينك قال ديني الاسلام اه (ورجاله ثقات اه - مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۳۲)۔

فقط واللہ اعلم

بخازہ گاہ متعین اور وقف ہو تو کسی کو تصرف کرنیکی اجازت نہیں

خیر پور ضلع بہاولپور میں ایک بخازہ گاہ ہے۔ جو کہ عرصہ استی سال سے زائد تعمیر شدہ ہے۔ اردگرد چار دیواری مکمل ہے۔ بخازہ گاہ کی عمارت آج سے استی سال قبل خیر پور کے ایک شخص نے تعمیر کرائی تھی۔ یہ رقبہ زمیندار کا ہے۔ کاغذات سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ مالک نے یہ زمین وقف کی تھی یا تعمیر کنندہ کو ہبہ کی تھی۔ اصل مالک یا اس کے ورثاء نے آج تک کبھی اس رقبے سے تعرض نہیں کیا محکمہ مال کے کاغذات میں یہ رقبہ مملوکہ مالک درج چلا آ رہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جس محلہ میں بخازہ گاہ واقع ہے وہاں کی دیگر مساجد کا رقبہ مثلاً سادھی مسجد وغیرہ جو صدیوں سے آباد ہے اسی اصل مالک کے نام چلا آ رہا ہے۔

اب ٹاؤن کمیٹی خیر پور اس بخازہ گاہ کے رقبہ میں ایک ٹینکی آب اور کواٹر وغیرہ تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ جس سے شہریوں کو پانی فروخت کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ صورت بالا کے مطابق یہ جبکہ وقف شمار ہوگی یا نہیں۔ آیا ثبوت وقف کے لئے اتنا کافی ہے یا کاغذی اندراج ضروری ہے۔ اور ٹاؤن کمیٹی کا یہ اقدام درست ہے یا نہیں۔ ؟

احقر غلام قادر مہتمم خیر پور

الجواب
اگر عامۃ الناس اس کے بخازہ گاہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں تو یہ دلیل ہے اس کے وقف ہونے کی۔ لہذا کمیٹی کا اس میں مذکورہ تصرف کرنا شرعاً درست نہیں۔

حذافی امداد الفتاویٰ ج ۱ - ۲ - ص ۵۱ -

وقف ہونے کے لئے کاغذات میں اندراج ضروری نہیں۔

« وفي الخيرية وقف تدیم مشہور لا يعرف واقفه استولى

عليه ظالم فادعى المتولى انه وقف على كذا مشهور وشهدا

بذلك فالمختار انه يجوز اه - (شامیہ ج ۳ ص ۲۱۵)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کے آگے آگے نعت خوانی بدعت سے یہاں رواج ہے کہ جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو کچھ لوگ جنازہ کے آگے آگے بلند آواز سے نعت خوانی

کرتے جاتے ہیں یا کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے جاتے ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں۔

یہ رواج بدعت ہے چھوڑ دینا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے۔

الجواب

» كما كره فيهما رفع صوت بذكر او قراءة اھ (ج ۱ ص ۶۲۴)۔

اس کی شرح میں لکھا ہے۔ » وينبغي لمن تبع الجنازة ان يعطيل الصمت وفيه

عن الظهيرية فان اراد ان يذكر الله تعالى يذكره في نفسه

لقوله تعالى انه لا يحب المعتدين اي الجاهرين بالدعاء وعن

ابراهيم انه كان يكره ان يقول الرجل وهو يمشي معها استغفروا

له غفر الله لكم ان قلتم واذا هذا في الدعاء والذكر فما ظنك

بالغناء الحادث في هذا الزمان۔

فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفی عنہ

۱۸-۱۲-۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ



خطا، خود کشتی کرنیوالے کا بالاجماع جنازہ پڑھا جائے خود کشتی کرنے والے کے جنازہ میں شدت تکلیف اور عدم شدت کی

بنامہ پر کوئی فرق ہے یا نہیں؟ ارادہ قاتل نفسہ عمدًا لالشدة وجع فخرج بمفهومہ

الخطاء فانه يغسل ويصلى عليه اھ (مراقی الفلاح)۔ اس عبارت میں فخرج کس پر تفرع

ہے عمدہ پر یا لالشدة پر۔ اگر عمدہ پر ہے تو عمدہ والے پر بھی جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ پھر خطا۔ وعمد میں فرق

کیا ہوا؟

الجواب

فخرج بمفهومہ الخطاء۔ عمدہ پر تفرع ہے کیونکہ احتراز عن الخطاء۔ لفظ

عمدہ ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ شدت وجع پر تفرع نہیں۔ رہا یہ کہ پھر عمدہ اور

خطا میں ماہ الفرق کیا ہے۔ تو وہ یہ ہے کہ قاتل نفسہ خطاء پر اجماعاً نماز پڑھی جاوے کیونکہ وہ شیعہ ہے

اور قاتل نفسہ عمدہ میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قاتل نفسہ عمدہ پر نماز پڑھی جائے۔ لیکن

راج یہ ہے کہ اس پر بھی نماز پڑھی جائے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ وہ خودکشی کی وجہ سے کبیرہ کا مرتکب ہوا
لاغیر۔ اور قول محشی علام لا لشدۃ وبع میں شدت وبع کی قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ عام طور پر خودکشی،
شدت درد و الم میں ہوتی ہے۔ کلمہ "لا" سہو کا تب معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

الجواب صحیح

۲۵ : ۵ : ۱۳۶۹ھ

بندہ عبد الرحمن غفرلہ

جنازہ لیجاتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

جنازہ اٹھا کر لے جانے والے جب چلیں تو ساتھ چلنے والے اور اٹھانے والے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت
یا قرآن پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کرتے چلیں یا خاموشی کے ساتھ چلیں؟
میت کو اٹھا کر لے جانے والوں اور دوسرے پیچھے چلنے والوں کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ
خاموش ہو کر چلیں۔ بلند آواز سے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت اور قرآن پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت
کرتے چلنا مکروہ تحریمی ہے۔ (کمانی الجراح ۲، ص ۳۰۷)۔

”وینبغی لمن تبع جنازة ان يطيل الصمت ويكره رفع الصوت بالذکر
وقراءة القرآن وغيرهما في الجنازة والکراهة فیها کراهة
تحریم۔ ۱ھ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح ۱ بندہ عبداللہ غفرلہ

۲۹ : ۳ : ۱۳۷۷ھ

مفتی خیر المدارس، ملتان

نماز کا وقت ہو اور جنازہ موجود ہو تو کسے مقدم کرے
نماز کے وقت جنازہ حاضر ہوا تو پہلے
نماز ادا کی جائے یا جنازہ؟ دوسری

صورت میں مثلاً ظہر کے فرض پڑھ لئے ہیں باقی نماز یعنی سنتیں نہیں پڑھیں اور جنازہ حاضر ہوا تو پہلے جنازہ ادا کیا
جائے یا باقی نماز؟ علیہ کیلپوری رحمۃ اللہ علیہ

اگر نماز کا وقت تنگ نہ ہو تو جنازہ پہلے ادا کر لینا چاہئے۔

الجواب

« ینبغی تقدیم الجنائزہ والکسوف حتی علی الفروض مالم یضیق وقتہ - (شامی) »

اور مغرب کی نماز کو جنازہ پر مقدم کیا جائے۔

« ویؤخذ من قوله ایضاً ان ضاق الوقت تقدیم فرض الوقت - (رد المحتار) -

اگر فرض پہلے ادا کئے جائیں تو سنتیں بھی جنازہ سے مقدم ادا کرنی چاہئیں۔ « عن الحلبي الفتوى علی

تأخیر الجنائزہ عن السنة » شامی صفحہ مذکورہ۔ فقط واللہ اعلم
بندہ عبد اللہ غفرلہ

اجواب صحیح، غیر محمد عفا اللہ عنہ



زید کتا ہے کہ مزارات پر قبے اور روضے بنانا یہود و نصاریٰ کے
کا کام ہے۔ وہ سود و خنزیر بھی کھاتے تھے۔ جس شخص نے اس

قبور پر قبے بننے کا حکم

کی ابتدا کی وہ بڑا پاچی اور مسکار تھا۔ اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کو اپنا امام و مصلح تسلیم کرتا ہے۔ کیا زید
کا زعم حق ہے یا باطل؟ کیا علماء دیوبند بھی روضے گرانا جانتے سمجھتے ہیں؟ کیا روضوں کو گرانا توہین نہیں
سمجھتے؟ کیا زید کا یہ کہنا صحیح ہے کہ میں دیوبندی عقائد رکھتا ہوں

احادیث اور کتب فقہ میں قبور پر مکان، قبہ اور روضہ بنانے سے ممانعت وارد

الجواب

ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اقدس تثنیٰ ہے۔ علماء و اکابر

دیوبند کی قبور بھی سادہ طور پر بغیر بنا کے ہیں۔ حضرت شاہ دلی اللہ محدث دہلوی وغیر ہم کے مقابر بھی اسی
طرح ہیں۔ اکابر دیوبند اور شاہ ولی اللہ وغیر ہم کے بہت اوپر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور بھی بغیر روضوں
اور قبور کے تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں بہت بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی
مدفون ہوئے۔ سب بغیر قبور اور روضوں کے دفن ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی
جنہیں سید الشہداء کا لقب دیا جاتا ہے بغیر قبہ کے مدفون ہوئے۔ یہ قبے وغیرہ بعد کی ایجاد ہے جنہیں سنت نہیں
کہا جاسکتا۔ اس کے باوجود زید کا یہ طرز کلام مسلمانوں کے ساتھ، جاہلانہ ہے۔ اس طریقے پر نہ تو
علماء دیوبند نے مسلمانوں کو خطاب کیا ہے اور نہ برا بھلا کہا ہے۔ اور نہ ہی زید دیوبندی مسلک پر
ہو سکتا ہے۔

دیوبندی مذہب یا عقیدہ کوئی الگ مذہب نہیں۔ مسلک حنفیہ اور سلف صالحین کے صحیح

اتباع کو ہم دیوبندیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ھ



جسے دعایہ جنازہ یاد نہ ہو وہ کیا کرے
جن لوگوں کو دعایہ جنازہ یاد نہیں وہ نماز جنازہ
میں شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب
صورتِ مسئلہ میں ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جلتے کہ وہ دعائیں یاد کریں۔ یاد نہ کرنے پر
برادری اور پنچائیت مواخذہ کرے۔ لیکن جسے دعایہ یاد نہ ہو مگر امام کے پیچھے با وضو
تکبیرات کہتا رہے۔ تو اس کا نماز جنازہ ادا ہو جائے گا۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرہ، یکم ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ



لوٹ مار اور واردات کرنیوالے کا جنازہ نہ پڑھا جائے
ولا یصلی علی باغ وقاطع
طریق قتل فی حالۃ

المحاربة وقاتل بالخنق غيلة و مکابر فی المصر لیلًا بالسلاح الخ (نور الايضاح ص ۱۱۶)
اس عبارت میں ” لیلًا “ اور ” بالسلاح “ کی قید کا کیا فائدہ ہے؟ کیا دن کو واردات کرنے
والے یا بغیر ہتھیار کے واردات کرنے والے کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا؟

الجواب
اس عبارت میں ” لیلًا “ کی قید اتفاقی ہے نہ کہ استرازی۔ عام طور پر شہروں میں
اس قسم کے جرائم رات کو ہوتے ہیں اس لئے رات کا ذکر کر دیا۔ ورنہ دن کے وقت بھی
اگر کوئی شخص حملہ آور ہو اور وہ مارا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔

” قوله ”مکابر فی المصر لیلًا بسلاح“ والمکابر المتغلب والمراد به

من یقف فی محل من المصر یتعرض لمعصوم و الظاهر ان هذا مبني

علی قول ابی یوسف من انه یكون قاطع طریق اذا کان لیلًا

مطلقًا اونهارا بالسلاح - ۱۱ ص ۸۵ ج ۱۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ رات کو حملہ کرنے والا مطلقاً قاطع طریق ہے۔ ہتھیار سے حملہ کرے

الجواب

ولی کے جنازہ پڑھ لینے کے بعد پھر کسی کو دوبارہ پڑھنے کا حق نہیں ہے اور نماز جنازہ میں تکرار جائز نہیں۔

« لا یصلی علی میت الامرّة واحدة والتفیل بصلوة الجنّاة غیر مشروع کذا فی الايضاح وان صلی علیہ الولی لم یجز لاحد ان یتصلی بعدہ »
(عالمگیری ج ۱: ص ۸۲) - فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ

معین مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹، ۳۰، ۳۱

اجواب صحیح

نئی مسجد عفی عنہ ۲۹، ۳۰، ۳۱

نماز جنازہ کے آگے سے گزرنے کی ممانعت ہے تو ضرورتاً نماز جنازہ کے آگے سے گزرنے کا حکم کتنا فاصلہ چھوڑ کر گزر سکتا ہے؟ - اگر اہل حق - راولپنڈی۔

نماز جنازہ کے آگے سے گزرنے کی ممانعت وعدہ ہما کے متعلق کافی جستجو کے بعد بھی کوئی جزئیہ دستیاب نہیں ہوا۔ لیکن اگر گزرنا ممنوع بھی ہو تو ضرورت مند موضع سجود کے آگے سے گزر سکتا ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ عام طور پر صحرائے میں ہوتی ہے اور صحرائے میں نمازی کے موضع سجود کے پرے سے گزرنا درست ہے۔

« کما فی الخانیة فی الصحراء اذا لم یکن له سترة لایکره المرور وراء موضع السجود اور موضع سجود کی تعریف یہ کی گئی ہے انه قدر ما یقع بصره علی المار لو صلی بخشوع »

بخشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے نظر کو موضع سجود پر رکھ کر قبلہ کی طرف جس قدر دور تک نظر پہنچے وہ موضع سجود میں داخل ہے۔ اور اس جگہ سے پرے گزرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۱، ۳۰، ۳۱

قبر پر تمسیرے دن کے بعد نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی ہے ایک بچہ پورے دس ماہ کا پیدا ہوا اور دوسرا بچہ آٹھ ماہ کا پیدا ہوا دونوں کے پیدا ہونے

کے بعد کوئی آواز یا چیخ وغیرہ نہیں سنی گئی۔ البتہ بچوں کی والدہ اور دایاں کہتی ہیں کہ پیدا ہونے کے بعد بچوں نے

سائنس لے میں تو ان کی تصدیق پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے یا نہیں ؟ اگر بغیر جنازہ کے دفنانے گئے ہوں تو نماز جنازہ قبر پر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب اگر بغیر نماز جنازہ کے میت کو دفن کیا جائے تو جب تک اس کی لاش قبر میں بھٹ نہ جائے، قبر پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے۔ یہی بات کہ کتنے دنوں میں لاش بھٹ جاتی ہے تو اس کے متعلق فقہاء کرام میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک تین دنوں میں، اور بعض کے نزدیک دس دنوں میں، اور بعض کے نزدیک ایک مہینے میں بھٹ جاتی ہے۔ کیونکہ سردی اور گرمی اور میت کے موٹے اور کمزور ہونے کے لحاظ سے بھٹنے میں فرق پڑ جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ جب تک لاش کے بھٹنے کا یقین نہ ہو، قبر پر نماز جنازہ جائز ہے۔

پس اگر ان بچوں میں کوئی علامت حیات پائی گئی تھی تو ان پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے تھی۔ اور قبر پر مذکورہ دنوں میں علی اختلاف الاقوال پڑھ سکتے ہیں۔

و فی الدر وان دفن و اھیل علی التراب بغیر صلوة صلی علی قبرہ
مالہ یغلب علی الظن نقسخہ من غیر تقدیر علی الاصح - و فی
الشامیة قولہ من غیر تقدیر و قیل یقدر بثلاثۃ ایام و قیل
عشرۃ و قیل شہر - ۱ھ (شامیہ ج ۱ ص ۶۱۸) - فقط -

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

فتویٰ کے اعتبار سے تین دن معتبر ہیں لہذا تین دن تک جنازہ قبر پر پڑھا جا سکتا ہے۔
الجواب صحیح
غیر محمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ ہذا -

ہمارے ہاں مسئلہ مشہور ہے کہ اگر کسی دوسرے ولی جس سے چاہے جنازہ پڑھا جا سکتا ہے
امام مسجد سے جنازہ پڑھا یا جائے تو ادا

نہیں ہوتا۔ صرف اپنا امام پڑھاتے۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

الجواب یہ مسئلہ غلط مشہور ہے۔ جنازہ جو بھی پڑھا دے ادا ہو جائے گا۔ و تقدیر امام
الشی منسوب فقط بشرط ان یکون افضل من ولی والا فالولی

اولی کما فی المجتبى الى ان قتال وله ای للولی الاذن لغیره فیہا لانہ حقہ

فیملک ابطالہ (درمختار : شامی ص ۶۱۵)۔

جزئیہ بالا سے ظاہر ہے کہ اگر وارث نے دوسرے شخص سے جنازہ پڑھوا لیا تو جنازہ ادا ہو گیا۔ امام مسجد کا جھگڑا کرنا درست نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۶/۳/۱۳۹۵ھ

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ جب جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے تو اس وقت مرد اور عورتیں قریب

قریب ہو کر چلتے ہیں اور قبر پر حاضر ہوتے ہیں۔ جب دفن کیا جاتا ہے تو عورتیں وہاں بین کرتی ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

قاضی عبدالجلیل شاہ، ضلع مانسہرہ۔

عورتوں کا جنازہ کے ہمراہ جانا مکروہ و ممنوع ہے اور بین کرنا حرام ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ خروجہن تحریمًا و تزجر النائحة۔

وفی الشامیة لقولہ علیہ السلام ارجعن مآزورات غیر مآجورات ابن ماجہ بسند ضعیف۔ (شامیہ : ج ۱ : ص ۸۳۴)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۰/۹/۱۴۰۰ھ

کیا سنی عالم شیعہ کا جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ لیں تو

عند اللہ مجرم ہو گا یا نہیں؟ محمد یوسف مدرسہ انوار العلوم ملتان شہر

اگر شیعہ غالی ہے جیسا کہ آج کل عام شیعوں کی حالت ہے تو مقتداہ حضرات مثلاً علماء و مشائخ کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے چاہئے۔ اگر محض تفضیلی ہے

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۶/۵/۱۳۸۴ھ

اجواب صحیح

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

طوائف کے جنازے کا حکم ہمارے پڑوس میں ایک طوائف رہتی تھی وہ جان بحق ہو گئی -
۱- اس کو غسل دیا جائے یا نہ - ۲- کفن دیا جائے یا نہ -

۳- ایسی عورت کی نماز جنازہ میں اہل محلہ شرکت کر سکتے ہیں یا نہیں -

۴- ایک بچہ پیدائشی طور پر مرد تھا مگر صحبت بد کی وجہ سے وہ خواجہ سراؤں کی مجلس میں شریک ہو گیا اور پوری طرح خواجہ سرا بن گیا - اس کی موت پر اہل محلہ کے لئے شرکت نماز کے بارے میں کیا حکم ہے
۱- ۲- غسل دیا جائے گا اور کفن بھی دیا جائے گا -

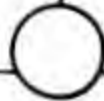
الجواب

۳- نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی - البتہ مقتدا لوگ زجرًا اس کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں - جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں پر زجرًا نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا تھا
۴- اس کی نماز جنازہ میں بھی وہی تفصیل ہے جو جواب بالا میں مذکور ہے -

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۹/۱۱/۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ



جنازہ اٹھانے کا سنون طریقہ ہمارے ہاں رواج ہے کہ جب مردے کو کفن دیکر گھر سے نکالتے

میں تو پانچ آدمی مقرر ہو جاتے ہیں - چالیس قدم نکالنے کے لئے چار

آدمی مردہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھاتے ہیں - یعنی چار پائی کے چار حصے بجائے کندھوں پر رکھنے کے ہاتھوں پر

اٹھا کر آگے امام صاحب قدم شمار کرتے ہیں - جب دس قدم ہو جاتے ہیں تو ایک پاؤں والا دوسرے

کے پاس، دوسرے تیسرے کے پاس اسی طرح کہتے ہوئے جب چالیس قدم پورے ہو جائیں تو زمین پر

چار پائی رکھ کر دعا مانگی جاتی ہے - کیا یہ طریقہ درست ہے ؟

جنازہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی پایوں سے کپڑے کر اسے کندھوں پر اٹھائیں اور

الجواب

اپنے طور پر قدم شمار کرتے جائیں دس قدم چل کر پایہ بدل لیا جائے اسی طرح ہر پایہ کو

دس دس قدم اٹھائے - اس کے لئے اپنے طور پر سر سر می گنتی بھی کافی ہے - کچھ قدم اگر زیادہ ہو جائیں

تو بھی حرج نہیں - پس اس کے لئے امام صاحب کا آگے آگے قدم لگاتے جانا اور ہر دس قدم پر

چار پائی اتار کر دوبارہ اٹھانا، اور ہر چالیس قدم پر دعا کرتے جانا لغو اور فضول ہے -

فیر سنت اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے - پس ان

فقط واللہ اعلم

رسوم سے احتراز کیا جائے۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

۹ - ۳ - ۱ - ۱۳۸۶ھ

نخیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

نماز جنازہ میں حاضر میّت کی نیت کرنا
 نابالغ کی نماز جنازہ میں یہ کہنا ضروری ہے کہ دعاء
 حاضر میّت کے لئے۔ اگر کوئی نہ کہے بلکہ اپنے لئے نیت

کرے تو جنازہ درست ہو جائے گا یا نہیں؟۔

وفی الدر ومصلی الجنازة ینوی الصلوة لله تعالیٰ وینوی

الجواب

ایضاً الدعاء للمیت، شامی ج ۱ ص ۲۶۶۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کی نیت میں ارادہ کرنا اس میّت کے لئے خواہ میّت بالغ
 ہو یا نابالغ بہتر ہے۔ اور اس نیت میں مصلی کا اپنے لئے دعاء کرنے کی نیت، کرنا قیاساً علی ظاہر الفاظ الدعاء
 درست نہیں اگرچہ اس وجہ سے نماز جنازہ کو فاسد نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

اجواب صحیح

۲ - ۲ - ۱ - ۱۳۸۷ھ

عبدالستار عفا اللہ عنہ

عیدین کے وقت جنازہ آجئے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے

عیدین کی نماز پڑھنے سے پہلے جنازہ آجئے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے جنازہ یا عید کو؟

امام بخش مدرسہ سعید ریہ بھکر۔

در مختار میں ہے کہ عیدین کی نماز جنازہ کی نماز سے پہلے ادا کریں۔

الجواب

» و تقدم صلواتها على صلوة الجنازة - ۱۰ - ص ۴۵

فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفرلہ

اجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

نخیر محمد عفا اللہ عنہ

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نمازِ جنازہ میں کون سی دعا پڑھی گئی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مال دنیا سے کس دن ہوا؟ اور آنحضرت علیہ صلوٰۃ والسلام کو دفن کس روز کیا گیا؟ نمازِ جنازہ ایک بار ہوتی یا کئی بار؟ دعا: جنازہ میں تھی جو آج کل مانگی جاتی ہے یا کوئی اور خاص دعا پڑھی گئی۔ اگر ٹولہ ٹولہ صحابہ بڑا آتے رہے تو کتنی جماعتیں ہوتیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دو شنبہ کے دن ہوا منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں حضور اقدس کو قبر شریف میں اتارا گیا۔ تجویز و تحفین کے بعد جنازہ مبارک، مکان میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان گروہ درگروہ داخل ہوتے تھے اور بلا کسی امام کے نماز پڑھ کے چلے جاتے۔ نمازِ جنازہ اسی طریقے سے پڑھی گئی جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

الجواب

كما هو الظاهر ومن هذا الحديث قالوا يا صاحب رسول الله انفسى
على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال نعم قالوا كيف؟ قال يدل
قوم فيكبرون ويديعون ويصلون ثم يخرجون الخ قال القارى
ولم يذكر التسبيح كما هو معلوم من وقوعه بعد التكبير الاول
(شماہل ترمذی مع حاشیہ: ص ۱۲)

صحابہ کرام علیہم الرضوان اسے طرح نمازِ جنازہ پڑھتے رہے تا آنکہ آخر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی اور تہفین عمل میں آئی۔ جماعتوں کا عدد معلوم نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

ابجواب صحیح: عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان۔

میت، باہر اور نمازی مسجد میں ہوں تو بھی ظاہر مذہب میں مکروہ ہے۔ ہماری مسجد میں آج تک جنازہ ایسے

پڑھتے رہے کہ میت بھی مسجد کے اندر ہوتی تھی اور نمازی بھی مسجد میں۔ اب یہ تجویز ہے کہ محراب کی بائیں چبوترہ بنادیا جائے۔ میت چبوترے پر ہو، امام بھی وہیں ہو، کچھ نمازی بھی ساتھ ہوں، اور باقی

مسجد میں کھڑے ہوں۔ اس طرح جنازہ مکروہ ہے یا نہیں؟

امجد ستار: براڈ کاسٹنگ ہاؤس ریڈیو پاکستان کراچی
مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے لہذا اب تک جس طرح جنازہ پڑھا جاتا رہا ہے
شرعاً جائز نہیں تھا بلکہ مکروہ تھا۔ مسجد سے باہر ادا کرنا چاہئے اور آئندہ کے لئے

الجواب

جو صورت زیر تجویز ہے اس میں بعض کے نزدیک گنجائش ہے۔ کما فی الشامیۃ فی کتاب الجنائز۔

لیکن ظاہر مذہب علی الاطلاق کراہت کا ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

غیر محمد عفا اللہ عنہ

۸ : ۳ : ۸۸ ۱۳ھ

عین دوپہر کے وقت نماز جنازہ

عین دوپہر کے وقت جنازہ درست نہیں

پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

بالکل عین دوپہر میں نماز جنازہ درست نہیں جب کہ جنازہ پہلے سے برائے نماز

الجواب

تیار رکھا ہو۔ " کما فی الدر المختار وینعقد نفل بشروع فیہا

بکراہۃ التحریم لا ینتقد الفروض وسجدة تلاوة و صلوة

جنازة تلیت الایة فی کاسل وحضرت الجنازة قبل۔ ۱ھ

(شامی ج ۱ ص ۲۶۱)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

غیر محمد عفا اللہ عنہ

۵ : ۱ : ۸۸ ۱۳ھ

ایک شخص نے نماز جنازہ پڑھانی اور تکبیرات الربع

جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین کا حکم

میں اس نے رفع یدین کیا اور سہواً کیا، عمدًا ایسا

نہیں کیا۔ اب یہ صلوة جب جنازہ ادا ہو گئی یا دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے؟

رفع یدینہ فی الاولی فقط وقال ائمة بلخ فی کلہا (الدر المختار)

الجواب

وهو قول الائمة الثلاثة وروایة عن ابی حنیفة

کما فی شرح درر البحار و الاول ظاہر الروایۃ کما فی البحر۔ (شامی ج ۱)۔
 عبارتِ ہذا سے ظاہر ہے کہ رفع یدین تکبیراتِ جنازہ میں ائمہ ثلاثہ کے علاوہ بہت سے فقہاءِ احناف
 کا بھی مذہب ہے پس اسے مفسد نہیں کہا جاسکتا۔ اور اعادہ کی حاجت نہیں۔ کیونکہ تنفل بصلوۃ الجنازہ
 مکروہ ہے۔ الحاصل نماز جنازہ صورتِ مستولہ میں درست ہوگئی۔ تشویش نہ کی جاوے۔ لیکن آئندہ
 احتیاط کی جگہ امام کو مسائل سے اتنی غفلت نہ دانیں۔

فقط واللہ اعلم
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ

جو تمام جل جہنم اس پر جنازہ نہ پڑھا جائے
 اگر کوئی شخص جل گیا، گوشت و پوست
 وغیرہ سب کچھ ختم ہو گیا، صرف ہڈیاں باقی

رہ گئیں، ڈھانچہ بالکل ختم ہو گیا، اس پر جنازہ وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

وان وجد نصفه من غیر الرأس او وجد نصفه
 مشقوقا طولا فانه لا یغسل ولا یصلی علیہ ویلف فی

الجواب

خرقۃ و یدفن فیہا۔ (عالمگیری، ج ۱، ص ۸۱)۔

جزئیہ ہذا سے ظاہر ہے کہ جس کا نصف حصہ بدن سرمیت نہ پایا جائے اسے غسل دینے یا اس پر

جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۸/۲۳، ۱۳۸۲ھ

ہرمیت کا جنازہ علیہ ہو
 نابالغ بچی کا اور اس کی دادی کا بیک وقت
 جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

بہتر یہ ہے کہ ہرمیت کا جنازہ علیہ علیہ پڑھا جائے اگر کٹھے پڑھ لیا جائے
 تو بھی ہو جائے گا۔ واذا جمعت الجنائز فاضاد الصلوۃ اولیٰ و

الجواب

ان جمع جاز۔ ۱ھ (شامی ج ۱ ص ۸۲)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۰/۵، ۱۳۹۸ھ

خودکشی کرنیوالے کی نماز جنازہ کے بارے میں قاتل نفس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص خودکشی کر لے اس کا

جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے۔؟

مفتی بہ روایت یہی ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جاوے گی۔ لوگوں
کا قول مفتی بہ نہیں۔ من قتل نفسه ولو عمدا يغسل ويصلى

الجواب

عليه به يفتي اه (شامی ج ۱ ص ۸۱۵)۔ فقط والله اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح ۱ بندہ غیبہ التار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

۱۵ / ۵ / ۱۳۹۸ھ

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

میت، غائب، پر عند الحنفیہ یہ نماز جنازہ جائز نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا نجاشی کا جنازہ پڑھنا آپ کی خصوصیت تھی یا جنازہ آپ کے سامنے

الجواب

کر دیا گیا تھا۔ فلا تصح علی غائب الغ و صلوة الذبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی
لغویة او خصوصیتہ اه (در مختار علی هامش الشامیہ ج ۱ ص ۶۰۸)۔

فقط والله اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۶/۲۸/۱۳۹۸ھ

اجواب صحیح ۱ محمد صدیق عفریہ

جس میت کے بارے میں مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس پر جبنازہ کا حکم

جن انسانی لاشوں کے بارے میں علم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم تو ان کا جنازہ پڑھنا درست

ہے یا نہیں؟ ہمیں ہسپتال میں اس بات کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔

حسن محمد مودت بسم

قائد اعظم — میڈیکل کالج — بہاولپور

الجواب
جب تک کسی میت کے بارے میں یقینی علم نہ ہو کہ یہ غیر مسلم ہے تو جنازہ وغیرہ اس پر پڑھا جائے۔ مسلمانوں کا تک ہونے کی وجہ سے اسے مسلمان کی میت ہی سمجھا جائے

گا۔ لولم یدر مسلم ام کافر ولا علامۃ فان فی دارنا غسل و صلی علیہ ۱۷

(در مختار علی الشامیۃ : ج ۱ : ص ۶۰۲) - فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بوقت غروب پڑھی گئی نماز جنازہ کا حکم
ایک مولوی صاحب نے نماز جنازہ نماز مغرب سے پہلے پانچ چھ منٹ ادا کی کیا وہ نماز جنازہ

جائز ہے؟ اور جس نے نماز پڑھایا ہے کیا وہ قابل امامت ہے؟

الجواب
اگر جنازہ آیا ہی اسی وقت میں تھا تو یہ نماز درست ہوگئی اور امام مذکور کی امامت

میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر جنازہ پہلے آیا تھا مگر پڑھا عین غروب کے وقت میں

تو یہ نماز جنازہ درست نہیں ہوتی۔

وکرہ صلوة ولو علی جنازة وسجدة تلاوة وسهومع شروق واستواء

وعروب الخ قوله وينعقد نفل بشروع فيها لا الفرض وسجدة تلاوة

ومسرة جنازة تليت في كامل وحضرت قبل - ۱۷ (تنوير) - وفي

الدر المختار لوجوبه كاملا فلا يتأدى ناقصا فلو وجبت فيها ليعكره

فعلهما اي تحريما وفي التحفة الافضل ان لا تؤخر الجنازة ۱۷

وفي الشامیة وما فی التحفة اقراءه فی البحر والنهر والفتح و

المعراج لحديث ثلاث لا يؤخرن الخ (ج ۱ : ص ۳۷۷) -

فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ ۲۷/۸/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

جنازہ میں قرأت ثابت نہیں
ہمارے گاؤں میں ایک آدمی کا جنازہ قرأت کے ساتھ پڑھایا گیا۔ قرأت میں سورت فاتحہ کے بعد سورت عصر پڑھی گئی۔ اس

مسئلہ کی تحقیق چاہئے کہ اس طرح نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟ جنازہ پڑھانے والا اہل حدیث تھا ہمارے گاڈل میں اکثریت حنفی لوگوں کی ہے۔ یہ بھی بتایا جانے کہ اہل حدیث کے چھپے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟
محمد یعقوب چک نمبر ۲۰ منڈی یزمان -

الجواب
نماز جنازہ میں قرأت کا کوئی ثبوت نہیں اور جن روایات میں فاتحہ پڑھنا مذکور ہے وہ بطور وعار ہے نہ بطور قرأت -

ولا قرأۃ فیہا ولا تشهد فیہا وعین الشافی الفاتحۃ فی الاولی وعندنا
تجوز بنیۃ الدعاء وتکرہ بنیۃ القراءۃ لعدم ثبوتہا فیہا عنہ
علیہ السلام اھ (مشامی : ج ۱ ص ۶۱۱) -

جو غیر مقلد امام ائمہ کو برا کہتا ہو یا طہارت میں محتاط نہ ہو اس کی اقتدار میں نماز ادا نہ کی جائے۔
فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۱۷ : ۱۲ : ۱۳۹۹ھ

عید گاہ میں جنازہ پڑھنے کا حکم
شہر کی عید گاہ میں نماز جنازہ پڑھنا
درست ہے یا نہیں ؟ - احمدیہ خطیب جامع مسجد و ہاڑی -

الجواب
۱- وقید بمسجد الجماعۃ لانہا لا تکرہ فی مسجد
اعدلہا وکذا فی مدرسۃ ومصلى عید لانہ لیس لہا حکم

المسجد فی الاصح اھ (طحاوی ص ۳۲۶) -

۲ : واما المتخذ لصلوۃ جنازۃ او عید فہو مسجد فی حق جواز الاقتداء
لانی حق غیرہ اھ (تویر الابصار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۶۱۵) -

جزئیات بالا سے عید گاہ میں نماز جنازہ پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم
اجواب صحیح ۱ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۱۴۰۱ھ

سنیوں کا جنازہ شیعہ نہ پڑھیں
ایک جگہ ایک امام صاحب نے ایک میت پر جنازہ پڑھنے
سے اعراض کیا وجہ یہ تھی کہ میت کے وارث شیعہ تھے اور

ان کا خیال سنیوں سے پہلے یا بعد شیعہ مولوی سے شیعوں والا جنازہ پڑھوانے کا تھا اور اسی شیعہ جنازہ کو عقیدہ صحیح اور درست سمجھتے ہیں۔ کیا ایک میت پر شیعہ اور سنی دو جنازے درست ہیں یا نہ امام صاحب کا اعتراض درست ہے یا نہ۔ کیا جو سنی آدمی شیعہ امام کے پیچھے شیعہ جنازہ پڑھے اس پر کوئی حد یا کوئی حکم ہے یا معاف ہے؟ کیا شیعہ سنی کے جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہو سکتا تو روکنا درست ہے

یا نہ؟

الجواب

یہ دو جنازوں والی رسم ختم کرنی چاہئے۔ میت کی اچھی طرح تحقیق کر لیں اگر سنی ہو تو صرف سنی ہی جنازہ پڑھیں شیعوں کو نہ پڑھنے دیں۔ حقیقی شیعہ کبھی سنی کا جنازہ بطور جنازہ

نہیں پڑھتا۔ فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۱۰/۱۴۰۷ھ



نماز پڑھنے سے قبل امام صاحب نماز جنازہ کی نیت سنتے ہیں۔ بعض علماء کرام بایں الفاظ کہ

جنازہ کی نیت میں فرض کفایہ کہنا ضروری نہیں

» چار تکبیر نماز جنازہ فرض کفایہ « اور بعض بایں الفاظ کہ » چار تکبیریں نماز جنازہ فرض « لفظ کفایہ « ادا نہیں کرتے۔ ایک آدمی کا کہنا ہے کہ چونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس لئے نیت سنتے وقت کفایہ کا لفظ کہنا ضروری ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ جو آدمی قبرستان میں نماز پڑھنے کیلئے آئے ہیں ان کے لئے نماز جنازہ ادا کرنا فرض عین ہو جاتا ہے کفایہ نہیں رہتا۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی باحوالہ وضاحت فرمادیں۔

» فرض کفایہ « کے الفاظ کہنے ضروری نہیں۔ اور نماز جنازہ بہر حال » فرض کفایہ « ہے۔ قبرستان میں آنے والوں کے لئے اس کا حکم بدلے

الجواب

فقط واللہ اعلم

نہیں جاتا۔

محمد النور عفا اللہ عنہ ۹/۲/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ



نماز جنازہ میں دائیں طرف سلام کر کے دایاں ہاتھ کھول دیئے جائیں

نماز جنازہ میں سلام سے قبل ہاتھ کھول دیئے جائیں

دایاں ہاتھ چھوڑ دیا جائے اور بائیں

جانب سلام کر کے بائیں ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔ یا دونوں طرف سلام کر کے پھر دونوں ہاتھ چھوڑ دینے جائیں
مسنون طریقہ کیا ہے ؟

تکبیرات ختم ہونے پر سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دینے جائیں۔ خلاصۃ الفتاویٰ
میں ہے۔ ولا یعقد بعد التکبیر الرابع لانہ لا یبقی ذکر

مسنون حتی یعقد فالصیح انه یحل الیدین ثم یرسل تسلیمتین

(عزیز الفتاویٰ، ج ۱، ص ۲۶۴)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الوہاب متعلم الافکار

الجواب صحیح

۲۵ - ۳ - ۹ - ۱۴۰۹ھ

احقر محمد نور عفا اللہ عنہ مفتی نیر المدارس

جنازہ اٹھانے سے کبیرہ گناہ مُعاف ہوتے ہیں یا صغیرہ

میت کے جنازے کی چارپائی کو چالیس قدم تک لے جائے یعنی برپائے پردس قدم چلے تو اس کے چالیس گناہ

کبیرہ مُعاف ہوتے ہیں یا صغیرہ ؟

کبیرہ بدوں تو بہ مُعاف نہیں ہوتے اس ضابطے کے پیش نظر علامہ شامی نے لکھا ہے۔ فتاویٰ

فی شرح النقایۃ وورد من حمل بجوانب سائر الامم بعد عقر لہ اربعون

کبیرۃ (رواہ ابن عساکر عن وائلہ ص ۱۳۵ ج ۱)

علامہ شامی نے اس حدیث بالا کی رد تو جہیں کی ہیں ایک یہ کہ حدیث میں کبیرہ سے مراد صغیرہ ہی ہیں کیونکہ ہر صغیرہ اپنے

ما تحت گناہوں کے اعتبار سے کبیرہ ہے۔ بس اس اعتبار سے بعض صغائر پر کبائر کا اطلاق درست ہوا۔ گو وہ فی الواقع

اصطلاحی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ضابطہ مذکور بالا مخصوص ہے۔ ایسے مواقع کے ساتھ جس میں نص وارد نہ ہو اور نص کے بعد

بما توبہ تکفیر کبائر ہو جاتے ہیں۔ کوئی اشکال نہیں۔ (ص ۸۲۳ ج ۱)

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ نیر المدارس

فقط واللہ اعلم

کسی قبرستان میں آئندہ مُردے دفن نہ کرنے کا یقین ہو تو اس جگہ کو دینی دَرَس گاہ بنا سکتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مُفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ عرصہ چھ سال سے مدرسہ عربیہ سلیمیہ قاسم العلوم کا جس جگہ سنگ بنیاد رکھا گیا ہے۔ یہ جگہ زمانہ قدیم سے مکان مانی چانڈو اور خانقاہ شاہ اسماعیلؒ سے مشہور تھی۔ سرکاری کاغذات اور کسٹن رسید، حضرات اسی طرح شہادت دیتے ہیں۔ بیس پچیس برس قبل یہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد اور چند قبور تھیں۔ مگر کم از کم ایک صدی سے یہاں کوئی نئی میت دفن نہیں ہوئی۔ بھنگلی بھری اور بد معاشی بر اجماع تھے۔ غیور مسلمانوں کی متحدہ مساعی سے فسق و فجور کا اڈا ختم ہوا۔ چار متولی مقرر کر کے دَرَس قرآن جاری کیا۔ عوام مسلمانوں کے چندہ سے مسجد کی نئی تعمیر شروع ہوئی۔ مسجد کو توسیع ہوئی اور بربل سڑک ایک قطعہ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا گیا۔ ایک برآمدہ کلاں دَرَس اور ضروریات مسجد کے لئے تعمیر ہوا۔ دریں اثناء جمیعۃ علماء ملتان نے ایک عرب مدرسہ اکابر علماء دیوبند کے زیر نگرانی قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ متولیان وقف مذکور اور دیگر معززین محلہ کو جب علماء کرام کی اس تحریک کا علم ہوا۔ تو انہوں نے دینی ادارہ کے بنام کے لئے اسی جگہ کو موزوں سمجھتے ہوئے علماء جمیعۃ کو دعوت دی کہ آپ ہماری مساعی کو کامیابی کی منازل تک پہنچاتے ہوئے اسی جگہ کو مرکز علوم و فیوض بنائیں۔ تحریراً اور تقریراً وثوق دلایا کہ تعمیر سکیموں اور نظام تعلیم میں ہم لوگوں میں سے کوئی بھی خارج نہیں ہو گا۔ بلکہ ایک معاون اور بہی خواہ کی حیثیت سے ماہوار ہی چندہ سے بھی امداد کریں گے۔

جمیعۃ علماء ملتان نے نزاکتِ حالات کا اندازہ کرتے ہوئے اس دعوت پر لبیک کہا اور محض تو کلاً علی اللہ کام شروع کر دیا۔ بحمد اللہ آج یہ ادارہ نرق کے منازل طے کرتا ہوا مرکز ہے حیثیت اختیار کر رہا ہے۔ دَرَس گاہوں اور رہائشی حجرات کے لئے تعمیر کی اشد ضرورت ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ضروریات مدرسہ کے لئے جو مکانات تعمیر کئے جا دیں۔ وہ بموجب قوانین اوقاف ملحقاتِ مسجد میں شمار ہوں گے، یا ان کی الگ صورت ہوگی۔ بصورتِ ثانیہ

مدرسہ کو سفید زمین جو کہ وقف ہے، کا کرایہ ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ بصورتِ اثبات وہ کرایہ ضروریاتِ مسجد میں صرف ہوگا یا کوئی اور صورت ہوگی۔ یہی دونوں صورتیں اس برآمدہ کے متعلق بھی ہوں گی۔ جس کو قبل وجودِ مدرسہ ضروریاتِ مسجد کے لئے تعمیر کرایا گیا تھا۔ بینواد تو جردا۔ مولوی غلام رسول۔ رکن مدرسہ قاسم العلوم، کچھری روڈ۔ ملتان

یہ زمین جو کہ خانقاہ شاہ اسماعیل و مکان مانی چانڈو کے نام سے سرکاری کاغذات میں مندرج ہے۔ اور بوڑھے آدمیوں کی شہادت سے

الاجاب

بھی اسی نام کی تائید ہوتی ہے۔ وقف برائے مقبرہ معلوم ہوتی ہے۔ قبور کا موجود ہونا بھی اس کے لئے شاہد قوی ہے۔ یہ زمین غالباً زمانہ قدیم میں کسی نے قبرستان کے لئے وقف کی ہوگی۔ پھر آبادی شہر کی بڑھتے بڑھتے اس کو محیط ہو گئی۔ اور یہ قطعہ جس میں کچھ حصہ مقابر کے ساتھ مشغول ہو چکا تھا۔ اور کچھ حصہ خالی پڑا ہوا تھا۔ آبادی کے درمیان میں آگیا، اور موقع پا کر اس قطعہ خالی پر بھنگیوں اور چرسیوں نے قبضہ جمایا۔ اب جبکہ عام مسلمانوں نے بھنگیوں کو نکال دیا تھا۔ تو اس زمین کو اسی مقصد کے لئے استعمال کرنا ضروری تھا۔ جس کے لئے وقف کی گئی تھی۔ یعنی اس میں اموات کو دفن کرنے کے لئے اذنِ عام دے دی جاتی۔ اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے (کما ہی معرفۃ عند الفقہاء) کہ وقف اس مقصد میں استعمال کرنا چاہیئے۔ جس کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اور وقف ثبوت کے لئے معائنہ بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ شہادت بالتسامع بھی کافی ہے۔

پس جب بوڑھے آدمیوں کی روایات سے اور سرکاری کاغذات کی شہادات سے اور قبور کے موجود ہونے کے قرائن سے ظن غالب بلکہ قریب یقین یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ قطعہ قبرستان کے لئے وقف ہے۔ نو اس کو اس جہت میں صرف کیا جانا ضروری تھا۔

لیکن بعض حضرات اراکین سے معلوم ہوا کہ اس مقبرہ کے وسط آبادی میں آجانے کی وجہ سے حکومت نے اموات کے دفن کرنے کی ممانعت کر دی۔ سو اگر یہ قصہ صحیح ہے تو اس صورت میں یہ گنجائش نکل آتی ہے کہ اس خالی قطعہ کو جو دراصل اموات کے لئے وقف ہے کسی دوسرے مصرفِ خیر میں صرف کر دیا جائے۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الوقف میں یہ جزئیہ

لکھا ہے کہ اگر کسی عورت نے قبرستان کے لئے زمین وقف کی حتیٰ کہ اپنا لڑکا بھی اُس میں دفن کر دیا۔ لیکن بوجہ غلبہ پانی کے وہ زمین قبرستان بننے کے قابل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ لوگ اُس میں اموات کو دفن نہیں کرتے۔ تو اُس عورت کے لئے جائز ہے کہ اپنی موقوفہ زمین کو فروخت کر دے۔

امراة جعلت قطعة ارض لها مقبرة واخرجتها من يدھا ودفنت فیھا ابنھا وتلك القطعة لا تصلح للمقبرة لغلبة الماء عندها فیصیبا فساداً فارادت بیعھا ان كانت الارض بحال لا یرغب الناس عن دفن الموقی لقلۃ الفساد لیس لھا البیع وان كانت یرغب الناس عن دفن الموقی فیھا لکثرة الفساد فلھا البیع فاذا باعتمھا فللمشتری ان یامرھا برفع ابنھا عنھا۔ یقول العبد الضعیف۔ فاذا جازلھا البیع عند رغبة الناس عن الدفن فیھا فصر فہا الی وجه اخر من وجوه الخیر یکون اولی بالجواز۔

لیکن یہاں پر یہ امر قابل غور ہے کہ آیا واقعی حکومت کی طرف سے اب ایسی زمینوں کو جو درمیان آبادی میں آچکی ہیں۔ اور وہ قبرستان کے لئے وقف ہیں۔ اموات کے دفن کرنے کی ممانعت ہے۔ اور کیا وہ رکاوٹ دفع نہیں ہو سکتی۔ اگر ان دونوں باتوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر بامر مجبوری ایسی زمین کو کسی دوسرے مصرف خیر میں صرف کرنا جائز ہے۔

سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد او حوض خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس هل للقاضی ان ینسب الیہ او قافد الی مسجد آخر او حوض آخر قال نعم۔ (عالمگیری کتاب الوقف)

اس کے بعد قابل غور چیز یہ ہے کہ اس مصرف کے متولی کون سے حضرات ہوں۔ تو اول اس میں حق واقف کا ہے۔ اگر واقف کا علم نہ ہو تو قاضی یا اس کا نائب اس وقف کو دوسرے مصرف خیر میں صرف کر سکتے ہیں اور بحالات موجودہ جب کہ

تضام کا شرعی نظام مختل ہو چکا ہے۔ جماعت علماء اس قطعہ زمین کو دینی مدرسہ کے لئے صرف کر سکتی ہے۔ اور کسی قسم کا کرایہ وغیرہ متقابر کے قیام اور نگران کرینے کی ضرورت نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

خادم الانشاء خیر المدارس ، ملتان ، مورخہ ۸ شعبان ۱۳۵۵ھ

نوٹ: استفتاء کے اندر دو جملے موجود ہیں جن کے متعلق خصوصیت کے ساتھ توجہ دینی ضروری ہے۔ خط کشیدہ عبارت ۱ میں مرقوم ہے۔ "چار متولی مقرر کر کے درس قرآن جاری کیا۔ الی قولہ لب سڑک ایک قطعہ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا۔" اس عبارت سے اور آگے والی عبارت "ایک برآمدہ کلاں درس اور ضرورت مسجد کے لئے تعمیر کیا۔" ان دونوں عبارتوں میں درس اور مسجد کو ایسا خلط کر دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درس اور مسجد شے واحد ہیں۔ حالانکہ درس اور مسجد اصطلاح میں دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ (ا)۔ پس اگر اس جملہ کا "لب سڑک ایک قطعہ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا۔" کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی پیداوار سے مسجد کی ضروریات چٹائی۔ لوٹے۔ تیل جلانے کا۔ خرید کئے جائیں گے۔ (کما ہوا الظاہر) تو اگر اس ٹکڑہ میں عمارت قائم کی گئی۔ اور مدرسہ کے استعمال میں آئی تو مدرسہ کی طرف سے مسجد کو کرایہ مناسب ادا کرنا ہوگا۔

(ب)۔ اور اگر یہ مفہوم تھا مسجد کی طرف منسوب کرنے سے کہ مسجد کی آبادی اور رونق کے لئے درس قائم کیا جائے گا جیسا کہ مساجد کی آبادی کے لئے عموماً مساجد ہر یا ان کے ملحقہ درس قائم کر دیئے جاتے ہیں (کما یدل علیہ قول المستفتی فیما بعد) "ایک برآمدہ کلاں درس اور ضروریات مسجد کے لئے تعمیر ہوا۔" تو اس صورت میں یہ ٹکڑہ زمین مدرسہ کے اندر صرف کر سکتے ہیں۔ بلا کرایہ ادا کرنے کے مسجد کو وہ وقف قدیم جس کے واقف کا بھی علم نہیں اس کے متعلق تو ہم قیاس آرائی سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن یہ قطعہ جو بعد میں عام مسلمانوں کے چندہ سے خرید کیا گیا۔ چونکہ یہ چار متولی موجود ہیں۔ اور چندہ لینے والے اور دینے والے بھی موجود ہیں۔ اس لئے اس باب میں قیاس آرائی کرنے کی ہمیں ضرورت

نہیں ہے۔ بلکہ یہ حضرات ان دو صورتوں کو جو کہ اوربے میں بیان کی گئی ہیں، بغور پڑھ لیں۔ اور اگر ان کے عزائم ان ہر دو صورتوں کے علاوہ کچھ اور تھے۔ تو ان کو دوبارہ استفسار کر لیں۔ اسی طرح دوسرے جملہ کہ ایک برآمدہ کلاں برائے درس اور ضروریات مسجد میں بھی دو احتمال موجود ہیں اور ہر دو کا حکم ان کے مناسب سمجھ لیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ،

الجواب صحیح،

خادم الافناء، خیر المدارس، ملتان، ۱۱ ھج

خیر محمد بہتم مدرسہ خیر المدارس ملتان

بزرگوں کی قبروں کی زیارت کے لئے دور دراز کا سفر کرنا

زیارتِ قبور کی اہمیت شرع میں کہاں تک ہے؟ کیا دور دور کے مردہ یا زندہ بزرگوں کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں، مثلاً کوئی آدمی بلوچستان کے علاقہ سے ہندوستان کے بزرگوں کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے دوسرا کوئی مقصد سواٹے زیارت کے نہیں تو شرعاً ٹھیک ہے؟ کیونکہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں اس قسم کے سفر کو شرک فی العبادۃ کہا ہے۔ اس لئے کہ جو معاملہ خدا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ غیر اللہ کے ساتھ نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ خانہ کعبہ کی زیارت خوشنودی خدا کے لئے کی جاتی ہے۔ اگر غیر اللہ کے مکان کی زیارت موجب ثواب اور برکت جان کرے تو یہ معاملہ خدا والا غیر اللہ کے ساتھ ہوگا اور یہ شرک ہے۔ اور ایسا کعبہ و ایسا کعبہ کے منافی ہے۔ بعض لوگ تقویۃ الایمانؒ کو حضرت شہید مرحوم کی کتاب نہیں سمجھتے۔ یہ درست ہے یا نہیں، اگر نہیں تو یہ کس کی ہے؟

زیارتِ قبور کے لئے دور دراز سے سفر کر کے جانا مختلف فریضے اور

الجواب صحیح

یہ اختلاف متقدمین سے چلا آ رہا ہے۔ لہذا اس کا فیصلہ اب ہونا

مشکل ہے۔ لہذا فی فتاویٰ رشیدیہ۔ لیکن یہ اس وقت تک ہے۔ جب سفر مذکور میں دیگر مفاسد موجود نہ ہوں۔ مثلاً اہل قبور سے اپنی حاجات طلب کرنا۔ ان کے

تقرب کی غرض سے چڑھا دے چڑھا نا۔ قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ وغیرہ امور مذکورہ کے انضمام کی صورت میں یہ سفر بالکل ناجائز ہو جائے گا۔ اور شرک بن جائے گا کیونکہ اب یہ سفر بہ نیت تقرب بزرگ ہوگا بہ نیت زیارت نہ رہا۔ آج کل عوام اپنی اغراض کے لئے ایسے سفر کرتے ہیں۔ کما هو المشاہد ولا ید فیہ — پس ان کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے۔ حضرت شہیدؒ غالباً اسی کی ممانعت فرما رہے ہیں۔ "تقویۃ الایمان" حضرت موصوف ہی کی تصنیف ہے۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۶ / ۲ / ۱۳۸۶ ہج

الجواب صحیح ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اطفال مشرکین کا حکم

کفار کے نابالغ بچے جنت میں جائیں گے یا جہنم میں ؟

اطفال مشرکین کے متعلق امام نوویؒ نے تین قول نقل کئے ہیں۔
(۱) جہنم میں ہوں گے (۲) توقف (۳) جنت میں جائیں گے۔

الجواب صحیح

تیسرے قول کو امام نوویؒ نے صحیح قرار دیا ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ اہل جنت کے خدام ہوں گے۔ امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ جیسے باری تعالیٰ کی مشیت ہوگی ویسے ہوگا۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۶ / ۱۴۰۹ ہج

الجواب صحیح ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبرستان کی زائد آمدنی دوسرے قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں

قبرستان کی آمدنی مسجد پر لگا سکتے ہیں یا نہیں — اور جو مسجد محلہ کی

قبرستان کی حدود میں ہو اس پر آمدنی لگ سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب قبرستان کی آمدنی مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں البتہ دوسرے قبرستان پر جو اس کے قریب ہو اس کی آمدنی خرچ کرنا جائز ہے۔ جبکہ اس کے لئے رقم کی ضرورت ہو۔ (شامی ص ۲۰۷ ج ۱)

حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنہما وکذا الرباط
والبراء اذا لم ینتفع بہما فیصرف وقف المسجد والرباط والبر
والحوض الی اقرب مسجدٍ اور رباط او بر (در مختار) و فی الشامیہ
(قوله الی اقرب مسجد) لف و نشر مرتب و ظاہرہ انہ لا یجوز
صرف وقف مسجد خرب الی حوض و عکسہ و فی شرح
الملتقی یصرف وقفہا لا قرب مجالس لیا اھ۔
(شامی ص ۲۰۷ ج ۱)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ ایک وقف کی آمدنی اس سے استغناء کے وقت اس وقف کے مماثل میں صرف کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۲۲
بندہ محمد اسماعیل غفرلہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳۸۵ھ
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

اہل میت خود اپنے گھر کھانا پکا سکتے ہیں

ایک شخص کے گھر اگر موت ہو جائے اور وہ اپنے گھر کھانا پکوا کر خود کھاتا ہے اور کچھ بہان آئے ہوں تو ان کی خاطر مدارات کرتا ہے نیز اس کے کسی رشتہ دار کے گھر سے کھانا رواج کے مطابق آتا ہے تو وہ اس کو واپس کر دیتا ہے۔ اور خود نئے کپڑے پہنتا ہے اور اپنے بچوں کو بھی نئے کپڑے پہناتا ہے۔ ان تمام مذکورہ صورتوں میں اگر کوئی امر خلاف

سُنّت ہو تو اس کا تدارک بتلائیے نیز ایسا کہ نیوالا گنہگار تو نہیں، نیز نابالغ بچے اور بالغ آدمی کی میت کا ایک حکم ہے یا جُدا جُدا ؟

ان اشیاء مذکورہ میں کوئی چیز سُنّت کے خلاف نہیں۔ خواہ گھر میں نابالغ فوت ہو گیا ہو یا بالغ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق معین مفتی

عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

خیر المدارس ملتان ۲۸/۱۳۴۸ھ

نوٹ : اگر متوفی کے ورثاء میں یتیم بچے ہوں تو اس کا لحاظ رکھا جائے کہ ان کا مال استعمال نہ ہو۔ محمد انور عفا اللہ عنہ، مرتب خیر الفوائد

اولیاء کرام کے مزارات پر جانا

حضرت مولانا خیر محمد نے نماز حنفی میں لکھا ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات پر جا کر شرعی طریقہ سے مُستفید ہوتا رہے۔ اس جملہ پر بریلوی حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ تم ایک طرف تو یہ کہتے ہو کہ ”ما اهل به لغير الله“ یعنی قبروں پر چڑھاوے حرام ہیں، تو مولانا خیر محمد صاحب کے اس جملہ کا کیا مطلب ہے؟

اولیاء اللہ کی قبریں اللہ کی رحمتوں کا مورد ہوتی ہیں۔ نیز اولیاء کو قبور میں ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے وہ زائر کو پہچانتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سائل کی اہمیت کے مطابق کچھ روحانی فیض بھی پہنچاتے ہیں مگر یہ بات ہر ایک اہل قبر میں نہیں اور ہر ایک زائر کے لئے نہیں۔ نماز حنفی میں جو لکھا ہے اس سے مراد بھی خاص صورتیں ہیں۔

وَأَمَّا الْوَلِيَاءُ فَانَّهُمْ مَتَفَاوَتُونَ فِي الْقُرْبِ مِنَ اللَّهِ وَنَفْعِ

الْمُزَامِرِينَ بِحَسَبِ مَعَارِفِهِمْ وَأَسْرَاهِمِ اهـ

(شامیۃ ص ۸۴۲)

اور مزار مطلق قبر کو کہتے ہیں اس سے قبہ وغیرہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔
فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱ / ۲ / ۱۴۰۲ ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت علیہ السلام کا جنازہ پڑھنے کا ثبوت

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں — شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی چنانچہ ان کے ایک عالم مولوی محمد اسماعیل نے کہا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضور کی نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہو جائے تو میں سستی ہو جاؤں گا۔ اگرچہ اصولاً ان کا یہ اعتراض متعدد وجوہ سے غلط ہے، مگر تاہم کسی روایت سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا صراحتاً نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہو تو مطلع فرمادیں تاکہ انکی گندی زبان کو بند کیا جائے۔

طبقات ابن سعد میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک جماعت مہاجرین و انصار کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دینے اور چار پائی پر رکھنے کے بعد اس مکان میں داخل ہوئے جس میں آپ کو رکھا گیا تھا، اور سامنے کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھا۔

الجواب صحیح

لما كفن رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضع على سريره
دخل ابوبكر وعمر رضي الله عنهما فقالا السلام عليك ايها النبي
ورحمة الله وبركاته، ومعهما نفر من المهاجرين والانصار
قدر ما يسع البيت فسلموا كما سلم ابوبكر وعمر الى
ان قال ثم يخرجون ويدخل آخرون حتى صلوا عليه
الرجال ثم النساء ثم الصبيان (البدایہ والنہایہ ص ۲۶۵ ج ۵)

اور یہ درود و سلام پڑھنا ہی آپکی نماز جنازہ ہے۔ کیونکہ حضور پر عام طریقے کے موافق نماز نہیں ہوئی۔ حضرت علی سے روایت ہے۔

مَا وَصَّيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ سِرِّيًّا قَالِ لَا يُؤْتَمُّ عَلَيْهِ أَحَدٌ لَّا نَهْ هُوَ أَمَامَكُمْ حَيًّا وَمَيِّتًا فَكُلَّانِ يَدْخُلُ النَّاسُ أَرْسَالَآ فَيُضَلُّونَ عَلَيْهِ صَفًّا صَفًّا لَيْسَ لَهُمْ أَمَامٌ وَيَكْبُرُونَ وَعَلِيٌّ قَائِمٌ بِجِيَالِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ
(البداية والنهاية ۲۶۴: ۵۵۴) فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۰ / ۶ / ۱۳۸۷ ھ

الجواب صحیح،

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جنازہ کس نے پڑھایا

حضرت علیؑ کا جنازہ کس نے پڑھایا اس کا نام بتائیں۔ آپ کا

مقبرہ کہاں ہے؟

حضرت حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے دارالامارت میں مدفون ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء)

محمد انور

۵ / ۱۱ / ۱۴۰۹ ھ

قاتل کو پھانسی دی جائے تو اس کے اولیاء کے ذمہ مزید کچھ باقی نہیں

قاتل کو پھانسی مل جائے تو اولیائے مقتول کے ذمہ مزید کچھ واجب یا نہیں ایک آدمی نے اپنے دو ملازموں کے ساتھ مل کر کسی شخص کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، حکومتِ وقت نے اولیاءِ مقتول کے مطالبہ پر تینوں شخصوں کو پھانسی دے دی اب آیا ان کے جرم کی تلافی ہوگی یا نہیں اگر نہیں تو ان کے ورثاء کے ذمہ کچھ باقی ہے؟

مولانا عابد شاہ مدرس جامعہ خیر المدارس - ملتان

الجواب صحیح
 شرعاً اس قتل کی جو دنیوی سزا تھی مکمل ہو چکی واما قولہما
 ان ادام الخنق حتی مات فعليه القصاص كما لو قتله
 بجدر عظیم او خشبة عظیمۃ (نہج الرائق) لہذا اولیاءِ مقتول و مصلوب کے ذمہ کچھ
 باقی نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جس تابوت میں لاش لائی گئی ہو اس کے استعمال کا حکم

غیر مالک سے ایک تابوت لایا گیا، تابوت کی لکڑی کے اخراجات و رثاء نے خود برداشت کئے۔ کیا وہ تابوت والی لکڑی خود استعمال کر سکتا ہے یا مسجد و مدرسہ میں استعمال ہو سکتی ہے؟

الجواب صحیح
 جس شخص کے مال سے وہ تابوت تیار کیا گیا ہے۔ اسکی اجازت
 سے جہاں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ

۲۲
 ۶
 ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح،
 بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبرستان کے درختوں کا حکم

قبرستان کے درخت بہت پڑانے ہونے پر ان کی قیمت کو قبرستان پر ہی خرچ کرنے کی نیت سے اکھاڑ کر انہیں نیلام کیا جاسکتا ہے ؟

۲۔ قبرستان کی گھاس کو صفائی کی نیت سے اکھاڑا جاسکتا ہے ؟

الجواب قبرستان میں ضرورت ہو تو نیلام کر کے قیمت قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں۔

سئل نجم الدین عن مقبرة فيها اشجار هل يجوز صرفها الى عمارة المسجد قال نعم ان لم تكن وقفاً على وجه آخر قيل لئذ ان متداعت حيطان المقبرة الى الخراب يصرف اليها او الى المسجد قال الى ما هي وقف عليه ان عرف وان لم يكن للمسجد متول ولا للمقبرة فليس للعامة التصرف فيها بدون اذن القاضي (عالمگیری ص ۳۵۲ ج ۲)

۲۔ اکھاڑ سکتے ہیں مگر بکنے کے قابل ہو تو بیچ کر پیسے قبرستان پر لگا دیں۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

عورت کو قبر میں اس کے محرم اتاریں

کیا شوہر بیوی کی میت کو کندھا ڈے سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے ؟

جنازے کو کندھا ڈے سکتا ہے اور اگر عورت کے محرم موجود نہ ہوں تو قبر میں بھی اتار سکتا ہے لیکن جسم کو کپڑے کے بغیر ہاتھ نہ لگائے۔

الجواب

وذو الرحم المحرم اولاً با دخال المرأة من غيرهم

كذافي الجوهرة النيرة وكذا ذوالرحم غير المعرم
اولى من الاجنبى فان لم يكن فلا بأس للاجانب
وصنعها كذا في البحر الرائق (عالمگیری ص ۸۵ ج ۱۷)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

خانقاہوں پر ڈالی ہوئی چادریں وغیر اٹھانا

جو خانقاہوں پر لوگ عوام جہلاء کپڑا ڈالتے ہیں اور مزاروں پر پیسہ ٹمکے ڈالتے ہیں
کیا وہ شرعاً اٹھالینا جائز ہے یا ناجائز؟
چونکہ کی حد لگائی جائے گی یا کہ وقف ہے؟

خانقاہوں پر جہلاء لوگ جو کپڑا ڈالتے ہیں۔ اور پیسہ ٹمکے اُس کے
چرانے والے پر حد نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حد اُس شخص پر
لگائی جاتی ہے جو مکانِ محترم سے چوری کرے۔ اور یہ مکان غیر محرم سے اٹھایا
گیا ہے۔ اس لئے اس کے سارق پر حد لازم نہیں آتی۔ البتہ ان اشیاء کا اٹھانا جائز
نہیں کیونکہ ما اہل میں داخل ہونے کا شبہ قوی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافناء خیر المدارس ملتان
مورخہ ۵ شوال ۱۳۴۰ھ

خیر محمد مدرسہ خیر المدارس ملتان
۶ شوال ۱۳۴۰ھ

ایصالِ ثواب تملیک کر کے کرنا

چند اجاب قبرستان میں جمع ہو کر کچھ سورتیں وغیرہ پڑھتے ہیں۔ پھر اس کا ثواب
ایک آدمی کی ملک کر دیتے ہیں وہ میت کو بخش دیتا ہے۔ یہ بہتر ہے یا ہر کوئی اپنا پڑھا

تملیک کا طریقہ بھی درست ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر شخص اپنے
 پڑھے ہوئے کا ثواب خود بخشتے۔ فقہاء نے خود بخشنا لکھا ہے۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۲۰۳ / ۶ / ۲۲

ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری نہیں

ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری ہے یا گھر سے یا مسجد سے اور جنازہ گاہ
 سے بھی پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔ ایصالِ ثواب کن کن چیزوں کا کیا جاسکتا ہے
 اور اس کا طریقہ کیا ہے ؟

کوئی ضروری نہیں جہاں سے چاہیں کر سکتے ہیں۔ عبادت اور صدقہ کا
 ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ صدقہ رسم و رواج کے
 تحت نہ ہو۔ ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں ایک جامع اور مفصل فتویٰ "خیر الفوائد"
 جلد اول میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲۵۸ / ۷ / ۲۰

مختلف اموات کو ثواب بخشنا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے۔

- (۱)۔ قبرستان میں جا کر السلام علیکم یا اهل القبور کہنے کے بعد ایصالِ ثواب کے لئے
 الحمد شریف اور سورۃ اخلاص تین دفعہ پڑھ کر تمام مسلمان فوت شدگان کو بخشنا جاسکتا ہے۔
- (۲)۔ اس کا ثواب ہر مسلمان فوت شدہ کو پورا پورا ملے گا یا ہر ایک کو اس کا ہزارواں

حصہ (مطابق تعداد قبر کے) تقسیم ہو کر ملے گا۔

اس طرح ایصالِ ثواب درست ہے بشرطیکہ کسی اور بدعت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ (۲)۔ تحقیق یہی ہے کہ متعدد اموات کو بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰/۷/۱۴۰۸

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ کس نے پڑھایا؟

حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات کب ہوئی اور جنازہ کس نے پڑھایا۔ ؟

۵۸ھ میں رمضان کی تیرھویں تاریخ کو آپ کا وصال ہوا۔ اور جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

فقط واللہ اعلم ،
محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کو سلامی دینا

بعض بڑے لوگوں کے جنازہ کے بعد میت کو سامنے رکھ کر میت کو سلامی دیتے ہیں یہ شرعاً کیسا ہے ؟

نمازِ جنازہ کے بعد میت کو سلامی دینا قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل حضرات اس دور میں گزرے ہیں پس اس طرح سلامی دینا ایک غیر شرعی فعل ہے جو فرنگیوں کی تقلید میں کیا جاتا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ من تشبہ بقوم فهو منهم۔

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۶/۹۳ فقط بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میّت کا مرثیہ کہنے کا حکم

بعض بڑے لوگ فوت ہو جاتے ہیں تو لوگ اُن کی وفات پر مرثیہ وغیرہ کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب صحیح : درست ہے۔ بشرطیکہ اس میں میّت کے اوصاف میں مبالغہ آرائی نہ ہو، جھوٹ نہ ہو بلکہ ایسے اوصاف ذکر کئے جائیں جو دوسروں

کے لئے قابلِ تقلید ہوں۔ وکذا لا باس بمرثیۃ المیت شعرّاً او غیرہ

کما فی الجلابی (جامع الرموز ص ۱۹۳) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ



جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونے کا حکم : جنازہ دیکھ کر راستہ والوں کو کھڑے ہونا چاہیے۔؟

اناللہ پرٹھیں یا ساتھ چلے چلیں۔ یہ درست ہے یا از روئے حدیث کھڑے ہو جانا چاہیے۔؟

اکرام الحق۔ راولپنڈی

جواب صحیح : اگر ساتھ چلنے کا ارادہ نہ ہو تو جنازہ دیکھ کر اٹھنا جائے اور ایسے ہی چلتے ہوئے رُکنا جائے، الا یہ کہ رُکنے میں جنازہ گزرنے

کی سہولت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بہر حال قیام عن القعود یا توقف عن المشی جنازہ کے احکام سے نہیں۔

ولا یقوم من فی المصلیٰ لہا اذا راھا قبل وضعہا ولا

من مرت علیہ ہو المختار (در مختار علی الشامیہ ص ۵۹۸)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ



قبرستان کی خالی جگہ وضو وغیرہ کیلئے استعمال کر سکتے ہیں

کیا قبرستان کی جگہ مسجد میں شامل کی جا سکتی ہے جبکہ مسجد کی جگہ تھوڑی ہے، جو صرف ایک کمرہ اور باہر ایک صف پر مبنی ہے۔ کیا مسجد باہر کی جگہ جو قبرستان کی ہے وہ وضو اور استنجاء کے لئے استعمال کر سکتے ہیں؟

جو جگہ قبرستان کے لئے وقف ہو چکی ہے اسے مسجد نہیں بنا سکتے۔ البتہ بوقت ضرورت خالی ہونے کی صورت میں اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی مہارت کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں مگر یہی کی قبرستان ہی کی۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۴۰۸/۸/۱

غیر محرم مرد یا عورت ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں؟

جسے زندگی میں دیکھنا جائز ہے، اُسے موت کے بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۴۰۸/۲/۲۵

آدمی کسی کی تعزیت کے لئے جائے تو ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنی چاہیے یا نہیں اور کیا

اسوہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں؟

تعزیت منونہ میں آنحضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام سے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا ثابت نہیں۔ ومن ادعی ذللیہ الا ثبات حضرات فقہاء کرام نے تعزیت کو نیوالے کے لئے لکھا ہے کہ ان الفاظ سے تعزیت کرے۔

و يقول عظم الله اجرک واحسن عزاک وغفر لیتک اه

شامی ص ۸۲۳ ج ۱ - عربی الفاظ نہ آئیں تو ان کا مفہوم ادا کر دے۔

الجواب صحیح ۱۳ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۰/۳/۱۴۰۳ھ محمد انور عفا اللہ عنہ

سوگ میں چپ منٹ کی خاموشی اور پرچم سرنگوں کرنے کا حکم

غیر مسلموں میں رواج ہے کہ کسی بڑی شخصیت کے مرنے پر بطور سوگ اجتماعی طور پر چند منٹ کی خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ نیز اگر وہ شخصیت ملک کے سربراہ کی ہو تو بطور سوگ کچھ دن پرچم سرنگوں رکھتے ہیں، پرچم سرنگوں کرنے کا رواج تو ہمارے ملک میں پہلے سے ہی ہے۔ اب بطور اظہارِ افسوس چند منٹ کی خاموشی کا رواج بھی شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ کچھ دن ہوئے ایک اسپتالی میں یہ واقعہ پیش بھی آیا ہے تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

شرعیات میں موت اور مابعد الموت کے تمام احکام تفصیل سے مذکور ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرنے والے سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو تو اسے مالی اور بدنی عبادات سے ثواب پہنچایا جائے اور مرحوم کے ورثاء سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں دلاسا دیا جائے اور ان کا غم ہلکا کرنے کی تدبیر کی جائے۔ اسلام میں "خاموشی" کوئی عبادت نہیں بلکہ خالص غیر مسلموں کی رسم ہے۔ مسلمانوں کو اس سے اجتناب ضروری ہے اگر ان کے ساتھ تشبہ کے قصد سے مسلمان بھی ایسا کریں گے تو سخت گناہ ہوگا۔

ایسے ہی پرچم سرنگوں کرنا بھی غیر مسلموں کی رسم ہے اس سے بچا جائے۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ترکہ تقسیم کرنے سے قبل صدقہ کرنا ہو تو اسکی ایک صورت

ایک نابالغ لڑکا جس کا والد فوت ہو چکا ہے اسکی والدہ اور ڈڈو بالغ بھائی اور ایک بہن موجود ہیں۔ والد وراثت تقسیم کر کے نہیں گیا۔ اسکے مال وغیرہ سے معاملات دنیوی وغیرہ کرتے ہیں۔ خیرات بھی کرتے ہیں اسکی والدہ اگر کچھ خیرات کر دے تو طلباء کے لئے کھانا درست ہے یا نہیں۔ یا بغیر مدرسہ کے کسی کو مشترکہ مال میں سے خیرات کر دے۔

قبل از تقسیم مشترکہ ترکہ سے صدقہ کرنا درست نہیں۔ اگر صدقہ کرنا ہی ہو تو مثلاً ترکہ میں سے ایک ہزار روپیہ حسب شرع تقسیم کر لیں اس میں سے بالغ اپنے حصہ کو صدقہ کر دیں۔ نابالغ کا حصہ محفوظ رکھا جاوے۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی مدرسہ ہذا

فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس

۳
۳
۹۹ھ

مزارات پر مروجہ عکس مکر وہ اور بدعت ہیں

ایک شخص مسجد امام اپنے والد کی وصیت پر یا ویسے اپنی خواہش پر اپنے والد کی قبر پر اپنی مسجد کے احاطہ میں بنوا ڈالے اور اوپر کافر شش جہاں قبر کی شکل بنائی گئی ہے مسجد کے تھلہ سے ۱۲ فٹ اونچا رکھا ہے اور اس پر ایک کمرہ تیار کیا گیا ہے اور قبر پر ریشمی کپڑوں، بجلی کے تمقوں سے سجادٹ کی گئی ہے۔ عوام کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ ہر سال عکس ہوتا ہے اور روضہ سے چند قدم کے فاصلہ پر گائے بھیرٹیں ڈبے ذبح کر کے پکائے جلتے ہیں اور عوام کو کھلانے جاتے ہیں۔ علاقہ کے چند صوفی اور مولوی آکر وعظ کرتے ہیں ایک رات شبینہ بھی ہوتا ہے اپنی دنوں میں لکڑی کا بنا ہوا گنبد نما روضہ رکھ

دیا جاتا ہے۔ اس کو بجلی کے قمقموں سے سجایا جاتا ہے عورتیں بھی اکثر روضہ پر
سو جاتی ہیں۔

اگر یہ جگہ وقف ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو اس جگہ قبر
بنانا فرس لگوانا اور کمرہ تیار کرنا یہ سب تصرفات ناجائز و حرام ہیں

الاجنب

اور یہ غاصبانہ فعل ہے۔ قبر کو ریشمی پردوں سے مزین کرنا اور عرس کرنا یہ افعال بھی مکروہ
و بدعت ہیں۔ ففی الشامیة تکرر السور علی القبور اھ (ص ۸۳۹)

در حاشیہ ہدایہ مذکور است۔ یکرر نقل الطعام فی المقبرة
فی الاعیاد و اسراج السرج وغیرہ و اتخاذ الدعوة بقراءة
القرآن و بختم القرآن و قراءة سورة الانعام و سورة
الاخلاص الف مرة و جمع الصیان و الصلحاء لذلك اھ و فی
شرح المنہاج للنووی الاجتماع علی المقبرة فی الیوم الثالث
و تقسیم الورد و العود و الطعام فی الایام المخصوصة كالثلث^{لث}
والخامس و التاسع..... و الاربعین و الشهر السادس
و السنة بدعة ممنوعة اھ۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ العزیز ترجمہ ارشاد الطالبین میں ارقام
فرماتے ہیں۔ قبور اولیاء اللہ را بلند کردن و گنبد بر آن ساختن و عرس و امثال آن
چراغاں کر دن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام و بعض مکروہ اھ۔

(کذا فی المسائل الاثنی عشریہ ص ۲۶، ۲۷)

عبارات سے جملہ امور مذکورہ فی السؤال کا ناجائز و بدعت ہونا ظاہر ہوا اور ایسے
امور پر اصرار کر نیوالا فاسق و مبتدع ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

(کذا فی الشامیة و الدر ص ۵۲۳)

نقطہ واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، خیر المدارس ملتان

۱۳۹۹ھ

قبرستان کو کوئی بھی نہیں بیچ سکتا

وقف شدہ قبرستان کو کوئی شخص شرع محمدیؐ کی رُو سے فروخت کرنا چاہتا ہے کیا وہ ایسا کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب موقوفہ قبرستان عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہوتا ہے اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ اسکی خرید و فروخت شرعاً بالکل ناجائز ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ واذا تمَّ الوقف لم یجن بیعہ ولا تملیکہ۔

فقط واللہ اعلم

سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان

المجیب مصیب ، خطیب ابدالی مسجد غلام علی عفا اللہ عنہ

المجیب مصیب ، محمد شفیع عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم

الجواب صحیح —————
محمد عبداللہ غفر اللہ لہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۷۷ھ خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنے کا حکم

جنازے کو جب دفن کرنے کے لئے قبرستان میں لیجاویں تو قبروں کے آداب و احترام کی بنا پر پاؤں میں سے جوتے اتار لئے جاویں یا نہ؟

الجواب اولیٰ یہی ہے کہ قبرستان میں جوتا اتار کر چلے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالنثار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس

جوتا پہن کر چلنے والے سے بھی جھگڑا نہ کیا جائے کیونکہ جواز کے درجہ میں آتا ہے۔

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ غفر لہ ، مفتی خیر المدارس۔ ملتان

دفن کے بعد چالیس دن تک قبر پر حاضری دینا

دفن کے بعد قبر پر ۴۰ دن تک صبح و شام حاضری دینا۔ مثلاً سوزج نکلتے وقت، غروب ہوتے وقت حاضری دی جاتی ہے۔ اور کچھ ذکر بھی کیا جاتا ہے یا پڑھا جاتا ہے۔ یہ عمل چالیس دن تک جاری رہتا ہے۔ پہلم کی رسم کے ساتھ ساتھ یہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

ایصالِ ثواب کے لئے اپنی طرف سے کوئی وقت اور دن متعین کر لینا زیادہ فی الدین ہے اور بدعت ہے۔

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۸ھ احقر محمد انور

جنات کہاں دفن ہوتے ہیں؟

جنات پر جب موت آتی ہے تو ان کے وجود کو کہاں دفن کیا جاتا ہے۔؟
خاتم المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے ملفوظات میں منقول ہے کہ جنات فضا میں دفن ہوتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

کافر مسلمان کی وصیت کا گواہ نہیں بن سکتا

ایک مسلمان نے مرتے وقت اپنی کل جائیداد ایک عیسائی کے نام کر دی اور اس پر عیسائیوں ہی کو گواہ بنا لیا۔ کیا یہ وصیت نامہ شرعاً معتبر ہے؟

بر تقدیرِ صحت واقعہ یہ وصیت نامہ عندالشرع غیر معتبر ہے۔ لہذا
الجواب غیر مسلم بوجہ وصیت اس جائیداد سے کچھ نہیں لے سکتا۔

و فی الہندیۃ لا تقبل شہادۃ الکافر علی المسلم

کذا فی محیط السرخسی ج ۳ - ۲۳۱ - فقط واللہ اعلم الجواب صحیح
 احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مسجد میں یہ اعلان کرنا کہ فلاں صاحب
جنازہ کا اعلان مسجد میں : فوت ہو چکے ہیں۔ اور فلاں وقت نماز جنازہ

ادا کی جائے گی۔ آیا یہ اعلان جائز ہے؟

جنازہ کے وقت کا اعلان مسجد میں کر سکتے ہیں۔
الجواب

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۰۶ / ۶ / ۳۰

قربانی کی کھالوں کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدنا

جانوروں کی کھال کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدی جائے یا جائز ہے یا نہیں؟

پھر بہا قربانی کے پیسے واجب التصدق ہیں۔ اس کا مصرف فقراء اور
الجواب مساکین ہیں، قبرستان کے لئے جگہ خریدنا جائز نہیں ہے۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

ج ۱۳۸۹ / ۱۲ / ۷



بعد از نماز جنازہ اجتماعی کلمہ و کلام

بعد از نماز جنازہ فوراً بیٹھ کر کلمہ کلام پڑھنا درست ہے یا نہ؟
نماز جنازہ کے فوراً بعد اجتماعی طور پر تمام کا بیٹھ کر قرآن کی تلاوت
کرنا ثابت نہیں۔ البتہ اگر کوئی علیحدہ طور پر میت کے لئے دعا و
تلاوت کرے تو درست ہے۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

ج ۱۳۸۹ / ۱۲ / ۱۷

الجواب صحیح

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ



کیا نئی میت کو لینے کے لئے پُرانی آتی ہیں

موت کے وقت یہ جو مشہور ہے کہ میت کو لینے کے لئے سابقہ رُوحیں حاضر
ہوتی ہیں جو کہ میت کے رشتہ دار پہلے سے فوت ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ صحیح ہے؟
یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۹۰ / ۲ / ۲۷

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان



آنکھیں دینے کی وصیت کر جانے کا حکم

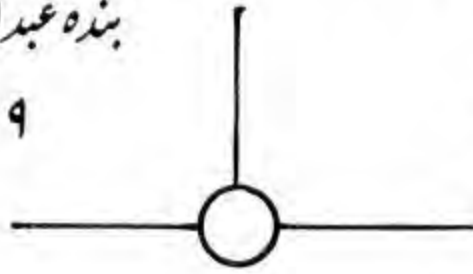
اگر کوئی یہ وصیت کر جائے کہ میری وفات کے بعد میری آنکھیں فلاں کو دیدی جائیں کیا یہ وصیت شرعاً درست ہے۔ ؟

الجواب لاشِ انسانی کی شرعاً وہ حیثیت نہیں ہے جیسے جڑی بوٹی یا ناکارہ مشین کی کہ اس میں سے کارآمد چیزیں نکال کر کام میں لائی جاسکیں۔ مُردہ انسان کی لاش کی بے حرمتی اور چیر بھاڑ ایسے ہی ممنوع ہے جیسے زندہ انسان کی الا عند الاضطرار۔ پس شرعاً آنکھوں کے اتارنے کی اجازت نہیں گو مُردہ اسکی وصیت ہی کر کے مرا ہو۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۸۵ / ۱۰ / ۲۹

الجواب صحیح
خیر محمد غفرلہ



کافر کی صرف تعزیت جائز ہے جنازہ پڑھنا یا قبرستان جانا جائز نہیں

ہمارے ہاں ایک مرزائی فوت ہو گیا ہے لوگ اس کے جنازہ میں بھی شریک ہوئے اس کے گھر تعزیت کے لئے بھی گئے اور قبرستان بھی ساتھ گئے۔ ان کا یہ عمل کیسا ہے ؟

الجواب کافر کی صرف تعزیت جائز ہے اس کا جنازہ پڑھنا یا اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا ناجائز ہے۔ ایسے ہی اسکی قبر پر جانا بھی جائز نہیں جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہ جمع عام کے سامنے سخت شرمندگی کے ساتھ اللہ سے توبہ کریں۔ وفي النوا در جہاد یہودی او مجوسی مات ابن له او قریب ینبغی ان یعزیه ویقول اخلف اللہ علیک خیرا منک اصلحک وکان معاذہ اصلحک اللہ بالاسلام یعنی مازقک الاسلام ورزقک ولدا مسلما کفایۃ (شامی ج ۵ ص ۳۸۸) (مالگیری ص ۲۸۲ ج ۵)

(۲)۔ بیان القرآن میں ہے کافر کے جنازے پر نماز اور اس کے لئے استغفار جائز نہیں $\frac{۱۲۱}{۲۲۰}$ روح البیان میں ہے۔

ولا تقم علی قبرہ اہ ای ولا تقف عند قبرہ

للدفن اول للزیارة والدعاء اہ ص ۴۷۸ ج ۳

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۱۱ / ۱۴۰۹ ھ

کنواری عورت کے لئے بہشت میں.....

جو عورت نیک سیرت اور اچھے اعمال کے ساتھ (غیر شادی شدہ) اس دار فانی سے کوچ کر جائے تو جنت کے اندر اس کا اعزاز کیا ہوگا۔ جیسا کہ مردوں کے لئے خوریں ہوں گی۔

غیر شادی شدہ لڑکی کے نکاح سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری **الجواب** البتہ ولکم فیہا ما تشتمیہ الا نفس وتلذ الاعین الآتیہ کے عموم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ان کو یہ خواہش ہوئی تو پوری کی جائے گی۔

فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ۹/۸ بندہ عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

اہل میت دفن سے پہلے کھانا کھا سکتے ہیں

عام لوگوں سے سنا ہے کہ اگر کسی گھر میں کوئی شخص فوت ہو جائے تو جب تک اسے دفن نہ کر لیا جائے اس وقت تک کھانا پینا جائز نہیں کیا یہ درست ہے ؟

یہ مسئلہ من گھڑت ہے، شرعاً کھانا درست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط

عبداللہ غفرلہ ۱۱
مفتی خیرالمدارس - ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۸۱
نائب مفتی خیرالمدارس - ملتان

جو میت کی چار پائی اٹھائے کیا وہی واپس لائے

یہ رواج ہے کہ وہ تختہ جس پر مردہ کو نہلایا جاتا ہے اور وہ چار پائی جس پر مردہ کو قبرستان لے جایا جاتا ہے یہ دونوں چیزیں جس شخص نے اٹھائی تھیں وہی آکر رکھے اگر کسی دوسرے شخص نے آکر رکھی تو یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا آدمی اس گھر میں مرجائے گا۔ کیا یہ اعتقاد رکھنا صحیح ہے یا غلط؟

یہ خیالات اور اوہام جاہلانہ خرافات ہیں ان کی شریعت مقدمہ میں کوئی اصل نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

عبداللہ غفرلہ ۲۹
مفتی خیرالمدارس - ملتان ۱۳۷۷

قبروں پر چھت ڈال کر اوپر رہائشی مکان بنانا

اگر مکان کے متصل کچھ قبریں ہوں۔ تو ان کے اوپر چھت ڈال کر رہائشی مکان کے لئے کمرہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ موجود قبریں پوری طرح محفوظ ہوں گی۔

وقف قبرستان میں ایسا نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

قبر سے مُراد عالم برزخ ہے یہ گڑھا مُراد نہیں

قبر کی زندگی سے کیا مُراد ہے۔ قبر میں عذاب یا راحت کی کیا نوعیت ہے۔ قبر سے کیا زمین کا چھٹا فٹ کا گڑھا مُراد ہے جس میں مُردہ دفن کیا جاتا ہے۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور جہان مُراد ہے۔؟

الجواب قبر سے مُراد یہی ظاہری قبر ہے اسی میں جسزاد سزا ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سواری پر تشریف فرما تھے کہ اچانک سواری بدکی آپ گرنے بھی لگے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے۔ ادکا قال (مشکوٰۃ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اسی قبر سے گزر رہی تھی۔ عالم برزخ یا سبئین سے اس کا گزر نہیں ہوا۔

بعض حضرات نے جو "قبر" سے مراد عالم برزخ لیا ہے۔ اور گڑھے کے قبر ہونے کی نفی کی ہے۔ اس سے مقصود تعمیم ہے۔ اور "قبر" کو گڑھے میں منحصر سمجھنے کی نفی ہے

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم ،
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ



صاحبِ قبر کے وسیلہ سے دُعا کرنا

صاحبِ قبر کے وسیلہ سے اللہ پاک سے دُعا کرنا کیسا ہے۔ اسے شرک کہا گیا ہے یا نہیں۔ صاحبِ قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا کیا شرک نہیں جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ صاحبِ قبر مختار ہے۔ اسلئے اس سے کچھ مانگنا درست ہے تو اس عقیدہ والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب صاحبِ قبر کے وسیلہ سے اللہ پاک سے مانگنا جائز ہے۔ اور ایسے

ہی صاحبِ قبر سے اللہ پاک کے دربار میں دُعا کی درخواست کرنے کی بھی شرعاً گنجائش ہے۔ اے شرک قرار دینا غلط ہے۔ صاحبِ قبر کو مُختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا، اسکی شرعاً بالکل اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲۰۹ / ۱۰ / ۱۹

اگر کوئی شمس قبرستان کے درخت استعمال کر لے تو اُن کی قیمت قبرستان کی ضرورت پر لگا دے

قبرستان کی لکڑیاں کاٹ کر بھٹی پکائی اور اینٹیں مسجد پر لگائیں کیا ان اینٹوں کا جو قبرستان کی لکڑیوں سے پکائی ہوئی ہیں مسجد پر لگانا جائز ہے یا نہ؟
ان اینٹوں کا مسجد پر لگانا جائز ہے البتہ قبرستان کے درختوں کا لگانے والا شخص (جس نے بھٹی پکائی) خود نہیں ہے اور نہ ان کا لگانے والا شخص معلوم ہے تو اہل مقبرہ اس شخص سے ان لکڑیوں کی قیمت وصول کر لیں اور اس قیمت کو مقبرہ کی تعمیر وغیرہ ضروریات میں استعمال کریں لما فی قاضینا ص ۲۳۱ مقبرة فیہا اشجار عظيمة وکانت الا شجار فیہا قبل اتخاذ

الارض یعرف مالکها فالاشجار باصلها للمالک الخ
درخت لگانے والا معلوم ہو تو وہ مالک ہوگا اسکی اجازت کافی سمجھی جائے گی۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ، ۳۰ / ۶ / ۱۳۴۷

الجواب صحیح،

بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ

۱ / ۷ / ۱۳۴۷

قبروں پر ڈالی گئی چادروں کا حکم

جو کپڑا اجازت قبروں پر ڈالتے ہیں ان کو عقیدۂ نہیں اٹھاتے کیا ایسے کپڑوں کو کوئی شخص اٹھا کر اپنے کام میں یا کسی غریب کے کام میں لگا سکتا ہے۔ اور ڈالنے والے کے ملک سے وہ کپڑے نکل جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر نکل جاتے ہیں تو وہ مردہ مالک ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو پھر اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب صحیح
قبر پر کپڑا ڈالنا جائز نہیں۔ فی الاحکام عن العجۃ
تکرۃ المستور علی القبور شامی ص ۸۲۶ ج ۱

میت ان کپڑوں کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ میت ملک کا اہل نہیں۔ اسی وجہ سے تکفین موتی سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ لعدم صحۃ التملیک منه الا تزی لو افتتسہ سبع کان الکفن للمتبع لا للورثۃ نہر الشیخ صاحب بحر نے ایسی اشیاء کے بارے میں علامہ قاسم سے نقل کیا ہے ان المنذورۃ میت والمیت لا یملک کما فی قبیل الاعتکان اور ظاہر یہی ہے کہ وہ کپڑا مالک کی ملک سے نہیں نکلتا کما قالوا فی السوائب و فی مسئلۃ ارسال الطیر فی الحج عند الاحرام۔ پس اس کپڑے کا استعمال بدوں اجازت مالک کے درست نہیں ہوگا۔
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں اس قسم کی اشیاء کا یہی حکم لکھا ہے جبکہ اس میں ابطال ہے غرض ناظر کا۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ غفرلہ ۱۳۸۳ء نائب مفتی خیر المدارس سلطان



اہل میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے

اگر میت کے اہل و عیال اپنے مردہ پر روئیں تو ان کے رونے سے میت کو

عذاب و تکلیف ہوتی ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ عذاب ہوتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ عذاب نہیں ہوتا۔ آپ شریعت کی رو سے فتویٰ دیں۔

الجواب یقیناً اہل و عیال کے رونے پر میت کو عذاب ہوتا ہے۔ جبکہ میت نے رونے کی وصیت کی ہو۔ شامی میں ہے۔

انما يعذب الميت ببكاء اهله اذا اوصى بذلك. ص ۶۰۷ ج ۱۔

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۸ / ۳ / ۱۴۰۷ھ

مفتی خیر المدارس ملتان

کیا جمعرات کو ارواح گھر آتی ہیں

بعد از موت انسان کی روح ہفتہ یا دو ہفتہ بعد جمعرات کو اپنے فانی گھر میں واپس آتی ہے اور آیا اس روح کے لئے ختم دلوانا جائز ہے۔ نیز موت کے تیسرے دن قل کر وانا جائز ہے شرعاً ختم دلوانا جائز ہے؟

الجواب ارواح کا گھر میں واپس آنا صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے۔ یہ اعتقاد نہ رکھا جائے ایصالِ ثواب بلا قید تاریخ و عنبر کے جائز ہے بلکہ مستحب ہے مگر اس کے لئے ختم کا اہتمام یا خصوصی تاریخوں کا تعین بدعت اور گناہ ہے لہذا مروجہ تاریخوں کے علاوہ بلا ختم دلائے کھانا کپڑا نقدی جو چاہے خیرات کر کے ایصالِ ثواب کرنا چاہئے تیسرے دن قل کرنا بدعت ہے۔

فقط

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس

الجواب صحیح

عبداللہ غفرلہ

۱۲ / ۱۲ / ۸۰ھ

مفتی خیر المدارس ملتان

ایصالِ ثواب کیلئے اجرت پر قرآن پڑھوانا

میں نے اپنی والدہ کے لئے پانچ قرآن حافظ صاحب سے ختم کروائے اور دس روپیہ ہدیہ دیا اس نے کہا کہ میں پانچ روپے فی قرآن ہدیہ لیتا ہوں اس سے کم نہیں لیتا کیا یہ شرعاً جائز ہے ؟

تلاوت کلام پر اجرت لینا جائز نہیں اس طرح پڑھانے سے کچھ ثواب نہیں ملتا نہ پڑھنے والوں کو اور نہ جسے بخشا گیا۔ لینے دینے والے دونوں گناہ گار ہیں۔ کتاب الاجارۃ میں علامہ عینیؒ نے ایسے ہی نقل کیا ہے۔ خود جتنا ہو سکے پڑھ کر یا خیرات کر کے ثواب بخش دیا کریں۔ ایسے حافظوں سے پڑھوانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۸۰ / ۹ / ۱۴

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

میت کی مجلس بدعات میں تاویل کیسا تھہ شرکت کرنا

ہمارے دیوبندی مکتبہ فکر کی جامع مسجد کے امام اور متولیان وغیرہ میت کی رسوم تیجہ وغیرہ میں شرکت کرتے ہیں اگر انہیں منع کیا جائے تو وہ جواب میں آیت ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنۃ۔ پڑھتے ہیں۔ کیا درست ہے ؟

ثواب پہنچانے کا مروج طریق جس میں ایام و اعمال کی تعیین ہوتی ہے نیز اس کا التزام کیا جاتا ہو بدعت ہے کما ہولا یخفی۔ امام صاحب کا باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے بدعات کی مجلس میں شریک ہونا کسی طرح صحیح نہیں مقتدا، حضرات کی شرکت لوگوں کے عقائد کے فساد کا سبب بنتی ہے۔

ایسے لوگوں کے لئے تو حکم یہ ہے کہ اگر اتفاقاً بھی کسی ایسی مجلس میں پہنچ جائیں تو اٹھ جائیں چہ جائیکہ باوجود علم کے شرکت کی جائے۔

ولو دعی الی دعوةٍ فالواجب الاجابة ان لم یکن هناك معصیةٌ ولا بدعةٌ والامتناع اسلم فی زماننا الا اذا علم یقیناً ان لا بدعةٌ ولا معصیةٌ اھ شامی ^{۲۲۹}/_{۵۲}
 آیت مذکورہ فی السؤال کو اگر وہ اس مقصد کے لئے پڑھتے ہیں کہ دعوتِ بالحکمتہ کے لئے بدعات میں شرکت جائز ہے تو وہ یقیناً غلط سمجھتے ہیں اور وہ دعوتِ ہدایت کی بجائے بدعت کی تائید و نصرت کر رہے ہیں ان کا اپنے اس عمل پر اصرار ان کے امامت کے لئے مفضی الی الکراہتہ ہے۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور

الجواب صحیح

۲۲ / ۴ / ۱۴۰۳

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بے نماز کی میت کو جنازے کے وقت ڈھیلے مارنا

ایک شخص مر گیا ۴۰ یا ۵۰ سال کی عمر میں اور اس نے بالکل نماز نہ پڑھی ہو اور نہ ہی کوئی گواہی دے۔ اس کا نماز جنازہ پڑھتے وقت ڈھیلے مارنے چاہئیں یا نہیں؟

(۲) ایک شخص نے نمازِ ظہر یا کوئی فرضی نماز نہ پڑھی ہو اور جنازہ دیکھ کر اس میں شریک ہو جاتا ہے اس کو معلوم تھا کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے اور جنازہ پڑھ کر دفن کرنے گئے اور فرض عین کو ادا نہ کیا۔ کیا اس کو نکال دیا جائے یا شریک ہونے سے؟

نماز پڑھتے وقت اسے ڈھیلے مارنا درست نہیں۔ آخر وہ کلمہ گو

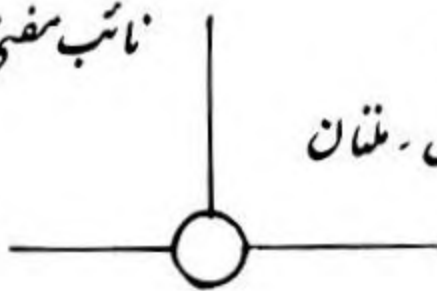
مسلمان تو ہے گو فاسق و فاجر اور سخت گناہگار ہے۔ میت کی

تذلیل درست نہیں۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 قال کسر عظم المیت ککسرة حیاً رواه مالک ابوداؤد (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۹)
 قوله ککسرة حیاً یعنی فی الاثم كما فی الروایة قال الطیبی فیہ اشارۃ
 الخ انه لا ینہان المیت کما لا ینہان الحی وقال
 ابن الملک والخ ان المیت یتألم قال ابن حجر
 ومن لازمہ ان یستلذ بما یستلذ بہم الحی انتمی وقد
 اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود اذی المؤمن فی موته
 کاذاه فی حیاته ذکرہ فی المرقاة اہ حاشیہ ۶ مشکوٰۃ ص ۱۴۹
 ۲۔ جنازہ سے نکالنا نہ جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ فرض عین فرض کفایہ سے زیادہ
 اہم ہے۔ اسکی بھی تاکید کی جائے۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
 نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

الجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
 مفتی خیر المدارس۔ ملتان



دش محرم کو قبروں کی لپسائی کرنا

دیکھنے میں آیا ہے کہ عشرہ محرم میں لوگ جوق در جوق قبرستان میں جاتے ہیں اور قبروں کی صرف ماہ محرم میں ہی لپسائی و صفائی اور درستی کرتے ہیں اور بعد میں مسوٰ کی دال قبر پر بکھرتے ہیں۔ قرآن مجید قبرستان میں ساتھ لے جاتے ہیں اور قبر پر بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں۔ کیا قبرستان میں قرآن پاک لے جا کر پڑھنا صحیح ہے۔ نیز عشرہ محرم میں مختلف قسم کی اشیاء مثلاً چاول، کھیر، حلیم وغیرہ پکا کر قبر پر لے جا کر تقسیم کرتے ہیں کیا یہ افعال عشرہ محرم میں جائز ہیں۔ آگے پچھے ان پر توجہ دینا ضروری نہیں۔

۲۔ میت کے کفن پر سیاہی کے پانی سے کلمہ طیبہ و کلمہ شہادت تحریر کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

۱۔ قبروں کی لپسائی بے حرمتی سے بچانے کے لئے امر مستحسن ہے۔ لیکن عشرہ محرم کی تخصیص درست نہیں۔ شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ عاشورہ کے دن اپنے اہل و عیال پر کھانے وغیرہ میں توسیع شرعاً مطلوب ہے۔ عام تقسیم میں اہل تشیع سے مشابہت ہے اس لئے احتراز کیا جائے قرآن کریم کی تلاوت قبرستان میں جائز ہے۔ ہندیہ میں ہے:

قراءة القرآن عند القبور عند محمد لا تکرہ

ومشائخنا أخذ بقوله ص ۱۶۶ ج ۱

۲۔ سیاہی وغیرہ سے لکھنا منع ہے میت کے چہرہ یا سینہ پر سیاہی کے بغیر کلمہ

لکھا جاسکتا ہے۔ شامیہ ص ۶۰۴ ج ۱۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۹ / ۱۴۰۶



نہ آنحضرت علیہ السلام کا ہر قبر میں آنا ثابت ہے
 اور نہ میت سے لیکر روضہ اطہر تک پرے ہٹائے جانے
 کا کوئی ثبوت ہے :

ہمارے امام صاحب کہتے ہیں کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو قبر میں فرشتے
 کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گرہ ہو جاتے ہیں۔ آیا صحیح ہے ؟
 آنحضرت علیہ السلام کا فرشتوں کے ساتھ جلوہ گرہ ہونا کہیں
 ثابت نہیں۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس قبر سے آنحضرت
 علیہ السلام کے مزار تک پرے اٹھائے جاتے ہیں۔ لیکن بعض محققین علماء نے کہا
 ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں۔

ولا نعلم حدیثاً صحیحاً مرویاً فـ ذالک عا شیہ مشکوٰۃ ج ۲۲
 مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں :
 ولا یلزم من الاشارة ما قیل من رفع الحجاب
 بین المیت و بینہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یراہ
 ویسئل عنہ لان مثل ذالک لا یثبت بالاحتمال اھـ
 مرقاة ص ۱۹۹ ج ۱ ، فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمد انور عفا اللہ عنہ ،
 بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تدفین سے فارغ ہونے کے بعد کیا کیا جائے

جب میت کو دفن کر چکیں تو اہل میت کے ساتھ ان کے گھر واپس آئیں یا
 اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ حکم شرع مطلوب ہے ؟

دفن کے بعد تعزیت کے لئے اہل میت کے ہاں جانا مکروہ ہے
دفن میں شریک لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں

الجواب

ایسے ہی اہل میت بھی اجتماعی تعزیت کے لئے کوئی اہتمام نہ کریں۔

قال كثير من متأخري ائمتنا رحمهم الله يكره
الاجتماع عند صاحب الميت حتى يأق اليه من
يعزى بل اذا رجع الناس من الدفن فليتفرقوا و
يشتغلوا بامورهم وصاحب الميت بامرء ويكره
المجلوس على باب الدار للمصيبة فان ذلك عمل اهل
الجاهلية ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك
وتكره في المسجد اه (مراق)

(ويكره الجلوس على باب الدار) قال في شرح السيد ولا
بأس بالجلوس لها الخ ثلاثة ايام من غير ارتكاب
محظور من فرش البسط والا طعمة من اهل الميت الى
قوله عن التجنيس لا بأس بالجلوس لها ثلاثة ايام وكونه
على باب الدار مع فرش بسط على قوارع الطريق من
اقبح القبائح اه (مطهّادي ص ۳۲۹) فقط واللّٰه اعلم
محمد انور

میت کو قبرستان کیسے لے جایا جائے

اگر قبرستان آبادی کی مغربی جانب ہو تو ظاہر ہے کہ میت کو قبرستان
لے جاتے وقت میت کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں گے۔ اس میں کوئی

گناہ تو نہیں؟

جنازہ لے جانے وقت سر کی جانب آگے رکھی جائے۔

الجواب

پاؤں چاہے جدھر ہو جائیں -

وقف حالة المشى بالجنازة يقدم الرأس كذا
في المصنرات اه (عالمگیری ص ۸۳ ج ۱)
فقط واللہ اعلم ،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ،

جو ان عورتیں قبرستان میں نہ جائیں

عورتوں کو قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر منع ہے تو کیوں؟
محمد شفیع حمید آباد

بُورِطھی عورتیں قبرستان عبرت کے لئے جاسکتی ہیں۔ جو ان
عورتوں کے لئے جانا منع ہے۔

والا صم ان الرخصة ثابت لمن اه (ط ۶۲ شامیہ) وجزم فی
شرح المنیة بالکراهة لما مرّ فـ اتباعهن الجنازة
وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجدید الحزن
والبكاء والندب علی ما جرت عادتهن فلا تجوز و
علیه حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور وان کان
للاعتبار والترحم من غیر بکاء والتبرک بزيارة قبور
الصالحین فلا بأس اذا کن عجائز ویکراه اذا کن
شواب کحصنور الجماعة فی المساجد وهو توفیق حسن
فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ،

۱۳ / ۲ / ۱۴۰۹ هـ

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

”بیڑی بھاڑہ“ کی شریعت میں کوئی اصل نہیں

عوام میں رواج ہے کہ جنازہ کے ساتھ کچھ اناج ساتھ لے جا کر مجاور خانقاہ کو یا کسی فقیر کو ڈے دیتے ہیں اور بعض جگہ یہ رواج ہے کہ مرنے کے بعد کچھ سیر دو سیر گندم وغیرہ مُردہ کے سر کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔ اپنی گندم یا کچھ بھی بلا کر جنازہ کیساتھ لیجا کر ڈے دیتے ہیں۔ اس کو بعرف ملتان وغیرہ بیڑی بھاڑہ کہتے ہیں یعنی کشتی پر سوار ہونے کی اجرت۔ گویا یہ مُردہ آخرت کی کشتی پر سوار ہوا ہے اسکی اجرت وارث قبل تقسیم وراثت دیدیتے ہیں اور بعض اوقات یہی بیڑی بھاڑہ وارث دیتا ہے۔ یہ اعتقاد اور رسم و رواج دُرست ہے، سنت کے موافق ہے یا بدعت ہے؟

رسم مذکور المعروف بہ بیڑی بھاڑہ (کشتی کا کرایہ) بدعت ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ جاہلانہ باتیں ہیں۔ البتہ ایک اصلی صورت شرعیہ جو فقہاء نے قضا نمازوں اور روزوں کے متعلق تحریر فرمائی، وہ یہ ہے کہ متوفی کی قضا نمازوں اور روزوں کا حساب لگایا جائے ہر نماز کے بدلے ایک فطرانہ کے بقدر پیسے یا غلہ کسی فقیر یا محتاج کو دیا جائے۔ یہ رقم اگر میت نے وصیت کی ہو تو تہائی مال سے نکالی جائے ورنہ بالغ وارث اپنے ذاتی مال سے دیں۔ اگر وارثوں کے پاس روپیہ زیادہ نہ ہو اور متوفی کے ذمہ نمازیں اور روزے بہت قضا ہوں تو تھوڑی سی رقم مثلاً پانچ نمازوں کا فدیہ فقیر کو دیا جائے۔ بعد میں فقیر اس رقم کو بطور مہبہ وارث کی طرف لوٹائے پھر وارث دوبارہ اور پانچ نمازوں کے بدلہ میں وہ رقم مسکین کو دیدے پھر فقیر وارث کو مہبہ کر دے علیٰ ہذا القیاس لوٹا کر اسکی تمام نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔ (کما فی الشامیۃ ص ۵۱۵ ج ۱)

ولو مات وعليه صلوٰۃ فائتة و اوصى بالكفارة
يعطى لكل صلوٰۃ نصف صاع من برکات الفطرة وكذا
حكم الوتر والصوم وانما يعطى عن ثلث ماله ولو لم يترك

مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ويدفعه الفقير
 للوارث ثم وثم حتى ييتم - فقط واللہ اعلم ،
 عبد اللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۷۷ / ۷ / ۲۹

اولیاء میت سے اجازت لئے بغیر دفن سے پہلے نہیں لوٹنا چاہیے

امام مسجد محلہ والامیت کا جنازہ پڑھا کر میت کے دفنانے سے قبل واپس آجاتا ہے تو اس پر برادری کے لوگ ناراض ہوتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ میت کے دفنانے کے بعد واپس آئے۔؟

اولیاء میت سے اجازت لئے بغیر نہیں لوٹنا چاہیے۔ غایہ میں ہے
 الجواب صحیح

ولا يرجع عن الجنازة قبل الدفن بغیر اذن اهلها ص ۹۱

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،
 بندہ عبد اللہ تمار غفر اللہ عنہ ۱۴۰۶ھ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

قبرستان مٹ مٹا جائے تو بھی وہ قبرستان ہی رہے گا

ہمارے علاقہ میں ایک چھوٹا سا قبرستان تھا آبادی کی کثرت کی وجہ سے نیا قبرستان بنایا گیا اب وہ جگہ ویران پڑی ہے کوئی وہاں مردہ دفن نہیں کرتا۔ لے کاشت کر سکتے ہیں۔؟

الجواب صحیح
 وقف المہندیہ ص ۲۵۱ سئل هو ایضا عن المقبرة فی القرى اذا اندرست ولم یبق فیہا اثر الموقی

لا العظم ولا غیرہ هل یجوز زرعہا واستغلاھا قال لا ولہا حکم المقبرہ - روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جو زمین قبرستان پر وقف ہو

گئی ہے اگرچہ لوگ اس میں اموات دَفن نہ کرتے ہوں اور دفن شدہ قبریں مٹ گئی ہوں۔ تب بھی وہ زمین قبرستان کے حکم سے نہیں نکلتی اس کو کاشت کرنا اور کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،

۱۶ / ۷ / ۹۲ هـ

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

خانہ بدوش اپنی میت مُنتقل کر سکتے ہیں یا نہیں

ہمارے ہاں رواج ہے جو حضرات ڈیروں پر بیٹھتے ہیں۔ ان کے ہاں جب کوئی میت ہو جاتی ہے۔ اس کو دفن کرنے کے لئے اپنے وطن لے جاتے ہیں، میت کو بغیر غسل دیئے۔ آیا میت کو غسل دے کر دوسرے مقام پر منتقل کرنا جائز ہے؟ اگر یہ لوگ مستقل رہائش ڈیروں پر رکھتے ہیں تو انتقال مکروہ ہے الجواب صحیح خواہ غسل سے پہلے ہو یا بعد میں۔

ويستحب الدفن في مقبرة محل مات به او قتل فان نقل قبل الدفن قدر ميل او ميلين لا بأس به وكره نقله لاكثر منه مراقى على الطحطاوى ۳۳۵

نقطہ واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۵

۱۱/۱۲

الجواب صحیح،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا

کیا مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے؟

از دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ملتان

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لیکر آج تک تعاملِ مسلمین

یہی ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے قبرستان علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

اور تعاملِ امتِ محمدیہ قطعاً ہے لہذا مرزائی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں

۲۔ قبرستان میں داخلہ کے وقت سلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا دفن مسلمانوں کے قبرستان میں جائز نہیں وہ الفاظ یہ ہیں۔ "السلام علیکم دار قوم مؤمنین"۔^{۸۴۲} اضافت دار مؤمنین کی طرف علامت تخصیص ہے اور یہ الفاظ حدیث میں وارد ہیں (شامی)۔^{۸۴۳}

۳۔ اگر اتفاقاً چند مسلمان اور کافر مرنے باہم مل جائیں اور کوئی امتیازی علامت موجود نہ ہو تو فقہاء لکھا ہے کہ ان کو بھی علیحدہ دفن کیا جائے۔ ہر چند ان میں مسلمان بھی ہیں لیکن مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے لامحالہ کافر بھی وہیں دفن ہوں گے (اور یہ جائز نہیں ہے)۔

۴۔ اگر کوئی ذمیہ عورت مسلمانوں سے حاملہ ہو اور بحالت حمل اس کا انتقال ہو گیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان سے علیحدہ دفن کیا جائے کیونکہ بچہ جب تک اس کے پیٹ میں ہے اسی کا جز ہے کہ وہ کافر ہے لہذا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے یہ صراحت ہے اس بات کی کہ غیر مسلم کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔

لو اختلط موتانا بکفار ولا علامة اعتبار الاكثر قالوا
والاحوط دفنها علیحدۃ (در مختار) قوله کدفن ذمیة
جعل الاقل شهاً بهذا الخ اختلف فیها الصحابة رضی
الله تعالیٰ عنہم علی ثلاثة اقوالٍ فقال بعضهم تدفن فی
مقابرنا ترجیحاً للجانب الولد وبعضہم فی مقابر المشرکین
لان الولد فی حکم جزءٍ منها مادام فی بطنها
وقال واثلة بن الاسقع یتخذ لها مقبرة علی حدة
قال فی الحلیة وهذا احوط (شامی ج ۱ ص ۸۵۶) فقط واللہ اعلم
الجواب صحیح

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

خیر المدارس - ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس - ملتان

کفنِ دَفن کی فہم بنانا : آج کل نمازِ جنازہ کفنِ دَفن وغیرہ کی فلمیں بنتی ہیں۔ کوئی کتنا ہی پتھے پھر بھی

اسکی فوٹو فلم میں آجاتی ہے ایک حدیث کی شرح میں تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ فوٹو گرافر کو قاتل کا سا گناہ ہوگا۔ یہ پڑھ کر تشویش لاحق ہے۔ (۲)۔ نمازِ جنازہ پڑھنا اور کفنِ دَفن میں شریک ہونا چونکہ ضروری کام ہے ان کو چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں کیا تدبیر کرے کہ فوٹو کھجوانے کے گناہ کبیرہ سے بچ سکے۔ کیا ایسی صورت میں نمازِ جنازہ اور کفنِ دَفن میں شریک ہو تو کوئی شرعی گناہ ہوگا یا نہیں ؟

فہم کھینچنا اور کھجوانا سخت حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فوٹو کھینچنے والوں پر لعنت فرماتے ہیں۔ جنازہ اور دَفن کا وقت انتہائی عبرت کا مقام ہے ایسے موقع پر گنہگار سے گنہگار مسلمان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ایسے موقع پر حرام فعل کا ارتکاب کرنا اور پورے مجمع کو اور میت کو اس میں شریک کرنا انتہائی بدبختی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے بلکہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اگر کوئی چارہ کار نہ ہو تو جس جگہ اور جس وقت تصویر کشی ہو رہی ہو اس وقت کنارہ کشی کر لیں بدین وجہ شرکت سے دستکش نہ ہوں۔

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

میت کے گرد کچی اینٹیں اور ان کے پیچھے پکی اینٹیں لگانا

اگر قبرستان میں سیم ہو تو وہاں پکی اینٹیں لگانی جاسکتی ہیں ؟ میت کے ارد گرد اینٹیں کچی رہیں ان کے پیچھے ادھر ادھر پکی اینٹیں لگا سکتے ہیں۔ کذا فی الشامیۃ ص ۸۳۱ ، فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۵ / ۱۲ / ۱۴۰۱

والدین کی قبر کا بوسہ بھی جائز نہیں

اپنے والدین کی قبر کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں عالمگیری میں ہے کہ جائز ہے۔
اگر جائز ہے تو کس طرح لینا چاہیے؟

عالمگیری میں ہے۔ ولا یسح القبر ولا یقبلہ فان
ذک من عادة النصارى ولا بأس

بتقبیل قبر والدیہ صحیح ۱۰۹۔

اس عبارت سے گو کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن حضرات علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ درست نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة میں تحریر فرماتے ہیں :
کہ دربارہ بوسہ قبر والدین روایات فقہی نقل میکنند و صحیح آست
کہ لا یجوز است۔ حضرت مولانا عبدالحق اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ محققین حنفیہ،
شافعیہ و مالکیہ و حنبلیہ کے نزدیک اس طرح کے امور مکروہ اور بدعت ہیں کسی قبر کے ساتھ خواہ
قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو یا قبر ولی و مرشد کی ہو یا قبر والدین کی ہو ہرگز ہرگز نہ چاہیے۔
ناقلہ عن الفتاویٰ العزیزیتہ

لہذا کسی قبر کو بوسہ دینا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۴ / ۵ / ۱۴۰۳

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میت کے ساتھ حلوہ پکا کر لے جانا

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ مردہ کے ساتھ چند روٹیاں پکا کر ان پر شکر وغیرہ
ڈال کر ساتھ لے جاتے ہیں اور بعض جگہ حلوا پکا کر ساتھ لے جا کر قبر کھودنے والے
کو خصوصاً اور دوسروں کو کھلاتے ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ قبر میں

مردہ کو سورج کھڑک مارتا اور عزوب ہوتا نظر آتا ہے یہ روٹیاں مردہ کے کان پر آجاتی ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ حلوہ سے مردہ کی تکلیف رفع ہوتی ہے، اور بعض کا یہ ارادہ نہیں ہوتا۔ کیا یہ اعتقاد صحیح ہے یا نہ؟

جاہلانہ خیال ہے اور بے اصل رسم ہے۔
فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح

عبد اللہ غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس - ملتان

۲۴ / ۴ / ۱۳۷۷ھ

زندگی میں قبور نما قبر بنوانا : اپنی قبر بنا کر اوپر قبور نما عمارت بنا ڈالی ہے۔ کتاب اللہ و سنت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موجب شرعی حیثیت اس کی کیا ہوگی؟
قبر بنانے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس پر گنبد بنانا منع ہے۔ حدیث میں ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن

تخصیص القبور ان یکتب علیہا وان یبنی علیہا (رواہ مسلم)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۹ / ۴ / ۱۴۰۸ھ

قبرستان میں ٹیوب ویل لگانا

ایک پُرانا قبرستان ہے جس کے ایک کونے میں گرد و نواح کے باشندے کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں۔ اور وہاں بظاہر کوئی قبر نظر نہیں آتی۔ آیا پیپلز پروگرام کے تحت منظور شدہ ٹیوب ویل لگا سکتے ہیں۔ جواب سے مطلع فرمائیں؟

اس جگہ پر ٹیوب ویل کے لئے نلکہ اور مشین نصب کرنا درست
الجواب ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق عفی عنہ

۱۳ / ۱۱ / ۱۴۱۰

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تحقیق کر لی جائے اگر وہ جگہ وقف للمقبرہ نہیں تو لگا سکتے ہیں۔ والجواب صحیح

محمد انور ، مرتب نیر الفادوی

حدودِ مسجد میں دفن کرنا : میت کو مسجد میں دفن کر سکتے ہیں یا
نہیں — ؟

الجواب حدودِ مسجد جو وقف ہو اس میں قبر بنانا جائز نہیں ہے۔
وہ جگہ تا قیامت مسجد کے لئے ہی وقف رہے گی۔

وشرائط الواقف كنص الشارع (شامہ ۲۵)

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

دفن کے وقت کانے وغیرہ استعمال کرنا

میت کو لحد میں لٹانے کے بعد لحد کو کس چیز سے بند کیا جائے ؟
الجواب کچی اینٹیں سرکنڈے اور کانوں وغیرہ سے بند کرنا اولیٰ ہے۔ کانے
اور کچی اینٹ برابر ہیں (مقولہ و قصب) قال فی الحلیۃ و تسد
الفرج التي بین اللبث بالمدر والقصب کی لا ینزل السراب عنہا
علی المیت و نضوا علی استجاب القصب فیہا کاللبن اھ شامہ ص ۸۴

۱۳۱۲ / ۱۱ / ۸

فقط واللہ اعلم ، محمد انور

قبر کو بوسہ دینے کا حکم : قبر کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا مکروہ ہے
 عام لوگوں کی عادت ہے جب کسی بزرگ
 کی قبر پر جاتے ہیں تو قبر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور بعض لوگ قبر کا بوسہ بھی لیتے ہیں۔ کیا
 شرعاً یہ درست ہے۔

الجواب
 قبر کو ہاتھ لگانا اور قبر کا بوسہ لینا مکروہ ہے۔
 وكره النوم على القبور وكره تحريماً قضاء
 الحاجة اى البول والتغوط عليها بل وقريباً منها وكذا
 ما لم يعهد من غير فعل السنة اه (مراقى)۔
 (قوله وكذا ما لم يعهد من غير فعل السنة) كاللمس
 والتقبيل وقوله من غير بيان لما اه (طحاوى ص ۳۲۳)
 وفيه (اى الطحاوى) ولا يمس القبر ولا يقبله فانه من
 عادة اهل الكتب ولم يعهد الاستلام الا للحجر الاسود
 والركن اليماني خاصة اه ص ۳۲۴۔ فقط والشرع علم ،
 احقر محمد انور عفا الله عنه

**عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کی بشارت جمعہ کی رات یا
 دن کو مرنے والے کے لئے ہے دفن ہونے والے کیلئے نہیں**

زید بڈھ یا جمعرات کے دن فوت ہوا اسے اگر جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن دفن کریں
 تو کیا وہ بھی عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا؟

الجواب
 حدیثِ نبوی میں جو عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کا ذکر ہے وہ جمعہ
 اور جمعہ کی رات کو مرنے والے کے بارے میں ہے۔ جو ان ایام کے

علاوہ کسی اور دن میں مرے اس کے لئے وعدہ نہیں چاہئے اسے دفن جمعہ کی رات
کیا جاوے یا جمعہ تک قبر پر پڑھنے والے بیٹھے رہیں۔

ما من مسلم يموت يوم الجمعة او ليلة الجمعة الا وقاه
الله فتنة القبر قال القارى فتنة القبر اى عذابه وسواله
وهو محتمل الاطلاق والتقييد الاول ، هو الاول
بالنسبة الى فضل المولى (مرقاة ص ۱۱۲ ۲۰۱)

الجواب صحیح محمد صدیق غفر له
۲۱ / محمد انور عفا اللہ عنہ
۹۸ / نائب مفتی خیر المدارس ملتان

قبر زمین سے ایک بالشت اُونچی ہو

قبر زمین سے کتنی اُونچی ہونی چاہئے ؟

ایک بالشت اُونچی ہونی چاہئے۔

ولیسنم القبر قدر الشبر (عالمگیری ص ۸۵)

الجواب صحیح ، محمد انور

عبدالستار عفی عنہ ، ۲۲ / ۱۲ / ۹۵

خاوند بیوی کو قبر میں اُتار سکتا ہے ؟

کیا خاوند اپنی بیوی کو لحد میں اُتار سکتا ہے ؟ اور اس میں سب سے زیادہ

حقدار کون ہے ؟

زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ عورت کو قبر میں وہ رشتہ دار اُتاریں جو

اس کے لئے محرم ہوں ، یہ نہ ہوں تو پھر وہ جو رشتہ دار

ہیں، گو محرم نہیں ہیں۔ یہ بھی نہ ہوں تو اجنبی اُتار سکتے ہیں۔ خاوند بھی اجنبیوں کے حکم میں ہے۔ وذو الرحم المحرم اولاً با دخال المرأة من غیرہم کذا فی الجوهرة النيرة وکذا ذو الرحم غیر المحرم اولی من الاجنبی فان لم یکن فلا بأس للا جانب وضعها ۱۰

(عالمگیری ص ۸۵/۱۲) فقط واللہ اعلم،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

قبرستان زیر آب جائے تو نعشوں کو منتقل کرنے کا حکم

ایک عالم با عمل کو قبرستان میں دفن کیا گیا بیٹس سال کے بعد سیلاب نے قبریں برباد کر دیں ان کی نعش کو دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بلا ضرورت اموات کو مکان سے منتقل کرنا جائز نہیں البتہ بوقت ضرورت جب کہ قبرستان کو پانی لگ رہا ہے۔ اور مردہ کے بہہ جانے کا خطرہ ہو منتقل کرنا جائز ہے۔ تفسیر منظرہری میں حضرت قاضی صاحب نے جواز نقل کا فتویٰ دیا ہے۔

بہر حال اب صورتِ مسئلہ میں ضرورتِ عدم ضرورت کا فیصلہ مقامی علماء کر سکتے ہیں۔ اب دوسری جگہ عالم مذکور کو دفن کیا گیا ہے تو وہاں رہنے دینا چاہیے اور تردد اور نزاع کو ختم کر دینا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،
خادم الافکار خیر المدارس۔ ملتان

دَفْن سے پہلے قبر میں سُورۃ ملک پڑھنا

بعض لوگوں کا معمول ہے کہ مُردہ کو قبر میں رکھنے سے پہلے قبر میں بیٹھ کر سُورۃ ملک اور سُورۃ یسین تلاوت کرتے ہیں ؟

اس وقت سُورۃ ملک یا کوئی اور سُورۃ پڑھنا ثابت نہیں لہذا الجواب نہ پڑھیں اسکی بجائے کتب فقہ میں یہ لفظ منقول ہیں۔

”بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلَىٰ هَلَاةٍ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(درمختار)

شامی میں اس کے تحت لکھا ہے کہ یہ لفظ ترمذی اور ابن ماجہ سے ثابت ہیں اس کے علاوہ ان پر مزید کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔ (شامیہ ص ۸۳۴ ج ۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

پچالیس قدم ہٹ کر دُعا مانگنا : دَفْن کرنے کے بعد چالیس قدم ہٹ کر دُعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟

پچالیس قدم ہٹ کر دُعا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں محض رسم و بدعت ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم الجواب

بندہ محمد انور عفی عنہ

۱۴۰۱ / ۵ / ۱۵

بحری جہاز میں مرنیوالے کا حکم

ہم بحری جہاز سے حج پر جا رہے ہیں کئی دن کا سفر ہو گا اگر خدا نخواستہ کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا کریں ؟

اگر تو کہیں ساحل قریب ہو اور اتر کر دفن کرنا ممکن ہو تو الجواب

یہ بہتر ہے ورنہ غسل دے کر کفن پہنا کر جنازہ پڑھ کر سمندر میں ڈال دیں۔
 وان مات المسلم في البحر في السفينة فان كان
 الشط قريباً وجاء به الى الشط ويعبر ويدفن والّا
 فيصلى عليه بعد الغسل ويلقى في البحر وهو له قبر
 لان التكليف بحسب الوسع اه (رسائل الاركان ص ۱۵۹)
 فقط واللہ اعلم، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲ / ۱ / ۱۳۹۸ ھ

اگر قبر احاطہ مسجد میں آجائے تو اس کا کیا کریں؟

ایک قبر دوران تو وسیع احاطہ مسجد میں آگئی ہے اس کا کیا حکم ہے؟
 اگر یہ قبر مسجد کی زمین میں ہے۔ اور کافی پرانی ہے تو اس کو
 ہموار کر دیا جائے اور اس کے اوپر نماز پڑھنا بلا کر اہت جائز
 ہے۔ وقال الذیلعی ولو بلی المیت و صار تراباً جاز دفن غیرہ
 فی قبرہ و زرعه و البناء علیہ اه (شامی ص ۸۳۵)

فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

۳ / ۸ / ۹۶ ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے

دفن کے بعد قبرستان ہی میں لواحقین کے ساتھ انوس کرنا درست ہے
 یا نہیں؟

قبرستان میں قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے۔
 وتکرہ التعزیمۃ ثانیاً وعند القبور اه (درمختار علی الشامیہ ص ۸۳۳)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میت کے لئے ڈھیلے کا استعمال

عام رواج یہ ہے کہ زندہ جیسے پھارت کرتا ہے ایسے ہی میت کے لئے بھی ڈھیلے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً ثابت ہے ؟

کتب فقہ میں استنجا کرانے کا تو لکھا ہے مگر ڈھیلے استعمال کرانے کا نہیں لکھا بلکہ استنجا کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر مکمل کپڑا لپیٹ لے اس کے بعد استنجا والی جگہ کو دھوئے۔

و یستنجی عند ابی حنیفہ و محمد کذا فی محیط السرخسی
 و صورۃ الاستنجا ان یلف الغاسل علی یدیه خرقۃ و
 یغسل السوءۃ لان مس العمورۃ حرام کالنظر الیہا کذا
 فی الجوهرة النيرة - (فتاویٰ عالمگیری (ص ۱۵۸) -

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور غفرلہ

۳ / ۲ / ۱۴۱۱ ھ

مردے کے مصنوعی دانت نکال لئے جائیں

بچپن میں میرے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ دوبارہ لگوانے پڑے تو دانت لگانے والوں نے کہا کہ سونے کے علاوہ باقی سب چیزیں بیکار ہیں۔ میں نے مجبوری سے لگوائے یہ جائز ہے یا نہیں مرنے کے بعد اتارے جائیں یا نہیں ؟

اگر دانت لگوائے ہیں اور اب اتارنے میں تکلیف ہو تو رہنے دیجئے فی الجملہ گنجائش ہے مرنے کے بعد اتار دینے چاہئیں۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس بلقان

۵/۱۲/۸۸

الجواب صحیح ،

خیر محمد عفا اللہ عنہ

میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھیں؟

- ۱۔ میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھنا چاہیے؟
 - ۲۔ قُلْ جَائِزٌ هِيَٰنَ یَا نَهْیَسْ جَبْکَہ مَرْنِیْ وَ اَلَا قُلْ شَرِیْفٌ کَہ لَیْ رَقْمٌ بَہِیْ چَہُوْرٌ کَہ گِیَا ہُو؟
- الجواب** ۱۔ غُسل دیتے وقت غفرانک یا رَحْمٰن پڑھتے رہیں۔ لقولہ علیہ السلام
 بِاَعْلٰی اَغْسَلِ الْمَوْتٰی فَاِنَّہٗ مِنْ غَسْلِ مِیْتًا غَفْرَلُہٗ سَبْعُوْنَ مَغْفِرَہٗ
 لَوْ قَسَمْتَ مَغْفِرَہٗ مِنْہَا عَلٰی جَمِیْعِ الْخَلَائِقِ لَوْ سَعَتْہُمْ۔ قَلْتَ مَا یَقُوْلُ
 مَنْ یَغْسَلُ مِیْتًا قَالِ غَفْرَانَکَ یَا رَحْمٰنُ حَتٰی یَفْرَعُ مِنْ الْغَسْلِ
 رواہ ابو حفص ابن شاہین فی کتاب الجنائز (شرح نقایہ ص ۱۳۳)
 ۲۔ مرّوجہ قُلْ بدعت ہیں۔

نقطہ واللہ اعلم،
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،
 ۱۱ / ۴ / ۱۴۰۶ھ

جُنْبِی کا غسل دینا مکروہ ہے

- کیا حائضہ اور جُنْبِی میت کو غسل دے سکتے ہیں؟
- حائضہ اور جُنْبِی کا غسل دینا مکروہ ہے۔ ویکرالا انت
 یكون الغاسل جنبا او حائضا ھ (شرح نقایہ ص ۱۳۲)

نقطہ واللہ اعلم،
 محمد انور غفرلہ،
 ۷ / ۵ / ۱۴۱۱ھ

مردہ بچے کے غسل کا حکم: جو بچہ مردہ پیدا ہو کیا اسے بھی غسل
 دیا جائے؟

الجواب اسے غسل نہ دیا جائے۔ ولو ولد میتاً روى

عن ابي حنيفة ومحمد انه لا يغسل لان الغسل لاجل
الصلوة وهو لا يصلى عليه اه -

لیکن خلاصۃ الفتاویٰ میں امام ابو یوسف کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ
اے بھی غسل دیا جائے۔ وف الخلاصة السقط الذي لم يتم اعضاؤه لا
يصلى عليه ولكن يغسل ويدفن في خرقه وكانه اختار رواية
ابي يوسف (شرح نقايه ج ۱ ص ۱۲۱) - فقط والله اعلم،
محمد انور



خنثی مشکل کو کون غسل دے؟ خنثی اگر فوت ہو جائے اور اس وقت
کوئی اور خنثی موجود نہ ہو تو اس کو
غسل کون دے۔ مرد یا عورت؟ اگر بوڑھا ہو تو اس کو غسل کون دے جو ان اور
نابالغ کو غسل کون دے؟ — قاری شرف الدین صدیقی مہتمم اشرف القرآن
کہروڑ پٹکا

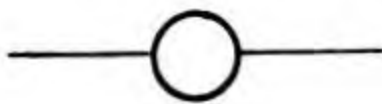
خنثی میں اگر مردوں والی علامات غالب ہیں تو مرد غسل دے اور اگر
عورت والی علامات غالب ہیں تو عورت غسل دے اور اگر دونوں طرح
کی علامات برابر ہیں تو یہ خنثی مشکل ہے اس کو نہ مرد غسل دے نہ عورت بلکہ صرف تیمم
کرا دیا جائے اگر چھوٹا بچہ ہو تو اسے مرد و عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔

ويتيمم الخنثى المشكل لو مراهما حقاً والافكغيره فيغسله
الرجال والنساء اه (درمختار على الشامية ص ۵۷۸) فقط والله اعلم،

محمد انور غفرلہ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ



میّت کو کون غسل دے : جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اسے کون غسل دے عام طور پر رواج یہ ہے

ہے کہ اس کے لئے امام مسجد ہی کو منتخب کیا جاتا ہے کیا گھر والے خود بھی غسل دے بہتر تو یہ ہے کہ میّت کا قریب ترین رشتہ دار اسے غسل دے بشرطیکہ وہ اچھی طرح حسب شرع غسل دے سکتا ہو۔ ورنہ کسی پرہیزگار

صالح آدمی سے غسل دلایا جائے۔ ویکوۃ السنۃ یغسلہ جنب او حائضہ اعداد والادویٰ کونہ اقرب الناس الیہ فان لم یحسن الغسل فاهل الامانة والورع اه (شامیۃ مج ۱/۶۳۶) فقط واللہ اعلم احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

غسل کو وارث کے انتظار میں مؤخر کرنا

اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے غسل وغیرہ کے لئے اس کے وارث کا انتظار ضروری ہے یا نہیں جبکہ کوئی وارث موجود نہ ہو۔ وارث کے انتظار میں تاخیر نہ کی جائے۔

کذا فی النظیریۃ والشامیۃ مج ۱/۶۴۳ فقط واللہ اعلم

○ — محمد انور ۲۹ / ۲ / ۱۴۰۹

عورت کو کوئی بھی غسل دینے کے لئے تیار نہ ہو تو کیا کریں؟

ایک عورت فوت ہو گئی اب اس کو کوئی عورت یا محرم غسل دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیا خاوند غسل دے سکتا ہے؟

عورتوں پر واجب ہے کہ غسل دیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گی۔ کسی غسارہ کا اجرت دے کر بھی انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اور درجہ

فقط واللہ اعلم ،

انتظار میں خاوند ہاتھ پر کپڑا پیٹ کر تیمم کرے۔

وقیل تغسل فی ثیابہا ای بلا مسابہ { عبد الستار عفا اللہ عنہ ہندیہ ۱ / ۱۶ / ۹۵ جو

کفن پر کلمہ طیب لکھنے کا حکم : کفن پر کلمہ طیب یا آیت کریمہ روشنائی
 وغیرہ سے لکھنی جائز ہے یا نہیں ؟

روشنائی سے لکھنا درست نہیں وقد افقی ابن الصلاح

الجواب

بانه لا يجوز ان يكتب على الكفن بلسين والکھف

وغوہا خوفاً من صديد الميت۔ ۱۵ (شامی ص ۸۴ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جنازہ پر کلمہ طیب لکھی ہوئی چادر ڈالنا

بعض لوگ میت پر چادر ڈالتے ہیں جس کے اوپر کلمہ طیب اور قرآن شریف کی آیات

لکھی ہوتی ہیں اور چادر پاؤں تک ہوتی ہے کیا یہ درست ہے ؟

الجواب ایسی چادر پاؤں سے پیچھے گھٹنوں تک رہنی چاہیے فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۲۷ / ۱۰ / ۹۵ جو

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محرم کو عام میت کی طرح کفن دیا جائے

اگر کوئی ساتھی سفر حج میں بحالت احرام انتقال کر جائے تو اُسے ویلے

اُسی حالت میں دفن کر دیں یا باقاعدہ غسل دے کر عام مردوں کی طرح کفنائیں ۔ ؟

محرم کو بھی عام مردہ کی طرح غسل دیا جائے اور کفن پہنایا جائے اور

الجواب

خوشبو وغیرہ بھی لگائی جائے ۔

(قوله والمحرّم كالمحلّال) اع فیغطی رأسه وقطیب

اکفانہ خلافاً للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ شامیہ ص ۸۰۹ فقط والہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ

مسجد میں کفن کیسے کا حکم؛ کفن مسجد میں سینا جائز ہے یا کہ
نہیں؟

الجواب صحیح : نہیں۔ فقط والہ اعلم،

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ۶/۲/۹۲ مج

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

عورت کے کفن کی تفصیل : اگر میت ہو جائے تو اس کو کس طرح
پہنانا چاہیے اور جس کو الفنی یا کفنی کہتے

ہیں آگے پیچھے سے برابر ہونی چاہیے یا پیچھے سے چھوٹی۔ بعض لوگ آگے سے
بڑی اور پیچھے سے چھوٹی کر دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور بعض لوگ زنا نہ کا سر
بند جسے کہتے ہیں ٹوپی سیکر پہنا دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور کفن پر کلمہ شریف
لکھتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے۔؟

میت کے پہنانے کا طریقہ بہشتی زیور میں تفصیل سے لکھا ہوا
ہے۔ وہاں دیکھ لیجئے۔ (۲) کفنی کندھے سے لے کر نصف ساق
پنڈلی تک ہونی چاہیے۔ یہ کپڑا اڑھانی گز لمبا، چودہ گرہ یا پندرہ گرہ عرض کا تیار
ہوتا ہے۔ دو برابر حصے کر کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ (۳)۔ ٹوپی سی کر نہیں
پہنانا چاہیے بلکہ ڈیڑھ گز کپڑا جس کا عرض بارہ گرہ ہونے کے سر کے بال کے
دو حصے کر کے اس میں لپیٹ کر دائیں بائیں جانب سینہ پر رکھے جائیں۔

۲

فقط والہ اعلم،

الجواب صحیح

۸/۶/۱۳۷۷ مج

عبد اللہ عفا اللہ عنہ

جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا

کوئی بڑا سیاستدان یا اعلیٰ افسر فوت ہو جاتا ہے تو اُس کے جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالی جاتی ہے اور اخبارات وغیرہ میں اسکی تصویر بھی آتی ہے کہ فلاں صاحب فلاں مرحوم کے جنازہ پر پھولوں کی چادر چڑھا رہے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

میت پر پھولوں کی چادر چڑھانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے اور

تصویر کنبھوانا حرام ہے اعاذنا اللہ من ہذا السیات۔

حضرت شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مسائل العربین میں فرماتے ہیں :

”وچادرِ گل بر جنازہ انداختن بدعت است و مکروہ تحریمی اھ (ص ۲۵)

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

میت پر کفن سے زائد چادریں ڈالنا

ہمارے علاقے میں میت پر کفن کے علاوہ کپڑے ڈالتے ہیں اور ثواب سمجھتے ہیں پھر اس کو گورکن اُتار لیتے ہیں گورکن چاہے صاحبِ نصاب ہوں۔ ثواب ہو گا یا نہ؟

میت پر سنون کفن سے زائد کپڑے ڈالنا شرعاً درست نہیں بلکہ

زائد کپڑے اُتار لینا شرعاً نامور بہ ہے۔ مراقی میں ہے۔

وینقص ان زاد العدد فی ثیابہ علی کفن السنۃ الخ

جو میت نادار ہو یا لاوارث ہو اس کو کفن دینا باعثِ اجرِ عظیم ہے۔ ورنہ یہ رسم

ہے یا بدعت ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ،

۱۳ / ۶ / ۱۴۰۶ ہج

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عالمِ میّت کو کفن میں عمامہ پہنانا

ہمارے چچا مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل تھے اور عالمِ شباب میں انتقال کر گئے۔ ہمارے دوسرے چچا جو کہ مظاہر علوم ہی کے مستند ہیں کہنے لگے کہ کفن کے ساتھ ساتھ ان کے سر پر عمامہ بھی باندھا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کیا یہ درست ہے؟

بشیر احمد انور پیر سکذری

میّت عالم ہو یا عام آدمی سب کے لئے کفنِ سنون پر اکتفا کیا جائے۔

عمامہ کی زیادتی مکروہ ہے۔ والا صح اند تکرہ العمامة

الجواب

بکل حال اھ (شامی ص ۸۰ ج ۱)

۱۴ / ۷ / ۱۴۱۰ فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ

غلافِ کعب کا ٹکڑا کفن کے ساتھ رکھنا

اگر غلافِ کعب کا کچھ ٹکڑا جس پر آیت یا کلمہ وغیرہ نہ لکھا ہو یا اور کوئی ایسا متبرک کپڑا کفن کے ساتھ بطور تبرک رکھ سکتے ہیں؟

رکھ سکتے ہیں! امیجہ فائدہ ہوگا۔ وفی هذا نذب ان يجعل

الثوب المتبرک فی الکفن نأنداً علیہ۔

الجواب

(رسائل الارکان لاجب العیاش عبد العلی محمد بحر العلوم ص ۱۵۳)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ ۱۴ / ۳ / ۱۴۱۱ھ

کفن دیتے وقت عورت کے بال کیسے رکھے جائیں؟

کفن کے وقت عورت کے سر کے بالوں کو کیسے رکھا جائے؟

بالوں کی ڈوٹلیٹیں بنا کر نیچے سے نکال کر سینہ پر رکھ دی جائیں

الجواب

بجعل شعرها صنفیرتین علی صدرها فوق الدرع اھ

(رسائل الارکان ص ۱۵۲) فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ

بالغ اور نابالغ کے کفن کا فرق : بالغ مرد اور نابالغ لڑکے کے کفن میں کوئی فرق ہے یا نہ؟

بہتر یہی ہے کہ نابالغ لڑکے کو بالغ کے موافق کفن دیا جائے

الجواب

لیکن اگر ایک یا دو کپڑوں میں نابالغ کو کفنا یا جائے تو یہ بھی جائز

ہے۔ درمختار میں ہے کہ والمرأهق کالبالغ ومن لم یرأهق ان کفن فی

واحدہ جائز الا (شامی ج ۱ ص ۸۹) فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق خیر المدارس۔ پتان ۱۲/۸/۹۱

محتضر (قریب المرگ) کے پاس حائضہ وغیرہ نہ بیٹھے

عام رواج ہے کہ جب کسی کی رُوح نکلنے لگتی ہے تو سارے دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ کیا مرد اور کیا عورت ایک جگہ ساگ جاتا ہے کیا یہ درست ہے؟

محمد یونس بکیر والا

ایسے وقت میں سورۃ یسین پڑھنی چاہیے اور خوشبو وغیرہ چھڑکنی

الجواب

چاہیے اور حیض یا نفاس والی عورت اور جنبی مرد وہاں سے چلے

جائیں تو بہتر ہے۔ وفي النصف انه يقرء عندة ليس ويحضر
الطيب ويخرج من عندة الحائض والنفساء والجنب (جامع الرموز ص ۱۵۶)

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور غفرلہ

موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں تاخیر نہ کی جائے

مرنے کے بعد میت کو کتنی دیر تک رکھ سکتے ہیں ؟
موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں دیر کرنا صحیح نہیں
فوراً ان کاموں میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ بہت مجبوری میں کچھ
معمولی دیر ہو جائے تو ضرورت کی حد تک گنجائش ہے۔

قوله ويسرع في جهازة لما رواه ابو داود عنه صلى الله عليه
وسلم لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال ما اري طلحة
الا قد حدث فيه الموت فاذا مات فاذا نوني حتى اصلى
عليه وعجلوا به فانه لا ينبغي لجيفة مسلم ان تحبس بين
ظهرانى اهله اه والصارف عن وجوب التعجيل الاحتياط للروح
الشريفة فانه يحتمل الاعماء وقد قال الاطباء ان كثيرين ممن يموتون
بالسكنة ظاهراً يدفنون احياء لانه يسر ادراك الموت الحقيقي بها الاعلى
افاضل الاطباء فيتعين التأخير فيها الى ظهور اليقين
بنحو التغير امداد وفي الجوهرة وان مات فجأة ترك
حتى يتيقن بموته اه (شامى ۴۹۹/۲)

ولنعم ما قيل ويستحب تعجيل خمسة اشياء جمعت في هذه الابيات
وخمسة قدر أو تعجيلها حسنا

وفي سواها تأخراً واسع المهل

تذویج کف و میت ہاک ثالثہا

دفع الديون وتب لله من ذلل

والخامس الضيف اذ ياتيك في منزل

فقم له بحديث الجد واحتفل

(طحاوی ص ۳۱) فقط واللہ اعلم،

محمد انور، عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،

نائب مفتی خیر المدارس - ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۹ / ۴ / ۱۴۰۲

مفتی خیر المدارس - ملتان

قریب المرگ کے بارے میں سنون عمل

جس شخص پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

سنت یہ ہے کہ اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر کے لٹا دیا جائے۔

الجواب صحیح بشرطیکہ یہ لٹانا اس کے لئے تکلیف دہ نہ ہو۔ اور کلمہ شہادت

کی تلقین کی جائے۔ اس طرح کہ اس کے بھائی اور دوست احباب وغیرہ اُوپچی آواز سے

پڑھیں۔ مگر اس کو پڑھنے پر مجبور نہ کریں۔ خدا نخواستہ کہ وہ انکار کر بیٹھے جب وہ

ایک دفعہ پڑھ لے تو یہ کافی ہے بار بار پڑھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ کیونکہ جو مقصود

تھا وہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ آخری کلام کلمہ طیبہ ہو۔ ہاں اگر اس کے بعد کوئی وہ

دُنیوی بات کرے۔ تو پھر دوبارہ پڑھ لینا چاہیے۔

سن للمحتضر ان یوجه الی القبلة منطجعا علی یمینہ

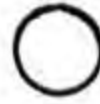
وهذا اذا لم یثوق علیہ والّا ترک علی حالہ وجعل رجلاہ

الی القبلة ویستثنی منہ المرجوم فانہ لم یوجه کما فی

الجلابی واختر فی بلادنا الاستلقاء علی قفاه لانه ایسر

لخروج الروح ان الاول هو السنة ويلقن اى يفهم
 الشهادة فيجب على اخوانه واحدا فانه ان يقولوا
 عنده كلمة الشهادة ولا يقولوا له قل كيلا يابى عنه
 كما فى شرح الطحاوى والكرما فى فلو قال تلك الكلمة
 فيها من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة فاذا
 قالها مرة كفاة ولا يكتر عليه ما لم يتكلم بعدة اذا الغرض
 من التلقين ان يكون آخر كلامه تلك الكلمة كما فى الزاهدى
 (جامع الرموز ص ۱۸۴) فقط والله اعلم،

محمد انور غفر له،



جنازہ سے پہلے میت کے مدیون ہونے کی تحقیق کرنا

بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام میت کا جنازہ پڑھنے سے
 پہلے تحقیق فرماتے تھے کہ اس پر قرض ہے یا نہیں؟ اگر پتہ چلتا کہ قرض ہے تو آپ
 خود نماز جنازہ ادا فرماتے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرماتے کہ تم پڑھ لو۔ دریافت یہ کرنا ہے
 کہ اب بھی کسی کا جنازہ پڑھنے سے پہلے تحقیق کر سکتے ہیں کہ اس پر قرض ہے
 یا نہیں؟ اگر قرض ثابت ہو تو جنازہ سے انکار کر سکتے ہیں؟

(حافظ بشیر احمد گلی حاکم رائے محلہ ساون خان گجر نوالہ)

آنحضرت علیہ السلام کے دریا فرمانے میں جو مصلحت تھی وہ کسی اور
 کے ذریعہ پوری نہیں ہو سکتی۔ لہذا اب کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ جنازہ
 سے پہلے یہ تحقیق کرے کہ میت پر قرض ہے یا نہیں۔ نیز آنحضرت علیہ السلام کا یہ
 تحقیق فرمانا بھی فتوحات کے پہلے کا عمل ہے بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دیدی
 تو آپ مقروض کا جنازہ بھی پڑھا دیتے اور قرض اپنے پاس سے ادا فرماتے اسی سلسلہ
 میں اپنے ارشاد فرمایا: من ترک ما لا فلور شتہ ومن ترک کلاً فالینا اھ

(بخاری ص ۳۲۳ ج ۱) - بخاری شریف میں اسی حدیث کے حاشیہ پر ہے :
 قلت الدين من كل ما يتكلف و مطابقتہ للترجمة من
 حيث ان هذا الحديث روى عن ابي هريرة "من وجوه"
 منها ما مر في آخر كتاب الكفالة في باب الدين وفيه من
 جملة الالفاظ من ترك ديناً فعلى قصائده ويجبى في الفرائض
 وفي سورة الاحزاب قال ابن بطلال هذا ناسخ لتركه الصلوة
 على من مات وعليه دين قلت ذلك لانه صلى الله عليه وسلم كان
 لا يصلي عليه قبل فتح الفتوحات فلما فتح الله تعالى
 منها ما فتح صار صلى الله عليه يصلى عليه فصار فعله هذا
 ناسخاً لفعله الاول كما قاله ابن بطلال (حاشية ص ۳۲۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱ / ۲ / ۱۴۰۹ ھ

زانی، چور اور سود خور کی نماز جنازہ جائز ہے

زانی اور چور اگر موقع پر قتل کر دیئے گئے ہوں یا اپنی موت مر جائیں تو اس صورت
 میں ان کا نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں نیز کیا سود خور اور ناجائز منافع خور اور
 حقوق العباد دکھانیوالے شخص کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ فتویٰ دے کر عذائے
 ماجور ہوں۔ والسلام، ماٹر عبدالرشید خان لغاری بستی اللہ بخش
 مذکورہ لوگوں کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور ان کو غسل بھی دیا جائے
 گا۔ البتہ مقتدا اور بڑے علماء حضرات برائے حصول عبرت
 نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار غفرلہ جامعہ خیر المدارس۔ طمان ۲ / ۲ / ۱۴۱۱ ھ

باپ کے قاتل کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے

زید کا زمین کے انتقال پر باپ سے جھگڑا ہو گیا دونوں باپ بیٹا طیش میں آ گئے زید اندر سے ریوالور لایا اور باپ کو گولی مار دی جس پر زید کے دوسرے بھائیوں نے اُسے اتنا مارا کہ زید بھی مر گیا تو کیا زید کا جنازہ پڑھا جائے یا نہ؟

باپ کو قتل کرنا شدید ترین کبیرہ ہے ایسے شخص کی نمازِ جنازہ الجواب نہ پڑھی جائے۔

ولا یصلی علی قاتل احد ابویہ عمداً ظُلماً اھانتاً لہ اھ (مراقی)
 قولہ عمداً اخرج بمفہومہ الخطاء فانہ یغسل ویصلی
 علیہ وقولہ ظلماً اخرج بہ من قتل اباء العربی اواباغی
 واللہ سبحانہ وتعالی اعلم واستغفر اللہ العظیم۔

فقط واللہ اعلم،
 احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

باہر سے کسی امام کو بلا کر جنازہ پڑھوانا

ہمارے دیہات کے ایک محلہ میں رواج ہے کہ محلہ کے امام سے جنازہ نہیں پڑھواتے بلکہ باہر دور سے ایک مولوی صاحب کو بلا تے ہیں وہ آ کر جنازہ پڑھاتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

محلہ کے امام کی تقدیم بشرط افضلیت صرف مستحب ہے درمختار میں الجواب وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون

افضل من الولی والانا الولی اولی۔

نیز ہدایہ سے نقل کیا ہے امام مسجد الجامع اولی من امام الحی اھ

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار غفرلہ ،
۱۳/۵
۱۴۰۲ھ

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبدالستار غفرلہ

میّت کو مزار کے سامنے رکھ کر جنازہ پڑھنے کا حکم

اگر نمازِ جنازہ مزار کے سامنے رکھ کر اس نیت سے ادا کی جائے کہ میّت کی بخشش ہو جائے گی جبکہ وہ جائے نمازِ جنازہ بھی ناپاک ہو ۔

جنازہ کو بہ نیتِ بخشش مزار کے سامنے رکھ کر پڑھنا ثابت نہیں ہے ۔ نیز ناپاک جگہ پر کھڑے ہو کر نمازِ جنازہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے ۔

کافی الدر المختار طہارۃ مکانہ احوط
قدمیہ او احداہما ان رفع الاخری (ص ۲۷۱) فقط واللہ اعلم ۔
محمد انور مفتی خیر المدارس

۱۴۰۲ / ۲ / ۶

مقروض کا جنازہ پڑھنے کا حکم

جس شخص نے قرض دینا ہو اور مر جائے اس کا جنازہ پڑھایا جاسکتا ہے ۔

جبکہ اس قرض کی ادائیگی کا کوئی ذمہ بھی نہ لے ، یا نہیں ؟

ایسی میّت کا بھی جنازہ پڑھا جائے ۔ (کبیری ص ۵۲۳)

و کذا فی الشامیہ ص ۵۸۲ ج ۱ - فقط واللہ اعلم ،

محمد انور غفرلہ

مفتی خیر المدارس ملتان

۱۴ صفر

۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح ،

بندہ عبدالستار غفرلہ

فرائض کے وقت جنازہ آجاتے تو کب پڑھا جائے؟

- ۱۔ صلوٰۃ خمسہ کے وقت میں جنازہ آجاتے تو کس کو مقدم کیا جائے۔؟
- ۲۔ ایسے ہی عیدین کی نماز کے وقت جنازہ آجاتے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے؟
(امام نجاش، مدرسہ سعیدیہ۔ بھکٹر)

الجواب بحر میں جلی سے منقول ہے کہ جنازہ سنتوں اور فرضوں کے بعد ادا کیا جاسکتا ہے۔ لکن فی البحر عن الحلبي الفتوى على

تاخیر الجنازة عن السنة اه (شامی ص ۷۵ ج ۱)

- ۲۔ در مختار میں ہے کہ عیدین کی نماز جنازہ کی نماز سے پہلے ادا کریں۔ و تقدم صلوٰۃها على صلوٰۃ الجنازة اه - فقط والله اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

شارع عام پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

مسجد کے سامنے ایک بڑی سڑک ہے۔ جو شارع عام ہے اور ہر چیز وہاں پھرتی رہتی ہے اور نالیوں اور گلیوں کا پانی بھی وہاں کبھی کبھی پھرتا رہتا ہے ایسی جگہ بغیر صف پیکھائے ننگی زمین پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ محمد شفیع صاحب

الجواب اگر زمین خشک ہو اور نجاست کا رنگ اور بُو بھی محسوس نہ ہو تو نماز جنازہ درست ہے۔ کیونکہ زمین نجس خشک ہونے اور نجاست کا رنگ اور بُو ختم ہو جانے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ویسے جو شرطیں صحت صلوٰۃ کے لئے ہیں۔ وہ سب نماز جنازہ کے لئے بھی ضروری ہیں۔ لما فی الہدایة وان

اصابت الارض بنجاسة فنجفت بالشمس و ذهب اشها جازت

الصلوٰۃ على ما نھا (ص ۱ ج ۱) فقط والله اعلم،

الجواب صحیح، عبد الستار عفا اللہ عنہ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

جس کو درود و دعا وغیرہ نہ آتی ہو وہ نمازِ جنازہ میں شریک ہو یا نہ؟

اگر آدمی کو جنازہ نہ آتا ہو تو وہ جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب جنازہ سیکھنے کی کوشش کرے، نہ آنے تک تکبیر کہہ کر ساتھ
 شریک ہو جائے اور امام کے مطابق بحیرات کہتا رہے۔
 کذا فی فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۲۳ نقلاً عن الشامیة ص ۸۱۳

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار غفرلہ ۱۴
 رئیس الافکار محمد انور مفتی خیر المدارس
 فقط واللہ اعلم

علیٰ وارکنہا شیآن (التکبیرات الاربع) فالاولیٰ رکن ایضاً لا شرط فلذا
 لم یجز بناء اخری علیہا (والقیام) فلم تجز قاعداً بللا عذرٍ و سنہا
 ثلاثہ (التحمید و الثناء و الدعاء فیہا) (در مختار علی الشامیة ص ۸۱۳)



امام محلہ ولی سے مقدم ہے: کیا نمازِ جنازہ کے لئے اجازت لینا
 ضروری ہے؟ اگر امام مسجد بغیر اجازت
 کے نمازِ جنازہ پڑھائے تو نمازِ جنازہ ہو جائے گی؟۔ نمازِ جنازہ کے لئے اجازت کس
 سے لی جائے۔ وضاحت فرمائیں؟

الجواب صورتِ مسئلہ میں امام محلہ صالح اور متقی ہو اور میت زندگی میں
 اس کو اقتدار کے لئے پسند کرتا ہو تو ولی سے مقدم ہے۔
 اسے رسمی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ ولی حقدار ہے۔ وہ خود پڑھائے یا کسی
 سے پڑھاوے، شامی میں ہے۔

وهو امام المسجد الخاص بالمحلة و انما كان اولی لان
 المیت رضی بالصلوة خلفه و فی حال حیاته فینبغی
 ان یصلیٰ علیہ بعد وفاته - (ص ۵۹ ح ۱)
 ہندیہ میں ہے۔ اولی الناس بالصلوة علیہ السلطان

ان حضرات ان لم يحضر فالقاضي ثم امام الحنفي ثم
 الولي هكذا اكثر المتون (ص ۱۶۳) در مختار مع رد المحتار
 میں ہے۔ و تقدیم امام الحنفي مندوب فقط بشرط ان
 يكون افضل من الولي والا فالولي اولي كما
 في المحبتي (ص ۵۹۰) فقط والله اعلم
 محمد انور عفا الله عنه

جنازہ میں چوتھی تکبیر رہ جائے تو جنازہ نہیں ہوا

ایک مشہور عالم شخصیت کے انتقال پر ایک بزرگ شخصیت نے ان کا جنازہ
 پڑھایا تو غلبہ رقت کی وجہ سے تیسری تکبیر کے بعد مختلف دُعاؤں کے بعد سلام پھیر دیا
 چوتھی تکبیر نہیں کہی گئی کیا جنازہ درست ہو گیا؟
 نماز جنازہ میں بجز پہلی تکبیر کے باقی تکبیریں رکن ہیں ایک تکبیر بھی رہ
 جائے تو جنازہ نہیں ہوتا ایسی صورت میں چاہیے یہ تھا کہ ایک تکبیر
 اور کہہ کر دوبارہ سلام پھیر دیتے تاکہ جنازہ مکمل ہو جاتا۔

وصلوة الجنابة اربع تكبيرات ولو ترك واحدة
 منها لم تجز صلوته، هكذا في الكافي [القولہ]
 ولو سلم الامام بعد الثالثة ناسياً كبر الزبينة
 ويسلم كذا في التاتارخانية اه (عالمگیری ص ۸۲)
 له فلهي شرط من وجه و ركن من وجه اه (شامی ص ۶۲۲)

فقط والله اعلم،
 احقر محمد انور عفا الله عنه

”ان سبقتمونی بالصلوة علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ“
سے مراد اکیلے دُعا کرنا ہے تاکہ اجتماعی دُعا سے معروفہ

نماز جنازہ کے بعد وہیں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر قبل از دفن ہیئت اجتماعی سے دُعا کرنا واجب، سنت یا مستحب ہے؟ نیز کتب فقہ حنفی (ورسی و فتاویٰ) میں اسکی کیا حیثیت ہے؟ اگر اسکی شرعی حیثیت کچھ نہیں تو اس کو شعائر اہل سنت اور سنت نبویؐ قرار دینا اور اس کے تارک کو ملامت شدیدہ سے پریشان کرنا کیسا ہے۔؟ اگر کوئی شخص اس کو سنت نبوی اور شعائر اہل سنت تصور کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلائیں اگر ایک شخص اس کو فرض واجب سنت اور مستحب تو نہیں کہتا بلکہ ممنوع کہتے ہوئے بھی اس بارہ میں نرمی کرتا ہے اس کا موقف از روئے شرع کیسا ہے؟ السائل قاری محمد طلحہ، سیمجہ آباد، ملتان

نماز جنازہ کے بعد ضعیف توڑ کر دُعا مانگنا جائز ہے فرض یا واجب نہیں، حدیث شریف میں ہے۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے پر آئے تو جنازہ ہو چکا تھا آپ نے فرمایا: ان سبقتمونی بالصلوة علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ البتہ تارک کو ملامت نہیں کرنی چاہیے، البتہ جو شخص اس کو بدعت یا خلاف شرع کہتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مفتی غلام مصطفیٰ رضوی ۸۸ / ۸ / ۱۳

انوار العلوم کا جواب صحیح نہیں۔ دونوں حدیثوں کا غلط مطلب بیان کیا گیا ہے۔ ان احادیث کا ہرگز یہ مطلب مفہوم نہیں، اسی لئے حضرت فقہار نے نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگنے کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس سے منع کیا ہے۔ بحر الرائق میں ہے۔ وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا يدع بعد التسليم كذا في الخلاصة

مزید لکھتے ہیں : و اشار بقوله وتسلمتین بعد الرابعة الى انه لا شئ
بعدها غيرهما وهو ظاهر المذهب (ص ۱۹۷ ج ۲)

حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے ۔ لا يدعو للمیت بعد صلوة الجنائزۃ

لانه يشبه الزيادة في صلوة الجنائزۃ اھ (ص ۱۳۷)

اگر حدیث کا وہی مطلب ہوتا جو انوار العلوٰم کے فتویٰ میں بیان کیا گیا ہے تو
یہ دعا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوتی کیونکہ فاخلاق الدعاء امر کا صیغہ ہے۔
نیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور حکم کے مقابلے میں اس دعا کو
منع کیسے فرما سکتے تھے؟ اور عبد اللہ بن سلام کی حدیث (جو فتویٰ میں دوسرے نمبر پر
مذکور ہے) اس کا مطلب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے یہ لکھا ہے کہ عبد اللہ بن
سلام نے فرمایا کہ اگر نماز میرے آنے سے پہلے ہو چکی ہے تو دعا کا بندش نہیں میں
اکیلے دعا کر لوں گا۔ (رسالہ النہی الحاجز عن تکرار صلوة الجنائز ل احمد
رضا خان صاحب بحوالہ بیانات شوال ۱۳۸۸ھ ص ۳۸) تو اس حدیث میں
اکیلے دعا کرنے کی بات ہے۔ اس سے اجتماعی دعائیں ثابت نہیں ہوتی۔ بہر حال انوار العلوٰم
کا فتویٰ درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۹ / ۱۲ / ۱۳۸۰ ھ



نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کا حدیث ثبوت

اسال زیارتِ حرمین کا شرف حاصل ہوا وہاں نمازِ جنازہ حرم میں پڑھی جاتی ہے۔ جیسے کہ آپ کو معلوم ہوگا وہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ نمازِ جنازہ کا سلام صرف ایک طرف پھرتے ہیں۔ ہم ایک طرف سلام کے بعد منتظر رہے کہ دوسری طرف بھی سلام پھیریں گے کہ لوگ جنازہ اٹھا کر چل دیئے اس میں احناف کا جو مذہب ہو تحریر فرمادیں۔ (عتیق الرحمان نظام پورہ۔ بہاول نگر)

احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیے اور یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

و اما التسليم فمذهب ابی حنیفة انه يسلم تسليمتين واستدل
 له بحديث عبد الله بن ابي اوفى انه سلم عن يمينه وشماله
 فلما انصرف قال لا ازيدكم على ما رايت رسول الله
 صلى الله عليه وسلم يصنع او هكذا يصنع رواه البيهقي
 وقال الحاكم حديث صحيح وفي المصنف بسند جيد عن جابر
 بن زيد والشعبي و ابراهيم النخعي انهم كانوا يسلمون
 تسليمتين وفي المعرفة روي عن ابن مسعود انه
 قال ثلاث كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعلهن وتركهن
 الناس احداهن التسليم على الجنائز مثل التسليمتين في
 الصلوة اهـ (ادجز المسالك ص ۲۴۱ ج ۲) - فقط والله اعلم،
 احقر محمد انور عفا الله عنه،
 مفتي جامعہ خیر المدارس ملتان



جو چوتھی تکبیر کے بعد شریک ہو وہ بھی شریک سمجھا جائیگا

اگر ایک شخص جنازہ میں ایسے وقت پہنچا کہ امام چاروں تکبیریں کہہ چکا تھا۔ مگر ابھی سلام نہیں پھیرا تھا کہ یہ تکبیر کہہ کر شامل ہو گیا۔ تو اس نے جنازہ پالیا یا نہیں؟ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق مذکورہ شخص شریک جنازہ سمجھا جائے گا اور یہی مفتیؒ ہے یہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد تین تکبیریں جلدی جلدی کہہ لے۔ وعن ابی یوسف یتکبر فاذا سلم الامام قضی ثلاث تکبیرات و ذکر فی المحيط ان علیہ الفتویٰ ۱۵ قلت و ذکر ایضاً فی الہندیۃ عن المصنرات اند الاصح و علیہ الفتویٰ شامی ص ۸۲۱ ۱۲۰ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۸ / ۱۱ / ۱۴۰۲ھ

اوپنی آواز سے نیت کرنا: آجکل جنازہ کی نماز میں امام اُدبھی آواز سے نیت کر کے ہاتھ باندھ لیتا ہے تاکہ

دوسروں کو یاد ہو جائے کیا یہ درست ہے؟

بلند آواز سے نیت کرنا کہیں منقول نہیں۔ اسے رواج نہ دیا جائے ضرورت محسوس ہو تو پہلے سمجھا دینا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفرلہ ۱۲ / ۲ / ۱۴۰۱ھ

غالی بدعتی کی اقتدار میں جنازہ

بدعتی کے پیچھے جنازہ کی نماز کی اقتدار کرنا کیسا ہے اگر لوگوں کے ساتھ مل کر کھڑا ہو جائے اور اقتدار کی نیت نہ کرے۔ علیحدہ ہونے کی طرح نماز پڑھ لے یا اس

جنازہ میں شرکت ہی نہ کرے؟

الجواب بدعتی غالی نہ ہو تو اسکی اقتدار میں جنازہ پر ٹھہ لے مگر انکی کسی بدعت میں شریک نہ ہو۔ بدعتی غالی ہو تو میت کے لئے جہاں ہے

وہیں سے مخلصانہ دُعا کرے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۴۰۱ / ۲ / ۷

عبد الستار عفا اللہ عنہ

جنازہ لیکر دس دس قدم چلنا ثابت یا نہیں؟

جنازہ لے کر جو چالیس قدم ، دس دس قدم لوگ گنتے ہیں یہ صحیح

حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب یہ حدیث درمختار میں نقل کی ہے۔ من حمل جنازة اربعین خطوة كفرت عنه اربعین كبيرة اور شامی نے اس

حدیث کو زلیعی سے نقل کیا ہے۔ اور بحر میں بدائع سے منقول ہے اور شرح منیہ میں ہے کہ اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے پس اگر ضعیف بھی ہے تو عمل درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۷۸ ج ۵) فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس - ملتان

جنازہ کے وضو سے فرض ادا کرنا : جنازہ کے لئے کئے گئے

وضو سے فرض ادا کئے جا

سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب فرض ادا کئے جاسکتے ہیں ، لَذَنْ الْوُضُوءِ طَهَارَةٌ

مغرب سے چند منٹ پہلے جنازہ پڑھنے کا حکم

ایک مولوی نے نمازِ جنازہ نمازِ مغرب سے پانچ چھ منٹ پہلے ادا کی۔ کیا وہ نمازِ جنازہ جائز ہے جس نے نمازِ جنازہ پڑھائی ہے۔ کیا وہ قابلِ امامت ہے۔؟

الجواب اگر جنازہ آیا ہی اس وقت میں ہے تو یہ نماز درست ہوگئی۔ اور امام مذکور کی امامت میں کوئی حرج نہیں اور اگر جنازہ پہلے کا آیا تھا مگر

پڑھا عین غروب کے وقت تو یہ نمازِ جنازہ درست نہیں ہوئی۔ وکرة صلوة ولو على جنازة وسجدة تلاوة وسهوية شروق واستواء وغروب اھ (شامی ص ۳۷۷) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس سلطان

جنازہ کی چار پائی کو بھی خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے

کتبِ فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ جنازہ کی چار پائی کو بھی خوشبو لگائی جائے جبکہ ہمارے ہاں یہ معمول نہیں ہے کیا یہ مستحب متروک ہو گیا ہے؟

الجواب میت کی چار پائی کو بھی دترا خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے اسے بھی معمول بنایا جائے۔

فیجبر السریرو الکفن وقد ترک الناس التجمیر علی الجنازة فی دیارنا وبقی التجمیر مقصوداً علی

الکفن اھ (البنایة ص ۱۰۷) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲ / ۲ / ۱۴۰۹ ھ

میّت کے تمام احکام میں مُراہق بالغ کے حکم میں ہئے

بارہ تیرہ سال کا اگر لڑکا یا لڑکی مر جائے تو اس کا حکم بالغ کا ہے یا نابالغ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب اتنی عمر کا لڑکا اور لڑکی بالغ کے حکم میں ہے۔ (قولہ والمراہق کالبالغ) الذکر کالذکر والامنتی کالامنتی

قال في البدائع لان المراهق في حياته يخرج فيما يخرج فيه البالغ عادة فكذا يكفن فيما يكفن فيه اه (شامی ص ۶۳۸-۱۲۰) فقط والله اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کس حد تک تیز لیکر چلا جائے

عام مشہور ہے کہ جنازہ تیز تیز لیکر چلا جائے اس تیزی کی حد بیان فرمائیے کہ کس قدر تیز چلا جائے؟ سائل: رب بھروسے عطر فردش میں بازار۔ میاں چنوں

الجواب اس قدر تیز چلا جائے کہ میّت چار پائی پر ادھر ادھر نہ ہو۔ والاولی ما فی البحر حیث قال وحد الا سراع المسنون بحیث لا یضطرب المیت علی الجنازة (لططاوی علی المراقی ص ۳۳۲) فقط والله اعلم
احقر محمد انور مفتی خیر المدارس۔ ملتان

جنازہ مغرب کی فستوں سے مؤخر اور نوافل سے مقدم کیا جائے

قبل از نماز مغرب جنازہ حاضر ہو تو مطابق قاعدہ شرعیہ کے بعد ادائیگی نماز

مغرب کے سنت و نوافل سے قبل نماز جنازہ ادا کریں گے یا بعد سنت و نوافل کے نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟

مفتی بہ قول یہ ہے کہ سنت مغرب کو نماز جنازہ سے پہلے پڑھ لیا جائے۔ اور بعد میں نماز جنازہ ادا کیا جائے۔ البتہ نوافل سے جنازہ کو پہلے ادا کیا جائے۔ کہا فی الدر علی الشامیة ص ۵۸۱ و تقدم صلوة الجنائزۃ علی الخطیبة الی قوله ولكن فی البحر من الحلبي الفتوی علی تاخیر الجنائزۃ عن السنة اقره المصنف کانه الحاق لها بالسنة۔

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحق غفرلہ ، ۶/۷/۱۳۷۷ھ

عبد اللہ عفا اللہ عنہ ، ۷/۷/۱۳۷۷ھ

سود کو حلال کہنے والے کا جنازہ: ایک شخص سود کو حلال کہتا ہے اس کی نماز جنازہ ادا کریں یا نہ کریں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب یہ شخص کافر ہے اس کی نماز جنازہ ادا نہ کی جائے۔ فقط ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بغیر جنازہ پڑھی گئی لاش پر مٹی نہ ڈالی گئی ہو تو

نکال کر جنازہ پڑھا جائے

کیٹی والوں نے ایک لاوارث لاش کو عیسائیوں سے قبر کھدوا کر اس کے اندر رکھ دیا، ابھی مٹی نہیں ڈالی تھی کہ پتھر چلا کہ انہوں نے جنازہ نہیں پڑھوایا تو اب کیا کرنا چاہیے تھا آیا قبر میں پڑے پڑے کا جنازہ پڑھا جائے یا باہر نکالا جائے؟

مٹی ڈالنے سے پہلے علم ہو جائے تو نکال کر جنازہ پڑھا جاوے

(قوله واهیل علیہ التراب) فان لم یهل

انجریج وصلی علیہ کما قدمنا عن ابیہ شامیہ ص ۸۲۶ - فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

جامعہ خیر المدارس - ملتان

صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر جنازہ پڑھنا

ایک مسلمان قتل ہو گیا۔ ایک ماہ بعد اسکی نعش اس حالت میں ملی کہ جنگلی جانور اس کا گوشت پوست کھا گئے تھے۔ صرف ہڈیاں بعد میں ملی ہیں۔ اور یہ ہڈیاں واقعی اسی کی ہیں اس کے جوتوں اور شناختی کارڈ سے پہچان کر لی ہے۔ کیا اس کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ یہ جو کتب فقہ میں ہے کہ بغیر جنازہ دفن ہوئے مسلمان پر گلے سڑنے سے پہلے جنازہ پڑھا جا سکتا ہے بعد میں نہیں کیا ان ہڈیوں کا بھی یہی حکم ہے وضاحت فرمائیں!

صورتِ مسئلہ میں صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر نمازِ جنازہ جائز

نہیں۔ مرقی میں ہے کہ ویصلی علیہ ما لم یتفسخ

اسکی تشریح علامہ طحطاوی نے یہ کی ہے۔ ای تفرق اعضاء فان تفسخ

لا یصلی مطلقاً لا نہا شرعت علی البدن ولا وجود له مع التنسخ

۳۲۵ اس سے معلوم ہوا کہ پھٹنے کے بعد جنازہ جائز نہیں پھولنے پھٹنے کا عمل

گوشت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی ہوتا ہے۔ نیز لا نہا شرعت

علی البدن یہ تعلیل بھی صادق آتی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،

جو ۱۳۱۱ / ۲ / ۱۱

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

شیعہ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں

اہل سنت کیسے شیعہ کا جنازہ پڑھیں جو علانیہ شیعہ ہو ۲۔ اہل سنت کا امام اہل شیعہ کا جنازہ پڑھتا ہے اور شیعہ اس کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ بعد ازاں اہل سنت کا امام شیعہ امام کی اقتدار میں نماز جنازہ ادا کرتا ہے۔ کیا ایسا امام جو اہل سنت کا عقیدہ رکھتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

اسلامی احکامات اگر اس کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہوں تو اس کا نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں، اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو تب بھی اس کے مبتدع ہونے میں کلام نہیں اور مبتدعین کے جنازہ میں دینی مقصد کا شامل ہونا بھی زجر اور توبیخاً درست نہیں۔

کما فی الحدیث..... مشکوٰۃ ص ۲۴۲ پس امام مذکور کے لئے استغفار لازم ہے تا تب ہونے کی صورت میں اس کی امامت درست ہے۔

الجواب صحیح، عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس سلطان

۱۳۸۸ / ۱ / ۱۸

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

نامحرم عورت کی میت کو کنڈھا دینا درست ہے

عورت کا جنازہ غیر محرم مرد قبرستان کی طرف لے جاتے وقت اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس میں امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک کیا اختلاف ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ناجائز اور امام اعظم کے نزدیک جائز ہے کیا یہ صحیح ہے؟

۱۔ عورت نامحرم کے جنازہ کو کنڈھا دینا بھی مستحب ہے اور ثواب ہے۔

۲۔ اور چاروں پاؤں کو اٹھانا مستحب ہے۔ ہر ایک پائے کو دس قدم اٹھانا بہتر ہے ورنہ جیسے میسر ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نامحرم عورت کے جنازہ کو کنڈھا دینا، کہیں نظر سے نہیں گزرا (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۸۲)

فقط واللہ اعلم، محمد انور غفرلہ

نمازِ جنازہ کی لوگوں کو اطلاع دینا

نمازِ جنازہ کا آبادی، بازار وغیرہ میں اعلان کرنا کیسا ہے؟
الجواب جاہلیت کے طریقہ پر اور مردوجہ طریق پر رکشوں پر سپیکر لگا کر تمام
 شہر اور گلی کوچوں میں اعلان کرنا پسندیدہ نہیں۔ ہاں بے تکلف
 جن جن حضرات اور عزیز واقارب کو اطلاع ہو سکے اس میں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اتباع
 جنازہ بھی مسلم میت کے حقوق میں سے ہے اور یہ اطلاع ہی پر موقوف ہے۔

ویکرہ النداء فی الاسواق والمحلات لان ذالک تشبہ
 باهل الجاهلیة کذا ذکر الفقیہ ابو اللیث۔ قال صاحب
 الاختیار والاصح انہ لا یکرہ لان فیہ اعلام الناس فیئودون
 حقہ و فیہ تکثیر المصلین والمستغفرین لہ اھ (تبین الحقائق ص ۲۳۵)
 ۱۳ / ۹ / ۱۴۱۱ ھ فقط واللہ اعلم محمد انور غفرلہ

کیا جنات سے بھی حساب و کتاب ہوگا؟

قیامت کے روز جنات سے حساب و کتاب ہوگا یا نہیں اور دوزخ، جنت میں ان کا
 داخلہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب جنات سے حساب و کتاب اور اس کے بعد اسپر ثواب و عتاب متعدد احادیث
 میں وارد ہے۔ بعض نے دخولِ جنت کا بھی لکھا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے
 کہ ان کو عذاب سے بچاؤ ہی ان کے لئے جنت ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو دیکھیں حیوۃ المؤمنین
 جلد اول — فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ، ۱۳ / ۴ / ۱۴۰۰ ھ

تعزیت کے لئے دریاں بچھا کر بیٹھنا

ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اہل میت اپنے مکان کے دروازہ پر چٹائی وغیرہ بچھاتے ہیں جہاں پر لوگ تعزیت کے لئے آکر بیٹھ جاتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے۔؟

الجواب تدفین کے بعد مستقل تعزیت کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے اور رسم جاہلیت ہے، ہرگز ایسا نہ کیا جائے جو اتفاقاً جہاں ملے وقت کے اندر اندر تعزیت کر لے۔

ویکرہ التعزیت عند القبر وعند باب الدار (در مختار) (قوله وعند باب الدار) وفي الظهيرية ويكره الجلوس على باب الدار للتعزية لانه عمل اهل الجاهلية وقد نهى عنه وما يصنع في بلاد العجم من فرش البسط والقيام على قوارع الطريق من اقبح القبائح اه (شامی ص ۸۲۲) فقط والله اعلم
محمد انور غفر له

○
جنازہ لیجاتے وقت سر آگے رکھیں : سنت کے موافق سر آگے ہونا چاہیئے مگر عوام اس کے برعکس کرتے ہیں کہ پیر آگے اور سر پیچھے جس سے مونڈھا دیتے وقت بھی سنت کی موافقت نہیں ہوتی اور ویسے بھی برا معلوم ہوتا ہے مگر وہ اس لئے کہ پیر میت کے قبلہ کی طرف ہوتے ہیں مطلع فرمائیں ایسا کرنا چاہیئے یا نہیں، قبرستان بستی سے جانب مشرق ہے۔

الجواب وفي العالمكيرية ص ۸۲ وفي حالة المشي بالجنازة لا يقدم اليراس - روايت بالا سے معلوم ہوا کہ جنازہ کو قبرستان

کی طرف لیجاتے وقت سر آگے کی طرف ہونا چاہیے اگرچہ قبرستان مشرق ہی کی طرف ہو عوام کی باتوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ،

عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس۔ ملتان

نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

۲۵ / ۲ / ۱۳۸۴ ھ

جس میت کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس کے جنازہ کا حکم

ایک عورت کی لاش ملی ہے مگر پتہ نہیں چلتا کہ مسلمہ کی ہے یا غیر مسلمہ کی کیا اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں ؟

مذکورہ عورت کی نماز جنازہ پڑھی جاوے۔ ولو وجد میت **الجواب**

او قتل فی دار الاسلام الصحيح انه ینسل و یدفن فی مقابر المسلمین لحصول غلبۃ الظن بكونه مسلماً بدلالة المكان وھی دار الاسلام و فیہ وھل یعمل بدلیل المكان و حدة الصحيح انه یعمل به لحصول غلبۃ الظن اھ بدائع (ص ۳۰۲) ،

الجواب صحیح ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

محمد صدیق مدرس خیر المدارس ملتان ۱۹ / ۹ / ۹۶ ھ

جماعت میں دیر ہو تو نماز جنازہ کو مؤخر نہ کیا جائے

زید کہتا ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جائے۔ چاہے جماعت کا وقت ایک آدھ گھنٹہ بعد ہو تو اب اگر ایک جنازہ آجائے تو پہلے فرض نماز پڑھی جائے۔

پھر جنازہ پڑھا جائے کیا زید کی بات صحیح ہے ؟

- ۲۔ عصر کی نماز کے بعد نمازِ جنازہ درست ہے۔
- ۳۔ عصر کی نماز سے پہلے بھی نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟
- ۳۱۔ زید کی بات درست نہیں تقدیم فرض علی الجنائزہ کا حکم ہر صورت میں نہیں۔ ہاں اگر جماعت تیار ہو تو پھر فرض وقت کو مقدم کیا جائے۔
- اگر جماعت میں اتنی دیر ہو جتنی سوال میں مذکور ہے۔ تو جنازہ ہی پہلے پڑھا جائے
- وینبغی تقدیم الجنائزۃ و الکسوف حتی علی الفرض ما لم یضق
- وقته اھ (شامی ص ۱۲۰) و کذا فی فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۶۳ ج ۵
- ۳۲ درست ہے۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ
- نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کبھی نماز نہ پڑھنے والا جنازہ پڑھا سکتا ہے

- تارک نماز پنج گانہ اگر نمازِ جنازہ پڑھائے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟
- نمازِ جنازہ ادا ہو جائے گی لیکن ایسے شخص کو امام بنانا
- ناجائز ہے۔ و تکرہ امامت الفاسق۔ فقط واللہ اعلم،
- الجواب صحیح،
- ۱۲/۵ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
- عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ۱۳۸۲ نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کل شرکاءِ جنازہ سات ہوں تو بھی طاق صفیں بنانا اولیٰ ہے

- اگر جنازہ میں صرف چند آدمی ہوں تو بھی طاق صفیں بنانی جائیں یا ایک ہی صف
- بنانی جائے؟
- و تر صفیں بنانا اولیٰ ہے حتیٰ کہ اگر کل سات آدمی ہوں تو بھی تین

صُفَّيْنِ بِنَانَا اُولٰٓئِیْنَ هُنَّ۔ اِسْ طَرَحْ كَهْ اِیْكَ اِمَامِ بْنِ جَانَّیْنَ۔ اِسْ كَهْ یَسْجُجْہِیْ پَهْلِیْ صُفِّیْ
تَبِیْنِ اَدْمِیْیُوْنَ كِیْ هُوْ دُوْسَرِیْ دُوْ كِیْ اُوْر تِیْسَرِیْ اِیْكَ كِیْ۔

ولہذا قال في المحيط ويستحب ان يصف ثلاثة صفوف
حتى لو كانوا سبعة يتقدم احدهم لئلا مامة ويقف ورائة
ثلاثة ثم اثنان ثم واحد اه (شامی ص ۸۱۸ ج ۱) فقط والشرائط
محمد انور عفران

کسی خاص شخص کے بارے میں جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تو اس کا حکم

اگر کوئی یہ وصیت کر جائے کہ میری نماز جنازہ فلاں شخص پڑھائے کیا اس
وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے ؟
اس وصیت کا پورا کرنا لازم نہیں۔ ہاں اگر کسی بزرگ شخص کے
بارے میں وصیت کی ہو اور آسانی سے اس پر عمل ہو سکتا ہے
تو مضائقہ بھی نہیں۔

ولو اوصى ان يصلى عليه فلان ففى العيون ان الوصية باطلة
وفى نوادر ابن رستم جائزة ويؤمر فلان بالصلاة عليه۔ قال
صدر الشهيد الفتوى على الاول اه (تبيين الحقائق ص ۲۲۹)
فقط والله اعلم ، محمد انور عفران

جنازہ کے بارے میں عام مساجد کو عزمین پر قیاس نہ کیا جائے

مسجد میں نماز جنازہ سے روکا جائے تو بعض لوگ مسجد حرام کا حوالہ دیتے ہیں
کہ وہاں ہوتا ہے لہذا یہاں بھی جائز ہونا چاہیے۔ اس اشکال کا مدلل جواب

تحریر فرمائیں؟ کیا مسجد حرام پر عام مساجد کو قیاس کرنا درست ہے؟
الجواب حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وکرامۃً اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور
 فقہاء کرام نے اس استثناء کی چند وجوہ ذکر فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

واما مسجد الحرام فستثنیٰ كما صرح به ابن الضیاء اذ هو
 موضوع للدعاء المكتوبات والجمعة والعيدین وصلوة الکسوف
 والخسوف وصلوة الجنائز والاسْتِسْقَاءِ ولعلہ لهذا المعنى
 جمع فی قوله تعالیٰ انما یعمر مسجد اللہ او الکبرۃ او وسعۃ
 قدرۃ اولت عظیم امرہ اولاشتمالہ علی جہات کل جہۃ بمنزلۃ
 مسجد اولانہ، قبلة المساجد کلھا اھ (شرح نقایہ ص ۱۳۷)
 فقط واللہ اعلم ، محمد النور عفا اللہ عنہ

اجرت طے کر کے جنازہ پڑھانا

بستی کے مولوی صاحب اتفاقاً نہ تھے، باہر سے ایک مولوی صاحب آئے انہیں
 جنازہ کا کہا گیا تو انہوں نے کہا میں غریب آدمی ہوں میری کچھ خدمت ضرور کرنا چاہیے
 پچاس روپے طے پاتے تب انہوں نے جنازہ پڑھایا کیا یہ جنازہ ہو گیا؟
الجواب نماز جنازہ ادا ہوگئی اور نمازیوں سے فرض ساقط ہو گیا مگر اجرت
 لینا حرام ہے۔

ولا یجوز اخذ الاجرة علی الطاعة کالمعصية و فیہ ان
 اخذ الاجرة علی الطاعة لا یجوز مطلقاً عند المتقدمین
 واجازۃ المتأخرین علی تعلیم القرآن والاذان والامامة
 للضرورة کما بین فی محله ومقتضاه عدم الجواز هنا وان
 وجد عنده لانه طاعة تعین اولاً ولا تخص عدم الجواز

بالواجب نعم الا ستيجار على الواجب غير جائز اتفاقاً الخ
وعبارة الفتح ولا يجوز الا ستيجار على غسل الميت ويجوز
على الحمل والدفن واجازة بعضهم في الغسل ايضاً شاميه ص ۸۴
فقط والله اعلم،
محمد انور عفا الله عنه

مُطلقہ رجعيہ اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے

کیا مطلقہ خاوند کو غسل دے سکتی ہے؟
اصل تو مرد عزیز واقارب کو غسل دینا چاہتے لیکن بہر حال اگر
رجعیہ ہو اور عدت میں ہو تو غسل دے سکتی ہے۔
فلو كان طلقها ثم مات وهي في العدة فان كان الطلاق
رجعياً فلها ان تغسله لان الطلاق الرجعي لا يزيل الزوجية
وان كان بائناً لا تغسله اه (بتبيين الحقائق ص ۲۳۵ ج ۱)
محمد انور عفا الله عنه

مُرتد کو کیسے دفن کیا جائے؟ : مُرتد جب قتل کر دیا جائے تو

اِس کو کیسے دفن کیا جائے؟
گڑھا کھود کر کتے کی طرح اس میں پھینک دیا جائے۔

اذا قتل المرتد يحفر حفيرة ويلقى فيها

كالكلب اه (مجموعۃ الفتاوى ص ۲۲۴ ج ۱)
فقط والله اعلم،

محمد انور

مرنے والا وصیت کر جائے تو تہائی مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے

عورت کا انتقال ہو گیا ہے اس نے کچھ نقد کچھ زیور اور کپڑے چھوڑے ہیں ان کے ذمہ کچھ زکوٰۃ بھی دینی باقی ہے خاوندان کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرے یا اپنے پاس سے ادا کرے ؟

الجواب صحیح ،
 اگر متوفیٰ مذکورہ زکوٰۃ دینے کی وصیت کر گئی ہو تو اس کے تہائی مال میں سے ادا کر دی جائے اور اگر وصیت نہیں کر گئی تو پھر ورثہ پر اسکی طرف سے زکوٰۃ دینا لازم نہیں۔ ہاں اگر کوئی وارث خوشی سے اپنے مال سے اسکی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو بہت بہتر ہے یا سب وارثان رضامندی کے ساتھ بشرطیکہ سب بالغ ہوں تو اس کے کل ترکہ میں سے قبل از تقسیم ادا کر دیں تو بھی درست ہے۔
 فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ ، بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ ، ۲۵ / ۱ / ۱۳۷۸ھ
 الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

قبر کے کتبہ پر کیا لکھنا چاہیے :

ہماری سیاحوں میں جامع مسجد محمودیہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب جو خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد عبدالقادر رائے پوریؒ ہیں کی قبر ہے۔ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی قبر پر ان کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے۔ اس تختی کے علاوہ اب ایک نمازی نے ان کے سر ہانے کی طرف دیوار پر مندرجہ ذیل عبارت لکھوا دی ہے۔
 بسم اللہ الرحمن الرحیم ، یا اللہ ، یا محمد ، فاذکرونی اذکرکم افضل الذکر لہ
 الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بنا اعمال کو رحمت کے قابل ، کیا کہ ہر گھڑی ذکر الہی۔ اور بھی اشعار ہیں۔ اس سلسلہ میں نمازیوں نے مولانا کے صاحبزادے کو کہا کہ یہ تو آہستہ آہستہ مزار بن جائے گا اور عورتیں آنے لگیں گی۔ چادر چڑھانے لگ جائیں گے۔ آئندہ چل کر کتیش شروع ہو جائے گی مولانا کی وصیت بھی ہے کہ مجھے قبرستان میں دفن کرنے کے بجائے

مسجد میں دفن کرنا کہیں میری قبر بھی شرک کا اڈہ نہ بن جائے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا مضامین اضافہ کرنے کی اجازت ہے یا نہ ؟

بوقت ضرورت نام اور تاریخ وفات کی اجازت ہے اس سے زائد **الجواب** ممنوع ہے۔۔۔ بزرگان دین کا بھی یہی معمول ہے۔ لہذا اس

پر اضافہ نہ کیا جائے۔ وان احتیج الی الکتابۃ حتی لا یدھب الاثر ولا یمتھن فلا بأس بہ، فاما الکتابۃ لیسیر عذر فلا اھ حتی انه یکرۃ کتابۃ شئی علیہ من القرآن او الشعر او اطراء ہدح لہ اھ (شامی ص ۶۶۲)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد انور ۱۳ / ۷ / ۱۴۰۹ ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی

نماز جنازہ میں دعا جہراً مانگنا شرعاً **نماز جنازہ سراً ادا کی جائے :** درست ہے یا نہیں ؟

نماز جنازہ دعا و ذکر ہے اور اس کے بارے میں اخفاء اولیٰ ہے لہذا جہراً کیا جائے۔ **الجواب**

وینحفت فی الصلوات فی التکبیر (کنز الدقائق) وفي الذخیرۃ ولا یجہر فی صلوٰۃ الجنائزۃ بشئی فی الحمد، والثناء و صلوة النبی لانه ذکر والاخفاء فی الذکر اولیٰ (تبيين الحقائق ص ۲۴۱)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ

نابالغہ بچی جس کا باپ مرزائی مگر والدہ مسلمان
ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے

مولوی محمد طیب لدو آدمی اور موجود تھے کہ چوہدری محمد شریف آیا اور اس نے

کہا مولوی صاحب ایک سال بھر کی لڑکی فوت ہو گئی ہے۔ جس کا والد مرزائی ہے اور والدہ اہلسنت والجماعت کی ہے آپ کا کیا خیال ہے جنازہ پڑھانے کا۔ مولوی صاحب نے کہا مرزائی جنازہ پڑھائیں گے۔ تو محمد شریف نے کہا کہ لڑکی کی والدہ تو اہل سنت والجماعت کی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا بے شک لڑکی کی والدہ سنی ہے۔ مگر لطفہ کس کا ہے۔ محمد شریف نے کہا کہ لطفہ تو مرزائی کا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مرزائی جنازہ پڑھائیں گے تو محمد شریف چلا گیا۔ دس بارہ منٹ کے بعد محمد شریف پھر آ گیا۔ اس نے کہا کہ لڑکی کی والدہ کہتی ہے۔ اگر کوئی صورت ہو تو مولوی صاحب کو کہو کہ جنازہ پڑھا دیں ورنہ ہم بلا جنازہ پڑھائے دفن کر دیں گے۔ اور مرزائی سے جنازہ نہیں پڑھائیں گے۔ پھر مولوی صاحب نے کہا لاؤ میں جنازہ پڑھاؤں گا۔ پھر جنازہ آ گیا اور حنفی اور اہل حدیث سب نے مل کر جنازہ پڑھ دیا۔ بعد میں ایک آدمی نے کہا کہ یہ جنازہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے سب کافر ہو گئے اور ان سب کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں۔ کیا یہ آدمی سچا ہے یا جھوٹا ؟

لڑکی مذکورہ کا جنازہ مسلمانوں ہی کو پڑھانا چاہیے تھا۔ لہذا جن لوگوں نے لڑکی کی نماز جنازہ پڑھی ہے انہوں نے درست کیا ہے۔

الجواب صحیح ،
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم ،
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

حضرت تھانویؒ نہ ہی دعا بعد الجنازہ کے قابل تھے اور نہ ہی ان کے جہنازہ کے بعد دعا ہوتی ہے

آپ کے مدرسہ کے مدرسین یا متعلقین میں کسی بزرگ حضرت تھانویؒ کے جنازہ میں یا کبھی ان حضرات کی اقتدار میں نماز جنازہ پڑھی ہو تو کیا یہ حضرات بعد از سلام نماز جنازہ

دُعا کرتے تھے، جبکہ ایک امام صاحب کہتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ تو ایسا کرتے تھے
حضرت تھانویؒ کے جنازہ پر بھی دُعا ہوتی تھی۔

یہ بہتان دافر اُٹھتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ جنازہ کے بعد دعا کرتے تھے
یا آپ کے جنازہ کے بعد یہ مرّوجہ دعا مانگی گئی۔ حضرت تھانویؒ کی
نماز جنازہ میں شرکت کر نیوالے بہت سے لوگ اب تک زندہ ہیں بلکہ پڑھائی والے بھی بقید
حیات ہیں۔ سب اسکی تصدیق کریں گے کہ مذکورہ بالا دونوں باتیں جھوٹ ہیں۔

الجواب صحیح،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۱ / ۱۰ / ۹۷

ایکسٹرنٹ میں فوت شدہ شہیدِ آخرت

زید کسی ایکسٹرنٹ میں اچانک مر گیا تو یہ شہید ہے یا نہیں اگر شہادت میں شامل ہے
تو کون سی شہادت ملے گی ایسے شہید کو غسل اور کفن دیا جائے گا۔ اور اس امتحان اور
عذابِ قبر معاف ہے یا نہیں؟ ۲۶۔ زید بلا قصور مقدمہ قتل میں ملوث ہو گیا اسکو پھانسی
ہو گئی تو مظلومیت کی بناء پر شہید ہے یا نہیں۔ اور شہید والے احکام اس پر مرتب
ہوں گے یا نہیں؟

ایکسٹرنٹ کی صورت میں موت واقع ہونے اور مقدمہ قتل میں بلا قصور
ملوث کو پھانسی ہو جانے سے جو موت واقع ہو جائے دونوں کو بعد الموت
غسل دیا جائے گا اور کفن دیا جائے گا۔ اور نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ یہ شہید ہیں مگر
احکامِ آخرت کے اعتبار سے نہ کہ احکامِ دنیا کے اعتبار سے۔ کیونکہ جس شہید کے لئے
احکامِ دنیا بدلتے ہیں۔ اسکی تعریف ان پر صادق نہیں آتی وہ تعریف یہ ہے۔

هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجراحة ای بما یوجب
القصاص ولم یجب بنفس القتل مان لا قواه وكذا الوقت له
باع او حربی او قاطع طریق ولو تسبباً او بغیر آلت جراحة
او وجد جسماً حیثاً فی معرکتهم كذا فی الدر المختار^{۶۳۶}
مشکر نکیر کے سوال کے بارے میں ردالمحتار میں ہے کہ شہید اس کے مستثنیٰ ہے۔
ثم ذکر ان من لا یسأل ثمانیة الشہید والمرابط والمطعون
والمیت زمن الطاعون ص ۶۳۸ ۱۲ھ۔ فقط واللہ اعلم ،
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کفار کی فوج میں شریک مسلمان مر جائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟

اگر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ ہو اور ہندوستان کی فوج میں کچھ
مسلمان بھی موجود ہوں اور وہ اپنے ملک کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے جائیں تو
کیا ہم انہیں بھی شہید کہیں گے یا کوئی اور حکم لگائیں گے۔ جبکہ ان مسلمان فوجیوں کو جبراً
جنگ میں لایا جاتا ہے اور انکار کی صورت میں جان کا خطرہ ہے، آپ عرض ہے کہ
مسئلہ کا جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

الجواب صحیح
اگر کافروں کی فوج میں مسلمان ہیں اور ان کو جبراً مسلمانوں کے سامنے
لایا جائے تو مسلمان فوج کافروں کو مارنے کی نیت سے گولی چلائے
اور قتال وجہاد کریں ان کی گولی سے اگر کوئی مسلمان مر جائے تو مسلمان فوج نہ تو
عند اللہ مجرم ہے اور نہ ہی قتل مسلم کے احکام دنیاوی مرتب ہوں گے۔ ہندیہ میں ہے۔
ولا بأس برمیہم وان کان فیہم مسلم اسیراً وتاجران
تترسو الصبیان المسلمین او بالاساری لم یکفوا عن

رميهم وليقصدون بالرمي الكفار وما اصابوا منهم

لا دية عليهم ولا كفارة (۲۵۰ ج ۲)

کفار کی طرف سے جو مسلمان مر گیا وہ آخرت کے اعتبار سے تو شہید ہے۔ حکم دنیاوی کے اعتبار سے (مثلاً عدم غسل وغیرہ) امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شہید نہ ہوگا۔ البتہ امام ابو یوسفؒ شہید قرار دیتے ہیں۔ ہندو میں ہے۔ اور علی مسلم الی المشرکین فاصاب مسلماً (الی ان قال) وما تو ایضاً یضلون خلافاً لابن یوسفؒ (ج ۱ ص ۸۶)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۶/۳/۱۴۰۹ ہجری
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نقطہ واللہ اعلم،

شہید زخمی ہونے کے بعد ہوش میں نہ آئے تو اسے غسل نہ دیا جائے

ڈیرہ اسماعیل خان سے علماء کرام کا وفد حضرت مولانا حقنواز جھنگوی شہیدؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے گیا۔ اس وقت مظلوم حضرت شہیدؒ کی میت ہسپتال میں تھی۔ وہاں سُننے میں آیا کہ آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ مولینا کو غسل نہ دیا جائے کیا یہ صحیح ہے؟ نیز دورِ حاضر میں اگر کوئی مسلمان کسی باطل فرقے کے ہاتھوں مثلاً شیعوں، قادیانی، مودودی خارجی وغیرہ کے ہاتھوں شہید ہو جائے تو کیا اسے غسل دیا جائے یا نہیں؟ مدلل جواب دیں؟

مولانا عبدالنخبش، مدرس ناظم دارالعلوم عثمانیہ، مرالی

تنویر الابصار میں شہید دنیوی واخر دی کی تعریف درج ذیل ہے۔

”ہو کل مکلف مسلم ظاہر قتل ظلماً بجارحة ولم

يجب بنفس القتل مال ولم يرتث وكذا لو قتله باغ او

قاطع طريق ولو بغير الة جارحة الخ“

مذکورہ دونوں شقوں کے لحاظ سے حضرت جھنگویؒ شہید ہیں جس شخص میں بھی مذکورہ اوصاف موجود ہوں تو وہ شہید کہلائے گا۔ خواہ قاتل کا تعلق کسی فریق سے ہی

کیوں نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ،
 (ف) :- واقعات کے مطابق مولانا مظلوم شہیدؒ زخمی ہوتے ہی بے ہوش ہو کر گر
 پڑے اور اسی حالت میں بے ہوشی میں انہیں ہسپتال لے جایا گیا۔ اور ہسپتال پہنچنے سے
 قبل ہی رُوح پرواز کر گئی۔ لہذا اثرات بھی نہیں پایا گیا۔ اسلئے غسل نہیں دینا
 چاہیے تھا۔ نفی الثامیۃ ”خلو لم یعقل لا یغسل وان زاد علی
 یوم ولیلۃ۔ (شامی: ۶/۲۷۷ جلد اول) والجواب صحیح ،
 ۱۹ / ۸ / ۱۴۱۰ ہجری بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،

زنا کرتے ہوئے قتل ہو جانے والا شہید نہیں

ایک شخص زنا میں مبتلا ہے اس کو دوسرا شخص اسی وقت عورت کے اوپر
 اس کو جان سے مار ڈالتا ہے مرنے والا شہید ہے یا نہیں ؟
 ایسا مقتول شہید نہیں جبکہ قاتل کی بیوی وغیرہ سے فعل بد کی صورت
 میں مقتول ہوا ہو۔ کما تَدُلُّ عَلَیْهِ هَذِهِ الْجَزْئِیَّةُ لَوْ كَانَ
 مَعَ امْرَأَتِهِ وَهُوَ یَزْنِی بِهَا أَوْ مَعَ مَحْرَمَةٍ وَهَمَّا مَطَاوَعَانِ قَتَلَهُمَا جَمِيعًا
 (در مختار ص ۱۸۵)۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ ،
 الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۱۳ / ۲ / ۸۶ ہجری

شہید کو غسل نہ دیا جائے : ایک بے گناہ لڑکی قتل ہوئی ہے اس کے
 باپ نے اس کو چھڑی سے قتل کیا ہے وہ اس سے فعل بد کرنا چاہتا تھا تو اب اسے انہی کپڑوں میں دفن کیا جائے یا
 نہ ؟ محلہ کے لوگ یہ تصدیق کرتے ہیں کہ لڑکی حق بجانب تھی۔

وہو فی الشرع من قتلہ اهل الحرب والبنی الخ

او قتله مسلم ظلماً ولم تجب بقتله دية كذا في الكافي
ولو وجبت الدية بصلح او بقتل الاب ابنه لا تسقط

الشهادة اه (هنديه ص ۸۶ ج ۱)

وحكمه ان لا يغسل ويصلى عليه ويدفن بدمه اه كذا
في الهنديه ص ۸۶ ج ۱

جزئیات بالا کی بنا پر یہ مظلوم لڑکی شہید ہے لہذا اسے غسل نہ دیا جائے۔
بلکہ اپنی خون آلود کپڑوں میں کفن دے کر نماز جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا جائے اگر یہ
کپڑے کفن سنت سے کم ہوں تو مزید کپڑا کفن میں شامل کیا جا سکتا ہے فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ،
خیر محمد عفا اللہ عنہ ،
۵/۹
۵/۸۶
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،
نائب مفتی خیر المدارس عمان

نیم پاگل ڈوب کر مر جائے تو شہید ہو گا یا نہیں ؟

نیم پاگل اگر کونٹوں میں گر کر مر جائے تو اس کو شہادتِ صغریٰ کا درجہ ملے گا یا نہیں؟
اگر کچھ دین ایمان کو سمجھتا ہے تو اُسے یہ موت ضرور رفع
درجات کا سبب بنے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،
۱۲۰۱ / ۲ / ۴

ہجوم میں دَب کر مرنے والا حکماً شہید ہے

ایک شخص اسلامی کانفرنس پر گیا اس غرض سے کہ شاہی مسجد میں شاہ فیصل
کے پیچھے نماز جمعہ بھی ادا کریں گے تو نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد ہجوم کے اندر دَب
کر فوت ہو گیا۔ کیا یہ متوفی شہید ہے یا نہیں ؟

یہ شخص حکماً شہید ہے لیکن اے عُئل وغیرہ دیا جائے گا۔

الجواب

فقط ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ، ۹ / ۲ / ۹۲ هج

جلسے جلوسوں میں مرنے والا شہید ہوگا یا نہیں ؟

۱۔ ایک شخص موجودہ جلسے اور جلوسوں میں شمولیت کرتا ہے یعنی قومی اتحاد کے جلسے اور جلوسوں میں اور ان میں تشدد کا نشانہ بن جائے یا قتل ہو جائے کیا یہ شخص شہید ہے یا نہیں ؟

۲۔ ان جلسوں اور جلوسوں میں بغیر اذن والدین کے شرکت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

دنیادی احکام کے لحاظ سے اگر اس پر شہید کی تعریف ، صادق آتی ہو تو اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے البتہ

انجام کا دار و مدار نیت پر ہے لقولہ علیہ السلام انما الاعمال بالنیات -

۲۔ جہاد بھی جب تک فرض کفایہ کے درجہ میں ہو تو والدین کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے ۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خیر المدارس - ملتان

۲ / ۴ / ۹۸ هج

جنازہ کب فرض ہوا؟ نماز جنازہ کب فرض ہوئی ہجرت سے قبل یا بعد کیا حضرت خدیجہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی گئی یا نہ اگر پڑھائی گئی تو

کس نے پڑھائی؟

نماز جنازہ کی مشروعیت ہجرت کے پہلے سال ہوئی ہے ہجرت سے قبل جو حضرات وفات پا گئے تھے انکی نماز جنازہ نہیں پڑھائی گئی۔
ادبوزالمالک میں ہے۔ وفي الاضواء الساطعة شرعت صلواته الجنازة بالمدينة المنورة في السنة الاولى من الهجرة ضمن مات مكة المشرفة لم يصل عليه (ص ۱۹۱)

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

۱۲ / ۱ / ۱۳۹۰

جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مُصلیٰ پہچانا

نماز جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مُصلیٰ جائے نماز پہچانا کیسا ہے؟
ضروری نہیں۔ اور جو فعل شرعاً ضروری نہ ہو اسے لازم قرار دینا ہجرت سے

فقط واللہ اعلم، محمد اسحاق

۱۳ / ۶ / ۲۳ مدرستہ خیر المدارس کس، قتان

میت کو بوقت جنازہ چار پائی کے بجائے زمین پر رکھنا

بعض علاقوں میں جنازہ پڑھتے وقت میت کو چار پائی سے نیچے اتار دیتے ہیں کیا یہ کونسا سنت ہے یا مستحب یا مباح؟

شروع میں ایسا فعل ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ ۲۸ / ۲ / ۱۴۱۲ھ

نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو جنازہ پڑھنے سے حائث نہ ہوگا

ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا نہ پڑھاؤں گا۔ اگر وہ نماز جنازہ پڑھے یا پڑھاوے۔ آیا حائث ہوگا یا نہیں؟

دو نوں صورتوں میں حائث نہ ہوگا۔ **ففى السہندیة ولوحلف** لا یصلی فقام وقرأ و رکع لم یحث وان سجد مع **ابو یوسف** ذالک ثم قطع حث کذا فی الہدایة۔ جب قیام و قرأت اور رکوع پائے جانے کے باوجود حائث نہیں ہوتا تو جنازہ پڑھنے یا پڑھانے سے بطریق اولیٰ حائث نہیں ہوگا۔ نیز اس لئے کہ نماز سے مراد صلوٰۃ مطلقہ ہے جو رکوع سجدے والی ہوتی ہے۔ جنازہ اس میں داخل نہیں۔ **وفیہا ایضاً رجل حلف ان لا یؤم احداً (الی ان قال) ولو ام الناس فی صلوٰۃ الجنازة وسجدة التلاوة لا یحث لان یمینہ تنصرف الی الصلوٰۃ المطلقة وهی المکتوبة او النافلة وصلوٰۃ الجنازة لیست بصلوٰۃ مطلقہ ص ۲۱۲-۲۱۵** اور ابن الہمام کی بحث صورت مسئلہ میں جاری نہیں، علاوہ ازیں خلاصۃ الفوائد ص ۱۲۹ اور بحر الرائق ص ۳۸۹ میں بھی یہ مسئلہ مصرح ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ^{مٹان} ۱۴۰۱/۶/۲۹

مجذوم جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ : زید فوج میں اپنے مقام پر فوت ہو گیا فوجیوں نے

کفن وغیرہ دے کر جنازہ پڑھ دیا اور لاش و رثا کو پہنچا دی۔ جب لاش یہاں پہنچی تو باپ نے امام مسجد سے کہا کہ جنازہ پڑھاؤ امام نے کہا کہ میں تو نہیں پڑھا سکتا تم ولی ہو۔ تم دوبارہ پڑھا سکتے ہو۔ مگر تم جذام کے مریض ہو لہذا تمہاری امامت درست نہیں۔ نتیجہً بغیر جنازہ ہی دفن کر دیا گیا

الجواب ولی یعنی باپ امام صاحب کو اجازت دے کر امام صاحب سے جنازہ پڑھوا سکتا تھا ولی کو حق ہے خود پڑھے یا کسی سے پڑھوائے البتہ مجرم کی امامت مکروہ ہے۔ وَلَهُ الْحُكْمُ وَمِثْلَهُ كُلُّ يَوْمٍ عَلَيْهِ مِنَ الْوَالِدِ الْإِذْنُ لِغَيْرِهِ فِيهَا لِأَنَّهُ حَقٌّ فِيمَلِكِ الْبَطَالِہِ
 اہ در مختار ص ۸۲۲ (شامی) - محمد انور ۲۱ / ۴ / ۱۲۰۳ ھ

ناپاک کپڑوں میں جنازہ کا حکم : ناپاک کپڑوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں ؟

الجواب ناپاک کپڑے پہن کر نماز جنازہ درست نہیں۔
 فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
 نائب مفتی خیر المدارس - عمان
 محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
 ۲۴ / ۲ / ۹۱ ھ

جنازہ پر رشتہ دار جو چادریں ڈالتے ہیں وہ انہیں کی ملک ہیں

ایک عورت جس کا خاوند پہلے فوت ہو چکا تھا اس عورت کے مرنے کے بعد اور دفن کرنے سے پہلے جو چادریں برادری کی عزت کے لئے اس پر ڈالی گئیں وہ چادریں کس کا حق بنتی ہیں اس عورت کا باپ کہتا ہے کہ لوگوں نے میری عزت کے لئے ڈالی ہیں اور مرنے والی کے خاوند کا بھائی کہتا ہے کہ یہ چادریں میری عزت کے لئے ڈالی گئی ہیں۔ لہذا میرا حق ہے۔ اب وہ شرعاً کس کا حق ہیں ؟
الجواب وہ چادریں ڈالنے والوں کی ملکیت ہیں ان سے استفسار کیا جاوے۔

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،
 عبد الستار عفا اللہ عنہ ۳۹۶ ھ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

نابالغ کی قبر پر فاتحہ بقرہ پڑھنے کا حکم

نابالغ لڑکا یا لڑکی فوت ہو جائے تو تدفین کے بعد اسکی قبر پر اول و آخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے یا نہیں ؟

الجواب
کان ابن عمرؓ یستحب ان یقرء علی القبر بعد الدفن
اول سورة البقرة وخاتمها (شامی ص ۲۳۸)

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا مات احدکم فلا تجسوا واسرعوا بہ الی قبرہ ویقرء عند رأسہ فاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال والصیحح انہ موقوف علیہ (ص ۱۲۹)۔ حدیث پاک میں چونکہ کسی میت بالغا کی شرط نہیں لگائی اس سے بظاہر حکم میں نعیم معلوم ہوتی ہے۔ لہذا نابالغ کی قبر پر بھی اول و آخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عطاء اللہ عنہ ۲/۶/۱۴۰۸ھ

قبر میں میت کے نیچے چادر یا چٹائی وغیرہ نہ بچھائی جائے

بعض علاقوں میں رواج ہے کہ لحد میں میت کے نیچے چٹائی بچھادیتے ہیں اور چادر وغیرہ بچھادیتے ہیں کیا درست ہے ؟

الجواب
لحد میں کوئی چیز نہ بچھائی جائے مٹی پر میت کو لٹا دیا جائے۔
وفی الاکتفاء اشعار بانہ لا یلقى الحصیر فی القبر

تحت المیت فانہ مکروہ اھ (جامع الرموز ص ۱۹۲)

ولا یجوز ان یوضع فیہ مضرۃ۔ (در مختار)

(قوله ولا يجوز الخ) ای یکره ذالک قال فی الحلیة ویکره
ان یوضع تحت المیت فی القبر مضربة او مخدّة او حصیر
أو نحو ذالک اه و لعل وجهه انه اتلاف مال بلا ضرورة
فالکراهة تحریمیة ولذا عین بلا يجوز اه (شامی ص ۶۵۹ ج ۱۲)
فقط واللہ اعلم ، محمد انور ، ۱۱ / ۹ / ۱۳۹۸ھ

پسماندگان کے بارے میں بدعات وغیرہ کرنے کا اندیشہ ہو تو وصیت کر جائے

حُسنِ خاتمہ کے لئے وصیت نہ کرنا ایسے تاکہ مرنے کے بعد کسی رسم و رواج
میں مبتلا نہ ہوں مرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اپنے عزیز و اقارب کو وصیت نامہ تباہ
اور سمجھا دوں اور میری تجہیز و تکفین عینِ سنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعتِ مقدسہ کے
مطابق ہو۔

وژناہ کو تلقین کر دیں کہ کوئی امر خلافِ شرع و سنت نہ کریں۔ مثلاً بلند
آواز سے رونا وغیرہ تجہیز و تکفین میں حتی الوسع دیر نہ کی جائے۔ کسی کی
شرکت کی وجہ سے جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے۔ قبر میں ٹھیک داہنی کوٹ پر قبلہ رخ رٹا
دیا جائے۔ صرف چہرے کا رخ قبلہ کی طرف کر دینا کافی نہیں ایصالِ ثواب کے لئے
کوئی خاص دن یا کوئی خاص چیز متعین نہ کی جاوے۔ چند عام پیش آئیوالی باتیں لکھ دیں
کیونکہ آپ کے علاقے کے رسم و رواج کی ہمیں تحقیق نہیں ورنہ تفصیل لکھ دیتے کہ یہ
چیز سنت کے مطابق ہے۔ یہ مخالف۔ بہشتی زیور میں میت کا بیان دیکھ لیں۔

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ،

۱۳۹۸ / ۶ / ۲

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

جانور کے مُشابہہ بچہ پیدا ہو تو اس کا حکم

ایک عورت کا بچہ پیدا ہوا اس کا منہ بہت چھوٹا اور دونوں طرف چھوٹے چھوٹے سینگ تھے گھر والوں نے اس بچہ کا گلا دبا کر مار دیا اور جنازہ پڑھا گیا اسی طرح اور بھی کئی واقعات ہوئے ہیں۔

مسخ اشکال شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ گلا گھونٹ کر خود مارنا درست **الجواب صحیح** نہیں ایسے بچے دیے ہی زندہ نہیں رہتے۔ اُسے قتل کرنا سخت

گناہ ہے۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۲۰ / ۷ / ۱۴۰۲ھ

زیارتِ قبور کا مسنون طریقہ

زیارتِ قبور کے متعلق ایک فتویٰ طلب کیا گیا تھا۔ لیکن تشفی نہیں ہوئی۔ کیونکہ مندرجہ ذیل فتویٰ کے متعلق مندرجہ ذیل کتب میں یہ عبارات مذکور ہیں۔ فتاویٰ مالگیری میں ہے۔

من باب السادس عشر من باب الكراهة اذا بلغ المقبرة خلع
تخلیه ثم یقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه المیت ویقول
السلام علیکم یا اهل القبور یرضی اللہ لکم ولنا و اذا اراد الدعاء
یقوم مستقبل القبلة (۲) و الدعاء عندها قائماً كما كان
یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخرج الی البقیع
(کبیری ص ۵) ایضاً ویدعو قائماً مستقبل القبلة ص ۵) (قد
كانت الصحابة تدعو الله لنا هناك مستقبلين القبلة ولم
يرومنهم استقبال القبر عند الدعاء مع الله

و اختلف الائمة فی استقباله عند السلام فعند ابی حنیفة

رحمہ اللہ انہ لا یتقبل بل یتدبر واستقبل القبلة والصیح
المصول علیہ انہ یتقبل وقت السلام وعند الدعاء یتقبل
القبلة الخ (روح المعانی للعلامة آلوسی من ۱۶۶) (ویدعوا مستقبل
القبلة مجمع الانہر ص ۵۵۲) اور مجالس الابرار میں دعا کے بارے
میں یوں ہے استقبال القبلة وجعل ظہرہ الی جدار القبر ثم
دعا وهذا لا نزاع فیہ بین العلماء وانما نزاعہم فی
وقت السلام قال ابو حنیفہ "یتقبل القبلة عند السلام ایضاً"
فانہ ایضاً دعاء والدعاء لا تكون عند القبر اھ (مجالس الابرار ص ۳۶۲)
الجواب طحاوی ص ۳۲ میں ہے۔ قال فی الاحیاء والمستحب فی
زیارة القبور ان یقف مستدبر القبلة مستقبلاً وجہ المیت
وان یسلم ولا یمسح القبر ولا یقبلہ ولا یمسہ فان ذلک من
عادة النصارى کذا فی شرح الشرعة قال فی شرح مشکوٰۃ
بعد کلام وحديث مانصّة فیہ دلالة علی ان المستحب فی حال السلام
علی المیت ان یتدبر لوجهہ وان یتدبر کذا لک فی الدعاء ایضاً
وعلیہ عمل عامة المسلمین خلافاً لما قالہ ابن حجر
روایت بالاسے معلوم ہوا کہ بوقت دعا استقبال بوجہ المیت مستحب ہے

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

۳۰ / ۳ / ۸۹ جو

الجواب صحیح ،

خیر محمد عفا اللہ عنہ



خوشی کے جنازہ اور اس میں دُعا کا حکم

جو آدمی پیدائش سے خسرہ ہو۔ اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کون سی دُعا پڑھنی چاہیے؟

اگر خسرہ بالغ شخص ہے تو اسکی نمازِ جنازہ میں بالغ مرد و عورت کی دُعا پڑھی جائے اور اگر خسرہ نابالغ ہے تو اس کی علامات کی تحقیق کی جائے گی۔ اگر علامات مذکور غالب ہوں تو لڑکے والی دُعا پڑھی جائے اور اگر علامات مؤنث غالب ہوں تو مؤنث والی (لڑکی والی) دُعا اور تحقیق سے کچھ تعین نہ ہو سکنے کی صورت میں دونوں دُعاؤں میں اختیار ہے۔ خواہ لڑکے والی دُعا پڑھے یا لڑکی والی دُعا جو بھی پڑھے جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافکار خیر المدارس ۳/۳/۱۴۰۹ھ

رمضان المبارک میں علانیہ کھانیوالے کا جنازہ ،

جو شخص نماز کا پابند نہیں ہے اور روزے نہیں رکھتا رمضان شریف کا احترام نہیں کرتا۔ علی الاعلان کھاتا پیتا ہے۔ سر بازار حقہ نوشی کرتا ہے۔ باہر مریج میں روٹی منگواتا ہے تو کیا ایسے شخص کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟

ایسا شخص فاسق ہے۔ شرعاً اس پر نمازِ جنازہ ترک نہیں کی جاسکتی ہاں اگر تنہا ترک کی جائے کہ آئندہ لوگ ایسی حرکات سے باز رہیں

تو پھر گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ اصغر علی غفرلہ، معین مفتی

الجواب صحیح ، جمال الدین غفرلہ، خیر المدارس۔ ملتان

۱۰/۸/۱۳۷۳ھ

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

ہنر سے نکالی ہوئی لاش بلا غسل دفن کر دی گئی ہو تو بھی قبر پر جنازہ پڑھا جائے

ہنر سے ایک تازہ لاش بہتی ہوئی ملی۔ چند دیہاتیوں نے نکال کر یہ سوچ کر کہ پانی سے نکالی گئی ہے غسل کی ضرورت محسوس نہ کی اور قبر نما گڑھا کھود کر اس میں مکمل دفن کر دیا۔ آیا اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے یا نہیں؟

اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے۔ (قولہ ادبہا بلا غسل)

هذا رواية ابن سماعة والصحيح انه لا يصلى على
قبره في هذه الحالة لانها بلا غسل غير مشروعة كذا في
غاية البيان لكن في السراج وغيره قيل لا يصلى على قبره
وقال الكرخي يصلى وهو الاستحسان لان الاولى لم يعتد بها
لترك الشرط مع الامكان والآن زال الامكان فسقطت
فرضية الغسل وهذا يقتضى ترجيح الاطلاق وهو الاولى
مهر (شامية ص ۸۲۴) فقط والدر العلم، محمد انور مدرسہ خیر المدارس کسٹمان

شیعہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہوں تو بجائے دُعا کے بدعا کرتے ہیں

بعض دفعہ اہل تشیع بھی سنیوں کے جنازہ میں آکر شریک ہو جاتے ہیں۔ آیا انکی یہ شرکت درست ہے؟

اہل تشیع کو شریک نہ کیا جائے۔ کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ اول
توسنی کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ اگر بضرورت پڑھنا پڑے تو
دُعا کے بجائے بدعا لیں۔ تحفۃ العوام ص ۱۳۸ میں ہے۔ اگر سنی خلاف مذہب
ہو اور بضرورت اس کا جنازہ پڑھنا پڑے تو بعد چوتھی تکبیر کے یہ کہے۔

اللهم اخز عبدك في عبادك وبلادك اللهم اصله
حردنا رك اللهم اذقه اشد عذابك -

ترجمہ : اے خدا اس بندے کی میت کو اپنے بندوں اور اپنے شہروں میں
ذلیل و رسوا کر۔ اے خدا اس بندے کی میت کو نارِ جہنم میں جلا۔
اے خدا اسے سخت ترین عذاب دے۔

یہ چونکہ سستی میت پر بدعا کرتے ہیں اس لئے شرکت کی اجازت نہ دی جائے۔
الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
احقر محمد النور عفا اللہ عنہ

قریب المرگ کی زبان کوئی نامناسب کلمہ نکلے تو اسکا کوئی اعتبار نہیں

محضر اگر بوقت تلفیق کلمہ سے انکار کر دے یا کلمہ کفریہ کہہ دے تو اس پر مسلمان کے
احکام جاری ہوں گے یا غیر مسلم کے ؟
اس کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ وہ حالت بہت سخت ہوتی ہے
اس وقت حواس معطل ہو جاتے ہیں اس لئے ایسے وقت کی کئی ہوتی باتوں
کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ عین ممکن ہے وہ صحیح ہی کہنا چاہتا ہو مگر غلطی سے کوئی کلمہ نکل
گیا ہو۔ وان صدر عنه الانكار في تلك الحالة اعاذنا الله منه لا
يلتفت الى انكاره ولا يحكم بكفره ويجري عليه احكام المؤمن
ويوكل سريره الى الله تعالى لان ذلك الوقت وقت
ذهاب الحواس وتعطلها - وايضاً انه تلفظ بكلمة الكفر من
دون قصد بل عسى ان يكون ا رادته التكلم بكلمة الاسلام
وظهر كلمة الكفر بسبقة اللسان اه (رسائل الاركان ص ۱۵۱)
فقط واللہ اعلم ، محمد النور عفا اللہ عنہ

میت معقول وجہ سے امام محلہ سے ناراض ہو تو دوسرے کو بلا سکتے ہیں

زید اپنے محلہ کے امام صاحب سے کبیدہ خاطر رہتا تھا ان کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا تھا۔ اب زید فوت ہو گیا ہے تو وہی امام محلہ نماز پڑھائے یا کسی دوسرے کو بلا سکتے ہیں ؟

الجواب
اگر زید کسی معقول وجہ سے امام محلہ سے ناراض تھا تو جنازہ کے لئے دوسرے کو بلا سکتے ہیں۔ فَعَلَىٰ هَذَا لَوْ عَلِمَ أَنَّهُ كَانَ غَيْرَ رَاضٍ بِحَالِ حَيَاتِهِ يَنْبَغِي أَنْ لَا يَتَعَبَّ تَقْدِيمَهُ إِهْ قُلْتَ هَذَا مُسْلِمٌ إِنْ كَانَ عَدَمَ رِضَاةٍ بِهِ لَوْ جَدَّ صِحِّحٌ وَالْأَلَا لَا تَأْمَلْ إِه (شامیہ ج ۸۲۳)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کس صورت میں چند اموات کو اکٹھے دفن کر سکتے ہیں؟

جب ایام و بار میں اموات کی اتنی کثرت ہو جائے کہ الگ الگ دفن کرنا مشکل ہو جائے تو اکٹھے دفن کرنا بھی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب
اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ مثلاً زلزلہ یا دباؤ یا سیلاب کی وجہ سے اموات بے شمار ہو جائیں۔ دفن کر نیوالے بہت کم ہوں تو ایسی صورت میں کئی میتوں کو ایک قبر میں دفن کر سکتے ہیں۔ دونوں مردوں کے درمیان مٹی کی دیوار کر دی جاتے۔

ومن الضرورة المبيحة لجمع متين فصاعداً في قبر واحد ابتداء على ما ذكره ابن امير حاج قلة الدافين او اشتغالهم بما هو اهم وليس منها دفن الرجل

مع الرجل قریبہ ولا ضیق محل الدفن فی تلك المقبرة
 مع وجود غیرها وإن كانت تلك المقبرة مما یتبرک بالدفن
 فیها لمجاورة الصالحین فضلاً عن هذه الامور لما
 فیہ من هتک حرمة المیت الاول و تفریق اجزائہ
 فیمنع من ذلك اھ و یُجَدُّ بین کل اشین بالتراب ندبا
 إن أمکن كما فی ابن أمیر حاج لیکون فی حکم
 قبریٰ کما فی العینی علی البخاری (طوطا دعی ۳۲۶)
 فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ
 ۱۲ / ۲ / ۱۴۰۲ھ

مرزائی کے جنازے کا حکم : مرزائیوں کے جنازہ میں مسلمانوں کا شامل ہونا
 کیسا ہے ؟ ۲۔ مرزائی کے مرنے کے بعد
 مرزائی کے وارثوں کے پاس فاتحہ خوانی کے لئے جانا کیسا ہے ؟ ۳۔ اہل السنۃ
 والجماعت کے جنازہ میں مرزائی کا شامل ہونا کیسا ہے ۔ ۴۔ مسلمانوں کے قبرستان میں
 مرزائی کا دفن کرنا کیسا ہے ؟ ۵۔ پہلی صورت میں مرزائی کا جنازہ پڑھنے والوں کا نکاح
 باقی ہے یا نہیں ؟

۱۔ اگر مرنے والے کا مرزائی ہونا معلوم تھا۔ تو اس کا جنازہ پڑھنے
 والوں نے سخت غلطی کی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی ہندو سکھ
 کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیے اور مجمع عام
 کے سامنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کر کے توبہ کریں۔

۲۔ اگر پڑوسی ہو تو تعزیت کی کچھ گنجائش ہے فاتحہ ہرگز نہیں پڑھنی چاہیے۔
 ۳۔ وہ شامل ہو کر یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں لہذا ان کو شامل نہ کیا جائے۔
 ۴۔ ناجائز ہے۔ شرعاً کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جاسکتا۔
 ۵۔ اگر انہوں نے مرزائیوں کو مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھا ہے تو وہ احتیاطاً اپنے

اپنے ایمان و نکاح کی تجدید کریں۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ ،
الجواب صحیح ، بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

جس نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو اس کا جنازہ پڑھنا

ایک شخص نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی اور نہ کسی نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے
دیکھا۔ مگر ہے کلمہ گو اور موصد اور مصدق بالرسالة تو ایسے شخص پر نماز جنازہ پڑھنی
جائز ہے یا کہ نہیں اگر جائز ہے تو اس حدیث شریف کا مطلب کیا ہے؟ مَنْ
ترک الصلوة متعمداً فقد کفر؟

مسلمان تارک صلوٰۃ پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے۔ حدیث کا صحیح
مطلب یہ ہے کہ جس نے قصداً نماز ترک کر دی وہ کافروں جیسا کام
کرنے والا ہو گیا نہ کہ خود کافر ہو گیا۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ ، خادم الافتاء
خیر محمد عفا اللہ عنہ ، خیر المدارس - ملتان ، ۲۵ ۱/ ۲۵ ھ

وضو کرنے سے جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کا حکم

نماز جنازہ ہو رہا ہے۔ اگر وضو کرے تو نماز جنازہ نہ ملنے کا اندیشہ ہے
اب وضو کرے یا تیمم؟

نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم سے پڑھ سکتا ہے۔
و يجوز التيمم اذا حضرته جنازة والولى غيره

فخاف ان يشتغل بالطهارة ان تفتوته الصلوة ولا
يجوز للولى الخ قوله يجوز له التيمم اذا اذن

لغيره بالصلاة الخ (عالمگیری ص ۱۶) فقط والٹر اعلم ،
 الجواب صحیح ، محمد انور ، مفتی خیر المدارس - ملتان
 بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۱۷ صفر ۱۴۰۲ھ

جنازہ سامنے سے گزرنے تو اسے دیکھ کر کیا پڑھا جاتے؟

جب جنازہ سامنے سے گزرتا ہے تو لوگ مختلف طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ بعض دیکھ کر سر پر کپڑا لیکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض بیٹھے رہتے ہیں۔ اور بعض زیر لب کچھ پڑھتے بھی ہیں آپ شرعی حکم سے آگاہ کریں؟

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا کوئی سنت نہیں البتہ جب جنازہ سامنے سے گزرے یا جنازہ پر نظر پڑے تو یہ پڑھے۔

”سُبْحَانَ الَّذِي لَا يَمُوتُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ“
 اور میت کے لئے دُعا بخیر کرے اور ننگلہ کے جواب میں میت کے ثابت قدم رہنے کی دُعا کرے اور بعض کتب میں یہ دُعا منقول ہے۔

هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله اللهم
 زدنا إيماناً وتسليماً اهـ ويستحب لمن مرت عليه جنازة أو رآها
 ان يقول سبحان الذي لا يموت لا اله الا هو الحي القيوم
 ويدعو للميت بالخير والتثبيت اهـ وفي شرعة الاسلام
 اذ رآها يقول هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله
 ورسوله اللهم زدنا إيماناً وتسليماً اهـ (طحطاوي ص ۲۳۳)

فقط والٹر اعلم ،
 فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

بچہ کان میں اذان دینے سے پہلے مر جائے تو جنازہ کا حکم

بعض شہروں کے اندر رواج ہے کہ مسلمان کے گھر بچہ یا بچی اگر زندہ پیدا ہو اور اذان کان میں پڑھنے سے پہلے ہی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے ہمارے ہاں کئی بچے بچیاں زندہ پیدا ہوتے جو کہ اذان پڑھنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تو ان کی نماز نہیں پڑھی گئی۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو بچہ یا بچی زندہ پیدا ہو، خواہ کان میں اذان پڑھی جائے یا نہ۔ اس کا نام بھی رکھا جائے اور اسے غسل بھی دیا جائے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے، ہند یہ میں ہے۔

ومن استهل بعد الولادة ستمی وغسل و صلی علیہ ص ۸۰
 دفن کرنے کے بعد قبر سے نکالنے کی اجازت نہیں، پھولنے پھٹنے سے پہلے
 قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ فقط واللہ اعلم،
 الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفی عنہ،
 بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس۔ ملتان شہر

پاگل کی نماز جنازہ میں کونسی دعا پڑھی جائے

ہمارا ایک بھائی پاگل تھا۔ تھوڑا عرصہ ہوا اس کا انتقال ہو گیا اس کی نماز جنازہ کے وقت بعض مولوی حضرات میں اختلاف ہو گیا کہ کونسی دعا پڑھی جائے بعض کہتے تھے کہ بچے والی دعا پڑھی جائے اور بعض کہتے تھے کہ بالغ والی۔ آپ صحیح حکم سے مطلع فرمادیں۔ محمد زبیر۔ جھنگ صدر

جواب: اگر تو وہ پیدائشی پاگل تھا تو اس پر بچے والی دعا پڑھی جائے اور اگر بالغ ہونے کے بعد پاگل ہوا تھا تو پھر بالغوں والی دعا

پڑھی جائے۔ والمجنون كالطفل ذكره في المحيط وينبغي ان
 يقيد بالجنون الا صلى لانه لم يكلف فلا ذنب له كالصبي بخلاف
 العارضى فانه قد كلف وعروض الجنون لا يمحوا ما قبله بل هو
 كسائر الامراض ورفعه للتكليف انما هو فيما يأتي لا فيما مضى اه
 (كبیری ص ۵۳۹) وکذا فی الثامیۃ ص ۵۸۴ ج ۱)

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۶ / ۲ / ۱۴۱۰ ھ

شنار میں وجل شناؤک کی زیادتی شاذ ہے

دعاے جنازہ میں جو شناؤ پڑھی جاتی ہے جس میں وجل شناؤک کی زیادتی
 ہے یا اسی طرح درود شریف میں زیادتی ہے۔ آیا یہ حدیث سے ثابت ہے۔ ؟
 شناؤک کے متعلق جو مشہور روایات ہیں۔ ان میں وجل شناؤک کے
 الفاظ نہیں ہیں۔ حدیث ابن عباس افرجہ، ابن ابی شیبہ اور ابن ماریہ
 نے اپنی کتاب الدعاء میں شناؤک کے ساتھ ذکر کی ہے۔ نیز حدیث ابن مسعود میں
 بھی موجود ہے۔ عن ابن مسعود ان من احب الکلام الی اللہ عز وجل ان
 یقول العبد سبحانک اللہم وجمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک وجل
 ثناءک ولا الہ غیرک رواہ الحافظ ابوشجاع فی کتاب الفردوس
 (فتح القدیر ص ۲۵) درود پاک کے حدیث میں مختلف صیغے وارد ہوئے ہیں۔ زیادتی
 والی روایت بہیقی میں موجود ہے۔ عن ابن مسعود عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا
 تشهد احدکم فی الصلوٰۃ فلیقل اللہم صل علی محمد وعلی آل
 محمد وبارک علی محمد وعلی آل محمد وارحم محمد و آل محمد
 کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک

حمید مجید (فتح القدیر ص ۲۴۵) صاحب عنایہ نے درود شریف مذکور حضرت علیؑ
 حضرت ابن عباسؓ - ابن مسعودؓ اور جابرؓ سے نقل کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ثناء میں
 وجل ثناؤک اور درود شریف میں ترحمت وغیرہ کی زیادتی احادیث میں موجود ہے۔ گو
 احادیث مشہورہ اس سے خالی ہیں۔ اس لئے اس کے پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔
 اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وہی ثناء اور درود شریف پڑھنا چاہتے جو احادیث مشہورہ میں منقول

الجواب صحیح،
 فقط واللہ اعلم
 محمد انور عفا اللہ عنہ
 بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

ہمارے ہاں جو کوئی فوت ہو جائے تو متحای
 مرّوجہ اسقاط کا حکم :
 علماء جنازہ پڑھنے کے بعد مُردہ کو دفن نہیں

کرتے بلکہ مُردہ اسی جگہ پڑا رہتا ہے۔ علماء اور دیگر غریب اس کے پاس بیٹھ کر اسقاط
 کرتے ہیں۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کے بعد دفن کرنے سے پہلے میت والا
 گھر سے کچھ مٹھائی اور ایک چھابہ میں تھوڑی گندم اور نمک کا ایک ڈبہ اور قرآن مجید
 اور کچھ نقدی لے آتا ہے۔ جنازہ خواں مولوی صاحب دل میں اس پر کچھ پڑھتا ہے
 پھر اپنی دائیں طرف والے کو کچھ کہتا ہے کہ یہ چیزیں میں نے تجھے بخشیں ہیں۔ پھر
 وہ دوسرے کو کہتا ہے۔ اسی طرح کرتے کرتے اگر لوگ بہت ہوں تو گھنڈہ ڈیڑھ گھنڈہ
 مُردہ کو دفنانے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ وہ جنازہ خواں مولوی صاحب
 ایسا کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ ایسا کرنے کا کہیں ثبوت ہے؟ تو وہ مولوی صاحب
 بگڑ گئے، اور کہنے لگے کہ شیطان کا کام ہے لڑائی کرانا۔ یہ شخص بھی شیطان ہے۔
 اور اسکی ساری جماعت شیطان ہے اور کافر ہے۔ اب معروض ہے کہ یہ اسقاط حضور اکرمؐ
 یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے کیا ہے۔ اگر نہیں تو اس مولوی صاحب نے اس شخص کو شیطان
 یا کافر کہا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

اسقاط مروج ناجائز اور بدعت ہے چند وجوہ سے۔ قال فی الشامیة

ونص عليه في تبين المحارم فقال لا يجب على الولي فعل الدوران وان اوصى به الميت لانها وصية بالتبرع والواجب على الميت ان يوصى بما يفي بما عليه ان لم يفتق الثلث عنه فان اوصى باقل وامر بالدور وترك بقية الثلث للورثة او تبرع به لغيرهم فقد اثم بترك ما وجب عليه اهـ ربه ظهر حال وصايا اهل زمانا فان الواحد منهم يكون في ذمته صلوات كثيرة وغيرها من زكوة واصحاح وايمان ويوصى لذلك بدر اهم يسيرة ويجعل معظم وصيته لقراءة النجتمات والتهاليل التي نص علماءنا على عدم صحة الوصية بها الخ شامية ص ۵۱۲ -

جب وصیت کے باوجود ولی کے ذمہ ضروری نہ ہو الوعدیم وصیت کے وقت کے ضروری ہوگا۔

۲۔ جس اسقاط کی اجازت منقول ہے اسکی شرط یہ لکھی ہے۔ جبکہ وہ فقیر کے لئے ہو یا ثلث سے فدیہ ادا نہ ہو سکتا ہو۔ یہ صورت کبھی اتفاقاً پیش آتی ہے۔ اسے نقل ہریت کے لئے حیلہ بنا لینا درست نہیں، درمختار میں ہے۔ ولو لم یترک ما لا یتقرض وارثہ الخ (شامی ص ۶۸۴)

۳۔ حیلہ کے جواز میں تملیک فقیر ضروری ہوتی ہے۔ وہ مرد جو اسقاط میں صحیح معنوں میں نہیں ہوتی۔

۴۔ اس سے عوام کو گویا ترک صلوٰۃ و صوم پر دلیر بنا دیا ہے کہ خواہ ساری عمر نماز نہ پڑھے۔ آخر میں یہ عمل کر کے گویا اسے بری کر دیا ہے۔

۵۔ اسے اعمال تکفین کا جزو سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔

۶۔ اگر کوئی شخص مثلاً افلاس کی حالت میں فوت بھی ہو گیا تو اسقاط کرنے کے لئے قبرستان کی تخصیص کی جاتی ہے۔ لہذا یہ فعل واجب ترک ہے۔ روکنے والے کو کافر کہنا انتہائی بیس فاعل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۸ / ۲ / ۱۴۰۳ ہجری

قبر بہت بوسیدہ ہو جائے تو وہاں نئی قبر بنانا جائز ہے

قبر کو کب تک آباد کرنا چاہیے اور کون سے وقت میں ان پر مسجد آباد کرنا اور مکان بنانا اور مزارعت کرنا جائز ہو جائے گا اور اگر ان پر مٹی ڈالنی ہو تو اس کے لئے کوئی دن مخصوص ہے یا جس دن چاہیں ڈال لیں دشس محرم کو ڈالنا کیسے ہے؟

قبریں جب خراب ہو جائیں تو پھر ان کو محفوظ رکھنے کے لئے مٹی ڈالنا یا **الجواب صحیح** لینا جائز ہے۔ کما فی العالمگیریۃ ص ۸۵۔ و اذا خربت القبور

فلا بأس بتطینہا کذا فی التا تاریخانیۃ وهو الاصح وعلیہ الفتوی۔
لیکن اس لینے یا مٹی ڈالنے کے لئے کوئی دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور
قبریں جبکہ بالکل بے نشان ہو جائیں اور میت بھی ان میں گل سڑ کر مٹی ہو گئی ہو تو پھر وہاں
دوسری قبر نکالنا اور مکان بنانا اور زراعت کرنا جائز ہے۔ کما فی العالمگیریۃ ص ۸۵
ولو بلی المیت و صار ترا باجاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه
و البناء علیہ کذا فی التبین۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ اصغر علی غفرلہ، معین مفتی خیر المدارس طان

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ، خادم الافئدہ، خیر المدارس ۱۳ / ۲ / ۱۳۷۲ ط

معتکف جنازہ کے لئے مسجد نکل سکتا ہے؟

اگر کوئی امام مسجد رمضان المبارک میں اعتکاف بیٹھا ہوا ہے۔ کیا نماز جنازہ کے لئے باہر جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جاسکتا تو کیا وہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے؟

الجواب صحیح اگر اعتکاف بیٹھنے سے پہلے یہ شرط کیا تھا کہ نماز جنازہ کے لئے باہر

جایا کروں گا تو پھر نمازِ جنازہ کے لئے باہر جانا جائز ہے۔ وگرنہ اعتکافِ فاسد ہو جائے گا۔ مسجد اندر جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ / ۱۰ / ۸۰ ھ

مسلمانوں اور کفار کی لاشوں میں پہچان ممکن نہ ہو تو جنازہ کا حکم

پچھلے دنوں کھٹنڈو میں ایک بین الاقوامی پرواز حادثے کا شکار ہو گئی جس میں مسلمان اور غیر مسلم لاشیں مل گئی تھیں۔ ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نعشیں مل جائیں۔ اور پہچان ممکن نہ رہے تو مسلمان نعشوں کی نمازِ جنازہ کس طرح ادا کی جائے گی۔

اکثر فضائی حادثات میں اس طرح ہو جاتا ہے اس لئے وضاحت سے جواب مرحمت فرما کر عند الناس مشکور اور عند اللہ ماجور ہوں۔ سائل ، زکریا مجاہد۔ ملتان

الجواب ایسی صورت میں جب کفار کی لاشیں علیحدہ نہ کی جاسکیں اور کوئی علامت نہ ہو تو سب پر جنازہ پڑھا جاوے مگر نیت یہ ہو کہ ان میں جو مسلمان

ہیں ان کا جنازہ پڑھ رہے ہیں۔

اختلف موتانا بکفار ولا علامة اعتبارا لاكثر فان استوتوا

عسلوا واختلف في الصلوة عليهم اه (درمختار)

(قوله واختلف في الصلوة عليهم) فقیل لا یصلی لان

ترک الصلوة علی المسلم مشروع فی الجملة کا بلغاۃ وقطاع

الطریق فكان اولی من الصلوة علی الکافر لا نہا غیر

مشرعة لقوله تعالی ولا تصل علی احد منهم مات

ابداً۔ وقیل یصلی ویقصد المسلمین لانه ان عجز عن

التعیین لا یعجز عن القصد کما فی البدائع قال فی الحلیة

فعلیٰ هذا ینبغی ان یصلی علیہم فی الحالة الثانية ایضاً ای
حالة ما اذا كان الکفار اکثر لانه حیث قصد المسلمین فقط
لم یکن مصلياً علی الکفار وإلا لم تجز الصلوة علیہم فی
الحالة الاولى ایضاً مع ان الاتفاق علی الجواز فینبغی الصلوة
علیہم فی الاحوال الثلاث كما قالت به الأئمة الثلاثة وهو
اوجبه قضاءً لحق المسلمین بلا ارتکاب منہی عنہ اہملاً مخلصاً
(شامی ص ۸۰۵)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

دُعا بعد الجنائزہ کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا جہالت ہے

نید اور بکر دونوں میں اختلاف ہے اس بات کا کہ وعظ اور تقریر جو کہ جمعہ کے روز
دونوں اذانوں کے درمیان کی جاتی ہے بدعت ہے اور اس کا ثبوت کہیں سے نہیں ملتا۔
اور اگر اس کو صحیح مان لیں تو ہماری بعد صلوة جنازہ دعا بھی صحیح اور غیر بدعت ہے۔
آیا یہ قیاس صحیح ہے ؟

اس وعظ و تقریر پر پھر بعد الجنائزہ کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ شریعت
میں اس دعا کی ممانعت صراحتاً مذکور ہے۔

قال في البحر قيده بقوله بعد الثالثه لانه لا يدعو بعد
التسليم بحر ص ۱۹۷ وقال في حاشية المشكوة ولا يدعو للميت
بعد صلوة الجنائزہ لانه يشبه الزيادة في صلوة الجنائزہ^{ص ۱۲۷}
اور وعظ مذکورہ کی ممانعت مذکور نہیں اس لئے کہ وعظ مذکور کو چھوڑنے پر تمارک
پر تکمیر نہیں کی جاتی اور دعا مذکور نہ کرنے والے کو بے دین و باہمی وغیرہ کہا جاتا ہے۔
معلوم ہوا کہ لوگ عقیدہ اس کو ضروری اور حکم شرعی سمجھتے ہیں۔ پس یہ بدعت ہوگی

اور وعظ مذکور ایسے نہیں شاملشاً وعظ سے مقصود تذکیر و نصیحت ہے اور خطبہ بھی تذکیر ہے لیکن عربی میں ہونے کی وجہ سے مخاطبین اس کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اس مقصود شرعی کے پیش نظر خطبہ سے قبل وعظ کرتے ہیں تاکہ خطبہ کا فائدہ لوگوں کو پہنچے اور جناب ازہ سے مقصود شرعی دُعا ہے۔ جو کہ شارع علیہ السلام کے تجویز کردہ طریقہ کے مطابق ہو چکی ہے۔ اس کو ناکافی سمجھتے ہوئے ایک اور دُعا کا اضافہ کرنا اور تمام لوگوں پر اس کا لازم کرنا خود شارع بنا ہے۔ اور تجویز شارع کی العیاذ باللہ توہین کے قریب ہے۔ الغرض دُعا، مابعد جنازہ بدعت ہے۔ اور وعظ مذکورہ بدعت نہیں گو لب چوڑا وعظ جیسا کہ آج کل رواج ہے شرعاً پسندیدہ نہیں کیونکہ اس سے جمعہ میں تاخیر ہو جاتی ہے اور حکم تعجیل کا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار غفر اللہ لہ

الجواب صحیح،

۱۲ / ۶ / ۱۳۹۲ ھ

محمد عبداللہ غفر اللہ لہ

لاوارث لاشس پر عمل جراحی کی مشق کرنا

ڈاکٹر کو ایک مریضہ کی تشخیص کے لئے عموماً یہ صورت پیش آتی ہے کہ اس کو مریضہ کے سارے جسم کا ہاتھوں سے چھو کر معائنہ کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ بعض حالات میں اعضاء مخصوصہ کا معائنہ بھی ضروری ہو جاتا ہے اور سب میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مُردہ جسم پر عمل جراحی کر دانی جاتی ہے براہ کرم جواب مفصل مرحمت فرمائیں۔

مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کے لئے جن مواضع کا چھونا یا دیکھنا لابدی ہو تو مجبوری کی حالت میں ان کے دیکھنے اور چھونے کی اجازت

ہے (جبکہ بدوں اس کے تشخیص و علاج درست نہ ہو سکتا ہو) البتہ انسانی جسم پر عمل جراحی برائے مہارت سو بوجوہ ذیل شرعاً اسکی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (وجہ اول) مسلمان میت کو غسل دینا کفن پہنانا اور پھر دفن کرنا شرعاً تمام اہل اسلام

کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے کما فی الدر المنثور وغیرہ من المعتمرات اور عمل جراحی کی مشق کے لئے مُردہ جسم کو محفوظ رکھنے کے ساتھ احکام بالا کی تعمیل کا ہونا ممکن نہیں (دجودوم) حق تعالیٰ سبحانہ نے انسان اور باقی تمام اشیاء (مثلاً معدنیات، نباتات، حیوانات) کے مقاصد تخلیق میں بنیادی طور پر فرق رکھا ہے پورے عالم میں پھیلی ہوئی اجناس متعددہ کے ان گنت اشیاء کو اس لئے وجود میں لایا گیا تاکہ مختلف انسانی حاجات کی براری اور زندگی کے گونا گوں تقاضوں کی تکمیل ہو سکے۔ قرآن کریم میں ہے۔ **هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (۲) و سخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض جمیعاً الا یتة** لوہا، پتیل، چاندی، سونا اور تمام معدنیات اناج، غلے، سبزیاں اور دیگر نباتات اسی طرح حیوانات ان سب اشیاء کو انسان کے تصرف میں دیدیا گیا ہے انسان مختلف طریقوں سے اپنی زندگی کو باضابطہ آسودہ اور محفوظ بنانے کے لئے ان اشیاء کو استعمال میں لاتا ہے کوئی چیز پس کر کام آتی ہے کوئی کٹ کر کسی کو گرم کر کے کارآمد بنایا جاتا ہے کسی کو ٹھنڈا کر کے کسی چیز کو چیر بھاڑ کر کام میں لایا جاتا ہے تو کسی کو سی کر پرو کر، کہیں تحلیل ہوتی ہے کہیں ترکیب تجزیہ ہوتا ہے کہیں تنقید۔ الغرض ان اشیاء کو انسان کے استعمال ہی کی غرض سے پیدا کیا ہے اور ان کی حیثیت محض سامان زندگی اور متاع انسانی ہونے کی ہے۔ پس ان میں سب تصرفات درست ہیں۔ بخلاف انسان کے کہ اسے خداوند قدوس نے سامان اور متاع کی حیثیت میں پیدا نہیں کیا کہ ضروریات زندگی میں اسے بھی چیر بھاڑ کر یا کوٹ چھان کر یا گلا پگھلا کر لگایا اور استعمال کیا جاسکے۔ بلکہ انسان کو صاحب متاع اور فطرتی طور پر ان اشیاء میں تصرف کنندہ بنایا ہے۔ اسی بنیادی فرق کی وجہ سے تکریم خداوندی کا مورد ٹھہرایا گیا ہے۔ دیکھئے آیت میں اسی خصوصیت انسانی پر کس صراحت سے نص کی گئی ہے۔ **ولقد کرّمنا بنی آدم و حملنا ہم فی البر و البحر و رزقناہم من الطیبات الخ** اور کچھ ایسے ہی فطرتی تفوق اور فضائل کی بناء پر تکریم سے بڑھ کر خلافت خداوندی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے۔ **واذ قال ربک للملئکة ان جاعل فی الارض خلیفة ین** پس انسان کی اس

متصرفانہ حیثیت اور دیگر اشیاء کی اس خادمانہ حیثیت اور متاعی حیثیت کو برقرار رکھنا صریح تقاضائے فطرت اور عین منشاء خداوندی کے مطابق ہے جب بھی ان میں سے کسی ایک نوع کو اس کے فطرتی مقام سے پست و بالا کیا جائے گا قانون فطرت کی خلاف ورزی اور حدود خداوندی کی شکست و ریخت لازم آئے گی اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسانی جسم پر عمل جراحی کی مشق یہ لے دائرہ انسانیت سے نکال کر متاع و جمادات کی نوع میں داخل کرنا ہے تو کسی انسان یا کسی خاص طبقہ انسانی کو یہ کیسے حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی فنی تکمیل کے لئے کسی دوسرے انسان یا اس کے کسی عضو کو تختہ مشق بنائے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو ایک لوہار لوہے کے ساتھ یا ایک بڑھی لکڑی کے ساتھ یا ایک درزی کپڑے کے ساتھ اور ایک قصاب گوشت کے ساتھ کرتا ہے آخر خدائی حدود کی شکست و ریخت کو کیسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

(وجہ سوم) مُردہ انسان کو عمل جراحی کے لئے تختہ مشق بنانے میں انسانی جسم کی توہین و تذلیل ہے جو کہ مقامِ تکریم کے قطعاً خلاف ہے۔ پس عدم جواز ظاہر ہے۔
(وجہ چہارم) بعض احادیث میں آتا ہے کہ مُردہ کی رُوح بھی اسی طرح درد و الم کو محسوس کرتی ہے جیسا کہ زندہ انسان کی رُوح اور مُردہ کو بھی ایذا پہنچتی ہے اور عمل جراحی میں ایذا ہونا ظاہر ہے اور ایذا سے احتراز کرنا واجب ہے۔

(وجہ پنجم) کوئی سلیم الفطرت اپنے ساتھ یا اپنے کسی عزیز کی لاش کے ساتھ اس معاملہ (عمل جراحی معہود) کو پسند نہیں کرتا تو جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کی جاتی تو آخر لادارث اور غرہ بار کی لاشوں کے لئے وہ کیسے پسند کی جاتی ہے؟ اسلام کی نظر میں نفس ہونے کی حیثیت سے شاہ دگدا، امیر و غریب، زبردست و زبردست سب برابر ہیں اور انسانی حقوق میں سب یکساں ہیں۔

(وجہ ششم) لادارث، غرہ بار، مساکین کی لاشوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا قساوتِ قلبی اور سخت معاشرتی بے رحمی ہے معاشرہ کافر ض ہے کہ لادارث لاشوں کا اسی طرح احترام کرے جیسا کہ ہر شخص اپنے اقرباء کی لاشوں کا کرتا ہے۔ اقرباء کی لاشوں کا

انہائی احترام کرنا اور لاوارث نعشوں کو فنی تکمیل کی بھینٹ چڑھا دینا آخر یہ کہاں کا انصاف ہے اور انسانی ہمدردی کی کونسی قسم ہے غر بار پروری اور حمدی کی کونسی نوع ہے؟

مختصراً تحریر ہوا اُمید ہے کہ انسانی مردہ جسم پر عمل جراحی کی شرعی حیثیت کے بارے میں آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے اس پر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ عمل جراحی مذکور ناجائز ہوا تو فن جراحی میں تکمیل کی کیا صورت ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہی مخدوش ہے کہ بدوں اس کے تکمیل و تحصیل فن ممکن نہیں ثانیاً یہ کہ یہ ایک مشترکہ انسانی حاجت ہے۔ اس کے لئے کوئی جائز طریقہ تجویز کرنا ماہرین فن کا کام ہے اگر کہا جائے کہ تکمیل مذکور کے لئے کوئی دوسرا طریقہ تجویز کیا جانا دشوار ہے تو جواب یہ ہے کہ ناجائز سہل کے مقابلہ میں جائز دشوار کو اختیار کرنا عین عقلی تقاضا ہے اور انسانی خصوصیت ہے۔ آخر چوری اور جائز کسب میں یہی فرق تو ہے۔ دیگر واضح ہے کہ یہ مشکل شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ موجودہ نظام تعلیم کو ترتیب دینے والوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے موجودہ نظام تعلیم کی ترتیب کے وقت جائز و ناجائز کی تفریق کو پیش نظر نہیں رکھا یہ تو درکنار جو بیچارے غالباً اس کے ابتدائی شعور سے بھی بے بہرہ ہوں گے۔ تو ایسے لوگوں کا مرتب کردہ کوئی نظام جب بھی ان لوگوں پر چالو کیا جائے گا جو لوگ جائز و ناجائز کی تفریق کے قابل ہیں آخر مشکلات اور دشواریاں ہی تو پیش آئیں گی۔ فالی اللہ المشتکی - فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ،

۶ / ۶ / ۱۳۸۱ ھ

بندہ عبداللہ غفرلہ



ساتھ آنے والوں کا میت کو رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے

جب جنازہ قبرستان لیجاتے ہیں تو کوئی کسی طرف سے قبرستان میں داخل ہوتا ہے، کوئی کسی طرف سے تو جو پہلے دفن کی جگہ تک پہنچ جائیں وہ کھڑے رہیں یا بیٹھ سکتے ہیں؟

جنازہ کے ساتھ آنے والوں کا جنازہ کو زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا **الجواب** مکروہ ہے۔

وكره الجلوس اى جلوس متبى الجنازة قبل وضعها فلا بأس بالجلوس بعد وضعها كما فى الكافى وفيه اشعار بان القيام اولى قال الجلابى ان القيام يستحب حتى يدفن اه (جامع الرموز ص ۱۹۳)

محمد انور ۲ / ۹ / ۱۳۹۸

فقط واللہ اعلم ،

قبر کتنی گہری ہو؟

قبر کھودتے وقت قبر کتنی گہری کھودی جائے؟

اصل تو یہ ہے کہ قبر اتنی گہری ہو کہ بدبو وغیرہ باہر نہ آئے اور لاش درندوں سے محفوظ ہو جائے اس کی تحدید فقہار نے یوں

الجواب

فرمائی ہے کہ کم از کم میت کے نصف قد کے برابر ہو اس سے بھی زیادہ گہری ہو تو زیادہ اچھا ہے۔
 وحضر قبرة فی غیر دار مقدار نصف قامة فان زاد فحسن (در مختار)
 (قوله مقدار نصف قامة الخ) والى حد الصدر وان زاد الى مقدار قامة فهو احسن كما فى الذخيرة فعلم ان الادل نصف القامة والا على القامة وما بينهما بينهما شرح كافيه وهذا حد العمق والمقصود منه المبالغة فى منع الراتحة ونبش السباع

و فی القہستانی وطولہ علی قدر طول المیت و عرضہ علی قدر
نصف طولہ اھ (ثانیۃ ص ۶۵۹ ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم ، احقر محمد نور عفا اللہ عنہ

تدفین کے لئے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم

- (۱) میت کی جہاں وفات ہو اس جگہ دفن کرنا چاہیے یا اس کو وطن میں لے جا سکتے ہیں۔
- (۲) اگر ولی باوجود موجود ہونے کے جنازے میں شامل نہ ہو تو جنازہ متعدد بار کرایا جا سکتا ہے۔
- (۳) اگر ولی عالم ہے تو جنازہ پڑھانے میں حق جو محلتے کا امام ہو، اس کا حق مقدم بنے یا ولی کا۔
ولی امام کے علاوہ کسی اور کو کہہ سکتا ہے۔

سائل عبداللہ منظر گڑھ

مُسْتَحَبَّہ ہے کہ اسی جگہ دفن کیا جائے جہاں پر وفات ہوئی ہو مُسَافِرَت
بعید کے لئے فقہاء نے مکر وہ لکھا ہے۔ گو بعض فقہاء نے اپنے شہر کی طرف

الجواب

منتقل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ)

- (۲) اگر جنازے میں امام۔ امام اعظم سلطان یا قاضی یا امام المحمی ہو تو اب ولی کو لوٹانے کا حق نہیں۔ لان ہو لاء اولیٰ منہ و ان کان غیرہ و لاء لہ ان یعید (فتاویٰ مالگیری ص ۲۱۲)
- (۳) ولی سے محلہ کا امام زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ افضل ہو۔ ورنہ ولی احق ہوگا۔ (طحاوی حاشیہ)

مہراقی میں ثم امام الحمی المراد بہ امام مسجد محلہ لکن بشرط ان یکون
افضل من الولی و الا فالولی اولیٰ منہ مکاف النہر و فی
الشرح والصلوۃ فی الاصل حق الاولیاء لقربہم الا ان الامام
والسلطان یقدمان لعارض الامامۃ العظمی والسلطنۃ۔ الی ان
قال واما امام المحمی فیستحب تقدیمہ عن طریق الافضلیۃ (طحاوی ص ۲۱۲)
اور جس شخص کے لئے حق تقدیم حاصل ہو۔ وہ دوسرے کو اجازت دے سکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

شہید کی اقسام اور ان کے احکام

کیا فہماتے ہیں علماء کرام و فضیلاء عظام؟

مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) شہید کسے کہتے ہیں؟ شہید کے کتنے درجے ہیں؟ یعنی کتنے قسم کے شہید ہیں؟

(۲) جو آدمی آگ میں جل جائے کیا وہ بھی شہید ہے؟

(۳) اسی طرح ہنزل محمد ضیاء الحق مرحوم اور ان کے مسلمان رفقا جو طیارہ میں ہلاک ہوئے تھے۔ ان کے بارے

میں کیا حکم ہے؟

(۴) اگر کوئی شخص مکان گرنے سے مر جائے — یا —

(۵) کسی حادثہ میں مر جائے تو کیا وہ بھی شہید ہے؟

(۶) کافی دن پہلے جو ایک جہاز گم ہو گیا ہے کیا اس میں سوار تمام حضرات شہید ہیں؟

بندہ کی طرف سے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ آپ برائے مہربانی ان تمام مسائل کے بارے میں

تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔ — فیاض احمد عثمانی - مکتبہ امدادیہ - ملتان

۱ تا ۶ — شریعت میں شہادت کی تین صورتیں ہیں۔

الجواب:

(۱) ایسی شہادت جس کی وجہ سے اس شہید پر دنیا میں بھی شہید کے احکام جاری ہوں

ہیں اور آخرت میں بھی اسے شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور شہیدوں کا سزا عزا و اکرام اس کے ساتھ کیا جاتا ہے

ایسا شہید ہر وہ مکلف مسلمان ہے جو ظلماً آئے جارحہ سے قتل کیا جائے ایسا قتل جو موجب قصاص ہوتا ہے اور

وہ مقتول حدیث اکبر سے پاک ہو اور زخمی ہونے سے لیکر وفات تک زندگی کا کوئی عمل مثلاً کھانا پینا، دوا

کرنے وغیرہ نہ پایا جائے اور جو باغیوں، ڈاکوؤں، دہشت گردوں اور کافروں کے ہاتھوں مارا جائے وہ بھی شہاد

کی اسی قسم میں داخل ہے خواہ وہ اسے کسی ذریعہ سے قتل کریں، ایسے شہید کا حکم یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ

انہی کپڑوں سمیت (بشرطیکہ وہ کفن بن سکتے ہوں) جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے۔

هو (ای الشہید) کل مکلف مسلم طاہر قتل ظالماً بجارحة ولم یجب بنفس

القتل مال ولم یرتث و کذا الوقتلہ باغ او حربی او قاطع طریق ولو تسببا

بغیر آلة جارحة فان مقتولہم شہید بای آلة قتلوہ لان الاصل فیہ

شهداء أحد ولم يكن كلهم قتل سلاحاً (در مختار)
 قوله ولو تسبباً لان موته يكون مضافاً اليهم فلو أو وطنوا دابة لهم مسلماً
 او نفر وادابة مسلم فرمته او رموا ناراً في سفينة فاحترقت ونحو ذلك
 فهو شهيداً - (شامی ص ۶۱)

شہید کی تعریف کے لحاظ سے ظاہر یہی ہے کہ منظر ہم صدر منیاء الحق مرحوم اور ان کے مسلمان رفقاء شہید
 کی اسی قسم میں داخل ہیں اور وہ دنیوی احکام اور آخری درجہ کے اعتبار سے ہر طرح شہادت سے سرفراز ہوئے
 ہیں اعلیٰ اللہ درجاتہم و تجاوز عن سیئاتہم -

(۲۱) ایسی شہادت جس میں آخرت میں تو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور انہی جیسا اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے لیکن
 ان پر شہید کے دنیوی احکام جاری نہیں ہوتے۔ ایسی شہادت پانیوالوں کی تعدا بہت ہے علامہ شامی
 نے چالیس سے زائد نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ بعض نے پچاس سے بھی زائد نقل کئے ہیں، آگ میں جل کر مرنے
 والا مکان کے نیچے ڈب کر مرنیوالا اور اتفاقی حادثے میں مرنیوالا بھی انہی میں داخل ہے۔

و كل ذلك في الشهيد الكامل والا فالمرتث شهيد الآخرة وكذا
 الجنب ونحوه ومن قصد العدو فاصاب نفسه الغريق والحريق والمهدوم عليه
 والمبتون والمطعون والنساء والميت ليلة الجمعة وصاحب ذات الجنب ومن
 مات وهو يطلب العلم وقد عد هم السيوطي نحو الثلاثين (در مختار)
 وبذلك زادت على الاربعين وقد عدها بعضهم اكثر من خمسين وذكرها
 الرحمتي منظومة فراجعوا (شامی ص ۶۳)

(۲۲) جو شخص کافروں کے ہاتھوں مارا جائے اور اس میں ظاہری شرائط وہی پائی جائیں جو پہلی صورت میں ذکر
 کی گئیں مگر اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہو بلکہ محض شہرت یا کسبی اور غرض سے جنگ میں شریک ہوا ہو، ایسا شخص
 آخرت کے لحاظ سے شہید نہیں مگر دنیا میں اس کے ساتھ شہیدوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔

(قوله في الشهيد الكامل) وهو شهيد الدنيا والآخرة وشهادة الدنيا بعد الغسل
 الا لخاصة اصابته غير دمه وشهادة الآخرة بنيل الثواب الموعود للشهيد افادة
 في البحر والمراد بشهيد الآخرة من قتل مظلوماً او قاتل لاعلاء كلمة الله حتى
 قتل فلو قاتل لغرض دنيوي فهو شهيد دنيا فقط تجري عليه احكام الشهيد

فی الدنيا وعلیه فالشهداء ثلاثه اھ (شامی ص ۶۴۲)
۴۔ اگر وہ جہاز حادثہ کا شکار ہو گیا ہے تو اس میں مرنے والے بھی شہید ہیں۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور ،

الجواب صحیح ،

۲۴ / ۲ / ۱۴۱۰ ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

کفن کیسے کپڑے کا دیا جائے ؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں — مسئلہ صورت یہ ہے کہ آیا چار ہزار
جاپانی کیٹی کا کفن بنانا جائز ہے یا نہیں — ؟ فقط : والسلام ،
حاجی امیر احمد صاحب

میت اپنی زندگی میں جمعہ و عیدین جیسے اجتماعات پر جیسے اچھے کپڑے پہنتا ہو ویسا ہی کفن دیا
جائے نیز کفن میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ وہ سفید ہو صاف ستھرا ہو زیادہ قیمتی نہ ہو جاپانی کیٹی اگر
اس اصول کے تحت آتی ہو تو اس کا کفن درست ہے۔

و یحسن الکفن لحديث حسنوا کفان الموتى اھ (در مختار) قوله و یحسن الکفن
بان یکفن بکفن مشله وهو ان ينظر الحی ثیابه فی حیاة للجمعة و العیدین
و فی المرأة ما تلبسه لزیارة ابویها کذا فی المعراج فقول الحدادی و تکره
المغالاة فی الکفن یعنی زیادة علی کفن المثل (نهر) لحديث الخ و فی صحیح مسلم عن
صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاه فلیحسن کفنه و روى ابو داؤد عن صلی اللہ
علیہ وسلم لا تغالوا فی الکفن فانه یسلب سلبا سریعا و جمع بین الحدیثین
بان المراد بتحینه بیاضه و نظافته لا کونه ثمینا اھ (شامی ص ۶۳۶) فقط :

واللہ اعلم ،

محمد انور

۱۲ / ۲ / ۱۴۱۰ ھ

الجواب صحیح

منظور احمد نائب مفتی جامعہ قائم العلوم ملتان

۱۲ سفر المنظر ۱۴۱۰ ھ مطابق

۱۲ ستمبر ۱۹۹۹ ھ

دفن کے پندرہ دن بعد قبر پر نماز جنازہ کا حکم۔۔!

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع میں دریں مسئلہ کہ زید غائب ہو گیا۔ زید کے ورثاء کافی عرصہ تلاش کرتے رہے۔ پھر معلوم ہوا کہ نعش لاوارث فلاں جگہ ملی اور اُس کو دفن کر دیا گیا۔ زید کے ورثاء نے وہاں جا کر معلوم کیا اور نعش کی شناخت کی تو واقعی وہ نعش زید کی تھی۔ زید کو بغیر غسل و کفن و نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا۔ اب زید کے ورثاء کہتے ہیں کہ کیا ہم زید کا غائبانہ نماز جنازہ اپنے گھر پڑھ سکتے ہیں یا اس قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کریں۔ جو حکم شرعی ہو وہ مفصل لکھیں۔

نوٹ: دفن کرنے کے بعد تقریباً پندرہ یوم بعد قبر کُشائی ہوئی جس سے زید کے ورثاء نے معلوم کر لیا کہ واقعی نعش زید کی ہے۔ دفن کو اب پندرہ دن گزر چکے ہیں۔ قبر کُشائی کے وقت جسم کے جس حصہ کو ہاتھ لگاتے تھے تو گوشت الگ ہو جاتا تھا۔

سائل، غلام رسول

اب نہ قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ غائبانہ البتہ اس کے لئے دعاء مغفرت اور ایصالِ ثواب کی دوسری صورتیں جتنی ہو سکیں کرتے رہیں۔

الجواب

وان دفن و اھیل علیہ التراب بغیر صلوة او بہا بلا غسل او صلی من لا ولایتہ، صلی علی قبرہ استھمانا ما لم یغلب علی الظن تفسیح من غیر تقدیر
هو الاصح ۱۵ — (در مختار علی الشانہ ۶۵۲)

فقط واللہ اعلم
محمد انور
صفر ۱۴۱۰ھ

تفسیح کے بعد جنازہ پڑھنے کا حکم

ایک لاش کے بارے میں

غالب گمان بلکہ یقین تھا کہ نعش میں تفسیح ہو گیا ہے۔ اس لئے امام مسجد نے نماز جنازہ پڑھنے سے اجتناب کیا اور کہہ دیا کہ جو آدمی جنازہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ ایک آدمی کو امام بنا کر نماز جنازہ پڑھ لیں۔ اس لئے جو آدمی قبرستان پر تھے اکثر نے نماز جنازہ پڑھ لیا

اب سوال یہ ہے کہ جس میت کی ایسی حالت ہو اس کا نماز جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ نیز شامی وغیرہ
 کتب فقہ میں صلی علی قبرہ ما لم یغلب علی الظن تفسیحہ جو وارد ہے۔ کیا تفسیح صرف قبر
 والے میت کے لئے علت ہے یا قبر سے باہر بھی جس میت میں تفسیح پایا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے یا اس
 کا الگ حکم ہے۔ نیز یہ بھی تفصیل سے بیان فرمادیں کہ تفسیح کی ابتدا کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ کیا تعفن سے
 تفسیح کی ابتداء شروع ہوتی ہے یا نہیں اور تعفن تفسیح میں داخل ہے یا نہیں؟
 یا تفسیح کی ابتداء اس وقت شروع ہوتی ہے جب بال اور کھال جسم سے الگ ہونے شروع ہوں یا گوشت
 اعضاء کو چھوڑنے لگیں۔ براہ مہربانی تفصیل سے تفسیح کی تشریح فرمادیں۔ ابتداء اور انتہاء کی حد بندی فرمادیں۔ نیز
 ایسی حالت میں بکسہ پیٹی کو قبر کی حیثیت دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب

جب غالب گمان یہ ہو کہ لاش میں تفسیح ہو گیا ہے تو جنازہ نہ پڑھنا چاہیے۔

ولولم یهل التراب یخرج فیغسل ویصلی علیہ ما لم یتفسخہ (مراقی)

قولہ ما لم یتفسخہ ای تفرق اعضاءہ فان تفسخہ لا یصلی علیہ مطلقاً لانھا شرعت
 علی البدن ولا وجودہ مع التفسخہ (طحاوی ص ۳۲۷)

تفسیح عام ہے قبر میں ہو یا باہر کما یفہم من عموم قولہ ولا وجودہ مع التفسخہ۔ شامی میں ایک مقام
 پر ارتفاع، تمعظ اور تفسیح کا فرق کرتے ہوئے تفسیح کی تعریف یہ کی ہے کہ اعضاء الگ الگ ہو جائیں۔

قولہ وانتفیج ای تورم وتغیر عن صفة الحیوان وقولہ تمعظ ای سقط شعرہ

وقولہ او تفسخہ ای تفرق اعضاءہ عضواً عضواً (شامی ص ۱۴۱)

فقط واللہ اعلم
 محمد انور

۲۰ / ۱ / ۱۴۱۰ھ



دُعَا بَعْدَ الْجَنَازَةِ كَبَارِئِ فِي أَهْلِ بَدْعَتِ كِبِفْلَطِ كَا مُفَصَّلِ جَوَابِ

جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دُعا مانگنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے ہمیں ایک پمفلٹ بھیجا ہے۔ اس میں اس دعویٰ کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل دلائل دیئے ہیں — اور یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ کرام سے بھی یہ دُعا ثابت ہے اور عام مسلمان بھی اسے اچھا سمجھتے ہیں۔

۱۔ وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عَمْرِو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُمَا فَاتَتَهُمَا الصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَازَةِ فَلَمَّا حَضَرَا مَا زَادَا عَلَى الْإِسْتِغْفَارِ لَهُ وَعَبَدَ اللَّهُ بِنِ سَلَامٍ فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ عَلَى جَنَازَةِ عَمْرِو فَلَمَّا حَضَرَ قَالَ إِنْ سَبَقْتُمُونِي بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ فَلَا تَسْبِقُونِي بِالْدُعَاءِ لَهُ أَهـ (مبسوط سرخسی ص ۶۷)

۲۔ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ الْآيَةُ

۳۔ وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ الْآيَةُ -

۴۔ عَنْ عَمَلِ الْبَيْتِ كُلِّهِ لُصْفُ الْعِبَادَةِ وَالْدُعَاءِ نِصْفٌ -

۵۔ إِذَا رَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا أَلْجَأَ قَلْبَهُ لِلدُّعَاءِ أَهـ

۶۔ إِذَا فَرَّغَ أَحَدُكُمْ مِنْ صَلَاةٍ فَلْيَدْعُ -

۷۔ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاخْلُصُوا لَهُ الدُّعَاءَ (ابوداؤد) اس کی تفسیر میں یہ

ہے إِذَا فَرَّغْتُمْ مِنَ الصَّلَاةِ فَاخْلُصُوا لَهُ الدُّعَاءَ — (بیہقی)

- (۸) عن ابراهيم الهجرى قال رأيت ابن ابي اوفى اذا ماتت ابنته ثم كبر عليها ربه اذ تم قام بعد ذلك قدر ما بين التكبيرتين يدعو وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصنع على الجنازة هكذا (كنز العمال ج ۲۵۲ ص ۶)
- (۹) :- علامہ زلیحی نے نصب الرایہ میں اور ابن ہمام نے فتح القدر میں اور ابراہیم طبری نے کبریٰ میں واقدی کی کتاب المغازی سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں زید بن حارثہ جعفر بن ابی طالب کی شہادت کا ذکر ہے۔ أَخَذَ الرَّأْيَةَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ فَمَضَى حَتَّى اسْتَشْهَدَ ثُمَّ أَخَذَ الرَّأْيَةَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَمَضَى حَتَّى اسْتَشْهَدَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا لَهُ وَقَالَ اسْتَغْفِرُكَ اللَّهُ. (۱۰) :- وعن نافع قال كان ابن عمر إذا انتهى إلى الجنازة قد عُصِّلِي عَلَيْهِ دَعَا وَالنَّصْرُ مَزِيدُ بْنُ أَبِي مَبْسُوطٍ سَرَّحَسِيٍّ فِي رَقْمٍ هُوَ أَنَّ مَا تَعَارَفَهُ النَّاسُ فَلَيْسَ فِي عَيْنِهِ نَصْرٌ يَبْطَلُهُ، فَهُوَ جَائِزٌ وَقَالَ الْعَلَامَةُ لَا يَعْمَلُ بِمَا يَخَالِفُهُ وَلَا يَرْكُنُ إِلَّا إِلَيْهِ وَلَا يَفْتِي إِلَّا بِهِ (شامی ص ۱۵)
- (۱۱) :- اور امام سیوطی نے لکھا ہے کہ طاؤس کے بیٹے نے اپنے باپ سے پوچھا :-
”ما افضل ما يقال عند الميت قال الاستغفار له“ اھ
- (۱۲) :- اَوْ وَ لَدُ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ (مشکوٰۃ شریف)
- (۱۳) :- يرفع العذاب عن دعاء الاحياء (زہرۃ الریاض)
- (۱۴) :- لا تعجزوا عن الدعاء فانه لن يهلك مع الدعاء أحد (مسند حاکم)
- (۱۵) :- ان الله يغضب من لا يسئل الله تعالى اھ
- (۱۶) :- قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب احتمال وارد کہ بعد نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانچہ الان متعارف است (اشعۃ اللمعات)
- (۱۷) :- بعد از تکبیر چہارم سلام ہر دو جانب بگوید و دعاء بخواند فتویٰ
بر این قول است - (مجموعہ خانی ص ۱۱)

(۱۸)۔ ویقول بعد صلوة الجنائزۃ اللہم لا تحرمننا اجرہ الخ

(نہر الفائق شرح کنز الدقائق باب الجنائزۃ)

یہ اٹھارہ دلائل مولوی صاحب نے دیتے ہیں آپ ان دلائل پر تبصرہ فرمادیں اور سوال میں جو فتاویٰ حنفیہ کے ہیں ان کا جواب فقہ حنفی کے مطابق عنایت فرمادیں۔

ایک انسان جب دُنیا سے رخصت ہوتا ہے تو یہ وقت اس کے لئے **الجنائزۃ** نہایت ہی پریشانی و لاچاری اور بے بسی کا ہوتا ہے کیونکہ ایک اجنبی اور ایسی دنیا میں قدم رکھتا ہے جس کے مالک کی نافرمانی میں عمر گزارنی نہ معلوم یہاں کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور کون کون سے مصائب کا سامنا کرنا پڑے، پہلے کوڑی نہیں اور ضروریات کو ڈروں ہیں بلکہ اُن گنت۔

اس بیکسی کی حالت میں شریعت مقدسہ نے اہل اسلام کے ذمہ مرنے والے کی اعانت کو ضروری قرار دیا یہ اعانت مالی نہیں بلکہ فعلی یعنی قولی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرنے والے کو پُردِ خاک کرنے سے پہلے سب مسلمان بل کہ بہ الحاح بارگاہِ خداوندی میں یہ درخواست کریں کہ اے اللہ مرنے والے نے اپنی زندگی میں جتنے تیرے قصور کئے ہیں ان پر مواخذہ نہ فرمانا بلکہ اسے آرام و چین کی زندگی اور نئی دنیا میں ہر قسم کی ہولتیں مہیا فرمانا نیز اسی کا سوال ہم اپنے لئے بھی کرتے ہیں یہ حقیقت ہے نمازِ جنازہ کی جیسا کہ حضراتِ فقہاء نے تحریر فرمایا مگر چونکہ درخواست کے قبول ہونے میں الفاظ کے مضمون کا اور درخواست پیش کنندگان کی ہئیت وغیرہ امور کو بڑا دخل ہے کوئی عجب نہیں کہ ایک درخواست صحتِ مضمون کے باوجود امور بالال میں مزاجِ شاہی کی رعایت نہ ہو سکنے کی وجہ سے رد کر دی جائے لہذا آدابِ بارگاہِ خداوندی پر مطلع ذاتِ صمدیت سے آگاہ و فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے حق میں درخواستِ مذکورہ پیش کرنے کے لئے سب سے بہترین صورت اس کی مکمل تفصیلاً کے ساتھ ہمیں تسلیم فرمادیں ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ صورت سے بہتر صورت کی تجویز ممکن نہیں اور آپ کی تعلیم ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہے لہذا مزید کسی ترمیم و اصلاح اور حک و اضافہ کی محتاج نہیں کیونکہ تسلیم نبوی کو بھی اگر محتاج اصلاح سمجھا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے مصلح کو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے اَعْلَمُ یقین کیا ہے کیونکہ مصلح کا طالب اصلاح کی نسبت اعلم ہونا لازمی ہے تو اس میں تنقیص شان نبوی ہے جو مستلزم کفر ہے۔

پس ثابت ہوا کہ تسلیم نبوی ہرگز قابل اصلاح و حکم و اضافہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سنت نبویہ اور طریقہ صحابہ کو نہایت مضبوطی سے تھامنے کی سخت تاکیدات وارد ہیں اور اس کے خلاف کرنے پر وعیدیں آتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نہایت ہی مؤثر و عظیم کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ میرے اور خلفائے راشدین کے راستے (سنت) کو اپنے اوپر لازم کر لو اور اس کے ساتھ چمٹ جاؤ اور نیز فرمایا کہ اس راہ سنت کو دانستوں کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو (کہیں چھوٹنے نہ پائے) آخر میں ارشاد فرمایا کہ نئے نئے پیدا ہونے والے کاموں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو۔ کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اس حدیث کے پیش نظر اہل اسلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ہر کام میں سنت طریقہ کو اپنا معمول بنائیں اور عبادات اور تعلیمات نبویہ پر کی جانے والی کمی اور زیادتی سے قطعی احتراز کریں۔ پس نماز جنازہ کی وہی شکل جو زمانہ نبوت میں یا خیر القرون میں موجود تھی اسی پر عمل کیا جائے اور اس پر ہونے والی زیادتی کو مردود ٹھہرایا جائے اور ذخیرۃ احادیث اس پر شاہد ہے کہ خیر القرون میں دعاء مذکورہ کا نشان نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ سے نماز جنازہ کی کیفیت بطریق شہرت ثابت ہے وہ صرف یہی ہے کہ تجلیات ہیں اور ان کے اثناء میں حمد و درود کے بعد دعاء ہے اور بعد ازاں سلام پھیر کر نماز ختم ہو جاتی ہے اور بس۔

کسی حدیث میں یہ زیادتی موجود نہیں کہ سلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہ کرام دعاء مانگا کرتے تھے۔ اگر خیر القرون میں مانگی جاتی ہوتی تو یقیناً منقول ہوتی ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ درمیان والی دعاء بہ صراحت احادیث کثیرہ میں منقول ہو اور بعد والی منقول نہ ہو۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرات صحابہؓ سے نماز جنازہ کی جو کیفیت منقول ہے:

”بجاشی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ اس طرح پڑھی :

وَخَرَجَ الْحَاصِلِيُّ فَصَفَّ بِهَمِّ فَكَبَّرَ رُبْعَ تَكْبِيرَاتٍ ۱۵۔

(موطا بروایت ابی ہریرۃ رض ص ۲۲۲)

ایک مسکنہ کی نماز جنازہ میں آپ شرکت نہ فرما کے تو قبر پر تشریف لے گئے تو
نماز جنازہ یوں پڑھا : فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى صَفَّ
بالناس على قبرها فكبر اربع تكبيرات - (موطا)

اہم طاہوی نے کثیر روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کا تکبیرات
پر اختتام پذیر ہونا ثابت کیا ہے نیز حضرت عثمان، علیؓ، ابن عباسؓ، حسنؓ
برابر بن عازب رضی اللہ عنہم وغیر ہم صحابہؓ کا یہی معمول نقل کیا ہے۔ (طاہوی ج ۱)
ان احادیث سے تکبیرات ثابت ہوئیں۔ درمیانی دُعا و سلام وغیرہ حدیث ذیل سے
ثابت ہیں۔ قال ابو هريرة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَخْبَرَنِي أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَضَعَتْ كَبْرَتَ وَحَمْدَ اللهِ وَصَلِيَّتَ عَلَيَّ نَبِيِّهِ ثُمَّ اقْبَلَ يَقُولُ اللَّهُمَّ عَبْدُكَ
وَابْنُ عَبْدِكَ الْخَوْدِ (موطا) قال الشارح صليت بعد التكبيرة الثانية ثم ادعو
بالدعاء الآتي بعد التكبيرة الثالثة - واخرج البيهقي في المعرفة عن
ابن امامة بحديث سعيد بن مسيب قال ان السنة في صلوة الجنازة ان
يقرا بفاخرة الكتاب وبصلى على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يخلص الدعاء
للميت حتى يفرغ ولا يقرا الا مرة واحدة ثم يسلم اخرج مالك عن
نافع ان عبد الله بن عمر كان اذا صلى على الجنائز يسلم الى آخره -
یعنی نے بروایت عبداللہ بن ابی اوفی مرفوعاً نماز جنازہ کے ختم پر سلام کو ذکر کیا ہے
۱ بذل جائز ص ۲۶۵

الحاصل احادیث مشہورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا نماز
جنازہ پڑھنا صرف سلام پھیرنے تک منقول ہے اس کے بعد دُعا ہرگز منقول نہیں پس
یہ دُعا مانگنا تعلیم نبوی پر زیادتی ہوگی جس کی شرعاً ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی جیسا کہ
اوپر کہا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص تعلیم نبوی میں کوئی کمی زیادتی کرتا ہے گویا کہ وہ تعلیم نبوی کو
لغو ذبائتہ من ذلک ناقص سمجھتے ہوئے اسکی اصلاح و تکمیل کرتا ہے اور اپنے تئیں گویا کہ
شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ اعلم اور اُمت کے حق میں آپ کی بہ نسبت زیادہ
شفیق ہونے کا مدعی ہے العیاذ باللہ ورنہ بتلائے کہ اگر یہ ادعا نہیں تو تعلیم نبوی کے

کامل ہونے پر ایمان رکھنے کے باوجود وہ کون سا داعیہ ہے جو اس زیادتی کا محرک بنا۔
چونکہ احادیث میں نماز جنازہ صرف سلام تک وارد ہے اس لئے فقہاء کرام نے بھی
اسی ہی نماز جنازہ بتلائی چنانچہ ملاحظہ ہو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

والصلوة ان یکبر تکبیرة ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم
یکبر تکبیرة یدعو فیہا لنفسہ وللیمت والمسلمین ثم یکبر الرابعة
ویسلم (ص ۱۱۱) وفي التنویر وهي اربع تکبیرات یرفع یدیه
فی الاولی فقط ویثنی بعدھا ویصلی علی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم بعد الثانية یدعو بعد الثالثة ویسلم بعد الرابعة
ولا قراءة ولا تشهد فیہا الخ (شامی ص ۸۱۶ ج ۱)

تنویر کے شارح صاحب درمختار بھی یہاں خاموشی سے گزر گئے ہیں اور سلام کے بعد
دُعا کو ذکر نہیں کیا ہے۔ نیز درمختار کے شارح علامہ شامی نے دُعا کی زیادتی کو بیان نہیں کیا صاحب
کنز بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں ملاحظہ ہو، وتسلیمتین بعد الرابعة فلو کبر الامام
خمسا الخ اس میں دُعا مذکورہ کا نشان نہیں سلام تک بیان فرما کر آگے دوسرا مسئلہ
شروع فرما دیا۔ حسن شرنبلالی نور الايضاح میں فرماتے ہیں۔ ویسلم بعد الرابعة من
غیر دعاء فی ظاہر الروایة ولا یرفع یدیه غیر تکبیرة الاولی الخ سلام
پر نماز جنازہ ختم ہو گئی۔ آگے دوسرا مسئلہ بیان کیا۔ الفرض تمام کتب فقہ میں نماز جنازہ
کی یہی کیفیت منقول ہے۔ بات طویل ہو جائے گی ورنہ ساری کتب فقہ سے اس قسم کی نقول
پیش کی جائیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ فقہ حنفی کی کوئی معتبر کتاب ایسی نہیں جس میں یہ مسئلہ بیان
کیا گیا ہو اور اس میں سلام کے بعد دُعا کا اضافہ بھی ہو بلکہ ائمہ اربعہ کی فقہ سے اجماعی طور
پر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کا جُز ہونے کی حیثیت سے شرعاً ثابت نہیں پس جب
ذخیرہ احادیث اور ائمہ اربعہ کی فقہ کی رو سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ گیا کہ دُعا مذکورہ نماز
جنازہ کا جُز نہیں اور تعلیم نبویؐ جسے تمام ائمہ مجتہدین نے بلا کسی اصلاح و ترمیم یا کمی و زیادتی کے قبول
کیا وہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ پس یہ دُعا تعلیم نبویؐ پر زیادتی اور خیر القردن کے
بعد کی پیداوار ہوئی۔ پس نبص حدیث من احدث فی امرنا هذا ماليس منه دنہر

رَدِّ"۔ یہ زیادتی مردود ہوگی نیز بنص حدیث فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة
زیادہ مذکورہ بدعت اور گمراہی بنے گی۔ لہذا یہ دُعا واجب الترتک ہے۔

فقہ کے اس متفقہ فیصلہ سے کہ نمازِ جنازہ سلام پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ امر بھی
تنبیہ : بخوبی واضح ہو گیا کہ پورے ذخیرہ احادیث میں جس جگہ تک ہم کوتاہ بنوں

کی رسائی بھی ممکن نہیں کہیں بھی کوئی ایسی صحیح قابل استناد حدیث موجود نہیں جس سے دُعا
مذکورہ کے اثبات میں استدلال کیا جاسکے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ائمہ ہدٰی اربعہ اور ان کے
اصحاب پر ایسی حدیث مخفی رہ جاتی۔ انتہا یہ ہے کہ کسی امام مجتہد کا مذہب تو کیا اختلاف روایات
بھی تو منقول نہیں کہ جنازہ کے بعد دُعا کی جائے۔ پس اس تفصیل سے ضمنی طور پر اس حدیث
کا جواب ہو گیا جسے خصم کی جانب سے اثبات دُعا مذکورہ کے لئے بطور دلیل کے پیش کیا
جاتا ہے کہ ایسی ساری احادیث یا تو صحیح اور قابل استناد ہی نہیں یا پھر مفید دُعا نہیں۔

تفصیل بالا سے روز روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ دُعا مذکورہ نہ نمازِ جنازہ میں
رکن ہے نہ شرط نہ واجب نہ سنت نہ مستحب بلکہ بدعت ہے۔ لیکن بالفرض اگر تھوڑی دیر
کے لئے اسے بدعت نہ بھی تسلیم کیا جائے تو اس خصوصی محل کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ
اسے مباح یا غایت مافی الباب مندوب کہا جائے گا۔ مگر عوام نے عملاً اور اعتقاداً چونکہ اس
دُعا کو واجب کر رکھا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ تارک پر نیکیر شدید کرتے ہیں اور خود اس پر
اصرار کرتے ہیں بلکہ راقم الحروف کا خود مشاہدہ ہے کہ لوگوں کو دُعا کرنے والوں کے متعلق کہتے
سنا ہے کہ اگر انھوں نے دُعا نہیں کرنی تھی تو جنازہ گاہ میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ گویا کہ
وہ بدون دُعا مذکورہ کے جنازہ کے پڑھنے نہ پڑھنے کو برابر سمجھتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جب
یہ حالت ہو چکی ہو عوام کے فسادِ عقیدہ کی کہ جس مباح یا مستحب پر عمل کرنے سے عوام کے
فسادِ عقیدہ کا اندیشہ ہو وہ مباح یا مستحب واجب الترتک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری ج ۱۰ ص ۱۰۰

وما يفعل عقیب الصلوة مکروۃ لان الجہال یعتقدون انہ

ر کل مباح یؤدی الیہ فمکروۃ ہکذا فی الزاہدی

دیکھتے سجدہ مذکورہ اگرچہ اس محل کے اعتبار سے مباح تھا لیکن عوام کے فسادِ عقیدہ

کے سبب اسے ناجائز اور مکروہ قرار دیا گیا۔ سجدہ مذکورہ کی مخالفت بوجہ احتمالِ فساد کے مصرح ہے تو جو فعل شرعاً ثابت نہ ہو بلکہ بدعت ہونے کا احتمال یقیناً متعین ہو اس کے بارے میں عوام کا فسادِ عقیدہ بھی محقق ہو تو اسے کرنے کی کیونکر اجازت دی جاسکتی ہے اور دعاء مذکورہ ایسے ہی ہے پس یہ ہرگز جائز نہ ہوگی۔

(۲)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سورتیں نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے (مثلاً جمعہ کی فجر میں آلہ سجدہ اور دہر وغیرہ) ان کا مذکورہ نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے لیکن ان سورتوں کا مقرر کر لینا کہ ان نمازوں میں یہی سورتیں ہمیشہ پڑھا کرے۔ ایہام الجاحل کی وجہ سے تمام فقہانے اسے مکروہ لکھا ہے یعنی ایسی توقیت گناہ ہے جو واجب ترک ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ہدایہ میں ہے:

(ا)۔ ویکرہ ان یوقت بشئ من القرآن بشئ من الصلوٰۃ لما حید من ہجر الباق۔ وایہام التفضیل۔ اس پر محقق ابن ہمام کچھ کلام کے بعد فیصلہ فرماتے ہیں کہ :

(ب)۔ فالحق انہ ایہام التعیین، نساتم المحققین، علامہ شامی اس مسئلہ سے گزرتے ہیں تو فرماتے ہیں : اقول حاصل معنی کلام ہذین الشیخین یعنی الطحاوی و الاسیجانی بیان وجہ الکراہۃ فی المدامۃ و هو انہ ان رأی ذلک حتماً یکرہ من حیث تغیر المشروع و الا یکرہ من حیث ایہام الجاحل (ص ۵۸ ج ۱)

(ج)۔ یہی علامہ شامی صاحب بحر سے وتر کی سور ثلاثہ کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ ہمیشہ انہی کو پڑھنا درست نہیں۔

(والسورۃ الثلاثہ) ای الاعلیٰ و الکافرون و الاخلاص

لکن فی النہایۃ ان التعیین علی الدوام یفنی الی اعتقاد بعض

الناس انہ واجب و ہولایجوز اھ ص ۶۲ ج ۱۔

دیکھتے ان سورتوں کا مخصوص نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے۔ مگر عوام کے خرابی عقیدہ کے

اندیشہ سے اسے مکروہ لکھا ہے تو دعا بعد نماز جنازہ جس کے بارے میں عوام کا فسادِ عقیدہ مشاہد ہے کیونکر جائز ہوگی۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض دعائے مذکورہ کو مستحب بھی

مان لیا جائے تو موجودہ حالات میں عوام کے عقیدہ کی اصلاح کے پیش نظر اس دُعا کو چھوڑ دینا چاہیے۔

(۵) :- دُعاے مذکورہ کو چھوڑ دینے کی پانچویں وجہ یہ بھی ہے کہ مُباح و مستحب نو کیا اگر بالفرض اس سے بڑھ کر دُعاے مذکورہ کا کسی درجہ میں سنت ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے جس کا دلائل کی روشنی میں قطعاً کوئی امکان نہیں جیسا کہ مفصل گزرا تو پھر چونکہ اس میں بدعت ہونے کا قوی احتمال ہے لہذا قابل ترک ہوگی۔ اس لئے کہ جو فعل بدعت اور سنت ہونے میں متردد اور دائر ہو جائے اُسے چھوڑ دینا ہی ضروری ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے اسکی تصریح فرمائی ہے۔ بحر الرائق میں ہے: ان ما تردد بین بدعة و سنت یتروک احتیاطاً (ص ۱۷۰ ج ۲) پس یہ دُعا قابل ترک ہے۔

(۶) :- دُعاے مذکورہ کے ترک کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ خود محققین فقہاء نے بالتصریح اس دُعا سے مخالفت فرمائی ہے حوالہ سے قبل ایک ضروری امر ذہن نشین کر لینا چاہیے وہ یہ ہے کہ ایک مقلد کے لئے اُوپر کی بحثوں میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جبکہ مسئلہ خود فقہ میں موجود ہو، کیونکہ قرآن و حدیث سے استنباط مسائل کی صلاحیت و استعداد جس شخص میں موجود ہے اُسے مقلد بننا ہی درست نہیں۔ تو مقلد وہی بنتا ہے جو اپنے اندر ایسی صلاحیت نہیں پاتا تو اس کے لئے فقہ کی تصریحات بس ہیں۔ پس چونکہ ہم مقلد ہیں تو اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات ہی کافی سمجھنی چاہیے ورنہ ہماری حقیقت ختم ہو جانے گی۔ سو ملاحظہ ہو صاحب بحر الرائق محقق العصر علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں کہ دُعا نہ مانگی جائے۔ وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا يدعو بعد التسليم كما في الخلاصة۔ (ص ۸۷ ج ۲ مصری)

(۷) :- علامہ صفدر صاحب نے محیط سے نقل کیا ہے کہ جنازہ کے بعد دُعا کرنا مکروہ ہے۔

ان الدعاء بعد صلوة الجنائز مکروہ۔

(۸) :- حضرت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ولا يدعو للمیت

بعد صلوة الجنائز لانه يشبه الزيادة في صلاة الجنائز (ص ۲۷ ج ۲)

(۹) :- مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں بھی تقریباً انہی الفاظ سے جنازہ کے بعد دُعا کرنے سے نعت

کی گئی ہے۔ "جنازے کی نماز کے بعد دُعا نہ مانگیے" کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادت کے مشابہ ہے۔

(۱۰) : حواشی مالا بدمنہ میں ہے۔ و بعد تکبیر چہارم سلام گوید و بعد آں بیچ دُعا بخواند (مجمدی) ۹۴
 واضح ہے کہ اصل حواشی مذکورہ مفتی محمد سعد اللہ صاحب کے ہیں اور علامہ حافظ سید محمد عبداللہ
 بلگرامی اور فاضل اُدْحَد مفتی عنایت احمد صاحب نے ان پر نظر ثانی فرمائی ہے۔ جیسا کہ "مالا
 بدمنہ" کے خاتمۃ الطبع سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۱) :- فتاویٰ سعیدیہ میں مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں : خالی از کراہت نیست
 زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادت بودن بر امر مسنون منع میکنند۔ (تحقیق الدعاء ص ۳۹)
 (۱۲) : علامہ فہامہ محقق العصر ابن نجیم "بحر الرائق" میں فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تکبیر رابعہ کے
 بعد اور کچھ نہیں جس کے عموم میں دُعا بعد الجنازہ کا منفی ہونا بھی آجائے گا۔ ملاحظہ ہو۔
 و اشار بقولہ و تسلیمتین بعد الرابعة الى انه لا شئ بعدها
 غیر ہما۔ ص ۱۹۷ ج ۲)

(۱۳) : مبسوط سرخی میں ہے : و في ظاهر الرواية ليس بعد التكبيرة
 الرابعة دعاء سوى السلام۔ (ص ۶۲ ج ۲)

(۱۴) : شرح نقایہ میں ملا علی قاری نے بھی اسی کے قریب قریب الفاظ اس بارے میں
 نقل فرمائے ہیں۔

(۱۵ تا ۲۰) تحقیق الدعاء بعد صلوة الجنازة کے مؤلف نے مزید کتب سے بھی دُعا بعد الجنازہ کی
 ممانعت ذیل کے الفاظ میں نقل کی ہے ہم ایک کتاب کے الفاظ نقل کر کے دوسری کتب کے
 حوالے پر اکتفا کریں گے، جسے تفصیل مطلوب ہو اصل رسالہ کی طرف مراجعت کرے۔
 خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ و لا یقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة خلاصۃ الفتاویٰ،
 فتاویٰ سراجیہ، شرح وقایہ برجندی قنیہ، جامع الرموز، زاد الاخرت۔

مجموعہ خانہ میں ہے : دُعا بخواند و فتویٰ بریں قول است۔ کذانی المنہاج الواضح

للعلامہ ابی الزاہد ص ۱۹۶۔

مذکورہ بالا دلائل صریحہ سے صراحتاً یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ دُعا بعد الجنازہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم سے ثابت نہیں عہد صحابہؓ و تابعین میں بھی اس کا نشان نہیں ملتا۔ ائمہ مجتہدین نے بھی
 اجماعی طور پر نماز جنازہ کی جو کیفیت بتلائی ہے۔ اس میں یہ دُعا موجود نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر

یہ ہے کہ فقہاء نے اس دُعا کی صراحت کر کے اسے مکروہ و ناجائز لکھا ہے۔ جیسا کہ مفصل بیان ہوا ہے پس ایک منصف مسلمان کے لئے تفصیل بالا کے پیش نظر یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ دُعا بعد الجنازہ بدعت ہے اور اُسے ترک کرنا ضروری ہے پس ان عربی عبارتوں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں رہتی جو بطور مغالطہ کسی صاحب نے اثبات دُعا مذکور کے لئے استفہام میں تحریر کی ہیں مگر چونکہ وہ ان عبارتوں کو دلائل سمجھ رہا ہے اس لئے ان کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہوا۔

مقصود سے قبل ایک مقدمہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے تاکہ فہم جواب میں سہولت ہو۔ وہ یہ ہے کہ دلیل مطلق سے کسی مخصوص دعویٰ کا ثابت کرنا درست نہیں نہ عقلاً نہ شرعاً۔ مثلاً دیکھئے کہ زید قتل کے جرم میں ماخوذ ہے۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا تو گواہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ زید سے قتل کا جرم ہمارے سامنے سرزد ہوا ہے بلکہ ان کی گواہی صرف اتنی ہے کہ قتل کا وقوع ضرور ہوا ہے لیکن تعین قاتل سے سکت ہیں۔ تو کیا ان کی گواہی سے زید پر قتل کی فرد جرم عائد کر دی جائے گی۔ دُنیا کے کسی عقلمند کے نزدیک ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ دعویٰ خاص ہے اور گواہی مطلق ہے۔ پس دلیل مطلق سے دعویٰ خاص ثابت نہیں ہو سکے گا۔ شرعاً بھی یہی ہے کہ کسی امر کی فضیلت میں اگر کوئی نص مطلقاً وارد ہو تو اس نص مطلق سے امر مذکور کے کسی خاص موقع پر مستحب ہو جانے کا قول کرنا درست نہیں ہوتا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ ذکر اللہ کی عام حالت میں بہت سی فضیلتیں وارد ہوتی ہیں لیکن کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی مخصوص ذکر پر کسی مخصوص وقت میں خاص اجر و ثواب کا وعدہ ذکر کرے یا اس وقت خصوصی استجاب کا قائل ہو جائے۔

چنانچہ بحر الرائق میں ہے : لان ذکر اللہ اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت او لشیء دون شیء لم یکن مشروعاً ما لم یرد بہ الشرع (ج ۱۲ ص ۱۴۲) اسی طرح مصافحہ کرنا عام حالات میں سنت ہے مگر اس کے لئے کسی خاص وقت کی تخصیص کرنا درست نہیں سنت ہونے کے باوجود اس خاص محل میں بوجہ تخصیص کے بدعت بن جائے گا۔ اور سنت مصافحہ کی دلیل مطلق سے تخصیص مذکور پر استدلال کرنا باطل ہوگا۔ چنانچہ بعض لوگوں میں نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے کا رواج پڑ گیا تھا۔ مگر فقہاء

نے اس مخصوص مصافحہ کو دلیل مطلق کے تحت داخل نہ مانتے ہوئے اسے بدعت قرار دیا ہے اور ناجائز ٹھہرایا ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے ایک نماز صلاۃ الرغائب کے نام سے ایجاد کی تھی۔ مگر فقہار نے لوگوں کو اس سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا اور نماز کے فضائل میں وارد ہونے والی مطلق احادیث کے تحت اس نماز کو داخل نہیں سمجھا، بلکہ اس کے واضح کو ملعون قرار دیا ہے۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بکراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوة مع ان المصافحة سنة وما ذاك الا لكونها لم توثر في خصوص هذا الموضع فالمواربة عليها توهم العوام بانها سنة فيه ولذا منعوا عن الاجتماع لصلوة الرغائب التي احدثها بعض المتعبدین لا منها لم توثر على هذه الكيفية في تلك الليالي المخصوصة وان كانت الصلوة هي خير موضوع الخ

پس جب یہ دعویٰ محقق ہو گیا کہ دلیل مطلق سے دعویٰ خاص پر استدلال کرنا باطل ہے تو اس سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ دُعا بعد الجنائزہ کے اثبات کے لئے کسی ایسی حدیث یا آیت سے استدلال کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے جو آیت یا حدیث مطلق دُعا کی فضیلت میں وارد ہوئی ہو کیونکہ دعویٰ دُعا کے مخصوص کا ہے اور دلیل مطلق دُعا کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ واضح ہے کہ استفتا میں مذکورہ اکثر دلائل ایسے ہی ہیں۔ پس یہ مفید دُعا نہیں ہوں گے۔ مگر تحریر کنندہ اپنی نادانی سے ان کو دلائل سمجھ رہا ہے۔ یہ صرف ان کا تصور نہیں بلکہ جو شخص بھی بدعت کو سنت بنانے کی ناکام کوشش کرے گا اسے یہی کچھ کرنا پڑے گا۔ چنانچہ رسالہ "ایذان الاجر حف التاذین علی القبر" دیکھ لیا جائے۔ اس اجمالی جواب کے بعد اب ہم عبارات مذکورہ کا تفصیلی جواب دیتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ (واضح رہے کہ اختصار کے پیش نظر جواب میں دلیل کا اعادہ نہیں کیا گیا بلکہ دلیل کا نمبر ذکر کر کے جواب لکھا گیا ہے۔

کا جواب یہ ہے کہ آثار مذکورہ سے متنازعہ منیر دُعا کا ثابت کرنا

دلیل نمبر ۱: محض دھوکہ یا خود فریبی ہے ان آثار کو مقصد سے قطعاً کوئی تعلق نہیں

اہم سرخسیؒ اس مسئلہ کو بیان فرما رہے ہیں کہ جب ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہو تو بعد میں آنیوالوں کو اعادہ کا حق حاصل نہیں۔ جبکہ یہ غیر ولی ہوں۔ یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، مگر امام شافعیؒ اعادہ کے قائل ہیں تو امام سرخسیؒ نے حنفیہ کے مسلک کی تائید میں آثار مذکورہ کو پیش کیا ہے کہ دیکھو ان حضرات نے جنازہ کا اعادہ نہیں کیا بلکہ صرف دُعا کرنے پر اکتفا کیا۔ جبکہ نماز جنازہ میں یہ حضرات شرکت نہ کر سکے تھے۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ جو لوگ نماز جنازہ پڑھیں وہ جنازہ کے اختتام پر اسی اجتماعی حالت میں دُعا بھی مانگا کریں۔ نیز ان آثار میں یہ بھی مذکور نہیں کہ یہ حضرات نماز ہو چکنے کے کتنی دیر بعد میں پہنچے تھے۔ تقریباً دس منٹ، بیس منٹ، گھنٹہ، آدھ گھنٹہ، بلکہ آثار اس سے بھی ساکت ہیں کہ ان حضرات کی تشریف آوری جنازہ کی موجودگی میں ہوئی یا دفن کے بعد؟ تو ان کی دُعا سے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ نماز جنازہ کے متصل بعد ہوئی یا کب ہوئی؟

نماز جنازہ کے متصل بعد میں کی جانے والی دُعا کے اثبات پر استدلال کیونکر صحیح ہوگا؟ پس ان حضرات کے دُعا کرنے سے دُعا بعداً لجنازہ ثابت کرنا محض لغو ہے ان آثار کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اگر کسی شخص سے جنازہ فوت ہو جائے تو وہ جس وقت بھی قبرستان یا جنازہ گاہ میں پہنچے تو ویسے ہی مایوس ہو کر نہ لوٹ جائے بلکہ اپنے طور پر مُردہ کے لئے دُعا سے مغفرت کر دے، اس سے بھی مُردہ کی حق رسی ہو جائے گی، کیونکہ نماز جنازہ کی حقیقت بھی دُعا سے مغفرت ہی ہے لیکن اس کے لئے پھر مخصوص شرائط ہیں۔ جن کی عدم موجودگی میں یہ صحیح نہیں ہوتی اور نفس دُعا مانگنے کے لئے اجتماعیت وغیرہ کی شرط نہیں۔ انفرادی طور پر جب بھی چاہے دُعا مانگ سکتا ہے۔ (یاد رہے کہ اس انفرادی دُعا مانگنے کے ہم بھی مخالف نہیں۔) تو جب کسی شخص سے مخصوص دُعا سے مغفرت یعنی نماز جنازہ فوت ہو جائے اور اس کا اعادہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف دُعا سے مغفرت ہی کر دینا چاہیے۔ اس میں تو کسی کی تخصیص نہیں نہ ہی کسی وقت کی قید یہی مطلب ہے اس جملے کا کہ ان سبقتونی بالصلوة علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ۔ کہ اگر نماز جنازہ میں تم مجھ سے بازی لے گئے ہو کہ تم نے پڑھ لی اور میں شامل نہ ہو سکا۔ اور اس کا اعادہ بھی ممکن نہیں، تو نفس دُعا سے مغفرت تو کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہارے ساتھ مخصوص ہو کہ تم کو اس کو اور میں نہ کر سکوں بلکہ

یہ تو تم بھی کر سکتے ہو اور میں بھی کر سکتا ہے ہوں۔ لہذا تم اس دُعا میں مجھ سے بازی نہیں لے جا سکو گے، اگر کہا جاوے کہ سبقت مقتضی ہے فعلِ ظریفین کو تو جواب ہے کہ پھر سبقت مونی بالصلوٰۃ علیہ میں بھی سبقت اسی کی متقاضی ہوگی جس سے حضرت عبداللہ بن سلام کا جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہو جائے گا حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

جواب نمبر ۲: اگر آثار مذکورہ مفید دُعا ہوتے تو کم از کم امام سرخسیؒ بھی اس کے قائل ہوتے کہ جنازہ کی نماز کے بعد دُعا مانگی جائے، حالانکہ آپ نے بھی دیگر ائمہ اور فقہاء کی طرح نماز جنازہ کے بعد دُعا کا ذکر نہیں کیا، ملاحظہ ہو۔

و یسلم تسلیمتین بعد الرابعة ولا تہُ جاء اوان التعلل
و ذالک بالسلام الخ ان قال فان کبرا الامام خمسا الخ (ص ۶۲)
دیکھئے نماز جنازہ تسلیمتین تک بتلاکہ دوسرا مسئلہ شروع کر دیا، بعد میں دُعا مذکورہ ہوتی تو یقیناً بیان فرماتے کیونکہ محل بیان ہے۔ چنانچہ دیکھئے صلوٰۃ کوف میں نماز کے بعد دُعا وارد ہے تو سب فقہاء نماز میں اختتام پر دُعا کا ذکر فرماتے ہیں ہدایہ میں ہے۔
و یدعو بعدھا حتی تنجلی الشمس (ص ۱۵۶) (۱۷)
صلوٰۃ خمسہ کے بعد دُعا ہے فقہاء اُسے بیان فرماتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دُعا ثابت ہو اور فقہاء بیان نہ فرمائیں۔

جواب دلیل نمبر ۲: دلیل نمبر ۲-۳ سے وجہ استدلال سمجھ میں نہیں آتی کہ دُعا بعد الجنازہ ان سے کیسے ثابت ہوتی ہے؟
افسوس ہے کہ شوق اجتہاد میں ضروری امور کو بھی بیان نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اکڑنے والے یقیناً جہنم میں جائیں گے لیکن ان کو دُعا سے کیا تعلق؟ اللہ کی عبادت اور نیکی کرنے والے یقیناً اُمیدوار فلاح و کامیابی ہیں۔ مگر دُعا بعد الجنازہ اس سے کیسے ثابت ہوئی؟ دعویٰ کچھ اور دلیل کچھ۔ سوال از آسمان جواب از لیسمان۔ اگر ایسی ہی عمومی نصوص سے دُعا ثابت ہو سکتا ہے تو اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہر نماز کے بعد دو سو مرتبہ کلمہ شریف پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ یہ بھی عبادت اور نیکی ہے اور نیکی عبادت کرنا بلص قرآنی فرض ہے لہذا یہ کلمہ شریف بھی ہر نماز کے بعد پڑھنا فرض ہے اور جو

شخص اُسے تسلیم نہ کرے وہ جہنمی ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت سے تکبر کر نیوالے جہنم میں داخل ہوں گے تو شخص مذکور کے استدلال مذکور کا کیا جواب ہوگا؟
جو جواب اس کا ہوگا وہی جواب اس کا ہے جو ان نصوص سے دُعا بعد الجنائزہ کا مثبت ہے۔ اگر جہلا کے لئے ایسے استدالات کی اجازت دے دی جائے تو شریعت کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا ہر وظیفہ بالقوہ فرض ہوگا۔ جتنی نمازوں کو مزید چاہو فرض بنا لو۔ جتنے روزوں کا اضافہ کر لو۔

پس ایسی عمومی نصوص سے دُعا بعد الجنائزہ کو ثابت کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ ایسی آیت یا حدیث سے اثبات ہونا چاہیے جس میں یہ تصریح ہو کہ نمازِ جنازہ کے بعد دُعا مانگی جائے وغیرہ مطلق فضائل دُعا کی نصوص سے دُعا کو کوئی تعلق نہیں۔

بفرض صحیح احادیث ان سے مطلق دُعا کی فضیلت
جواب دلیل نمبر ۵-۲: ظاہر ہو رہی ہے اور پہلے ہم یہ بالتحقیق ثابت کر چکے

ہیں کہ ایسی مطلق احادیث سے مخصوص دُعا کے اثبات کے لئے استدلال باطل ہے فلیراجع، دُعا بہت فضیلت رکھتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُسے جس عبادت کا چاہیں جزو بنا دیں اور جس مقام پر چاہیں اُمت کے ذمہ اس کا مانگنا فرض و واجب یا سنت و مستحب قرار دیا جائے۔ مثلاً دیکھئے نماز کی احادیث میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے مگر ان فضائل کے پیش نظر کسی مُجدد کے لئے اسکی اجازت نہیں کہ وہ یہ کہہ دے کہ مثلاً ظہر کی سنن قبلہ سے پہلے دو رکعت پڑھنا سنت ہے اور اُسے اُمت کے ذمہ عملاً لازم قرار دے۔ یاد رکھیے عمل خاص کی مشروعیت و استحباب کے لئے لفظ خاص کا وارد ہونا ضروری ہے۔ امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

اللاتریٰ ابن عمر قال في صلوة الضحى انها بدعة لانه
لم يثبت عندها دليل ولم يراد راجها تحت عمومات الصلوة
لتخصيصها بالوقت المخصوص وكذلك قال في القنوت كان
يفعله الناس في عصره لانه بدعة ولم يراد راجباً تحت
عمومات الدعاء الخ۔ (احكام الاحكام ص ۵۲)

پس اثباتِ دعا بہ مذکور کے لئے کوئی ایسی حدیث پیش کی جاوے جس میں بالتصریح مذکور ہو کہ نماز جنازہ کے بعد کی دعا کی جاوے۔

جواب دلیل نمبر ۶: اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ مطلق ہے اور مطلق کا استعمال جب بلا کسی قید کے کیا جائے تو اس سے مراد فردِ کامل

ہوا کرتا ہے۔ والمطلق اذا اطلق يراد به الفرد الكامل — قاعدہ کلیہ ہے اور صلوٰۃ کا فردِ کامل صلوٰۃ مکتوبہ ہے پس حدیث میں صلوٰۃ سے مراد یہی صلوٰۃ مکتوبہ ہوگی تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ فرض نماز کے بعد دعا کی جائے۔ کیونکہ محلِ اجابتِ دعا رہے۔ جیسا کہ دوسری احادیث میں وارد ہے۔

عن ابی امامۃ قال قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبر الصلوات المکتوبات۔ (مشکوٰۃ ص ۷۹)

پس اس حدیث سے دعا بعد الجنازہ کا اثبات غلط ہے حدیث مذکور بیہقی میں مل نہ سکی اس لئے سند کی تحقیق نہ ہو سکی۔ اگر مکمل تحقیق مطلوب ہو تو حوالہ بقید صفحہ و سطر دیا جائے۔ حدیث مذکور کی یہ تفسیر من گھڑت ہے بتلایا جائے کہ **جواب دلیل نمبر ۷:** یہ تفسیر کس شارح سے منقول ہے جب تفسیر من گھڑت

ہے تو یہ حجت نہیں اور متن حدیث سے مدعا ثابت نہیں ہوتا پس اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہوا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو، تو میت کے لئے اخلاص سے دعا کرو، کذا ترجمہ صاحب مظاہر حق خلیبر اجمع یعنی وہی دعا جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔ الدعاء پر الف لام کا دخول معہودیت دعا کی طرف مشعر ہے اور معہود دعا صرف وہی ہے جو تیسری بکیر کے بعد پڑھی جاتی ہے جنازہ کے بعد والی دعا تو شرعاً ثابت ہی نہیں تو معہود کہاں سے ہوگی بلکہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظام نے تو اسے مکروہ لکھا ہے اور یہ دعا مانگنے سے منع کیا ہے۔

پس دعا بعد الجنازہ اس "الدعاء کا مصداق ہرگز نہیں بن سکتی بلکہ وہی دعا مراد ہے جو معہود فی الشرع اور تمام ائمہ کے نزدیک مشروع ہے۔

نمبر ۲:- اگر حدیث کی وہی تفسیر صحیح ہوتی جو سوال میں مذکور ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ فقہاء کرام اس کا

استحباب منقول نہیں۔ بلکہ اسے مکروہ قرار دے رہے ہیں۔ فا کے مقتضی تعقیب بلا تراخی ہونے سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ لازم نہیں۔ دیکھئے ارشادِ باری اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا الخ اسی طرح اذا قرأت القرآن فاستعد بالله الخ پس حدیث کی تفسیر مذکور غلط ہے۔

نمبر ۳: سنن الکبریٰ للبیہقی میں کتاب الجنائز باب الدعاء فی صلوٰۃ الجنائزہ ص ۴۰ ج ۴ کے تحت اس حدیث اذا صلیتم علی المیت الخ کو نقل کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرات محدثین کے نزدیک بھی الدعاء سے مراد وہی دُعا ہے جو نمازِ جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے۔ نیز ملا علی قاری نے ابنِ ملک سے اس حدیث کی یہ تاویل ذکر کی ہے۔ ویکون معناه اجعلوا له الدعاء خالصاً فی القلب وان کان عاماً فی اللفظ الخ

اور ظاہر ہے کہ تاویل مذکور کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جنازہ کے اندر پڑھی جانے والی دُعا کے الفاظ عام ہیں جو سب مسلمانوں کو شامل ہیں اور حدیث کے ظاہری الفاظ مقتضی خصوص ہیں۔ پس تاویل سے دونوں کو جمع کر دیا تو اس سے بھی ظاہر ہوا کہ شرح حدیث کے نزدیک بھی الدعاء سے مراد نمازِ جنازہ میں مانگی جانے والی دُعا ہے ورنہ تاویل شرح لغو ہوگی۔

کاجواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پس اثبات احکام میں حجت نہ ہوگی۔ لہذا استدلال ساقط ہے۔

ابراہیم الحجری نہایت ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری نے اور نسائی نے اسے منکر الحدیث ٹھہراتے ہیں وغیرہ۔ (تہذیب التہذیب بحوالہ منہاج ص ۱۶۵ ج ۱)

ثانیاً یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ کہاں مذکور ہے کہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دُعا مانگی جو مفید دُعا ہے۔ بلکہ ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے قبل دُعا مانگی جیسا کہ بعض مشائخ احناف بھی اس کے قائل ہیں۔ پس اس حدیث سے استدلال کہ ناخط محض ہے۔ صاحب منہاج الواضح نے علامہ نوویؒ کی اذکار سے یہی روایت نقل کی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ دُعا قبل از سلام تھی اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

ثم سلم عن یمنہ وعن شمالہ۔ (ص ۲۰۲)

(۱)۔ واقدی کی روایت احکام میں معتبر نہیں کمالا
 یحییٰ علی اهل الفن پس روایت مذکورہ احکام
 کے بارے میں حجت نہیں بن سکتی (۲)۔ نیز ابراہیم حلبی کبیری ص ۵۳ میں روایت ہذا کو
 نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ علی ان طرقہ صنعیفة ضما فی المغازی مرسل الخ
 پس جب حدیث مذکور مرسل ناقابلِ احتجاج ٹھہری تو اس سے استدلال کرنا کیسے درست
 ہوگا۔ فتح القدیر میں بھی محقق ابن الہمام نے اسے مرسل قرار دیا ہے تقریباً یہی الفاظ ہیں تیسرا
 جواب یہ ہے داؤ مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے۔ پس الفاظ حدیث سے دُعا کا جنازہ کے بعد
 متصل ہونا ہرگز ثابت نہ ہوگا۔ لہذا اس سے استدلال کرنا باطل ہوگا۔ اگر عطف تفسیری نہ مانا
 جائے تو حدیث سے قواعد کے لحاظ سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے دُعا بھی
 فرمائی اور نماز جنازہ بھی پڑھا لیکن تقدیم تاخیر سے حدیث ساکت ہے پس مفید دُعا نہیں اور
 ظاہر تو یہی ہے عطف تفسیری مان لیا جاوے تاکہ دوسری احادیث کے ساتھ منطبق ہو جائے
 واللہ اعلم۔

جواب دلیل نمبر ۱ : کا یہ ہے اگر حضرت ابن عمر نماز جنازہ ہو چکنے کے بعد
 جنازہ گاہ میں پہنچے اور دُعا کر کے واپس تشریف لے
 گئے تو اس سے دُعا بعد الجنازہ کیسے ثابت ہوئی۔ آپ تو نماز جنازہ میں شامل ہوئے نہیں، ہو
 سکے تو ان کے دُعا مانگنے سے استدلال کرنا کیسے صحیح ہے۔ یہاں جو لوگ جنازہ پڑھ چکے
 تھے انہوں نے اگر فوراً دُعا مانگی ہوتی تو استدلال صحیح بن سکتا تھا۔ مگر ان کا دُعا مانگنا منقول نہیں
 الحاصلہ جنہوں نے جنازہ پڑھا، انہوں نے دُعا نہیں مانگی اور جنہوں نے دُعا مانگی
 انہوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ پس آپ کے استدلال باطل کی کیا صورت معلوم ہوتی
 ہے کہ سائل کے نزدیک صرف عربی عبارت ہی نقل کر دینا اپنے دعویٰ کی دلیل بن سکتا ہے۔
 یہی وجہ ہے جس حدیث میں دُعا کا لفظ دیکھتے ہیں جھٹ اس کو اپنے دعویٰ کی دلیل بنا
 لیتے ہیں۔ ایسے جاہل کا جواب دینا بھی محض اصاعتِ وقت ہے مگر کیا کیا جاوے جہالت کی حکمرانی
 ہے۔ لوگ ایسے غیر متعلق مضامین کو دلائل سمجھنے لگتے ہیں۔ انکی رعایت سے لکھنا پڑتا ہے۔
 اب دلائل مذکورہ از نمبر ۱ تا ۱۵ پر مگر نظر ڈالیے اور بتائیے کہ ان میں سے کون سی عبارت

ایسی ہے جس سے دُعا بعد الجنازہ کا ثبوت ہوتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہو یا آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہو۔ نمازِ جنازہ ختم کر کے دُعا مانگا کر دیا کسی صحابیؓ نے جنازہ کے بعد دُعا مانگی ہو اور آپ نے اس پر نکیر نہ فرمایا ہو۔ آخر عبارت مذکورہ کو دُعا سے کیا تعلق۔ اگر ان کے عموم سے تمسک کیا گیا ہے تو ان کا باطل ہونا بالتفصیل پہلے گزر چکا۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔ اگر یہ عبارت دُعا بعد الجنازہ کی مثبت ہیں تو دُعا قبل الجنازہ کی بھی مثبت ہیں۔

نیز ایک ہی دفعہ کے لئے مثبت نہیں بلکہ بیٹیوں دفعہ کے لئے مثبت بن سکتی ہر تو بعد الجنازہ ہی کیوں دُعا کی جاتی ہے قبل از جنازہ بھی اجتماعی طور پر کرنی چاہتے نیز ایک ہی دفعہ پر اکتفا کرنا درست نہیں۔ جب استغفار عند المیت افضل ٹھہرا تو افضلیت زیادہ سے زیادہ حاصل کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سلیم نصیب فرماوے۔ آمین!

جواب نمبر ۱۶۹ فاتحہ بقصد تبرک سے جواز دُعا بعد الجنازہ کیسے ثابت ہوا۔ خواہ قرأت مذکورہ بعد الجنازہ ہی کیوں ہو نیز جب یہ احتمال ہے کہ یہ قرأت فاتحہ قبل از نماز جنازہ ہوئی ہو جیسا کہ مصرح ہے۔ تو اس سے استدلال کیوں کر صحیح ہوگا اس لئے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال استدلال تو اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ جب یہ ثبوت متعین ہو کہ قرأت مذکورہ نماز جنازہ کے بعد متصلاً ہوئی۔ یہ بھی ارخائے عنان کے طور پر ہے۔ ورنہ اصل تو یہ ہے حدیث مذکور کو ہمارے دُعا سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسکی اسناد قوی نہیں **جواب نمبر ۲** اس کا راوی ابراہیم، منکر الحدیث ہے۔ مظاہر حق ص ۵۷ جلد ۲۔ تو

احکام میں حدیث مذکورہ سے استدلال درست نہیں۔ امام ترمذیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

حدیث ابن عباسؓ۔ اسنادہ لیس بذالك القوی ابراہیم بن

عثمان هو ابو شیبہ المواہی۔ منکر الحدیث ص ۱۳۲ ج ۱، مطبع مجیدی

جواب نمبر ۱۶۸۔ مجموعہ خانی ہمارا پاس اور مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود نہیں کہ اسکی اصل عبارت

کو دیکھ لیا جاتا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ ہمیں حوالہ مذکور کی صحت میں شبہ ہے۔ وجہ

اس کی یہ ہے کہ علامہ صفدر صاحب گکھر دی نے منہاج الواضع میں ص ۱۹۶ میں مجموعہ خانی سے

دُعا بعد الجنازہ کی ممانعت پر فتویٰ نقل کیا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے

اور فقہ کی مشہور کتاب مجموعہ خانی میں ہے :

”دعایہ بخواند و فتویٰ بریں قول است“ (مجموعہ خانی قلمی ص ۲۲۹)

پس جب تک یہ محقق نہ ہو جائے کہ اصل میں صحیح عبارت کون سی ہے، تب تک فیصلہ مشکل ہے۔ البتہ دوسرے فقہاء کی تصریحات جو عدم جوازِ دعایہ مذکور کے بارہ میں ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ان کے پیش نظر صحیح عبارت وہی معلوم ہوتی ہے جو مہناج الواضح میں نقل کی گئی ہے۔ اگرچہ ان عبارات میں یہ تصریح نہیں کہ فتویٰ عدم جوازِ دعایہ مذکور پر ہے لیکن فقہاء کے جم غفیر کا دعایہ بعد الجنازہ کے عدم جواز کو نقل کرنا یہ خود اس پر دال ہے کہ معمول پر اور مفتی اب یہی قول ہے بلکہ فقہاء کے ہاں اس کے مقابلہ میں برے سے کوئی دوسرا قول موجود ہی نہیں حقیقت یہ ہے تو اس کے مفتی اب ہونے کا کیا معنی؟ پس درست وہی عبارت ہے جو مہناج الواضح میں منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

اور اگر بالفرض یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ جائے کہ صحیح عبارت دعایہ بخواند ہے تو بھی یہ عبارت حجت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ کتب فقہ کا معتد بہا ذخیرہ جو اہل علم کے مابین متداول ہے ہمارے پاس موجود ہے اس میں تصریحات موجود ہیں کہ لا یدعون ان الدعاء بعد صلاة الجنازة مکروہا وغیرہ وغیرہ اور اس کے مقابلہ میں دعائے مذکور کے استحباب یا سنیّت کا برے سے کوئی قول ہی موجود نہیں۔ تو اس صورت میں صرف صاحب مجموعہ خانی کے یہ تحریر کرنے سے کہ بخواند۔ دیگر فقہاء کی تصریحات سے آنکھیں بند کر لینا کیسے درست ہے۔ نیز تمام فقہاء کی تصریحات کے علی الرغم صرف مجموعہ خانی کوئی ایسی کتاب نہیں جسے حنفیہ کے متون معتبرہ اور شروع متداولہ نیز کتب فتاویٰ کے ہم پلہ قرار دیا جاسکے، پس اس کا کوئی نقل قابل قبول نہیں ہے جو کتب مشہورہ متداولہ کے خلاف ہو۔

نہر الفائق مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود نہیں۔

اور فتاویٰ نظامیہ کسی غیر معروف شخص کا ہے اس کے علم و

جواب دلیل نمبر ۱ :

دیانت کے بارہ میں ہمیں تحقیق نہیں کہ وہ کس پایہ کے ہیں لہذا نقل حوالہ مذکور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ تاوقتیکہ اصل کتاب کو نہ دیکھ لیا جائے۔ بشرط ثبوت اس کا محل ہمارے نزدیک

انفرادی دعایہ ہے تاکہ دوسرے فقہاء کی تصریحات کے ساتھ اس کا تعارض نہ ہو۔

تفصیل بالا سے یہ واضح ہو گیا کہ استفتاء مذکورہ کی عبارت میں سے صرف ایک دو عبارتیں ایسی ہیں جن سے دعاء بعد الجنائزہ کے جواز کا شبہ ہو سکتا تھا۔ جن کا بحدہ تعالیٰ ثانی جواب دیا جا چکا ہے۔ باقی عبارات کو متنازعہ فیہ دعاء سے قطعاً کوئی تعلق نہیں محض عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھانے کے لئے انہیں استفتاء میں درج کیا گیا۔ مگر جیسا کچھ تھا ان کا جواب تحریر ہو چکا۔ اور اس کے مقابلہ میں دُعائے متنازعہ فیہ کے عدم جواز میں ۲۱ دلائل پیش کئے گئے جو ایک منصف مسلمان کے لئے کافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل موجود ہے کہ یہ دُعائے آپ نے نہیں فرمائی۔ حضرات صحابہؓ نے یہ دُعاء نہیں کی ائمہ اربعہ سے اس کا ثبوت نہیں، مذاہب اربعہ کی فقہ اس سے خالی ہی نہیں بلکہ اس دُعاء کی ممانعت اور اسکی کراہت کے بارے میں تصریحاً ہیں۔ تو کیا یہ ایک مسلمان کے لئے کافی نہیں، واللہ کافی ہے پس سب اہل اسلام پر لازم ہے کہ اس طریقہ سنت کو اپنائیں اور اسی کو اپنا معمول بنائیں اور اس کے مقابلے میں جو سلام پھرنے کے بعد دُعاء ملنگنے کی بدعت رواج پکڑ گئی ہے اُسے مٹانے کی کوشش کریں۔

اس زمانہ فساد میں سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر مضبوطی سے قائم رہنا اجر عظیم رکھتا ہے۔ فرمان نبوی ہے :

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید۔ او

کما قال وما علينا الا البلاغ - فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ،

خیر محمد ہتمم خیر المدارس ملتان

عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

مطلب یہ ہے کہ اگر "ف" کے مقتضی تعقیب ہونے کی وجہ سے

حاشیہ نمبر ۱ : اس حدیث کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ

تو میت کے لئے اخلاص سے دُعاء کرو۔ تو یہی "ف" اس آیت میں بھی موجود ہے۔

اذا قمتم الى الصلوٰۃ فاغسلوا وجوهکم۔ تو آپ کے قول کے مطابق ترجمہ

یہ ہونا چاہیے۔ کہ جب تم کھڑے ہو چکو نماز کے لئے تو اس وقت وضو کرو۔ نیز اس

آیت میں بھی ویسی "ف" موجود ہے۔ اذ اقرأت القرآن فاستعذ بالله تو اس کا ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ جب تم قرآن پڑھنے سے فارغ ہو چکو تو اللہ کی پناہ پکڑو اور اسی طرح واذاسألتموهن۔ کا ترجمہ ایسے ہونا چاہیے کہ تم ان سے کوئی چیز مانگ چکو تو ان سے پس پردہ مانگو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب تراجم غلط اور خلاف مقصود ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ "ف" کو تعقیب مذکور لازم نہیں۔ اور اگر کوئی تاویل ان آیات کے ترجمہ کے لئے کی جاتی ہے تو وہی تاویل اس حدیث میں بھی پھر کی جائے گی۔

کبھی فریق مخالف کی طرف سے امام فضلی کا قول لا بأس بہ بطور حاشیہ نمبر ۲: دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے اولاً اس کا جواب یہ ہے کہ لا بأس بہ کے معنی یہ نہیں کہ دعا بعد الجنازہ سنت یا مستحب ہے بلکہ یہ ہیں کہ اس میں کراہیت تمنزیہ ہی ہے اگرچہ جواز ہو اور مکروہ تنزیہی بھی قابل ترک ہی ہے اگرچہ واجب ترک نہ ہو۔ پس اس سے بھی ترک دُعا کا اولیٰ ہونا مہنوم ہوا، نہ کہ دُعا کا اولیٰ ہونا۔

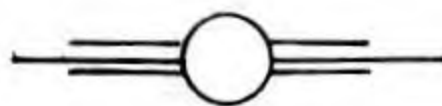
ثانیاً یہ ہے کہ امام فضلی کا یہ قول تمام فقہاء کے سامنے تھا مگر اس کے باوجود پھر انہوں نے اس دُعا کی ممانعت یا کراہیت کی تصریح کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام فضلی کا یہ قول قابل اعتماد اور لائق عمل نہیں۔ بلکہ مرجوح اور ناقابل التفات ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس قول کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے سے احتراز کیا ہے پس ایسا قول ہرگز حجت نہیں بن سکتا۔

ثالثاً یہ ہے کہ ممکن ہے کہ امام فضلی کے زمانہ کے اندر دُعا بعد الجنازہ کے بارے میں عوام اس جہالت میں مبتلا نہ ہوں جس جہل مرکب میں آج کل کے لوگ مبتلا ہیں کہ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور تارک پزیر شدید کرتے ہیں۔ اور ان کے زمانہ میں اپنے طور پر کوئی شخص دُعا کرے یا نہ کرے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ تو ایسے حالات میں آپ نے لا بأس بہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

میں دار سعدی کہ راہ صفا
تو ان رفت مجز پئے مصطفیٰ

كتاب الرِّقَّة

انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين
عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغرمين
وفي سبيل الله وابن السبيل ط فريضة
من الله ط والله عليم حكيم ٥ (سورة توبة)



خير الفتاوى

(جلد سوم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام کا نظام ربوبیت

عبد جاہلیت میں غریب پروری کا کوئی نظام تو کجا زیر دستوں، کمزوروں کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہر قسم کی بیگار ان سے لی جاتی تھی اور ان کی مزدوری بھی ادا نہیں کی جاتی تھی۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کا ابتدائی تعارف ہی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ سے کرایا ہے۔ اللہ بے رب العلمین رحمانیت اور رحیمیت بھی ربوبیت کی فروع ہیں۔ جہانی نشوونما اور روحانی تربیت جس کے لئے سلسلہ نبوت جاری ہوا۔ یہ سب حق جل شانہ کی ربوبیت عامہ کے مظاہر ہیں۔ اس وقت جہانی ربوبیت پیش نظر ہے۔

تمام عالم کی ربوبیت کا جو عینی نظام ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ وہ بالکل کامل اور مکمل ہے۔ ہر چیز کو اس کے مناسب تربیت پھر اس کی بقا و نشوونما کے اسباب و وسائل مہیا فرمائے۔ دورِ حاضر کا ایک بہت بڑا مسئلہ غریب پروری ہے۔ سرمایہ داری کے رد عمل کے طور پر کمیونزم اور سوشلزم وجود میں آئے جس کی بنیاد پر باند بانگ دعوے کئے گئے لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی زیر دستوں کے مزید استحصال اور ان پر مظالم کی ایک شکل ہے جن ممالک میں کمیونزم اور سوشلزم رہا ہے۔ ان ممالک کی تاریخ نے یہ بتایا کہ کمیونزم اور سوشلزم بھی غریب و مزدور کو بے وقوف بنانے کی اور اسے غریب سے غریب تر اور مجبور سے مجبور تر کرنے کی ایک صورت ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے محکوم اگر

پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحی

اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے جبکہ غریب کی حمایت کا تصور ہی خال خال تھا۔ غریب کا ایسا مکمل نظام دیا کہ اگر اس پر عمل کر لیا جائے تو حقیقت میں غربت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جن حکمرانوں نے حقیقتاً اسلام کو نافذ کیا ان کے دور میں قدرت کی طرف سے اس قدر فراوانی ہوئی کہ لوگ صدقات و زکوٰۃ کا مال اٹھائے پھرتے تھے اور کوئی مصرف نہ ملتا تھا۔ خلافتِ اسلامیہ کے دور کی تاریخ

اس کا شاہد بین ہے۔ اسلام نے اپنے احکام کے تمام ابواب میں غریب کو کبھی فراموش نہیں کیا بلکہ کبھی نہ کبھی طرح اس کی معاہدنت کی راہ پیدا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر اتنی زکوٰۃ فرض فرمائی ہے اگر صحیح طور پر اس کو ادا کریں تو کوئی بھوکا رہے نہ تنگ رہے۔

حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔ **مَا جَاعُوا وَلَا عَرَوْا**

موجودہ غریب و انساں ظاہری اسباب میں مالداروں کے بخل کی وجہ سے ہے۔ ہم مختصر یہاں اسلام کے نظام غریب پروری کو اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں:

۱ — حق جل شانہ نے تمام مالداروں پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سونا، چاندی زیورات، اموال تجارت اور نقدی کا بہر حصہ غریبوں کو دینا فرض قرار دیا۔ بازار اور منڈیاں، کارخانے اور فیکٹریاں، کروڑوں اربوں کے اموال تجارت سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر ہر سال صحیح طور پر ان کا بہر حصہ بطور زکوٰۃ غریب کو دے دیا جائے تو شاید ہی بھوک سے کوئی کبھی کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔

۲ — شریعت نے پورے ملک میں لاکھوں ایکڑ میں پھیلی ہوئی زرعی پیداوار میں بھی غریب کو شریک ٹھہرایا۔ ارشاد باری ہے: **وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ** (سورۃ النعام)

حدیث پاک میں ہے: **مَا أَخْرَجْتَهُ الْأَرْضُ فِيهِ الْعَشْرُ**۔

جو کچھ زمین سے پیداوار ہو اس کا عشر غریب کو دینا ضروری ہے۔

باغات کی اربوں کی آمدنی میں بھی غریب کو شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کا بہر غریب کا ہے حتیٰ کہ پھل کے مکمل پکنے سے پہلے اگر مالک کسی ضرورت کے لئے کچھ پھل توڑے یا فصل کاٹے تو اس میں سے بھی غریب کا حصہ لازماً ادا کرنا ہوگا۔

۳ — جنگلوں میں چرنے والے جانور بھیڑ بھریاں، گائے بھینس، اونٹ وغیرہ ان سب میں

بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام ربوبیت کے تحت غریبوں کو ان کا حصہ دینا ضروری قرار دیا۔ ایسے ہی مختلف دھاتوں کی قدرتی کانوں میں بھی غریب کو شریک ٹھہراتے ہوئے اس کا ایک حصہ متعین کیا گیا یہ تو غریب

کا ایک معروف اجمالی ناکہ تھا۔ اس کے علاوہ تقریباً تمام ابواب فقہیہ میں غریب پروری کی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہے۔ مثلاً مکتاب لطہارۃ میں ہے کہ جو آدمی بیوی سے حالت حیض میں مباشرت کر بیٹھے وہ ایک دینار

(اشرفی) صدقہ کرے۔ ایسے ہی مکتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ اگر کسی کی نمازیں رہ جائیں اور وہ مرتے وقت فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے تو غریب کو اس کی نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے جس کی صرف ایک ماہ کی مقدار

تقریباً نو من گندم بنتی ہے۔ ایسے ہی کتاب الصوم میں ہے کہ جس کے روزے رہ جائیں یا وہ کسی عذر سے روزے رکھنے پر قادر نہ ہو جیسے شیخ فانی یا مریض یا یوس تو اس پر روزوں کا فدیہ دینا واجب ہے جو غریبوں کو ادا کیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کوئی روزہ رکھنے کے بعد عمداً اسے توڑے تو غلام آزاد نہ کر سکنے کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو صبح شام کھانا کھلانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کتاب النکاح میں ہے کہ شادی کے بعد ولیمہ سنون ہے۔ اس ولیمہ میں بھی غریبوں کو شریک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور شریک نہ کرنے کی صورت میں اس کھانے کو بدترین کھانا کہا گیا۔ حدیث میں فرمایا گیا۔

مشر الطعام الولیمة یدعی لها الاغنیاء و یترک لها الفقراء

کتاب الطلاق میں کفارة ظہار کا حکم ہے جس میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے

کتاب الاعتاق میں معمولی معمولی بات پر غلام کو آزاد کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ ایسے تمام کفارات میں مثلاً قسم کا کفارہ، قتل خطا کا کفارہ، یا عمدہ روزہ توڑنے کا کفارہ۔ ان میں بھی بنیادی چیز عن غلام کو آزاد کرنا قرار دیا گیا ہے۔ ایسے ہی بیوع میں تمام اربابِ فاسدہ کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو صدقہ کرنا لازم ہے۔ یہ بھی غریبوں ہی کو ملیں گے۔ مالِ مغصوب کے منافع کو بھی غریب ہی کے لئے مختص کیا گیا۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت کا بھی غریب کو دینا ضروری قرار دیا گیا۔

اضحیہ کے بعد کتاب الوصایا آتی ہے۔ گواہ تو لوگوں میں یہ معمول نہیں رہا مگر متمول مسلمانوں کی تاریخ ماضی دیکھیں تو تقریباً سب ہی کا یہ معمول تھا کہ اپنے مال سے کچھ نہ کچھ مال کی غریبوں، مدارس، مساجد، مسافر خانے اور کنوؤں وغیرہ کے لئے وصیت کر جاتے تھے، کسی وقت میں بنگال کے صرف اوقاف کی آمد پوری حکومت کے سالانہ بجٹ کے برابر یا کچھ کم ہوتی تھی جس کا اکثر حصہ غریبوں اور مسکین کے لئے مختص ہوتا تھا۔ عید کی خوشیوں میں غریبوں کو شریک کرنے کے لئے مالداروں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقہ فطرا داکر کے جائیں۔ یہ تو ابواب فقہ کا ایک سرسری جائزہ تھا۔ اگر کوئی صاحب غور سے تبصیح کریں تو سینکڑوں ایسی مثالیں اور بھی مل سکتی ہیں۔

ان تفصیلات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی معنی میں اسلام ہی غریب پرورد مذہب ہے۔ رب العالمین نے اپنی کمزور اور ضعیف مخلوق کو کسی حال میں بھی فراموش نہیں فرمایا۔ اور مختلف نوع کے احکام کے ساتھ غریب پُری کو منسک فرمادیا۔ یہ اسلام کی حقانیت کی ایک بین دلیل ہے۔ اور اس میں کموزم اور سوشلزم جیسے نظریوں

کا حقیقی توڑ موجود ہے۔ اسلام نے غریبوں کے لئے مختص مال کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اڑانے کی اجازت نہیں دی۔ ایسے ہی تعمیرات اور مٹی گارے میں صرف کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس مال سے ٹی اے ڈی اے اور بھتے بنانے کی اجازت نہیں دی بلکہ واضح طور پر حکم دیا کہ یہ پیسہ غریب کے ہاتھ پر رکھا جائے اور اسلامی تعلیمات کا یہ حُسن ہے کہ اس پیسے کے ذریعے سے طبقاتی منافرت پیدا ہونے سے تحفظ کی صورت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ وہ اس طرح کہ دینے والوں کو یہ تصور دیا گیا اور یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی کہ تم یہ مال خدا کو دے رہے ہو۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تصدق بعدل تمرة من کسب طیب ولا یقبل اللہ الا الطیب فان اللہ

یتقبلہا بيمينہ ثم یوربہا لصاحبہا کما یربّی احدکم فلؤہ حتی

تکون مثل الجبد متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف)

نیز یہ تصور بھی دیا کہ جو کچھ غریب کو دے رہے ہو وہ درحقیقت اپنے ہی کو دے رہے ہو۔ اور جو نہیں دیتا وہ اپنے ہی کو محروم کرتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ واللہ الغنی وانتم الفقراء وفي مقام آخر

من یجمل فانہما یجمل عن نفسہ

ایسے شریعت نے غریب کو منع کیا کہ تم براہ راست کسی سے مُت چھینو اور نہ کسی کے آگے دست سوال دراز کرو۔ جب انسان کسی کو مال دیتا ہے تو ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کو اپنا زیرِ احسان سمجھ کر اس سے شکر یہ کا اُمیدوار رہتا ہے اس پر احسان جملتا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس دینے کے مقام میں غریب سے بیگاری جاتی ہے۔ اسلام نے دونوں باتوں سے صراحتاً منع کر دیا اور فرمایا:

لَا تَبْطُلُوا صِدْقَتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى (الآیۃ)

کہ ایسا کرنے سے تمہارے صدقات ضائع ہو جائیں گے۔ جو کہ صدقہ کے موضوع کے خلاف ہے مگر انسانی انفسیات کے پیش نظر یہ کہا گیا کہ وہ شکر یہ کے ساتھ ساتھ دینے والے کے لئے دُعاؤں خیر بھی کرے۔ اس طرح سے طبقاتی منافرت پیدا ہونے کا بیج ہی ختم کر دیا۔

نیز یہ جملہ امور اسلامی تعلیمات کے من جانب اللہ ہونے کی بین دلیل ہیں۔

مرکزی وزارت مالیات

کی طرف سے زکوٰۃ و عشر متعلق اثنالیس سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ

محترمی السلام علیکم -

جیسا کہ آنجناب کو علم ہو گا کہ حکومت پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی مقرر کی ہے جو زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے مسئلہ پر غور کر رہی ہے۔ زکوٰۃ کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے جس کی ایک نقل ارسال خدمت ہے۔ کمیٹی شکر گزار ہوگی اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر سوالنامے کا جواب عنایت فرمائیں گے۔ چونکہ کمیشن کو اپنی رپورٹ جلد از جلد حکومت کو پیش کرنا ہے۔ لہذا درخواست ہے کہ آنجناب ۳۱ اگست ۱۹۶۹ء سے پہلے اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔ والسلام

دقار احمد سیکرٹری زکوٰۃ کمیشن وزارت مالیات حکومت پاکستان

زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنی اور اس سے متعلق کچھ توضیحات

سوال نمبر ۱: زکوٰۃ کی تعریف کیا ہے؟

زکوٰۃ کے لغت میں دو معنی مشہور ہیں۔ ”طہارت“ اور ”نماء“
الجواب یعنی پاکیزگی اور افزائش (زیادتی) اور اصطلاح شرعی میں زکوٰۃ کا
 معنی یہ ہے کہ ایک مسلمان عاقل، بالغ اپنے اس مال میں سے جو شرعی نصاب کو پہنچ چکا ہو
 ایک حصہ معینہ جو شریعت میں پہلے مقرر ہے کسی ایسے مسلمان فقیر اور محتاج کی تملیک کرے جو نہ
 تو سید ہاشمی ہو۔ اور نہ اس کا آزاد شدہ غلام ہو۔ اور اس کا یہ خرچ کرنا بنیت ادائیگی زکوٰۃ
 ہو۔ اور تملیک کرنے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت بالکل مقصود نہ ہو۔ در مختار: ج ۲
 ص ۳ - میں ہے -

”ہی تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر
 غیر ہاشمی ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملک من کل وجه باللہ تعالیٰ“

لغوی و شرعی معنی میں **مہبت** اس طرح سے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے سے مال پاک ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھتا بھی ہے۔ اس

لئے اس فعل کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

توضیحات ۱ : عاقل ، بالغ ، اور مسلم کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ دیوانے ، نابالغ اور کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ و شرط افتراضها عقل و بلوغ

و اسلام و حریت - (در مختار، مع الشامیہ، ج ۲ ص ۴)

۲ : شرعی نصاب کی قید سے وہ مال خارج ہو گیا جو نصاب کو نہ پہنچا ہو، اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۳ : حصّہ معینہ کی قید سے صدقاتِ نافلہ خارج ہو گئے کیوں کہ ان میں تعیین نہیں ہوتی۔

۴ : مسلمان فقیر کی تملیک کرنا جو نہ ہاشمی ہو اور نہ اس کا آزاد شدہ غلام ہو۔ اس عبارت سے کافر خارج ہو گیا۔ اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح جو مسلمان ہو لیکن فقیر نہ ہو بلکہ غنی ہو اسے بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح جو مسلمان ہو لیکن سید ہاشمی ہو، یا اس کا آزاد کردہ غلام ہو وہ بھی بوجہ اپنی عظمت و حرمت کے زکوٰۃ نہیں لے سکتا

تملیک کے لفظ سے واضح ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ کے روپیہ وغیرہ کو ضروری ہے کہ کسی فقیر کی تملیک کیا جائے۔ لہذا زکوٰۃ کا روپیہ ہر اس جگہ جہاں تملیک اور قبض نہ ہو خرچ نہیں ہو سکتا مثلاً مسجد پر براہِ راست خرچ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ مسجد میں اہلیتِ قبض و تملیک نہیں۔ ایسے ہی یہ روپیہ کسی میت پر کفن وغیرہ میں خرچ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ میت اہل تملک و قبض نہیں ہے۔

۵ : خرچ کرنا بہ نیتِ ادائیگی زکوٰۃ کی قید اس لئے لگائی گئی کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادات بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتیں۔

۶ : اور تملیک کرتے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت مقصود نہ ہو۔ اس قید سے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ اپنے اصول (والد، دادا، والدہ وغیرہم) اور اپنے فروع (بیٹا، پوتا، اور بیٹی، نواسا وغیرہم) کو نہیں دے سکتا۔ اسی طرح کوئی لے اور اسی طرح زوجین باہم ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے (مرتب)

شخص اپنے غلام کو تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس میں زکوٰۃ ذمہ کی ذاتی غرض پائی جاتی ہے۔

وجوب زکوٰۃ کی شرائط سوال ۲ : کن کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں عورتوں نابالغوں ، مسافروں ،

فاتر لعقل افراد مستأمنوں یعنی غیر ملک میں مقیم لوگوں کی کیا حیثیت ہے ؟
الجواب زکوٰۃ کے وجوب کے لئے چار شرطیں ہیں۔ عقل۔ بلوغ۔ اسلام۔ حریت۔ بناءً علیہا۔

ا : عورت و مرد کے درمیان وجوب زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں۔ جیسے مرد پر زکوٰۃ فرض ہے ایسے ہی عورت پر بشرطیکہ صاحب نصاب ہو۔

ب : نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں بوجہ فقدان شرط نمبر ۲۔

ج : قیدی جب کہ صاحب نصاب ہو اور شرائط مذکورہ بالا اس میں پائی جاتی ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

د : مسافر پر بھی فرض ہے جب کہ وہ غنی اور صاحب نصاب ہو۔

ہ : فاطر لعقل (مجنون) لوگوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بوجہ فقدان شرط اول۔

و : اگر مستأمن سے مراد وہ کفار ہیں جو اسلامی ملک میں رہتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب

نہیں۔ بوجہ شرط اسلام کے نہ ہونے کے اور اگر مسلمان مراد ہیں جو غیر اسلامی ملک میں

آمان لے کر مقیم ہیں تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔

وجوب زکوٰۃ کیلئے حد بلوغ سوال ۳ : زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے کتنی عمر کے شخص کو بالغ سمجھنا چاہیے۔ ؟

الجواب اگر علامات بلوغ جو مرد کے لئے احتلام و اِحبال وغیرہ اور عورت کے لئے حیض وغیرہ ہیں ظاہر نہ ہوں تو عمر کے لحاظ سے پندرہ سال قمری یعنی چاند

کے اعتبار سے مقرر ہیں۔ عالمگیری : ج ۳ : ص ۶۰۲۔

بلوغ الغلام بالاحتلام او الاحبال او الانزال و الجارية

بالحيض او الاحتلام او الحبل و في الدر المختار و السنن

الذی یحکم ببلوغ الفلام والجاریة اذا انتھیا الیہ
خمس عشرة سنة عند ابی یوسف و محمد و ہوروا یة
عن ابی حنیفة و علیہ الفتوی - (حوالہ ، ۷۱)۔

زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے سوال ۴ : زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے
کے لئے عورت کے ذاتی استعمال کے زیورات کی

حیثیت کیا ہے ؟

الجواب زیورات کے اندر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ حد نصاب کو پہنچ جائیں
چاہے وہ استعمال کے ہوں یا تجمل اور زیب و زینت کے لئے رکھے ہوں۔

در مختار مع حاشیہ - ج ۲ - ص ۴۱ - واللازم فی کل منھما
ومعمولہ ولوتبرا وحلیا مطلقا مباح الاستعمال اولو
للتجمل و النفقة لانھما خلقا اثمانا فینکھما کیف
کانا - (حوالہ ۷۱)۔

کمپنیوں کے اموال پر زکوٰۃ کا حکم سوال ۵ : کیا کمپنیوں کو زکوٰۃ ادا کرنے
چاہئے یا ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کے مطابق

فرداً فرداً زکوٰۃ ادا کرنے کا مجاز ٹھہرایا جائے ؟

الجواب شریعت میں ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا
ہے جس کی وجہ سے کہ زکوٰۃ عبادات میں سے ہے - جیسے نماز ہے - اور

کوئی عبادت بغیر نیت کے ادا نہیں ہو سکتی - اس لئے ہر مکلف پر لازم ہوگا کہ وہ زکوٰۃ خود ادا
کرے - اور ادا کرتے وقت یا مال کو زکوٰۃ کے لئے جدا کرتے وقت نیت کرے - دوسری چیز اس
باب میں یہ بھی ہے - کہ زکوٰۃ میں نیابت جاری ہو سکتی ہے - یعنی اگر کوئی شخص دوسرے کو ادا
زکوٰۃ کے لئے دیکل اور نائب بنا دے تو یہ بھی جائز ہے - لیکن نیابت جاری ہونے کے لئے
انابت ضروری ہے - یعنی صاحب زکوٰۃ کسی شخص کو مثلاً کمپنی کے کسی حصہ دار یا مینجر کو اجازت
دے دے کہ تم میرے مال میں سے زکوٰۃ ادا کر دو ، تو یہ بھی جائز ہوگا - حاصل یہ ہے کہ کمپنی
اور اس کے ڈائریکٹر زکوٰۃ ادا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں مالکان حصص خود ذمہ دار ہیں -

کارخانوں اور تجارتی اداروں سے زکوٰۃ لینے کا حکم سوال ۷ کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب

کے حدود بیان کیجئے۔!

الجواب واضح رہے کہ زکوٰۃ کی حیثیت ایک عبادت کی ہے اس کی حیثیت ٹیکس کے نہیں جو کہ ہر کارخانہ اور تجارتی ادارہ پر لازم کر دیا جائے۔ لہذا سوال کے اندر کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب اور اس کے حدود کا دریافت کرنا بے معنی ہے ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر کارخانہ یا تجارتی ادارہ جس کا مال حد نصاب کو پہنچ جانے اور اس کا مالک شرط وجوب زکوٰۃ کا حامل ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

کمپنیوں کے قابل انتقال حصص کی زکوٰۃ کا حکم سوال ۷ : جن کمپنیوں کے حصص قابل انتقال ہیں ان کے سلسلے

میں تشخیص زکوٰۃ کے وقت کس پر ادائیگی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خرید کنندہ پر یا بیچنے والے پر ؟

الجواب احتمال اول اگر حصہ اتنی مالیت کا ہے کہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بائع پر زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ اتنی مالیت رکھتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہے۔ اور اگر بیچ رہا ہے تو اس کے بدلے میں بھی مال لے رہا ہے اس لئے اس پر بھی زکوٰۃ لازم رہے گی۔ لیکن ادائیگی زکوٰۃ بعد گزرنے سال کے واجب ہوگی۔ ہاں اگر وہ سال کے گزرنے سے پیشتر فقیر ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ مشتری پر زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ غنی ہے۔ اور اتنی مالیت رکھتا ہے جس سے وہ ایسا حصہ خرید رہا ہے جو نصاب شرعی کو پہنچ سکتا ہے۔ لہذا وہ جب سے غنی ہوا ہے اس وقت سے اس پر زکوٰۃ واجب رہے گی۔ اور خریداری حصہ سے اس کی مالیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ پہلے اس کی مالیت نقدی کی تھی اب تجارتی سامان میں منتقل ہو گئی۔ لہذا زکوٰۃ کا وجوب جو غنی شرعی پر ہے، قائم رہے گا۔ اگر کمپنی کا حصہ یا حصے جو فروخت ہوئے ۱ رہے ہیں اتنی ٹھوڑی رقم کے ہیں جو نصاب شرعی کو نہیں پہنچ سکتے۔ مثلاً بچیس کا حصہ ہے یا پندرہ پندرہ کے دو حصے ہیں کل تیس روپے کے حصے ہیں جو ارج کل کے حساب سے نصاب کو نہیں پہنچ سکتے تو اندر صورت اگر بائع اور مشتری کے پاس اور کوئی مال نہ ہو تو زکوٰۃ کسی پر بھی لازم

نہ ہوگی۔ نہ بائع پر نہ مشتری پر۔

سوال ۷: کن کن اثاثوں اور چیزوں پر اور موجودہ سماجی حالت کے پیش نظر

کن کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ؟

بالخصوص

ان چیزوں کے بارے میں یا ان سے پیدا شدہ حالات میں کیا صورت ہوگی ؟

- ا : نقدی۔ سونا۔ چاندی۔ زیورات اور جواہرات۔
- ب : دھات کے سکے (جن میں طلائی، نقرئی اور دوسری دھاتوں کے سکے شامل ہیں) اور کاغذی سکے۔
- ج : بینکوں میں بقایا امانت یا کسی دوسری جگہ حفاظت میں رکھی ہوئی چیزیں لئے ہونے، قرضے اور دیتے ہونے، قرضے مرہونہ جائیداد، اور ایسی جائیداد جو قابل ارجاع نالاش ہو۔
- د : عطیات
- ه : بیمے کی پالیسیاں اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقمیں۔
- و : مویشی، شیرخانہ کی مصنوعات، زرعی پیداوار مع اناج، سبزیاں، پھل، اور پھول۔
- ز : معدنیات۔
- ح : برآمد شدہ دینیہ۔
- ط : آثارِ قدیمہ۔
- ی : جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد۔
- ک : مچھلی، حوض اور پانی سے نکلنے والی دوسری چیزیں۔
- ل : پٹرول۔
- م : درآمد، برآمد۔

الجواب

شرائط و وجوب زکوٰۃ جو مال کی طرف راجع ہوتے ہیں، باعتبار قواعد کے درج ذیل ہیں۔

- ۱ : شرط اول یہ ہے کہ مال مملوک ہو، وقف کے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔
- ۲ : ملک کامل ہو یعنی یداً و رقبۃ مملوک ہو۔ پس مال ضمار پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ مال ضمار کی تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ مال کہ جس سے انتفاع حاصل کرنا قدرت سے خارج ہے اگرچہ ملک کے اندر داخل ہے۔ مثلاً بھاگا ہوا غلام، گم شدہ مال وغیرہ۔
- ۳ : مال کا نامی ہونا یعنی سونے چاندی کے سوا میں تجارت اور اسامت کے ذریعہ سے مُعْتَدٌ لِّلْاِسْتِفَادَةِ ہونا۔ یا بلفظ دیگر سونے چاندی کے سوا میں حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔ پس جو مال کہ ضروریات و حاجاتِ اصلیہ میں مشغول ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۴ : حولان حول یعنی سال کا گزر جانا۔ پس اگر کسی کے پاس مال آگیا تو مال حاصل ہوتے ہی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ بعد از سال۔

۵ : نصاب کو پہنچنا۔ شریعت میں کچھ محنت دار مقرر ہے۔ جب مال اس مقدار کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے ان قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے سوال کا جواب یہ ہے۔

الف : نقدی، سونا، چاندی، زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے۔ جب کہ مملوک بملک تام ہوں کیونکہ یہ اشیاء خلقۃ مال نامی ہیں۔ البتہ جواہرات مثلاً لعل، یاقوت، زمرد وغیرہ اور موتی اگر تجارت کی نیت سے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور بہ نیت تجارت جب نصاب کو پہنچ جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

» در مختار - ج ۲ - ص ۱۴ - ولا زکوٰۃ فی اللآلی والجواہر

وان ساوت الفاً الا ان تكون للتجارة اھ (حوالہ ۵)

ب : دھات کے تمام سکے سونا چاندی وغیرہما اور نوٹ کاغذی سکے، سب میں زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن سونے اور چاندی میں زکوٰۃ باعتبار وزن کے واجب ہوگی اور باقی سکوں میں باعتبار مالیت۔ یعنی ان کی مالیت اتنی ہو کہ ان کی قیمت نصاب زکوٰۃ کو

پہنچ جائے۔

واذا كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة و

اذا كان الغالب عليها الغش فهو في حكم العروض

يعتبر اذا تبلى قيمته نصابا - (شرح ہدایہ) - (حوالہ ۶)۔

ج : بینکوں میں جمع شدہ رقوم - بینکوں یا کسی دوسری جگہ حفاظت میں رکھی ہوئی رقوم اور

زیورات ، اور سامان تجارت ، اور ہر وہ مال جو قابلِ زکوٰۃ ہے اور دوسرے مقام

میں امانت رکھا ہوا ہے اگرچہ اپنے پاس نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

” لئے ہوتے قرضے ، دینے ہوتے قرضے “

اس میں یہ تفصیل ہے کہ لیا ہوا قرضہ اگر اتنا ہے کہ اس کے ادا کرنے کے بعد مال نصاب

زکوٰۃ کو پہنچ جاتا ہے تو قرضہ کی رقم مستثنیٰ کر کے باقی رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہوگی۔

دیا ہوا قرضہ اگر قابلِ وصول ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

اور اگر ایک شخص ایسا ہے جس نے قرضہ دیا ہوا ہے اور کسی سے خود لیا بھی ہے۔ تو اس

صورت میں اس کے لئے ہوتے اور دینے ہوتے قرض کو مسمت بلکہ کرنے کے بعد اگر رقم قابلِ زکوٰۃ

حد نصاب کو پہنچنے والی بن سکتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی وگرنہ نہیں۔

مرہونہ جائیداد (متنازعہ فیہ جائیداد الخ)۔

جائیداد دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو بغرض تجارت نہ ہو بلکہ بغرض سکنی ہو یا کرایہ پر

دے رکھی ہو۔ اور دوسری وہ جو بغرض تجارت ہو۔ یعنی ایک شخص جو زمینوں کا کاروبار

کرتا ہے۔ خرید کرتا ہے، پھر نفع پر فروخت کرتا رہتا ہے۔ اس کی زمین بغرض تجارت ہے تو وہ جائیداد

جو بغرض تجارت ہے اس کی قیمت اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جو جائیداد بغرض

تجارت نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

في الدر المختار ولا ثياب البدن و اثاث المنزل و دور

السكنى و نحوها - قوله و نحوها كثياب البدن الغير

المحتاج اليها و كالحوانيت و العفارات - (ج ۲ ص ۷) (حوالہ ۷)

البتہ مرہونہ جائیداد اگر تجارتی ہے تو اس قرضہ کو منہا کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس میں

زکوٰۃ واجب ہوگی۔

د : عطیات سرکاری یا غیر سرکاری اگر نقود کی قسم سے ہوں تو بعد حوالان حول کے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اور اگر اراضی اور جاگیر کی قسم سے ہوں تو بغیر نیت تجارت زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور اگر عروض اور سامان کی قسم سے ہوں جیسا کہ جہیز میں عورتوں کو دیا جاتا ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

ليس في دور السكنى و ثياب البدن و اثاث المنزل و دواب
الركوب و عبيد الخدمة و سلاح الاستعمال زكوة۔

(شرح الہدایۃ - ج ۲ ط ۱۶۹) (حوالہ ۸)

ھ : بیمہ کمپنی میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے جو اصل رقم ہے اور جو رقم سود کے، کمپنی کی طرف سے ملتی ہے وہ حرام ہے۔ اس کو لے کر اپنے استعمال میں بھی لانا جائز نہیں اور نہ اس پر زکوٰۃ ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ پراویڈنٹ فنڈ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ وہ جو کہ تنخواہ

سے کاٹ کر ہر ماہ سرکار کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے۔ اس میں

علماء کا اختلاف ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کے اس حصہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ

نہیں اور دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جو کہ گورنمنٹ اپنی طرف سے ملازم کو عطا کرتی ہے۔ وہ عطیات کے حکم میں ہے۔ عطیہ اور ہبہ بغیر قبض کے تام نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ملازم کے ملک میں تب آئے گا جب کہ اس کا قبض ہوگا۔ جب پراویڈنٹ فنڈ وصول ہوگا اس وقت سے اس پر بعد گزرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

و : مویشی شیرخانہ کی مصنوعات۔ زرعی پیداوار مع اناج، سبزیاں، پھل۔

ا : واضح رہے کہ مویشی چند قسم پر ہیں۔ ایک وہ کہ جو جنگل میں اس مقصد کے لئے چرائے جاتے ہیں کہ ان کی نسل بڑھے اور دودھ حاصل ہو۔ سو ایسے جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے اور

۱۰ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

رسالہ "پراویڈنٹ فنڈ" مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ

(مرتب خیر الفتاویٰ)

وہ زکوٰۃ تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ سے مختلف ہے۔ جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔
۲ : دوسرے وہ مویشی جو بخرض سواری، بار برداری اور گوشت حاصل کرنے کے لئے پالے جاتے ہیں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۳ : تیسرے وہ مویشی جو تجارت اور خرید و فروخت کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اس طریق سے جو کہ مال تجارت میں ہوتی ہے۔ ۱/۴ حصہ ان کے قیمت سے ادا کرے۔

اما صفة نصاب السائمة فله صفات منها ان يكون معدا للاسامة وهو ان يسمها للدِّرِّ والنسل لما ذكرنا ان مال الزكوة هو المال النامي وهو للمعد للاستنماء والنماء في الحيوان بالاسامة اذ بها يحصل النسل ويزداد المال فان اسيمت للحمل او الركوب او اللحم فلا زكوة فيها ولو اسيمت للبيع والتجارة ففيها زكوة مال التجارة۔

(بدائع ج ۲ ص ۳، حوالہ ۹)

شیرخانہ کی مصنوعات اگر شیرخانہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے دودھ، مکھن، بالائی اور دودھ کی مصنوعات، مٹھائیوں وغیرہ کی تجارت کی جائے تو اس میں یقیناً زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بوجہ مال نامی اور معد للتجارة ہونے کے۔

زرعی پیداوار مع اناج سبزیاں اور پھل واضح رہے کہ عشری زمین سے جو پیداوار ہو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور اس زکوٰۃ

کو عرفِ شرع میں "عشر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے یہاں اس قدر بیان کافی ہوگا کہ اگر آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے یا پانی مفت ہے مگر کنوئیں کے پانی سے کھینچ کر آبپاشی کرتا ہے تو اس صورت میں کل پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ دینا واجب ہے۔

اور اگر بارش کے پانی سے آب پاشی کرتا ہے تو اس صورت میں ۱/۱۰ حصہ دینا واجب ہے یہ عشر اناج، ساگ، ترکاری، پھل، پھول، میوہ وغیرہ ہر چیز میں واجب ہے۔ چاہے

پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ۔ مثلاً دس من سے ایک من اور دس سیر سے ایک سیر۔
معدنیات واضح رہے کہ معدنیات دو قسم کے ہوتے ہیں مستجمد (جماد)۔ مانع (بہنے والے) پھر مستجمد دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو گلانے پھلانے سے گل پھیل جائے۔ اس قسم میں سونا، چاندی، لوہا، قلعی، پتیل وغیرہ آجاتے ہیں۔ اسے اصطلاح میں «مایدوب بالاذابۃ» کہتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو گلانے اور پھلانے سے نہیں گلتے۔ اس قسم میں یا قوت۔ بلور، عقیق، زرد۔ فیروزہ، سرمہ، ہڑتال، چونہ ہیں انہیں «مالایدوب بالاذابۃ» کہتے ہیں۔

مانعات کے ذیل میں تیل مٹی، پٹرول وغیرہ جو زمین سے برآمد ہوتے ہیں، داخل ہوجاتے ہیں۔
احکام : حکم اول یعنی مستجمد «مایدوب بالاذابۃ» سونا، چاندی، لوہا وغیرہ اگر یہ معدنیات دارالاسلام میں ارض غیر منسلوکہ کے اندر برآمد ہوں تو برآمد کرنے والا تمام اخراجات کان کھدوائی وغیرہ کے ادا کرے گا۔ اور برآمد شدہ سے بغیر منہما کرنے مصارف کھدوائی وغیرہ کے صرف پانچواں حصہ شرعی بیت المال کو دینا ہوگا۔ باقی چار حصے پانے والے کے ہوتے ہیں۔ اس میں سے وہ ماہرین زمینی معاملات اور مزدوروں کے اخراجات ادا کرے گا اور باقی سے خود منتفع ہوگا۔ اس برآمد شدہ مال میں مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔ چار حصے جس طرح مسلمان لے سکتا ہے، غیر مسلم بھی لے سکتا ہے۔ لیکن ایک غیر ملکی کافر جو کہ امان لے کر آیا ہے۔ اور اس نے اسلامی ملک کو وطن نہیں بنایا ہوا، اس کو کوئی معدن مل جائے تو اسے نہیں دی جاسکتی بلکہ تمام برآمد شدہ مال واپس لیا جائے گا۔ اللہ یہ کہ امام المسلمین اس کے ساتھ معاہدہ کر چکا ہو تو پابندی عہد لازمی ہوگی۔

ب : نیز صورت مذکورہ بالا میں سال کا گزرنا، نصاب کا ہونا اور دیگر شرائط زکوٰۃ کا بھی اعتبار نہیں۔ جو کچھ بھی ازیں قسم کان سے برآمد ہو، قلیل ہو یا کثیر یہ مال بمنزلہ مال غنیمت قرار دے کر خمس اس مال کا نکالنا لازم ہوگا۔

ج : یہ مال برآمد کنندہ اپنے والدین اور اپنی اولاد، فقراء پر بھی خرچ کر سکتا ہے۔
 د : اگر کان کھودنے والا یا معدنیات کا پانے والا مفلس ہے اور برآمد شدہ مال کے $\frac{1}{5}$ حصے اس کو کفایت نہیں کرتے تو $\frac{1}{5}$ حصہ اپنے اوپر بھی خرچ کر سکتا ہے۔

حکم دوم : یعنی مستجمد (مالایدوب بالاذابۃ) جیسا کہ سرمہ، بلور، عقیق وغیرہ

یہ تمام کا تمام پانے والے کا ہوگا کوئی خمس اور پانچواں حصہ لازم نہیں۔

حکم قسم سوم مٹی کا تیل وغیرہ مائعات ان تمام چیزوں میں بھی کوئی خمس اور پانچواں حصہ واجب نہیں۔ تمام کا تمام پانے والے کا ہوگا۔ پارہ اگر برآمد ہو تو امام اعظم کے نزدیک اس میں خمس واجب ہے۔

نوٹ : یہ تمام احکام کتاب "البدائع الصنائع" سے لئے گئے ہیں جو فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے۔

برآمد شدہ دینہ دارالاسلام میں برآمد شدہ دینہ دو قسم کا ہے

۱: الف: جو کسی کو اپنی مملوکہ زمین کی کھدائی کرنے سے حاصل ہو۔

۲: ب: جو غیر مملوکہ زمین مثلاً پہاڑ، جنگل وغیرہ سے مل جائے۔ پھر یہ دینہ باعتمت بار علامات بھی دو قسم ہے۔

۱: الف: "ما فیہ علامۃ الاسلام" جس میں اسلامی علامات مثلاً نقش کلمہ طیبہ، مسجد کی تصویر وغیرہ ہو۔

۲: ب: "ما فیہ علامۃ الکفر" جس میں زمانہ کفر کے علامات ہوں۔ بت یا مندر، یا صلیب نزاری وغیرہ کل چار قسمیں ہو گئیں۔

زمین غیر مملوکہ میں حاصل ہونے والا		زمین مملوکہ سے حاصل ہونے والا	
جس پر علامت کفر ہو	جس پر اسلامی علامت ہو	جس پر علامت کفر ہو	جس پر اسلامی علامت ہو
اس کا حکم غنیمت کلمہ ہے۔ حنفیوں کے لئے اور	یہ بمنزلہ لقطہ کے ہے	یہ بمنزلہ لقطہ کے ہے	یہ بھی بمنزلہ لقطہ ہے۔
کریں کہ یہ مال مملوکہ	مسلمین ہے غنیمت	مسلمین ہے غنیمت	کما یدل علیہ
نہیں بن سکتا۔ اور	نہیں بن سکتا۔ اور	نہیں بن سکتا۔ اور	عبارۃ البدائع
لقطہ کے نو مسائل	لقد رض فی الاسلام یعنی اس موجودہ مالک	لقد رض فی الاسلام یعنی اس موجودہ مالک	والدر المختار
جائے ہیں۔	پہلا اور اس پہلا جہاں تک جاہلی تحقیق ختم ہو جائے اور اسکے بعد پہلے مالک کا علم نہ ہو تو اسکو دے دیا جائے۔	پہلا اور اس پہلا جہاں تک جاہلی تحقیق ختم ہو جائے اور اسکے بعد پہلے مالک کا علم نہ ہو تو اسکو دے دیا جائے۔	دشتر
الاموال الباطنہ۔			

یہ چار صورتیں ان ذہینوں کی ہیں جو دارالاسلام میں پائے جائیں اور جو دارالحرب میں پایا جائے۔ اس کی تفصیلات اور ہیں۔ چونکہ وہ نادر الوقوع ہیں اس لئے ان کی تفصیل یہاں درج نہیں کی جاتی۔

مسائل لفظ ۱، "لفظ" اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی غیر محفوظ جگہ پر پڑی ہو۔ اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔

۲۔ اگر اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اٹھالینا بہتر ہے۔

۳۔ ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اٹھانا مباح ہے۔

۴۔ اس نیت سے اٹھانا کہ خود استعمال کریں گے حرام ہے۔ اس طرح اٹھانے میں ضمان واجب ہے۔

۵۔ اٹھاتے وقت گواہ بنانا اپنے آپ کو ضمان سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔ اگر گواہ نہ

بنائے تو حجت تک مالک تصدیق نہ کرے ضمان سے نہیں بچ سکتا۔ گواہ بنانے کی صورت

یہ ہے کہ لوگوں میں کھڑا ہو کر اعلان کر دے کہ میرے پاس مال لفظ موجود ہے جس کا سامان

گم ہوا ہو لے میری طرف روانہ کیا جائے۔

۶۔ اٹھانے کے بعد اس مال کی تشہیر کرنا ضروری ہے۔ مساجد کے دروازوں اور عام مجموعوں

میں بھی اعلان کرنا ضروری ہے۔

۷۔ "دس درہم" (تقریباً اڑھائی روپیہ) اور اس سے زائد کی مالیت کے لئے ایک سال

تعریف کی جائے۔

۸۔ تین درہم سے دس درہم تک، ایک ماہ تک۔ ایک درہم سے تین درہم تک، ایک مہینہ۔

اور اس سے کمترین ایک دن۔ اور ایک پیسہ پانے کی صورت میں ادھر ادھر دیکھ کر

فقر کو دے دینا کافی ہے۔

۹۔ بعد تعریف کے اگر مالک نہ ملے، تو فقرا پر خرچ کر دے۔ اگر خود فقیر ہو تو اپنے

اد پر بھی صرف کر سکتا ہے۔ لیکن اگر بعد میں مالک آگیا تو واپس کرنا لازم ہوگا۔

آثار قدیمہ واضح رہے کہ آثار قدیمہ سے مراد اگر پرانے کھنڈرات ہیں تو ان پر کوئی چیز واجب

نہیں ہے اور نہ اس کا کتابوں میں مستقل کوئی ذکر آتا ہے۔ البتہ اگر ان سے

نوٹ: دس درہم سے مراد دو تولے ساڑھے سات ماٹھے چاندی کی مالیت مراد ہے جس دور میں اسکی جو بھی قیمت ہو (مرتب خیر الفاوی) اسکی

کچھ مال و متاع برآمد ہو تو اس کا حکم " برآمد شدہ دینہ " کے ذیل میں آچکا ہے۔
جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد شہد کے اندر چاہے وہ جنگلی مکھی کا ہو یا پالتو مکھی کا عشرہ
 واجب ہے بشرطیکہ زمین عشری سے برآمد ہو۔ اگر شہد
 زمین خراجی سے برآمد ہو اس میں عشر واجب نہیں۔

ثم انما يجب العشر في العسل اذا كان في ارض العشر فاما
 اذا كان في ارض الخراج فلا شيء فيه - (بدائع - ج ۲ ص ۶۲)۔
 جنگلی اور پالتو مکھی کے اندر فرق تتبع روایات سے معلوم نہیں ہوتا، دونوں میں عشر واجب ہے۔
 امام اعظمؒ کے نزدیک شہد کے اندر دیگر زروع و شمار کی طرح نصاب شرط نہیں، قلیل و کثیر
 میں عشر واجب ہے۔

مچھلی، موتی اور پانی سے نکلنے والی دوسری اشیاء

ان اشیاء میں جو سمندر سے برآمد ہوتی ہیں۔ مثلاً موتی، مونگا، عنبر وغیرہ ان پر کوئی
 چیز واجب نہیں۔ اسی طرح مچھلی بھی از قسم شکار ہے اس میں بھی کوئی عشر یا خمس واجب نہیں۔
 فاما المستخرج من البحر كاللؤلؤ والمرجان والعنبر وكل
 حلية تستخرج من البحر فلا شيء فيه في قول ابي حنيفة
 ومحمد وهو للواحد وعند ابي يوسف فيه الخمس۔

(اشائ ج ۲ - ص ۶۸)۔

اس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ پٹرول، مٹی کا تیل اور ہر وہ چیز جو زمین
پٹرول سے نکلے اور وہ مائع (بہنے والی) ہو وہ بالکل پانے والے کے لئے ہوتی ہے
 اس میں کوئی خمس وغیرہ نہیں۔

واما المائع كالقير والنفط فلا شيء فيه ويكون للواحد
 لانه ماء وانه مما لا يقصد بالاستيلاء فلم يكن في يد
 الكفار حتى يكون من الغنائم فلا يجب فيه الخمس
 (بدائع ج ۲ - ص ۶۷)۔

درآمد، برآمد مال کی درآمد اور برآمد پر جو ڈیوٹی اور کسٹم موجودہ زمانہ میں حکومتوں کی طرف سے لگایا جاتا ہے۔ اس کی نظیر ہمیں شریعت میں نہیں ملتی۔ اور نہ

اس کے جواز کے لئے کوئی ثبوت ہاتھ میں آتا ہے۔ البتہ کتب فقہ میں یہ ملتا ہے۔

۱ : اگر اس کا مالک مسلمان ہے تو اس سے ۱/۵ حصہ بطور زکوٰۃ وصول کر لیا جائے اور اسے مصارف زکوٰۃ پر خرچ کیا جائے۔ اس کے مال سے اس سال کی زکوٰۃ ساقط ہو ہو جائے گی۔

ب : اگر اس کا مالک ذمی ہے تو اس سے ۱/۵ حصہ وصول کیا جائے۔ اگرچہ اس لینے میں شرائط زکوٰۃ کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ لیکن اس کا صرف مصارف خراج پر ہوگا۔

ج : اگر اس کا مالک حربی ہے تو اس سے وہی ٹیکس لینا چاہئے جو کہ وہ ہمارے مسلم تاجر سے لیتے ہوں۔ اگر ۱/۵ لیں تو ہم بھی ۱/۵ لے سکتے ہیں۔ اگر وہ ۱/۵ لیں تو ہمیں بھی یہی لینا چاہئے۔ اگر ان کے متعلق علم نہ ہو سکے تو ۱/۵ وصول کر لیا جائے۔

(بدائع : ج ۲ : ص ۳۸)۔

جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ تاقیامت وہی رہیں گے جو ابتداء اسلام میں تھے

سوال ۹ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن املاک پر زکوٰۃ واجب تھی کیا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے ان کی فہرست میں کوئی اضافہ کیا ؟ اگر کوئی اضافہ یا تبدیلی کی تو کن اصولوں پر؟

آنحضرت علیہ السلام کے زمانہ میں جن املاک پر زکوٰۃ واجب تھی، حضرات
خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی انہی املاک پر زکوٰۃ کو عائد کیا۔ اور ان کے علاوہ دوسری

چیزوں کی طرف تجاوز نہیں کیا۔ اور یہ حضرات اس معاملہ میں اپنی رائے سے دخل دے بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ زکوٰۃ از قسم عبادات ہے یہ کوئی ٹیکس نہیں ہے کہ جس کے اندر زمانہ اور مصلحت کے لحاظ سے تبدیلی اور تغیر ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ یتیم کے مال پر نہیں۔ جو املاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ مستثنیٰ تھیں حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی مستثنیٰ رہیں۔

راج الوقت سکوں کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل

سوال ۱ : کیا نیکل کے سکوں اور سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے راج الوقت سکوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی ؟ جو سکے راج نہیں رہے ، جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں ، یا جو دوسرے ملکوں کے سکے ہیں ، ان کا بھی اس سلسلہ میں شمار ہونا چاہیے یا نہیں ؟

اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

الجواب

۱ : وہ سکے جن میں سونا چاندی بھی ہے اور دوسری دھات بھی ہے ، لیکن غالب اجزاء سونا اور چاندی ہیں تو اسے سونا اور چاندی تصور کیا جائے گا۔
فی الهدایۃ و اذا كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة - اه

۲ : وہ سکے جن میں سونے اور چاندی کی مقدار کم ہے اور دوسرے اجزاء زیادہ ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروج سکے ہیں یا بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروج سکے نہیں ہیں اور نیت تجارت کی بھی نہیں ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ البتہ ان سکوں میں اگر چاندی مخلوط ہے ، وہ اگر اتنی مقدار کو پہنچ جاتے جو چاندی کا نصاب ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ ” بدائع ص ۱۱ میں ہے۔

وان كان الغالب هو الغش والفضة مغلوبة فان كانت اشمانا رائجة او كان يمسكها للتجارة يعتبر قيمتها فان بلغت قيمتها مائتي درهم من ادنى الدراهم التي تجب فيها الزكوة وهي التي الغالب عليها الفضة تجب فيها الزكوة والا فلا وان لم تكن اشمانا رائجة ولا معدة للتجارة فلا زكوة فيها الا ان يكون ما فيها من الفضة يبلغ مائتي درهم بان

كانت كبيرة لان الصفر لا تجب فيه الزكوة الا بنية
التجارة - (بدائع - ج ۲ - ص ۱۷) -

۳ : وہ سکے جو خالص پتیل، تانبے قلعی وغیرہ دھاتوں کے ہیں ان میں سونے چاندی
کی بالکل ملاوٹ نہیں ان کی دو صورتیں ہیں۔

ا : عرف اور اصطلاح میں مروج سکے ہیں اور لین دین میں کام آتے ہیں۔

ب : اب عرف اور اصطلاح میں مروج سکے نہیں رہے، کسی زمانہ میں تھے۔

قسم اول کا حکم یہ ہے کہ اگر بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر
ان کی قیمت نصاب شرعی چاندی کے برابر ہو جائے۔ یعنی دو سو درہم کو پہنچ جانے تو زکوٰۃ واجب
ہوگی ورنہ نہیں۔

اسی طرح قسم دوم کے سکے بھی عروض کے حکم میں ہیں۔ اگر نیت تجارت کے ساتھ جمع کر رکھے
ہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ حوالہ کے لئے دیکھیں بدائع ج ۱ ص ۱۲ - ۱۷۔

وكذا روى عن الحسن عن ابى حنيفة فيمن كانت عنده

فلوس او دراهم رصاص او نحاس وممؤهة بحيث

لا يخلص فيها الفضة انها ان كانت للتجارة يعتبر

قيمتها فان بلغت مائتي درهم من الدراهم التي

تغلب فيها الفضة ففيها الزكوة وان لم تكن للتجارة

فلا زكوة فيها لما ذكرنا ان الصفر ونحوه لا تجب

فيها الزكوة ما لم تكن للتجارة الى قوله وان لم تكن

اشمانا راجحة فان كانت سلعا للتجارة تعتبر قيمتها

ايضاً وان لم تكن للتجارة ففيها الزكوة بقدر ما

فيها من الفضة ان بلغت صنابا او بالضم الى ما عنده

من مال التجارة -

۴ : نوٹ : ا : جو پاکستانی نوٹ ہیں ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس حیثیت سے نہیں

کہ یہ نوٹ خود مال ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ایک چیک اور سند اور وثیقہ مال ہے

جس شخص کے پاس اتنے نوٹ جمع ہو جائیں جن سے دوسو درہم چاندی حاصل ہو سکتی ہے تو اس مالیت پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

ب : غیر ملکی نوٹ اگر کسی کے پاس جمع ہوں تو ان کو پاکستانی نوٹوں کے ساتھ تبادلہ کر کے یا تبادلہ کا اندازہ کر کے جب دوسو درہم کی مقدار کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

اموال ظاہرہ و باطنہ کی تعریف سوال ۱ : مال ظاہر اور باطن کی کیا تعریف ہے ؟ اس سلسلہ میں بیچوں کے اندر جمع شدہ

رقوم کی کیا حیثیت ہے ؟

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ جو کہ قرآن و حدیث کے ماہر ہیں فرماتے ہیں کہ **الجواب** اموال زکوٰۃ دو قسم ہیں۔ ظاہرہ۔ باطنہ۔

ا : اموال ظاہرہ سے مراد مویشی (اونٹ، بکریاں، گائے وغیرہ) ہیں۔ جو جنگل میں چرتے ہیں۔ اور وہ اموال تجارت ہیں جو تجارت کے بلکہ ہیں اور سرکاری شرمعی عامل کے پاس سے گزرتے ہیں۔

ب : اموال باطنہ سے مراد سونا، چاندی اور وہ تجارتی مال ہے جو کہ دوکان یا موضع تجارت میں رکھا ہوا ہو۔ قسم اول کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام اور اس کے نائبوں کو حاصل ہے چند شرائط کے ساتھ، جن کی تفصیل کا اور مقام ہے۔

قسم دوم کی زکوٰۃ ارباب اموال کے سپرد ہے وہ خود ادا کریں۔ اور اگر وہ اپنی زکوٰۃ امام کی طرف لے آئیں تو امام کو قبول کرنے کا اختیار ہے۔

والدلیل علی ذلك ما فی البدائع - ج ۲ - ص ۳۵ -

» اما الاول فمال الزکوٰۃ نوعان ظاہرہ و باطنہ و هو المویشی و المال الذی یمر بہ التاجر علی العاشر و باطنہ و هو الذهب و الفضة و اموال التجارة فی مواضعها اما الظاہر فللامام و نوابہ و هم المصدقون من السعاة و العشار و لایة الاخذ ————— ثم قال

بعد اسطر اما المال الباطن الذي يكون في المصر
 فقد قال عامة مشايخنا ان رسول الله صلى الله عليه
 وسلم طالب بزكوة و ابوبكر و عمر و طالب و
 عثمان و طالب زمانا ولما كثرت اموال الناس و رأى
 ان في تتبعها حرجا على الامة و في تفتيشها ضررا بارباب
 الاموال فوض الاداء الى اربابها و ذكر امام الهدى
 الشيخ ابو منصور الماتريدي السمرقندي رحمه الله
 لم يبلغنا ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث في مطالبة
 المسلمين بزكوة الورق و اموال التجارة ولكن الناس
 يعطون ذلك و منهم من كان يحمل ذلك الى الائمة
 فيقبلون منه ذلك و لا يسألون احدا عن مبلغ ماله
 و لا يطالبونه بذلك و قال في صك لان زكوة الاموال
 الباطنة مفوض الى اربابها اذا كانوا يتجرون بها
 في المصر - (بدائع) -

اس سلسلہ میں بینک میں جمع شدہ رقوم اموال باطنہ کے ذیل میں
داخل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ رقوم شہروں میں اور مواضع تجارت
میں ہوتی ہیں۔

اور اموال ظاہرہ میں شرط مرد علی العاشر موجود ہے۔ جو یہاں مقصود ہے۔ علاوہ انہی
 بینکوں میں جمع شدہ رقوم کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص کاروبار کسی کے پاس
 امانت ہو تو امانت کے اندر ہونا اس کے باطن ہونے میں داخل نہیں۔ لہذا بینکوں میں جمع شدہ
 رقوم اموال باطنہ ہیں۔ سوال ۱۱۱۔ اعراض زکوٰۃ کے لئے
مال نامی سے کیا مراد ہے
مال نامی (نمونہ دیر) کے حدود بیان کیجئے!

کیا صرف مال نامی پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ -

زکوٰۃ کے وجوب کے لئے تقریباً نو شرطیں ہیں۔ بعض شرطیں مالک کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، اور بعض مال کے ساتھ۔

مکلف کے ساتھ تعلق رکھنے والی شرطیں۔

۱۔ حریت - ۲۔ اسلام - ۳۔ بلوغ و عقل

مال کے ساتھ تعلق رکھنے والی شرطیں۔

۱۔ مال کا نصاب ہونا۔

۲۔ ملک تام ہونا۔

۳۔ مال کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔

۴۔ مال کا دین سے فارغ ہونا۔

۵۔ حوالانِ حول ہونا۔

۶۔ مال کا نامی ہونا۔

مال کا نامی ہونا ان شرائط میں سے ہے جن کے بغیر مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ اس کے تفصیل یہ ہے کہ نمو دو قسم ہے۔ نمو حقیقی۔ نمو تقدیری۔

۱۔ نمو حقیقی : وہ ہے جو مویشی اور مال تجارت میں پایا جاتا ہے۔ سال کے بعد حقیقہً نموئی

بذریعہ تولد و تناسل بڑھ جاتے ہیں۔ اور مال تجارت بھی بوجہ منافع کے حقیقہً بڑھ جاتا ہے۔

۲۔ نمو تقدیری : وہ ہے کہ مال اس کے پاس یا اس کے نائب (ایم، وکیل) کے

پاس رکھا ہو۔ اگر وہ چاہے تو استنمار کر سکتا ہے۔ پھر ہر ایک ان میں سے دو قسم پر

ہے۔ خلقی، عملی۔

۱۔ خلقی : وہ ہے جو پیدائشی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر رکھ دیا ہے جیسا کہ سونا

اور چاندی۔ ان دونوں دھاتوں کو اللہ تعالیٰ نے صفتِ «نمار» کے ساتھ پیدا فرمایا

ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے ساتھ نفع اٹھانا بالاجیان ممکن نہیں، جب تک کہ ان کی فروخت

نہ کی جائے۔ لہذا ان دونوں دھاتوں میں جب «نمار» خلقی ہوا تو ان دونوں میں سے

زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ چاہے نیت تجارت کرے یا نہ کرے۔

۲۔ نمازِ عملی یا فعلی : وہ ہے جو ان دونوں کے ماسواہ باقی تمام اشیاء میں ہوتا ہے

موشیوں میں بنیتِ اسامت ہوتا ہے اور اموالِ تجارت میں تجارت کی نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔
تنبیہ نیتِ تجارت و اسامت اس وقت معتبر ہوتی ہے جب کہ فعلِ تجارت، اور اسامت کے ساتھ متصل ہو۔ پھر نیتِ تجارت صراحتہ ہوتی ہے یا دلالتہ۔ صراحتہ کی مثال یہ ہے کہ خرید و فروخت کرتے وقت یہ ارادہ ہو کہ میں اس سامان میں تجارت کروں گا۔ اور دلالتہ یہ ہے کہ خرید کرتے وقت ارادہ کچھ نہ ہو لیکن خرید و فروخت عروضے تجارت میں واقع ہو۔ پس نمو کی چار قسمیں ہو گئیں جن کی وضاحت کے لئے نقشہ ذیل معاینہ فرمادیں۔

نمو حقیقی		نمو نقدی	
خلقی	عملی	خلقی	عملی
اس کی مثال وہ سونا چاندی ہے جو تجارت میں لگایا گیا ہو اس کا نمو حقیقی ہے کہ تجارت کی وجہ سے حقیقتہً بڑھ جاتا ہے اور خلقی بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی کو وصفِ نماً کے ساتھ پیدا فرمایا ہے	اس کی مثال عروض تجارت ہے جو سونا چاندی کے ماسوا ہو یا سوائم ان کا نثار حقیقی ہوتا ہے لیکن ہمارے ارادہ اور نیت اور عمل تجارت یا اسامت کو اس میں دخل ہوتا ہے۔	سونا چاندی جو تجارت میں مشغول نہیں ہے اس کا نثار نقدی ہوتا ہے یعنی مالک استنثار پر قادر ہے اگر تجارت پر لگا دے۔	سوائم اور عروض تجارت جن کے اندر نیتِ تجارت یا اسامت تو کر چکا ہے لیکن حقیقتہً ابھی تک نثار نہیں ہوا۔

داصح رہے کہ بغیر وصفِ نثار کے مال کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ یہ تمام مسائل ”فتاویٰ عالمگیری“ سے لئے گئے ہیں۔

کرا یہ پردی جرنے والی اشیاء کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱۳ : جو مکان، زیورات دوسری چیزیں کرا یہ پردی جائیں ان پر اور ٹیکسی گاڑی موٹر وغیرہ پر زکوٰۃ لگانے کے کیا قاعدے ہیں ؟

الجواب

جو چیز کو ایہ پر چلاتی جائے مثلاً مکانات ، شامیانے ، دیگیں ، سائیکل ، موٹر گاڑی وغیرہ اسی طرح ملمع کے زیورات جو کرایہ پر دینے کے لئے تیار کئے گئے ہوں ان سب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ ان سب کی آمدنی سے جو سرمایہ جمع ہوگا اس پر بعد حوالان حولی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر ایک شخص ان کو تجارت کے لئے خریدتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ لیکن اگر پھر کرایہ پر دینا شروع کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

البتہ سونے چاندی کے زیورات اگرچہ وہ کرایہ پر بھی دیئے جائیں تب بھی ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ کیونکہ جب استعمال کرنے سے سونے اور چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی تو کرایہ پر دینے کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہو سکتی۔ حوالہ قاضی خان : ج ۱ ص ۲۹۱۔

ولو اشترى الرجل دارا او عبدا للتجارة ثم اجره يخرج من ان يكون للتجارة لانه لما اجره فقد قصد المنفعة ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها او يواجرها لا تجب الزكوة -

سوال ۱۱۱۱ : کسی آدمی کے کن کن مملوکہ جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے ؟ اس سلسلہ میں بھینسوں ، مرغیوں دوسرے پالتو اور شوقیہ پالے ہوئے جانوروں کی حیثیت کیا ہے ؟ کیا ان کی زکوٰۃ نفی کی شکل میں یا جنس کی صورت میں یا دونوں طرح دی جاسکتی ہے۔ کسی آدمی کے مختلف مملوکہ جانوروں کی کتنی مقدار پر اور کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے ؟

زکوٰۃ تمام جانوروں میں سے صرف مندرجہ ذیل جانوروں پر بمع ان شرائط کے جو درج ذیل ہیں واجب ہوتی ہے۔

الجواب

۱ : اونٹ : ان میں عربی ، بختی ، ہر قسم کے اونٹ داخل ہیں۔

ب : گائے : اس میں بیل ، بھینس سب شامل ہیں۔

ج : بکری : اس میں بھیڑ ، ڈنبر ، سب شامل ہیں۔

ان کے ماسواہ اور کسی جانور پر مرغی ، کبوتر ، گدھا وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جن جانوروں

(اونٹ ، گائے ، بکری) پر زکوٰۃ واجب ہے اس کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں۔

۱ : ان جانوروں کو جنگل میں چرایا جاتا ہو۔ اگر گھر میں چرایا جاتا ہے اور چارہ ڈالا جاتا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ پہلی قسم کو "سامتہ" اور دوسری قسم کو اصطلاح میں "علوفہ" کہتے ہیں۔ اگر یہ صورت ہو کہ سال کے کچھ عرصہ میں گھر کے اندر چارہ ڈال کر چرایا جاتا ہے۔ اور کچھ حصہ سال میں جنگل کے اندر چرایا جاتا ہے تو اکثر کا اعتبار ہوگا۔ اگر اکثر حصہ سال جنگل میں چرتے ہیں، اور تھوڑے دنوں گھر میں تکلیف برداشت کی جاتی ہے تب تو یہ "سامتہ" ہیں ورنہ "علوفہ"۔

فان كانت تسام في بعض السنة وتكلف في البعض فان اسيمت في اكثرها فهي سائمة والا فلا - كذا في المحيط عمالمكي ج ۱ ص ۹۰
 ۲ : ان جانوروں کو جنگل میں چرانا (جسے اصطلاح فقہاء میں "اسامت" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) بغرض نسل کشی اور دودھ ہو۔ لہذا جن جانوروں کی اسامت بغرض حمل، رکوب اور گوشت ہوگی ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ عالمگیری ج ۱ ص ۹۰ میں ہے۔

» حتى لو اسيمت للحمل والركوب لا تلدر والنسل فلا زكوة فيها كذا في محيط السرخسي وكذا لو اسيمت للحمل
 بدائع ج ۲ ص ۳۰۱ میں ہے۔

» منها ان يكون معدا للاسامة وهوان يسيمها للدر او النسل لما ذكرنا ان مال الزكوة هو المال الناعم وهو المعد للاسامة والنماء في الحيوان بالاسامة اذ بها يحصل النسل فيزداد المال فان اسيمت للحمل او الركوب او اللحم فلا زكوة فيها ولو اسيمت للبيع والتجارة ففيها زكوة مال التجارة لا زكوة السائمة -

۳ : تیسری شرط یہ ہے کہ جنس واحد ہو۔ مثلاً اونٹ اگر بہوں تو پورے نصاب کو پہنچ جائیں اسی طرح اگر گائے ہو تو بھی نصاب کو پہنچ جائے۔ ایک جنس کا نصاب دوسری جنس سے پورا نہ کیا جائے گا۔ بدائع ج ۱ ص ۲۰۲ میں ہے۔

» ومنها ان يكون الجنس فيه واحدا من الابل والبقر« (ضآ)۔

زکوٰۃ کے اندر جانور بھی دیا جاسکتا ہے اور نقد رقم بھی دی جاسکتی ہے۔

» واداء القيمة اداء مال مطلق مقدر بقيمة المنصوص عليه

بنية الزكوة فيجزئه الى قوله بخلاف الهدايا والضحايا

لان الواجب فيها اراقة الدم ۵۱ - (بدائع - ج ۲ - ص ۲۶)۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کے لئے نصاب کم از کم پانچ مقرر ہے۔ پانچ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اس کے بعد جب اونٹوں کی تعداد بڑھتی جاتے تو زکوٰۃ کی مقدار بھی بڑھتی جاتی ہے۔ زیادہ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

بکریوں کی زکوٰۃ کے لئے کم از کم تعداد شریعت میں چالیس مقرر ہے۔ اس سے کم تعداد میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ جب بکریاں چالیس کی مقدار کو پہنچ جائیں تو ان میں سے ایک بکری متوسط درجہ کی واجب ہو جاتی ہے۔

گائے بیل بھینس کے لئے نصاب مقررہ تیس ہے۔ جب ان کی تعداد تیس ہو جائے تو ان میں ایک بچھڑا جس کی عمر ایک سال ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، دینا لازم ہے۔ اسے اصطلاح میں تبیع کہتے ہیں۔

سوال ۱۵۱ : جن مختلف سامانوں اور چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان پر

کس مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی

زکوٰۃ کس شرح سے لی جائے ؟

جانوروں کے متعلق ابھی ابھی تحریر ہو چکا ہے۔ سونا چاندی، اموال

الجواب

تجارت پر ۱/۱۰ زرعی پیداوار پر بعض حالات میں ۱/۱۰ اور بعض حالات

میں ۱/۱۰ واجب ہوتا ہے۔ اور « معادن » وغیرہ میں ۱/۱۰ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی کو شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کی اجازت نہیں

سوال ۱۵۲ : خلفاء راشدین کے دور میں نقدی، سکوں، مویشیوں، سامان تجارت

زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے ؟ اگر ایسا ہو تو سند کے ساتھ تفصیلی

ہمارے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے کہ حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مقادیرِ زکوٰۃ میں اپنی رائے سے تبدیلی کی ہو۔ بلکہ مقادیر سب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ ہیں۔ فی خمس ذود من الابل مشاة۔ اور ازیں قسم جو مفتادیر اس باب میں ہیں سماعی ہیں ان میں کوئی قیاسی نہیں۔ جس طرح کہ تعداد رکعات فرض وغیرہ سب منقولات سے ہیں۔ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ از قسم عبادات ہے نہ کہ از قسم ٹیکس و خراج۔ اس لئے اس میں سیاسی مصلح کو اور اپنی رائے کو دخل نہیں۔ حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شرح زکوٰۃ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

دوسرے درہم راجح الوقت سکہ کے لحاظ سے کتنے بنتے ہیں

سوال ۱۷ : نقی کی صورت میں اگر زکوٰۃ دو سو نقرتی درہم اور بیس طلاق مشقال میں واجب ہو تو یہ سیکھ کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہوں گے۔ اناج کی صورت میں « صاع و دستق » پاکستان کے مختلف علاقوں میں کن مروجہ اوزان کے برابر ہوں گے ؟

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز « ہمیشہ زیور » کے اندر ارشاد فرماتے ہیں کہ « دو سو درہم کا وزن روپیوں کے حساب سے ۲ رتی چاندی۔ اور مہچہ، رتی بھر سونا بیس مشقال سونے کا وزن ہوتا ہے۔ اور صاع کا وزن ۱۳ اشقی تولہ کے سیر سے تین سیر، نو چھٹانک ہوتا ہے۔ اور ایک دستق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک دستق میں پانچ سو تیرہ سیر بارہ چھٹانک وزن آئے گا۔

نصاب اور مقدار واجب میں تبدیلی کا حکم

سوال ۱۸ : کیا موجودہ حالات کے پیش نظر نصاب (وہ کم از کم سرمایہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) اور زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ؟ اس مسئلے پر اپنے خیالات دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

الجواب موجودہ حالات اور ماضیہ مستقبلہ حالات میں بھی کوئی وجہ جو ان نصابہائے زکوٰۃ اور شرح میں تبدیلی کی پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب یہ ایک تعبیری تشریحی حکم ہے، کوئی سیاسی اور سببی برصطحت نہیں تو اس میں تبدیلی کیسی؟

کتنی مدت گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال ۱۹ : مختلف اثاثوں اور سامانوں پر کتنی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے؟ جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور جن پر نہیں ان کی شرح مدت تفصیل سے گزر چکی ہے۔

سال میں جتنی پیداوار اٹھائی جائیں ہر پیدوار سے عشر دیا جائے

سوال ۲۰ : اگر ایک سال میں کئی فصلیں ہوں تو کیا سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ ادا کی جائے یا ہر فصل پر؟

الجواب حوالانِ حول یعنی سال گزرنے کی شرط زرعی پیداوار کے علاوہ اور چیزوں کے لئے ہے۔ زرعی پیداوار تو جب بھی اٹھائی جائے گی اس وقت اس کے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔ اگر سال میں دو مرتبہ پیداوار اٹھائی جائے تو دو دفعہ عشر دینا ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ وآتوا حقتہ یوم حصادہ " الآیۃ

زکوٰۃ میں قمری سال کا اعتبار ہے یا شمسی کا

سوال ۲۱ : زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہونی چاہتے یا شمسی سال کے حساب سے؟ کیا زکوٰۃ کی تشخیص اور وصولی کے لئے کوئی مہینہ مقرر ہونا چاہئے؟

الجواب زکوٰۃ اور دیگر امور کے اندر مثلاً خیار بلوغ وغیرہ میں قمری سال کا اعتبار ہے۔ زکوٰۃ کا وجوب بھی قمری سال سے ہوگا۔ جس دن سے ایک شخص نصاب کا مالک ہوتا ہے۔ اس دن سے قمری سال پیدا کر کے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہو جائے گی اور سال میں کوئی خاص مہینہ زکوٰۃ کے لئے مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ زکوٰۃ کا وجوب ملک نصاب سے ہوتا ہے

جب غنما کے لئے اور ملکِ نصاب کے لئے کوئی ماہ مقرر نہیں تو وجوبِ ادا کے لئے تعیینِ ماہ کیسے کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ سال کے مختلف حصوں میں زکوٰۃ ادا کرتے بہتے ہیں۔

مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل

سوال ۲۲ : زکوٰۃ کی رقم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہیے ؟

زکوٰۃ کے لئے مندرجہ ذیل مصارف ہیں۔

الجواب

۱ :- فقیر : اصطلاحِ شریعت میں فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا بہت مال ہے لیکن اتنا نہیں کہ نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جائے۔ یا اتنا مال و اسباب ہے کہ اس کی مالیت نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جاتی ہے لیکن وہ حاجتِ اصلیہ کے ساتھ مشغول ہے تو ایسی صورت میں یہ شخص فقیر ہی رہے گا۔ اور مستحقِ زکوٰۃ ہو سکے گا۔ (عالمگیری، ج ۱ ص ۹۶)

مثلاً ایک شخص کے لئے رہنے کا گھر اور پہننے کے لئے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر چاکر اور گھر کا اثاثہ جو اکثر کام میں صرف آتا ہے، موجود ہے۔ لیکن ان چیزوں کے علاوہ کوئی نقدی رقم جو نصاب کو پہنچے یا زیور جو نصاب کو پہنچ جائے، نہیں ہے۔ یا ہے لیکن قرض کے ساتھ مشغول ہے۔ ایسی صورت میں یہ شخص اصطلاحاً فقیر ہے۔

لا بأس ان يعطى من الزكاة من له سكن وما يتأثت به

في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم

لاھلہ - (شامی، ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

۲ : مسکین : اصطلاحِ شریعت میں ”مسکین“ اُسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ مانگ کر کھاتا ہے۔ یہ شخص فقیر سے زیادہ محتاج اور مفلوک الحال ہوتا ہے۔

« ومنها المسکین وهو من لا شئ له فيحتاج الى المسئلة

لقوته او ما يوارى بدنه ويحل له ذلك بخلاف الاول

حيث لا تحل له المسئلة فانها لا تحل لمن يملك قوت

يومه بعد سترة بدنه كذا في الفتح -

(عالمگیری، ج ۱ ص ۹۶)۔

۳ : « عامل » : اصطلاح فقہاء میں « عاملین » انہیں کہتے ہیں جن کو امام نے بغرض وصولی صدقات و عشر مقرر کیا ہو۔ ایسے شخص کو ان ہی صدقات میں سے تنہیں وہ وصول کر کے لاتا ہے بقدر کفایت دیا جائے گا۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۶)۔

متعلقات : ا) واضح رہے کہ فقیر اور مسکین کا استحقاق بحیثیت حاجت ہے اور عامل کا استحقاق بحیثیت عمالہ ہے۔ لہذا عامل اگر غنی ہو تو بھی دینا درست ہے۔

ب) عامل کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بحیثیت عمالہ ہے۔ اس قید سے واضح ہو جانا چاہئے کہ جو کچھ اسے ملتا ہے یہ اجرت نہیں کیوں کہ اجرت میں بھالت مفید عقد ہوتی ہے۔ یہاں بھالت مضر نہیں ہوتی۔ امام اس کی ضروریات کو مد نظر رکھ کے اسی زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ نکال کر دے دیتا ہے جو کہ اسے کافی ہو جائے۔ لیکن اگر اس کی ضروریات اتنی زیادہ ہوں جو اس کی وصول کردہ تمام زکوٰۃ کو محیط ہو جائیں تو اس صورت میں نصف سے زائد نہ دیا جائے گا۔

(عالمگیری نقلاً عن البحر - ص ۷۶)

ج) عامل کو جو کچھ دیا جائے گا اس کی وصول کردہ زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر اس کی دھول کردہ زکوٰۃ ضائع ہو گئی تو اس کی عمالہ بھی ضائع ہو جائے گی۔

۴ : نكْتُ الرِقَابَ : چونکہ مصرف زکوٰۃ « نكْتُ الرِقَاب » ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ کسی ایسے غلام کی امداد کی جائے جس نے اپنے مولیٰ کے ساتھ عقد کیا ہوا ہے۔ اور روپیہ جمع کر کے اپنے مولیٰ کو دے کر اپنے آپ کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔ سو ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اگرچہ وہ غنی ہو۔ کیوں کہ اس کا غنی مشغول بالحاجت ہے۔

ومنہا الرقاب - هم المکاتبون و يعاونون في فلت

رقابہم کذا فی محیط السرخسی و يجوز الدفع الی

مکاتب غنی علم بذلك اولم يعلم کذا فی العالمگیری

ج ۱ - ص ۹۶ -

۵ : الغارمین : غارمین غارم کی جمع ہے۔ اصطلاح میں غارم اسے کہتے ہیں جس پر

قرضہ کا بوجھ ہو اور وہ نصاب کا مالک نہ ہو، یا نصاب کا مالک تو ہے لیکن وہ نصاب

قرض کے اندر مشغول ہے۔ (عالمگیری - ج ۱ - ص ۹۶)

۶ : ذی سبیل اللہ : اس کی تفسیر میں "صاحب بدائع" نے تحریر فرمایا ہے کہ "ذی سبیل اللہ" سے تمام انواع خیر اور بہاتِ عبادت مراد ہیں۔ اس میں حج یا غزوہ کی تخصیص مناسب نہیں۔ لہذا ہر وہ شخص جو اطاعتِ اللہ میں اور وجوہِ خیر میں کوشش کرنے والا ہو، مثلاً طلباءِ علومِ دینیہ اور مبلغینِ اسلام کو زکوٰۃ دینی جائز ہے بشرطیکہ محتاج ہوں۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اس سے مراد فقراءِ غزاة ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک منقطع حجاج مراد ہیں۔

۷ : ذابن سبیل : وہ مسافر جس کا سفر میں زادِ راہ ختم ہو گیا۔ اگرچہ وطن میں مال موجود ہے اور غنئی رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ فی الحال یہ فقیر ہے لہذا اس کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

سوال ۲۳ : قرآن حکیم میں جن مختلف مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کی حدود بیان کیجئے۔ بالخصوص اصطلاح فی سبیل اللہ کے معنی و مفہوم کی وضاحت کیجئے۔

سوال نمبر ۲۲۔ میں مصارف دریافت کئے گئے تھے اس کے جواب میں آیت شریفہ "انما الصدقات للفقراء الآتية کے اندر جو مستحقین اور ان کے انواع مذکور ہیں۔ ہم نے ان کی تشریح کر دی ہے بحمد اللہ تعالیٰ۔ اب دو امر باقی ہیں۔ "مؤلفۃ القلوب" جو قرآن میں مذکور ہے مگر ہم نے مصارف میں نہیں لکھا، اور "ذی سبیل اللہ" کی وضاحت۔

"مؤلفۃ القلوب" : یہ رؤساءِ قریش میں چند وجاہتِ دالے لوگ تھے جیسے ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن وغیرہ ان لوگوں کو شانِ شوکت حاصل تھی اور ان کے اتباع کثیر تھے۔ بعض ان میں سے حقیقتہً اسلام لے آئے تھے اور بعض علی وجہ النفاق مسلمان ہو چکے تھے۔ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات میں سے کچھ حصہ دیتے تھے تاکہ اسلام میں مضبوط ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکثر حضرات ان میں سے منخلص مسلمان بن گئے۔

صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ نے پہلی مرتبہ مال مجھے عطا فرمایا تو آپؐ میرے نزدیک بغضِ اناس تھے پھر آپؐ مجھے ہمیشہ دیتے رہے حتیٰ کہ آپؐ میرے نزدیک محبوب ترین خلائق ہو گئے۔

یہ حصہ مولفۃ القلوب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک تھا۔ بعد وفات آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا حصہ ساقط ہو گیا۔ چنانچہ خلافت صدیقی میں یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک فرمان لکھوا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لائے کہ ” ہمیں زکوٰۃ دی جائے “ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خط لیکر پھاڑ دیا۔ اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ لوگوں کو دینا تطیب قلب کے لئے تھا تاکہ تم لوگ سلام پہنچے رہو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے سلام کو قوت اور شوکت عطا فرمائی ہے۔ اگر اسلام پر قائم رہو گے تو فہما، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ اس بات کو سن کر یہ لوگ واپس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ خلیفہ آپ ہیں یا حضرت عمرؓ؟ تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ” ان شاء ہو “ یہ جملہ فرما کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصویر فرمائی۔ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر متفق ہو گئے۔ اس طرح یہ اجماع قائم ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ سقوط سہم از باب انتہاء الحکم بانتهاء العلة ہے۔

بعض احکام ایسے ہوتے ہیں جو کسی علت کے ساتھ معلول ہوتے ہیں اور معلق ہوتے ہیں جب علت ختم ہو جائے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس چپینڈ کی معرفت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم کو تھی۔

فی سبیل اللہ فی سبیل اللہ کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے مراد فقیر غازی و مجاہد ہے۔ کیونکہ سبیل اللہ کا اطلاق عرف شرع میں جہاں بھی آیا ہے اس سے مراد یہی ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو حج کو گیا لیکن بوجہ اٹلاف زاد راہ منقطع ہو گیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کی راہ میں وقف کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس پر حاجی کو سوار کرو۔

لیکن ” صاحب بدائع “ فرماتے ہیں کہ اس کو عام رکھنا مناسب ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کے دین کے لئے سعی کرتا ہے اور عبادات میں سرگرم رہتا ہے، مثلاً طلباء علوم دینیہ اور مبلغین دین۔ اگر یہ محتاج ہوں تو ان کو دینا فی سبیل اللہ ہو گا۔

مصارفِ زکوٰۃ میں کسی ایک مصرف کو بھی ساری زکوٰۃ دے سکتے ہیں !

سوال ۱۴ : کیا یہ لازمی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا ایک حصہ ان مصارف میں سے ہر ایک مصرف پر خرچ کرنے کے لئے الگ رکھا جائے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ یا زکوٰۃ کی پوری رقم قرآن مجید میں بتائے ہوئے تمام مصارف پر خرچ کرنے کی بجائے ان میں سے کسی ایک یا چند مصارف میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے ؟

الجواب : مالک نصاب پر یہ پابندی نہیں کہ وہ تمام مصارفِ مذکورہ فی القرآن پر زکوٰۃ صرف کرے۔ ویسے بھی اس پابندی میں سخت حرج اور تنگی ہے۔ بلکہ حکم شرعی جو سنت اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے وہ تعمیم اور سختی ہے۔ اگر چاہے تو ان تمام صناعت پر برابر تقسیم کرے یا کسی بیشی کے ساتھ یا مصلحت کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض مصارف کو ترجیح دے اور دوسرے بعض میں خرچ نہ کرے۔

» بدائع ج ۱ ص ۲۶۶ - میں ہے - « ولو صرف الى واحد من هذه

الاصناف يجوز عند اصحابنا »

تعریفِ غنی جسکے ہوتے ہوئے زکوٰۃ لینا منع ہے نیز ساداتِ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال ۲۵ : مستحقینِ زکوٰۃ کے ہر طبقے میں کسی فرد کو کن حالات میں زکوٰۃ لینے کا حق

پہنچتا ہے۔ پاکستان کے مختلف حصوں میں جو حالات پائے جاتے ہیں ان کی روشنی میں اسے امر کی وضاحت کی جائے کہ «سیدوں، بنی ہاشم» سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو زکوٰۃ لینے کا کہاں تک حق پہنچتا ہے ؟

الجواب : مصارفِ زکوٰۃ کے ضمن میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ آٹھ قسموں میں سے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں «مؤلفۃ القلوب» کا سہم ساقط ہو چکا ہے باجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ باقی سات قسمیں جو مذکور ہیں ان میں سے عالمین کے ماسواہ باقی اقسام کو زکوٰۃ کا استحقاق بحالتِ فقر و احتیاج ہے۔ عالمین کا استحقاق بوجہ عمالہ ہے، یعنی ہونے کے باوجود لے سکتے ہیں۔

- ۱ : انما الصدقات للفقراء ، بحالت فقر لے سکتا ہے نہ بحالت غنی ۔
- ۲ : والمساکین ، بحالت فقر لے سکتا ہے ۔ نہ بحالت غنی ۔
- ۳ : والعاملین علیہا ، بحالت غنی بھی لے سکتا ہے ۔
- ۴ : والمؤلفۃ قلوبہم ، ساقط ہو گیا ۔
- ۵ : وفي الرقاب ، مکاتب بحالت فقر لے سکتا ہے ۔ یہ اگر غنی ہو جائے تب بھی فقیر ہی رہتا ہے جب تک بدل کتابت ادا نہ کر دے یا بدل کتابت سے زائد رقم نہ جمع ہو جائے ۔
- ۶ : والغارین ، بحالت فقر ۔
- ۷ : وفي سبیل اللہ ، بحالت فقر ۔
- ۸ : وابن السبیل ، بحالت فقر ۔

فائدہ متعلقہ استحقاقِ زکوٰۃ کن حالات میں ہوتا ہے ؟
 واضح رہے کہ ہمارے فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ غنی تین قسم پر ہے ۔

- ۱ : ایک غنی وہ ہے جس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ حاجاتِ صلیہ سے زائد دوسو درہم نقد یا کسی نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہو ۔
- ۲ : دوسرا غنی وہ ہے کہ جس کی وجہ سے زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوتی ، لیکن صدقہ لینا حرام ہے اور اس صورت میں صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہو جاتی ہے ۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایسے اموال کا مالک ہو جو نامی نہیں ہیں ۔ اور ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن وہ اس کی ضرورت سے زائد ہیں اور دوسو درہم کی مقدار کو پہنچ جاتے ہیں مثلاً میزیں ، کرسیاں ، فرش و مکانات ، نوکر چاکر ، مال مویشی موجود ہیں جو قدر حاجت سے زائد ہیں ، لیکن تجارت کے لئے نہیں ہیں ۔ تو اس صورت میں زکوٰۃ تو واجب نہ ہوگی لیکن صدقہ اور زکوٰۃ لینا حرام ہوگا ۔
- ۳ : تیسرا غنی وہ ہے کہ سوال کرنا اب بھی حرام ہے لیکن اگر بغیر سوال کے زکوٰۃ و صدقہ مل جائے تو لے لینا جائز ہے ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہے اور پہننے کا کپڑا بھی ہے تو ایسی صورت میں سوال کرنا ٹھیک نہیں ۔ ہاں اگر کوئی حالات

پر واقف ہو کر از خود دے دے تو لینا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔

لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال من
سأل الناس عن ظهر غنى فانما يستكثر من جهر جهنم
قيل يا رسول الله وما ظهر الغناء قال ان يعلم ان عنده
ما يغديهم ويعشيهم اه (هذا كله من البدائع) -

بنی ہاشم اس سے مراد مندرجہ ذیل افراد ہیں۔ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل
اولاد حارث بن عبدالمطلب۔ ان تمام حضرات کو زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اگرچہ
فقر اور حاجت مند ہوں۔ اسی طرح ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے بھی زکوٰۃ لینا حرام ہے۔
وجہ حرمت ان کی عظمت اور رفعتِ شان ہے۔ درحقیقت زکوٰۃ مطہر مال ہوتی ہے۔ مال
کے اندر سے ہر قسم کا خبث اور شبہات وغیرہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اور
زکوٰۃ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کپڑوں کو دھونے کے بعد میل کچیل والا پانی۔ جیسا کہ وہ پینے
کے قابل نہیں ہوتا ایسے ہی یہ مال زکوٰۃ درحقیقت اس قابل نہیں کہ استعمال کیا جائے۔ لیکن
فقراء کے لئے بوجہ ضرورت اجازت دی گئی ہے۔ مگر بنی ہاشم کو باوجود حاجت کے بھی
اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے عوض خمسِ غنائم مقرر کیا
گیا ہے جو کہ اطیب و اطہر ہے۔ پاکستان کے حالات بحمد اللہ اچھے ہیں اقتصادی حیثیت سے
کسی قسم کی مشکلات پاکستان کو درپیش نہیں۔ جس کی بنا پر ایسی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ساقا
بنی ہاشم کے لئے دوسرے ذرائع مسدود کر کے زکوٰۃ کے کھانے پر مجبور کیا جائے۔

زکوٰۃ افراد کو دینی ضروری ہے یا اداروں کو بھی دے سکتے ہیں

سوال ۲۶ : کیا زکوٰۃ صرف افراد کو دی جاتی ہے یا اداروں کو (مثلاً تعلیمی اداروں

یتیم خانوں اور محتاج خانوں) کو بھی دی جاسکتی ہے۔

در اصل زکوٰۃ کے مصارف تو وہی ہیں جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں۔ اب

جو تعلیمی ادارے یا یتیم خانے وغیرہ ان مصارف پر خرچ کرتے ہیں۔ ان

کو بحیثیتِ دکالت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کو مستحقین پر تملیک کے بعد خرچ کرتے ہیں

الجواب

اس سلسلہ میں دینی درس گاہیں جن میں طلباء علوم عربیہ کی تعلیم پاتے ہیں معتمد ہیں اور صحیح مصرف ہیں۔ کالج اور قومی اسکول جو کہ عام طور پر سرکاری امداد اور طلباء کی فیس پر گزارہ کرتے ہیں یہ چند اسے استحقاق نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان میں تسلیم پانے والے عام طور پر اغنیاء میں جو تعلیم کے مصارف کے علاوہ فیس وغیرہ ادا کرنے پر بھی قادر ہوتے ہیں۔ یہ چھینڈ عمومی حالات کے پیش نظر لکھی گئی ہے اگر خصوصیت کے ساتھ بعض اسکول اور کالج ایسے پائے جاتے ہیں جن میں مستحقین تعلیم پاتے ہیں تو ان اداروں میں بھی دینا جائز ہوگا۔ بشرطیکہ ارباب اہتمام اس رقم کو مصرف شرعی میں بعد از تمیک خرچ کریں۔

سوال ۲۷ : کیا زکوٰۃ کی رقم میں سے مستحق زکوٰۃ بطور گزارہ الاؤنس دینے کا حکم غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور ان لوگوں کو جو پاہنج یا ضعیف ہونے کی وجہ سے روزی کمانے سے معذور ہوں، عمر بھر کی پنشن کے طور پر گزارہ الاؤنس دیا جاسکتا ہے ؟

الجواب ان مستحقین کو جو بوجہ حاجت اور فقر کے دیا جاسکتا ہے۔ یکمشت دیں یا ماہوار لیکن ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱ : زکوٰۃ میں قبض و تمیک ضروری ہے۔ اس لئے زکوٰۃ میں نقد رقم یا جنس ہی دی جاسکتی ہے نوٹ کے ذریعہ سے زکوٰۃ دی جائے تو ضروری ہے کہ وہ نوٹ کے بدلے میں کوئی چیز وغیرہ خرید کر اس پر قبض ہو جائے۔

ب : اس امر کی خبر گیری ضروری ہوگی کہ وہ مستحقین جن کو گزارہ الاؤنس مل رہا ہے ان کا استحقاق دائمی ہو، انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کسی وقت تنگ دستی، کسی وقت فراخ دستی، اگر کسی وقت ان کو غنی حاصل ہو گیا تو پھر ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

سوال ۲۸ : کیا زکوٰۃ کی رقم رفاہ عامہ

کے کاموں مثلاً مسجدوں، ہسپتالوں، سڑکوں، پلوں، کنوئوں اور تالابوں وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کی جاسکتی ہے ؟ جس سے برآمدی بلا لحاظ مذہب و ملت فائدہ اٹھاسکے۔

الجواب ان تمام نّدات میں جن کا سوال میں ذکر ہے زکوٰۃ صرف نہیں ہو سکتی۔ اگر ان نّدات میں خرچ کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ مصارف میں سب سے پہلے ان کا ذکر فرماتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے۔ مگر آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا **خذها من اغنیاءهم ورددھا علی فقرائہم**۔ اغنیاء سے وصول کر کے فقراء پر خرچ کرنے کا حکم دیا تاکہ نظام معیشت ٹھیک رہے۔ انما الصدقات للفقراء میں جو لام ہے یہ تملیک کے لئے ہے جو اشارہ کرتا ہے اس بات کی طرف کہ زکوٰۃ ایسے مصارف پر صرف کی جائے جو تملک پر قادر ہوں اور زکوٰۃ دینے والے کی طرف سے تملیک ہو۔

سوال ۲۹ : کیا زکوٰۃ کی رقم کسی شخص کو قرضہ حسنہ یا قرض بلا سود کے طور پر دی جاسکتی ہے؟

الجواب زکوٰۃ کی رقم جب کسی وکیل کے حوالہ کی جائے تاکہ وہ اسے کسی فقیر یا مستحق پر صرف کر دے تو اسے اجازت نہیں کہ وہ اس رقم کو ادھار کے اندر لگا دے کیونکہ یہ رقم اس کے پاس امانت ہے اور امانت میں کسی قسم کا تصرف ٹھیک نہیں۔

ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ کے فقراء کو دینے کا حکم

سوال ۳۰ : کیا یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے، اسی میں صرف کی جائے۔ یا اس علاقہ سے باہر یا پاکستان سے باہر تالیفِ قلوب کے لئے یا آفاتِ ارضی و سماوی مثلاً زلزلہ و سیلاب وغیرہ کے مصیبت زدگان پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ کے نزدیک علاقہ کی تعریف کیا ہے۔؟

الجواب یہ ضروری تو نہیں لیکن بہتر ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے اسے وہاں کے مستحقین پر صرف کیا جائے۔ اگر زکوٰۃ کو دوسرے علاقہ میں حتیٰ کہ پاکستان کے باہر بھیجا جائے جب کہ وہاں ضرورت زیادہ ہو یا حادثہ آسمانی کی وجہ سے مصیبت زدہ لوگ زیادہ حاجت مند ہوں تو جب اتنا ہوگا بشرطیکہ زکوٰۃ کاروپہ مسلمان فقراء پر صرف ہو۔

متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم سوال ۳۱ ، متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنیکا کیا طریقہ ہونا چاہیے۔

الجواب واضح رہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جو کہ مکلف کو از خود ادا کرنی لازم ہے۔ اگر ایک شخص زندگی بھر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اور بغیر وصیت کے مر جاتا ہے تو اب یہ شخص بوجہ تارک زکوٰۃ ہونے کے گنہگار ہوگا۔ اور زکوٰۃ اس کے ذمہ سے احکام دنیا میں ساقط ہو جائے گی۔ اس کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی۔ البتہ اگر وہ وصیت کر چکا ہے کہ میرے ذمہ تین سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے، ادا کی جاوے تو تہائی مال سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔

ایسی تدابیر جن سے لوگ بخوشی زکوٰۃ ادا کرنے لگیں

سوال ۳۲ : ایسی کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے حیلہ نہ کر سکیں ؟

الجواب سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ حکام اور رعایا قرآن اور اسلام کے دل و جان سے پابند ہوں اور اپنے اندر دینی فکر پیدا کریں۔ اسلام پر صرف قانونی گرفت سے بچنے کے لئے عمل نہ کریں۔ حیب ایسی زندگی پیدا ہو جائے گی تو پھر انشاء اللہ ضابطوں کی ضرورت نہ رہے گی۔ حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ پہلے اپنے پاس رکھتے ہیں اور پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

وصولی زکوٰۃ کا کام وفاقی حکومت کرے یا صوبائی ؟

سوال ۳۳ : زکوٰۃ کی تحصیل اور اس کا انتظام مرکز کے ہاتھ میں ہونا چاہئے یا صوبوں کے ہاتھ میں۔ اگر مرکز جمع کرے تو اس میں صوبوں یا دوسرے علاقوں کے حصے مقرر کرنے کے کیا اصول ہوں۔ ؟

الجواب زکوٰۃ ہمیشہ مرکز میں جمع ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں زکوٰۃ عالمین مدینہ طیبہ میں لے آتے تھے۔ آپ اسے حسب احتیاج لوگوں پر صرف کر دیا کرتے تھے اس میں علاقہ جات اور ان کے حصہ جات کی کوئی تقسیم نہ

تھی۔ اب اگر کچھ ہو سکتا ہے تو ایسا ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ کو ایک مرکز میں جمع کر کے بلا لحاظ صوبہ و علاقہ صرف مستحقین پر صرف کی جائے اس قسم کا ناپ تول کرنے کی حاجت نہیں کہ فلاں علاقہ سے اتنی زکوٰۃ وصول ہوئی۔ لہذا اس علاقہ کا یا صوبہ کا اتنا حصہ متعین کر دیا جائے۔ چاہے وہاں کے باشندوں میں مستحقین کی تعداد نہ ہو یا بالکل کم ہو۔ اس میں بڑی خرابی اور نقصان یہ ہو گا کہ ایک علاقہ کے لوگ باوجود استحقاق کے تنگی میں رہیں گے اور دوسرے علاقہ کے لوگوں کا روپیہ فاضل ہو کر جمع ہوتا رہے گا۔

لہ فیہ نظر لما فی حدیث معاذؓ توؤخذ من اغنیائہم و ترد فی فقرائہم اھ و فی کتب الفقہ و کرہ نقلہا ای من بلد الی بلد آخر و یکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد وانما تفرق صدقۃ کل فریق فیہم لما روینا من حدیث معاذؓ اھ (شامیہ - ہدایہ - ج ۱ ص ۱۹۰)۔

وصول زکوٰۃ کے لئے علیحدہ محکمہ قائم کرنا موزوں ہے

سوال ۳۲۲ : آپ کی نظر میں زکوٰۃ کے نظم و نسق کو چلانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ کیا زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے کوئی الگ محکمہ قائم کیا جائے یا حکومت کے موجودہ محکموں میں سے ہی کام لیا جائے؟

جواب
ہماری ناقص رائے میں زکوٰۃ کے نظم و نسق کو چلانے کی بہترین صورت تو یہ ہے کہ پورا نظام خلافت راشدہ کی طرز پر چلایا جائے۔ اگر سب کو چھوڑ کر صرف اس ایک شعبہ کی اصلاح مقصود ہو تو موجودہ حالات میں اس کی جو موزوں صورت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ چند دین دار آدمیوں کی ایک امارت شرعیہ قائم کر دی جائے۔ جس کے قیام و انتخاب کی تمام ذمہ داری حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مظہر العالی جیسے شجر، متدین عالم پر ڈال دی جائے۔ وہ اس امارت شرعیہ کے افراد کا انتخاب فرمائیں۔ پھر وہ زکوٰۃ کے وصول اور خرچ کے معاملہ پر شرعی نکتہ نظر سے کام کریں۔

سوال ۳۵ : کیا زکوٰۃ کو سرکاری محصول قرار دیا جائے
یا وہ کوئی ایسا محصول ہے کہ حکومت محض اس کی وصولی اور

انتظام کی ذمہ دار ہے۔ ؟

الجواب
زکوٰۃ ایک عبادت ہے سرکاری محصول نہیں ہے لیکن حکومت جیسا کہ دوسری
عبادات کے سلسلہ میں ذمہ دار ہے

الذین ان مکنتھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا
الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نہوا عن المنکر الایۃ
اسی طرح لوگوں سے زکوٰۃ کی عبادت ادا کرنے کی بھی ذمہ دار ہے۔ حکومت کی ذمہ داری ادا کرنے
عبادات اور اعلیٰ کلمۃ اللہ ہے۔ حکومت زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے اور خرچ چلانے کی ذمہ دار ہے
لیکن ٹیکس و محصول کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبادت کی حیثیت سے۔ یعنی لوگوں کو مجبور کیا جائے
گا کہ وہ زکوٰۃ کی عبادت کو ادا کریں اور ترک نہ کریں۔ اس سلسلہ میں اولین ذمہ داری نماز کی ہے
جو اہم العبادات ہے۔ حکومت اس کی زیادہ ذمہ دار ہے۔ کہ کوئی مسلمان ملک میں بے نماز نہ
ہو۔ بعد ازاں کوئی بے زکوٰۃ نہ ہو۔

دورِ خیر لہتے رن میں جبراً کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا

سوال ۳۶ : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفائے راشدین رضی
عہم عنہم کے دورِ حکومت میں اغراضِ عامہ کے کاموں کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی سرکاری محصول وصول
کیا گیا ہے۔ اگر کیا گیا ہے تو وہ کیا تھا ؟

الجواب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین
کے زمانہ میں فضا۔ ایسی بن گئی تھی کہ محصول عائد کرنے کی ضرورت ہی پیش
نہیں آتی۔ آپ کے زمانہ میں تو صورت یہ تھی کہ جب بھی کوئی حاجت پیش آتی تھی تو آپ مسلمانوں
کو جمع فرما کر ذکر کر دیتے تھے پھر ہر شخص اپنی اپنی ہمت اور بساط سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔
اور حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے بہرکتِ اطاعتِ خدا و رسول بہت فتوحات
عطا کیں اور اس کثرت سے اموال و غنائم آئے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ان لئے ہمیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضراتِ خلفاء رضہ کے زمانہ میں کوئی ٹیکس نظر نہیں آتا جو جبراً وصول کیا گیا ہو۔

سوال ۳۷ : اسلامی ملکوں میں زکوٰۃ کی وصولی اور انتظام کرنے کا کیا طریقہ تھا؟ اور اب کیا ہے؟

الجواب ابتداً اسلام میں تو یہی طریقہ تھا کہ عاملین آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جاتے تھے اور لوگوں سے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرتے تھے۔ پھر بیت المال سے مستحقین پر صرف کی جاتی تھی۔ یہ نظام حضراتِ خلفاء رضہ کے زمانہ میں بھی رہا ہے۔ اس کے بعد یہ نظام بگڑ گیا۔ اب موجودہ اسلامی ملکوں کا کوئی خاص نظام ہماری نظر میں نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی وصولی حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں کی جاتی ہے

سوال ۳۸ : کیا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا انتظام صرف حکومت کے پاس رہنا چاہیے یا کوئی مجلس امناء مقرر ہو کر اس کا انتظام حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں ہونا چاہیے؟

الجواب زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ خلیفہ کا کام ہے اور خلیفہ کے ساتھ اربابِ حل و عقد اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اب موجودہ زمانہ میں چونکہ وہ صورت نہیں ہے، لہذا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کی حکومت کو وہ صورت اختیار کرنی چاہیے جو ”سوال نمبر ۳۷“ کے جواب میں عرض کی گئی ہے۔

عمال زکوٰۃ کو اموال زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کا حکم

سوال ۳۹ : زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کا انتظام کرنے کے لئے جو عملہ رکھا جائے ان کی تنخواہیں، الاؤنس، پنشن پراویڈنٹ فنڈ اور شرائط ملازمت کیا ہیں؟

الجواب اگر زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام وہی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا، تب تو یہی صورت ہوگی کہ عامل کو بطورِ عمالہ اسی کی وصولی

کردہ زکوٰۃ سے بقدر کفایت دیا جائے گا۔ مگر "قدر کفایت" کا لفظ قابل غور ہے۔ اگر قدر کفایت وصول شدہ سے بڑھنے لگے تو نصف سے زائد دینا جائز نہیں۔ کما فی البحر الرائق وقد ذکرناہ من قبل۔

اور اگر زکوٰۃ کی وصولی کا کوئی اور نظم قائم کیا جائے تو اس عاجز کے خیال میں زکوٰۃ وصول کرنے والے عملہ کو دوسرے سرکاری فنڈز سے تنخواہ، الاؤنس اور پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ دینا چاہئے یا اس کو امارت شریعیہ کی راتے پر چھوڑ دینا چاہئے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان۔ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

اجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان : ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

جواب صواب ہے

عبد الشکور غفرلہ : مدرس مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان

بقلم احقر عزیز الرحمن عفا اللہ عنہ : مدرس مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان۔

ائمہ مساجد کو بطور تنخواہ اور غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

عامۃ الناس ائمہ مساجد کو صدقات واجبہ کے علاوہ کچھ اور دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اگر ائمہ مساجد یہ نہ لیں تو مساجد دیران ہو جائیں گی۔ کیا ذیل کی عبارات نقلیہ و دلائل عقلیہ سے اس اشد ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ائمہ مساجد پر صدقات واجبہ کے جواز کا استدلال کیا جاسکتا ہے؟ اور ائمہ مساجد میں غنی اور مفلس کا فرق ہے یا نہیں؟ کیوں کہ لوجہ اللہ امامت کوئی نہیں کرتا۔ حق الخدمت غنی اور مفلس امام دونوں لیتے ہیں۔

واذا عینوا لامامہم شیئاً من الاوقاف والصدقات والہمدایا

وغیرہا الزمہم ادا ثہا - (نقل از سلطان الفقہ : ج ۲) -

اور علامہ ابن جیون کی کتاب " وجیز " ص ۳۴ پر ہے -

مد واگر بظاہر نہ گفتہ اند بوقت نصب و تقریر بطریقہ رسم و رواج و عادت بلاد خود او را امام کہ زند پس دریں صورت ہم حصہ مرسومہ آن بلاد برایشان ادا کردن برائے امام خود واجب است - لان المعروف کاملشروط اھ " (سلطان الفقہ ، ج ۲ ، ص ۴۱) -

والعاشرفیعطی ولو غنیا لاهاشمیا لانه فرغ نفسه لهذا العمل فیحتاج الی الکفایة والغنی لا یمنع من تناولہا عند الحاجة کابن السبیل وبهذا التعلیل یقوی مانسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ ولو غنیا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزہ عن الکسب والحاجة داعیة الی مالا بدمنہ -

علماء متقدمین کے نزدیک تعلیم قرآن ، امامت ، اذان و تدریس کتب دین پر اجرت لینا حرام تھا مگر متاخرین نے دیکھا کہ بقول شاعر

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر

مدت سے اسے دور زمان میرٹ رہا ہے

تو تنخواہ لے کر یہ سب امور کرنے جائز قرار دیئے -

ایسے ہی سادات بنی ہاشم پر صدقات واجبہ کو حرام قرار دیا گیا مگر جب دیکھا گیا کہ وہ بوجہ افلاس درلیوزہ گری کر رہے ہیں تو علمائے متاخرین نے جائز قرار دے دیا -

ایسے ہی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ائمہ مساجد کے لئے صدقات واجبہ کو جائز قرار دیا جائے - اس لئے کتب معتبرہ و فتاویٰ مستندہ مثل فتاویٰ اشرفیہ ، عزیزییہ ، نظامیہ امدادیہ ، بحر الرائق ، فتح القدر ، شامی ، روح البیان ، بیان القرآن ، سے استنباط کر کے اس شد ضرورت کو پورا کر دیا جائے -

مقبول احمد ، ایبٹ آباد ، ہزارہ -



الجواب

اگر کوئی امام مسجد مفلس و نادار اور مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کو زکوٰۃ، اور
 حرم قربانی بحیثیت مفلس و مصرف ہونے کے دینے جائز ہیں۔ بحیثیت
 تنخواہ دینا جائز نہیں۔ فتاویٰ امدادیہ : ج ۱ : ص ۱۶۸ - میں ہے۔ قربانی کی کھال کے متعلق
 لکھتے ہیں۔

” اور چونکہ صدقہ واجب ہے اس لئے اس کے مصارف مثل مصارف زکوٰۃ

کے ہیں۔ مدرسین کی تنخواہ میں ان کا صرف کرنا جائز نہیں “

اور اگر امام مسجد مال دار ہے تو اسے زکوٰۃ اور چرمہائے قربانی کی رقوم دینا کسی صورت
 میں ٹھیک نہیں۔ نہ بطریق مصرف ہونے کے اور نہ بطریق اجرت و تنخواہ۔ استفادہ کے اندر
 جو نقول اور حوالہ جات پیش کئے ہیں اور امام مسجد کو زکوٰۃ کے جواز کے لئے جو قیاس عامل
 ہاشمی پر کیا گیا، ٹھیک نہیں سب غلطی ہے۔ کما سببین۔

طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگر وہ فقیر اور حاجت مند ہو۔ اسی طرح ” ابن اسبیل “
 کے لئے بھی یہی شرط ہے۔ وهو كل من لا مال له كمانی الشامی۔
 عنی طالب علم کے لئے اگرچہ بعض علماء نے زکوٰۃ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور علامہ شامی نے اس
 قول کو نقل کیا ہے مگر وہ قول مرجوح اور غیر معتمد ہے۔

در مختار میں نقل ہے۔ ان طالب العلم يجوز له اخذ الزكوة۔ ۱ھ

یہ قول غیر معتمد ہے اس پر فتویٰ دینا یا اس پر قیاس کرنا جائز نہیں۔

قال في الطحاوی وهذا نوع مخالف لا یتعلقهم بالحرمۃ

فی الغنی ولو يعتمدہ ۱ھ۔

ہاشمی کو زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں۔ ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ قول یہی ہے۔ وہ روایت
 جس میں ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا گیا ہے وہ روایت ابو عصمہ کی ابو حنیفہ سے ہے جو
 کہ نوادر کی روایت ہے۔ یہ روایت غیر مفتی بہ ہے۔

در مختار میں ہے۔

ظاهر المذهب اطلاق المنع ۱ھ فقول العینی والہاشمی

يجوز له دفع زكوته لمثله صوابه لا يجوز۔ الخ۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ، فتاویٰ مولانا عبدالحی صاحب رح -

عامل کو جو زکوٰۃ دی جاتی ہے وہ بحیثیتِ عمالہ کے ہے نہ بوجہ فقر کے اس لئے غنی کو دینا جائز ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عامل کو زکوٰۃ دینا بوجہ نص کے ہے اور علت اس کی عمالہ ہے۔ اس پر کسی مدرس کو قیاس کرنا جائز نہیں۔ وجیز اور سلطان الفقہ کی عبارت اس بات پر مطلقاً دلالت نہیں کرتی کہ ائمہ مساجد کو زکوٰۃ و صدقات تنخواہ میں اور بعض حق امامت دینے جائیں۔ بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں نے وقف میں سے یا صدقات اور ہدایا میں سے امام کے لئے کچھ رقم مقرر کی ہو تو اس رقم کا ادا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ اجارہ ہے اور اجارہ میں اجرت ادا کرنا واجب ہے۔ صدقات سے مراد ہدایا۔ اور صدقات نافلہ لئے جائیں گے۔ جیسا کہ آگے ہدایا کا لفظ دلالت کرتا ہے نہ کہ صدقات واجبہ۔ تاکہ یہ روایت دوسری روایتوں کے موافق ہو جائے۔ اور متاخرین نے جو مستدین کے خلاف فتوے دیا ہے وہ اسی چیز میں ہے کہ متقدمین کے نزدیک استیجار علی الطاعات جائز نہیں تھا۔ متاخرین نے طاعت پر جائز قرار دیا نہ کہ زکوٰۃ میں سے ان کو دینا جائز قرار دیا۔

البتہ اگر ضرورت شدیدہ ہو تو تملیکِ شرعی کے بعد دینے جاسکتے ہیں جس کا طریقہ

زبانی دریافت کر لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۷، ۱۲، ۱۳۶۹ھ

ایک مشہور جماعت زکوٰۃ، چرم قربانی وغیرہ طبی امداد کے لئے اکٹھے کرتی ہے

ایک سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینے کا حکم

اور منظم طور پر فراہمی کی جدوجہد کرتی ہے اور بلطائف حیل وصول کرتے ہیں۔ اس جماعت کے ارکان چاہتے ہیں کہ ان ذرائع سے سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے۔ اور ان مددات میں جو کچھ بھی ہو وصول کر کے یہ لوگ سیاسی مقاصد، مقدمات، اسکینشن، سیاسی کارکنوں کی تنخواہوں وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کو مذکورہ صدقات دینا کیسا ہے؟ اور ان کا یہ استعمال درست ہے یا نہیں؟

الجواب

صدقات واجبہ ، سیاسی مقاصد ، مقدمات ، ایکشن اور سیاسی کارکنوں کی تنخواہوں میں استعمال کرنے جائز نہیں۔ جو جماعت ان مصارف پر استعمال کرتی ہو اسے یہ صدقات نہ دیئے جائیں۔ مدارس دینیہ ان صدقات کا بہترین مصرف ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۵/۴/۱۳۷۰ھ

تحقیق کر کے غنی کو زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی

ایک شخص نے کسی غریب رشتہ دار کو زکوٰۃ کا مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دے دی۔ دوسرے سال معلوم ہوا کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق نہ تھا۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟
(قاری) محمد رفیع (صاحب) مہتمم مدرسہ تجوید القرآن ، موتی بازار ، لاہور۔

الجواب
اگر شخص مذکور نے اس رشتہ دار کو پورے غم و غموض کے بعد غریب سمجھا اور زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ حکما فی الدر المختار۔ ج ۲ ص ۹۲، ۹۳۔ علی الشامیۃ۔ دفع بتحرر لمن یظنہ مصرفا الی قوله وان بان غناه او کونه ذمیا الی ان قال لا یعید لانه اتی بما فی وسعه اه فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۶/۱۱/۱۳۷۰ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

وکیل مستحق نے زکوٰۃ کی رقم خود صرف کر لی تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں

زید نے ایک عربی مدرسہ کے طالب علم بکر کو چالیس روپے زکوٰۃ کے دینے کہ ان کو اپنے مدرسہ میں داخل کر دو۔ طالب علم نے اس خیال سے کہ میں بھی غریب اور مصرف زکوٰۃ ہوں اپنے اوپر صرف کر لیتے بکر کا یہ فعل بہشتی زیور کی تحریر کے مطابق صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں؟ اگر

بکر، مالک زید سے اجازت لے لے تو یہ کافی ہو جائے گا یا نہیں ؟ اگر اجازت کافی نہیں تو بکر اپنے پاس سے دے یا نہیں ؟

مولانا عبد المجید مدرس دارالعلوم عید گاہ کبیر والا

فی الدر المختار، ج ۲، ص ۱۰۰، واللوحیل ان یدفع

لولدہ الفقید وزوجتہ لانیفسہ الا اذا قال ربھا

الجواب

ضعھا حیث شئت اھ۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئلہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور اب جب کہ وہ رقم خرچ ہو چکی ہے تو مالک اجازت بھی دے دے تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اور اگر بکر اپنے پاس سے رقم مدرسہ میں دے دے اور زید کو اس کی اطلاع نہ کرے تو بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ البتہ اگر زید کو پوری تفصیل بتلا کر دوبارہ زید سے اجازت حاصل کر کے رقم جمع کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

عبدالرحمن دستس ایگززمینس

کا مالک ہے اس نے اپنی

مدیون کو زکوٰۃ دینا دوسروں کی نسبت افضل ہے

مملوکہ زمین سو روپیہ سالانہ فی ایکڑ کے حساب سے احمد خان کاشت کار کو اجارہ پر دے دی یعنی آپس میں طے کیا کہ احمد خان ایک ہزار سالانہ اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے عوض عبدالرحمن کو ادا کرے گا۔ معلوم نہیں سالانہ پیداوار زمین کی کم رہی یا احمد خان کے بال بچوں کی کثرت کی وجہ سے وہ ہر سال اجارہ کی پوری رقم ادا کرنے پر قادر نہ ہوتا تھا۔ ہر سال سو ڈیڑھ سو اس کے ذمہ باقی رہ جاتا۔ عبدالرحمن بھی وصولی میں سختی نہ کرتا۔ قریباً دستس سال ایسے ہی چلتا رہا۔ میعاد اجارہ پوری ہونے پر زمین اس سے واپس لے لی۔ لیکن مجموعی طور پر احمد خان کے ذمہ نو سو روپے باقی رہے اگر عبدالرحمن اپنے ذمہ واجب شدہ مال کی زکوٰۃ میں سے کچھ رقم اس احمد خان کو جو فقر و مسکنت کی وجہ سے مصرف زکوٰۃ ہے ادا کرے اور پھر اس سے سابقہ قرضہ طلب کر کے وہی رقم اس سے قرضہ میں لے لے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ؟ اشکال کی وجہ یہ ہے جس کی بنا پر فتویٰ حاصل کرنے کیلئے

استفادہ بھیجا جا رہا ہے۔

۲ : اپنی مسلوکہ زمین سے عقد اجارہ کے ذریعہ نفع حاصل کرنا اور سالانہ ایک متعین رقم لینا بلاشبہ جائز

ہے یا اس میں کوئی شبہ ہے۔ کیا بدلہ اجارہ واجب الاداء دین ہے ؟

۳ : ہر سال رقم اجارہ جو احمد خان کے ذمہ جمع ہوتی رہی تو کیا ہر سال اس سے وصولی نہ کرنا اور نرمی برتنا حکماً ابرار ہو سکتا ہے ؟

۴ : احمد خان بالکل مفلس اور تہی دست ہے یہ قرضہ اس سے کسی صورت وصول نہیں ہو سکتا بالکل ایک سوختہ قرضہ ہے اس لئے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم اسے ملیکا دے کر پھر واپس لینا ناجائز حیلہ نہ ہو۔ کیوں کہ عبدالرحمن کا مقصد یہ ہے کہ میری جیب سے زکوٰۃ میں کوئی نقد رقم نکل کر نہ جائے اس پر لے قرضہ ہی سے ذمہ داری ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے محض ٹلنے والا معاملہ قرار نہ دیں۔

معین الدین: معرفت مفتی سید مایح الدین کا کاخیل۔

صورتِ مسئلہ میں بر تقدیرِ صحت واقعہ اگر عبدالرحمن نقد روپیہ احمد خان کو بہ نیت

زکوٰۃ دے دے اور پھر وہی روپیہ اس سے اپنے قرض میں واپس لے لے

تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

الجواب

لما فی الدر ج ۲ - ص ۱۶ - واعلم ان اداء الدين عن الدين و

العین عن العین وعن الدين يجوز و اداء الدين عن

العین و عن دين سيقبض لا يجوز و حيلة الجواز ان يعطى

مديونه الفقير زکوٰۃ ثم يأخذها عن دينه - ۱ھ -

۲ : ائمہ اربعہ کے نزدیک زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ نیز دیگر بہت سے فقہاء بھی اسی

کے قائل ہیں (حکما فی شرح مسلم للنووی ج ۲ - ص ۱۲)۔ اور زمین سے

انتفاع کے بعد طے شدہ اجرت واجب ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ دیگر سائر دلیلوں۔ والظاهر

من اطلاق المؤلف ان الاجرة تجب باستيفاء المنفعة - (تکملہ بزمہ)

۳ : یہ ابرار نہیں۔

۴ : یہ حیلہ محض ٹلنے والا معاملہ نہیں بلکہ اگر زکوٰۃ دہندہ کی نیت برآة ذمہ دلیوں ہو تو اس

میں زیادہ ثواب ملنے کی امید ہے۔

قال في الاشباه وهو افضل من غيره (الى) لانه يصير
وسيلة الى ابراء ذمته المديون - فقط والله اعلم -

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

اجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲ / ۸ / ۸۴ / ۱۳۵ھ

عنی طالب علم کو زکوٰۃ دینے

کے بارے میں راجح قول

ایک مدرسہ ایک انجمن کے تحت چل رہا ہے
اس میں کچھ ایسے طالب علم بھی ہیں جو غنی
ہیں ان کو عشر و زکوٰۃ سے وظیفہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے جیسا کہ شامی نے لکھا ہے
يجوز اخذ الزكوة لطالب علم ولو كان غنيا -

تو فقہاء کرام کے عام قاعدہ لا يجوز الزكوة للغني کا کیا جواب ہے؟

طالب علم شرعی جس کو غنا حاصل ہو لیکن وہ اپنے آپ کو اکتساب معاش
سے فارغ کر چکا ہو اور افادہ و استفادہ علم میں مشغول ہو تو اسے زکوٰۃ

الجواب

لینا جائز ہے۔ شامی ج ۱ ص ۱۲ ص ۵۹ - میں ہے۔

وبهذا التعليل يقوى مانسب الى الواقعات من ان طالب العلم
يجوز له اخذ الزكوة ولو غنيا اذا فرغ نفسه لافادة العلم
واستفادته -

شامی کا یہ قول فقہاء کے عام قاعدہ لا يجوز دفع الزكوة الى الغني کے
مخالف نہیں۔ کیونکہ وہ ایک عام قاعدہ ہے اور یہ ایک استثنائیہ جملہ ہے۔ ہر عموم میں کچھ
کچھ استثنیٰ ہوا کرتے ہیں۔ فقط

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

تنبیہ
حضرات فقہاء کرام نے اگرچہ عنی طالب علم کے لئے اخذ زکوٰۃ کو جائز رکھا ہے لیکن
احتیاط اس میں ہے کہ عنی طالب علموں کے لئے وظیفہ اور کھانا وغیرہ کسی فقیر اور
مستحق کو تملیک کر کے دینا چاہئے۔ کیونکہ علامہ شامی نے دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے

والاوجه تقييده بالفقير ويكوت طلب العلم مرخصا
لجواز سواله من الزكوة وغيرها وان كان قادراً
على الكسب اذ بدونه لا يحل له السؤال - فقط

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

جواب صحیح ہے۔ غنی طالب علم کو بلا تملیک زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے۔

بندہ عبد الرحمن غفرلہ

ہذا بہو الاحتیاط وعلیہ الاعتماد : خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۱۰ محرم ۱۳۶۹ھ



چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دینا افضل ہے
زید کا چھوٹا بھائی نادار ہے زید سے
زکوٰۃ دے سکتا ہے ؟

الجواب
افضل یہی ہے کہ زید اپنے چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دے۔ والا فضل فی
الزکوٰۃ والفقیر والنذور الصرف اولاً الخ الاخوة
(عالمگیری ج ۱ - ص ۹۷) - فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۲۱ رجب المرجب ۱۳۷۰ھ



زکوٰۃ حکومت وصول کرے یا لوگ خود ادا کریں
کیا زکوٰۃ کی وصولی حکومت کا فرض
ہے یا اس کو انفرادی طور پر ادا
کیا جاسکتا ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کن وجوہ کی بنا پر انفرادی طور پر
ادا کرنے کا حکم دیا۔ ؟

الجواب
اموال دو قسم پر ہیں۔ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ۔ اول الذکر اموال
کی زکوٰۃ حکومت وصول کر سکتی ہے اور ثانی الذکر اموال کی زکوٰۃ خود مالک
ادا کریں گے۔ کما فی البحر ج ۲ - ص ۲۴۱۔

وحاصلہ ان مال الزکوٰۃ نوعان ظاہرہ وهو المواسی

والمال (الذی) یمربہ التاجر علی العاشرو باطن وهو
الذهب والفضة و اموال التجارة فی مواضعها اما الظاهر
فلا مام و نوابه ولا یة الاخذ الخ

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک
عہد میں سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی حکومت وصول کرتی تھی یا نہیں؟ صاحب بدائع نے شیخ
ابومنصور ماتریدی سے نقل کیا ہے۔

لہ یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث فی مطالبہ
المسلمین بزکوٰۃ الورق و اموال التجارة و لکن الناس
کانوا یعطون ذالک و منهم من کان یحمل ذالک الی
الائمة فیقبلون منه ذالک - (ج ۲ - ص ۳۵ - ۳۶)۔

عبارت ہذا سے معلوم ہوا کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ حکومت وصول نہیں کرتی تھی بلکہ اہل اسلام خود
ادا کرتے تھے اور بعض لوگ از خود اپنی زکوٰۃ حکومت کی تحویل میں دے دیتے تھے اور حکومت سے
قبول کر لیتی تھی۔ نیز اس کے وصول کرنے میں حرج اور اضرار بھی ہے کہ لوگوں کی مخفی دولت معلوم کرنے
میں سخت تنگی اور دشواری واقع ہو سکتی ہے۔ اور متمول افراد کی مالی حیثیت کی شہرت ان کے اموال
کے لئے ایک مستقل خطرہ بھی ہے۔ اسی سلسلہ میں صاحب بدائع نے دوسری رائے نقل کرتے
ہوئے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں۔

وعثمان طالب زمانا ولما كثرت اموال الناس ورأى ان
فی تتبعها حرجا علی الامة و فی تفتیشها ضررا بارباب الاموال
فوض الاداء الی اربابها - (ج ۲ - ص ۳۵)۔

ان وجوہ کی بناء پر سونے چاندی کی زکوٰۃ کی ادائیگی خود مالک کے ذمہ طحال دمی گنتی۔ اور اس
معاملہ کو مالک کی دیانت داری پر چھوڑ دیا گیا۔ کیوں کہ اگر ان اموال کی زکوٰۃ بالفرض حکومت ہی وصول
کرتی تو بھی اسے مالک کی دیانت داری پر لازماً اعتماد کرنا پڑتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ



سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی حقیقی علت
 زکوٰۃ کا مصرف سادات کو کیوں نہیں ٹھہرایا گیا۔ حالانکہ اسلام میں ذات پات کی تفریق

کا تصور موجود نہیں۔ اور یہ حکم ایک ذات کی برتری ظاہر کرتا ہے۔ دونوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟
 سادات کو مصرف زکوٰۃ نہ ٹھہرانے کی علت حقیقی حکم خداوندی ہے۔

الجواب

قال عليه السلام يا بني هاشم ان الله حرم عليكم غسالة

الناس واوساخهم الخ (هداية ج ۱ - ص ۱۸۶)۔

اور اس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ زکوٰۃ مالوں کی میل کچیل ہے۔ قرابت نبوی کے احترام کے پیش نظر انہیں اس کے استعمال سے ممانعت کر دی گئی۔ باقی یہ کہ اس سے سادات کا محترم ہونا سمجھا جاتا ہے۔ سو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ کیونکہ سادات کو امام بالاتفاق محترم ہیں۔ مگر یہ ہندوانہ ذات پات کی تفریق نہیں۔ کیوں کہ اس میں دوسری ذاتوں کو انتہائی حقیر اور ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ برہمن کے ساتھ اچھوت کھانا نہیں کھا سکتے، ان کے مندروں میں نہیں جاسکتے! اچھوت برہمن کے برتن کو ہاتھ لگا دے تو برتن ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ باہمی نکاح نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسلام نے سادات وغیر سادات میں ان سب احکام کو جائز رکھا ہے۔ کہ باہمی رشتہ دار یاں بھی جائز ہیں۔ صرف ایک مسئلہ کی بنا پر اس کو ذات پات کی تفریق نہیں کہا جاسکتا۔

فقط واللہ اعلم
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
 خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۰/۲۲/۱۳۸۶ھ

صدقات واجبہ سے تیار ہونے والا کھانا مدرس کو اجرت میں نہیں دے سکتے

مدرسہ میں صدقات واجبہ وغیر واجبہ سے طلباء کا کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ اور مدرسہ میں جو مدرس رکھا گیا ہے اس کو تنخواہ کے ساتھ کھانا بھی مقرر کیا گیا ہے آیا اس کا کھانا مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر صرف صدقات غیر واجبہ سے جو کھانا طلباء کھاتے ہیں۔ مثلاً گھر سے کھانا آتا ہے تو اس صورت میں مدرس کھانا لے سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: عبد الشکور، مدرس مدرسہ اشاعت العلوم، منڈی چشتیاں، ضلع بہاولنگر۔

الجواب

صدقات واجبہ و غیر واجبہ کے مجموعہ میں سے جو کھانا پکتا ہے۔ اس کا بقنا حصہ ملازم کو تنخواہ میں دیا جائے گا۔ اس کے حصہ متناسب کے برابر زکوٰۃ و صدقہ

واجبہ ادا نہ ہوگا۔ اور اہل مدرسہ کا ذمہ اس کے ساتھ مشغول رہے گا۔ البتہ اگر کھانا قیمتاً لیا جائے اور قیمت پھر تحقیق پر تخریح کر دی جائے اور ان کو دے دی جائے تو کھانا لینے کی گنجائش ہے۔ اور صدقہ غیر واجبہ سے اگر اہل مدرسہ کسی ملازم کو کھانا دے دیں تو جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

نو ایکڑ اراضی کا مالک نے زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ ایک شخص کے پاس تقریباً آٹھ یا نو ایکڑ اراضی زرعی، مبلغ ٹوٹیرھ لاکھ روپے کی ہے۔ اور

اس کی سالانہ آمد مبلغ پانچ ہزار روپے ہے۔ گھر کے ساتھ آٹھ آدمی ہیں۔ بقول اس کے اس رقم سے اس کا گزارہ نہیں ہوتا۔ کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔؟ نیز اس کی زمین پر عشر واجب ہوگا؟

امام محمد رحمہ کے نزدیک ایسے شخص کو زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ جب کہ زیوراثت اور نقدی اس کے پاس نہ ہو۔ اور اگر نہ لے تو بہتر ہے۔ عشر بہر حال اس پر

واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۹/۱۱/۱۴۰۰ھ

مقروض کو مقدار نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں ہمارے ہاں ایک انیس سال کا لڑکا ملازم ہے جو کہ یتیم

ہے۔ یہ لڑکا اسکی بیوہ ماں اور دو بہنیں جن کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔ اور ایک بہن جو بیوہ ہے اور چھوٹے بچوں سمیت انہی کے ہاں رہتی ہے۔ ان سب لوگوں نے دہلی گیٹ میں گیلانیوں کی خالی زمین پر جھونپڑی کچی پکی سی ڈال رکھی ہے۔ اب گیلانیوں نے ان کو نوٹس دیا ہے کہ ہم نے اس جگہ پر سکول بنانا ہے۔ لہذا تم لوگ جگہ فارغ کرو۔ ظاہر ہے کہ عنقریب یہ لوگ در بدر ہو جائیں گے۔ از روئے

شرعی فتوے صادر فرمائیں کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے پچیس ہزار روپے کا مکان ان کو خرید کر کے دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب
صورتِ مسئلہ میں یہ لڑکے کا اپنے لئے اور اپنی والدہ کے لئے اس مکان کا سودا کر لے تو مقروض ہو جانے کے بعد لڑکے اور والدہ کو اتنی رقم دینا درست ہے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱، ۱۳، ۴، ۲۰۰۲ھ



وکیل نے زکوٰۃ کو مصرف میں استعمال نہیں کیا تو کیسے بری ہوگا ؟

بہتم نے زکوٰۃ کو بغیر شرعی حیلہ کے مختلف مدت میں استعمال کیا تو کیا زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی ؟ زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی صورت میں کیا صورت اختیار کی جائے ؟

الجواب
زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اصل تو یہ ہے کہ صورتِ حال بتلا کر مالکان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اگر اس میں مشکلات ہوں تو اتنی رقم معظین کی طرف سے باقاعدہ تمذیک کر کے مدرسہ میں خرچ کر دی جائے۔ ایک قول کے مطابق گنجائش ہے امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

لکن قد یقال تجزی عن الأمر مطلقاً بقاء الاذن بالدفع اھ

(شامیہ، ج ۲، ص ۴۳)

رجل جمع مالا من الناس لینفقہ فی بناء المسجد فانفق تلك الدراهم فی حاجتہ ثم ردَّ بدلها فی نفقۃ المسجد لا یسعه ان یفعل ذلك فان فعل فان عرف صاحب ذلک المال ردَّ علیہ او سألہ تجزئاً لاذن فیہ ان لم یعرف حتماً امال استأذن الحاكم ان یعدَّ علیہ الا یجملہ فی الاستحسان ان ینفق مثل ذلك من ماله علی المسجد

فیجوز۔ اھ (ہندیہ، ج ۲، ص ۲۵۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱، ۱۵، ۱، ۱۳۹۶ھ

مہمان کو بہ نیتِ زکوٰۃ کھانا دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں

زید کے ہاں مہمان آیا۔ اس نے تین دن ضیافت کے بعد زکوٰۃ کی نیت سے کھانا دینا شروع کیا اور اس کے ملک کرتا رہا اس طرح زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں ؟

الجواب
فلو اطعم یتیماناً یا الزکوٰۃ لا یجزیہ الا اذا
دفع الیہ المطعوم لانه بالدفع الیہ بنیۃ الزکوٰۃ
یملکہ فیصیراً کلاً من ملکہ بخلاف ما اذا اطعمہ معہ۔

(شامی ج ۲، ص ۱۰۷۱۔)

جزئیہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیوں کہ یہ اباحت ہے تملیک نہیں۔ اور اگر کھانا اس کو بہ نیت تملیک دے دیا ہے خواہ وہ کھائے، خواہ بیچے۔ تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ الحاصل بصورت تملیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور بصورت اباحت ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲/۲/۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد اسحاق غفرلہ

غیر مسلم عامل زکوٰۃ کو زکوٰۃ نہ دی جائے
مصارف زکوٰۃ میں الغائبین علیہا کے متعلق کیا
حکم ہے؟ یہ عاملین کیف ما اتفق مستحق

زکوٰۃ میں یا بشرطِ اسلام؟ احمد شعیب، امیر مجلس الخطباء، ڈی۔ آئی۔ خان۔

اصل یہی ہے کہ عامل و محصل زکوٰۃ مسلمان ہوں۔ کافر مصرف زکوٰۃ نہیں۔

قال فی الدر ولا تدفع الی ذمی۔ ۱ھ (شامی ج ۲، ص ۱۰۷۱۔)

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۰/۹/۱۴۰۰ھ

زکوٰۃ بنام قرض دینے کا حکم
زید نے عمرو سے دس روپے قرض مانگا۔ عمرو نے دس روپے
دے دیئے۔ جب زید وہ روپے واپس دینے لگا تو عمرو

نے کہا کہ میں نے تو بہ نیتِ زکوٰۃ دیتے تھے اور واقع میں اس نے دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی تھی۔ زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں؟

زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ ومن اعطی مسکیناً دراهم و سماہا ہبۃ او قرضاً ونوعی الزکوٰۃ فانہا تجزیہ و هو الاصح۔

(عالمگیری: ج ۲، ص ۸۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲/۸/۱۳۸۸ھ



عباسیوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں
عباسیوں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟
حاجی کرم داد، لوئر بازار مرہی۔

بنو عباس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ خواہ رشتہ دار ہوں۔ ان کی دیگر ذرائع سے امداد کی جاوے۔ ولا یدفع الی بنی ہاشم و ہمال علی و

العباس والجعفر والعیقیل والحرث بن عبدالمطلب۔

(عالمگیری: ج ۱، ص ۹۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۲۹ - ۱۰ - ۹۶ ۱۳ ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ



غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں
غیر مسلم اگر بالکل غریب ہو تو آیا اس کو صدقہ
و خیرات یا زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

حافظ حبیب احمد: مکتبہ امدادیہ، ٹی، بی روڈ، ملتان

صدقات واجبہ (زکوٰۃ و عشر وغیرہ) کے علاوہ دیگر صدقات غیر مسلم کو دینے جاسکتے ہیں۔ ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی و یدفع الی

ماسوی ذالک من الصدقۃ۔ ھ۔ (ہدایۃ - ج ۱ - ص ۱۸۷)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲/۱۱/۲۰۰۰ھ



بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اپنی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے کیا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا درست ہے ؟

الجواب

جائز نہیں ہے۔ لا یصوف الی من بینہما ولادہ۔
 (در مختار علی الشامیہ : ج ۲، ص ۶۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/۹/۱۳۹۶ھ

وکیل نے زکوٰۃ کا پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کر لیا پھر اپنے پاس سے مستحق کو دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

زید نے عمداً یا کسی مغالطہ کی بنا پر زکوٰۃ کو شرعی حیلہ کے بغیر مدرسہ کی ضروریات یا اپنے ضروریات میں صرف کر لیا۔ پھر اتنی رقم مدرسہ میں داخل کر دی تو کیا زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو گئی؟ جب کہ پیسے مدرسہ میں داخل کر دیئے گئے۔

الجواب صحیح صورت حال مالکان کو بتلا کر پھر ان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اور اگر اس میں مشکلات ہوں تو ایک قول کے مطابق امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ بشرطیکہ تئیک کے بعد مدرسہ میں استعمال کی گئی ہو۔

لکن قد یقال تجزی عن الأمر مطبقاً لبقاء الاذن بالدفع اهـ

(مشامی ج ۲، ص ۱۲)۔ رجل جمع مالا من الناس لینفقه فی بناء

المسجد فانفق تلك الدراهم فی حاجته ثم رد بدلها فی

نفقة المسجد لا یسعه ان یفعل ذلك فان فعل فان عرفت

صاحب ذلك المال رد علیه او سألہ تجدید الاذن فیہ

وان لم یعرف صاحب المال استأذن الحاكم وان

تعذر علیه ذلك رجوت له فی الاستحسان ان ینفق مثل ذلك

من ماله علی المسجد فیجوز اهـ (ہندیہ ج ۲، ص ۲۵۲)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۵/۱۱/۱۳۹۶ھ۔

تعمیر مکان کے لئے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ زید کے پاس تقریباً پانچ ہزار روپے جمع ہیں۔ جو مکان وغیرہ کی تعمیر اور گائے خریدنے کے لئے

جمع کر رکھے ہیں۔ اور زید کے چار چھوٹے بچے، بیوی اور والدہ ہے۔ کیا اس رقم پر حلالانِ حول کے بعد زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ نیز زید کے بیوی، بچے جو غریب ہیں اگر انہیں اپنے کوئی رشتہ دار زکوٰۃ دیں تو ان کے لئے لینا درست ہوگا جبکہ زکوٰۃ دہندہ کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہے۔

الجواب

جب تک نقدی کی شکل میں پیسے موجود ہیں زکوٰۃ فرض ہوگی۔ لہذا سال کے بعد ادائیگی ضروری ہے۔ اور انشاء اللہ یہ زکوٰۃ ادا کرنا مال میں اضافے کا

سبب بنے گا۔ البتہ آپ کی بیوی اور والدہ وغیرہ زکوٰۃ کا مصرف ہیں۔ کوئی دوسرا شخص انہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ آپ کے نابالغ بچے آپ کی وجہ سے زکوٰۃ کا مصرف نہیں بن سکتے۔

ولا يجوز دفعها الى ولد الفنى الصغير۔ ۱۵ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۷)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲/۱۱/۱۳۹۸ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مالِ خبیث میں زکوٰۃ واجب نہیں ایک شخص بینک میں ملازم ہے اپنی تنخواہ سے کچھ پس انداز کرتا رہا اور یہ رقم نصاب کو پہنچ گئی

اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ مولوی محمد عبداللہ، حاصلی پور قدیم۔

مذکورہ مال نصاب کو پہنچ جاتے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ یہ سارا مال واجب التصدق ہے۔ فی القینۃ لو کان الخبیث نصاباً لا

یلزمہ الزکوٰۃ لان הכל واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ۔ ۱۵۔ (شامیہ : ج ۲ : ص ۳۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹/۲/۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ٹریکٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے ایک آدمی کے پاس ٹریکٹر ہے جو کہ ذریعہ معاش ہے۔ یعنی لوگوں کی زمینوں میں ہل وغیرہ چلا کر۔

اس کی آمدن حاصل کی جاتی ہے۔ آیا ٹریکیٹر کی قیمت خرید پر زکوٰۃ واجب ہوگی ؟
الجواب ٹریکیٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ اس سے جمع شدہ مالیت نصاب کو پہنچ جائے تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ آئے گی۔

« قوله وكذا لك الات المحترفين) ای سواء كانت ممالا تستهلك عينه في الانتفاع كالقدوم والمبرد اهـ - (شامیۃ : ج ۲ ص ۱۰۰)۔

فقط واللہ اعلم
 محمدا نور عفا اللہ عنہ ۱۴/۷/۲۰۰۰ھ

اجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ میں دینے کے لئے رکھے ہوئے پیسوں کو بطور قرض دے سکتے ہیں

ایک آدمی کے پاس زکوٰۃ کے اپنے پیسے رکھے ہوئے تھے۔ کسی دوسرے آدمی کو ضرورت ہو تو کیا وہ دستی طور پر اسے دے سکتا ہے۔ یعنی جب وہ واپس کرے گا تو وہ مستحق کو پہنچا دیتے جائیں گے۔ ؟ حسین علی نقشبندی : مدرسہ موسویہ ، ملتان۔

فقیر کی ملکیت میں پہنچنے سے پہلے پہلے یہ اسی کا مال ہے حسبِ منشاء۔ اس کو **الجواب** صرف کر سکتا ہے۔ ولا ینخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالاداء للفقیر۔ اهـ - (درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۱۵)۔

فقط واللہ اعلم
 محمدا نور عفا اللہ عنہ ۱۴/۷/۲۰۰۰ھ

اجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

حکومت جو زکوٰۃ کا پلیسہ مدارس کو دیتی ہے وہ لے سکتے ہیں یا نہیں

موجودہ حکومت عشر و زکوٰۃ بالجبر وصول کرتی ہے اور عوام کے اندر تقسیم کرتی ہے۔ اور اسے زکوٰۃ کو مدارس عربیہ بھی لے رہے ہیں۔ اور اس میں چند امور قابلِ غور ہیں۔
 کیا زکوٰۃ و عشر فی الحقیقت صحیح ہے ؟ جب کہ یہ سوڈنڈ سے جدا کیا جاتا ہے۔ اور مالکان

رقوم سے اجازت بھی نہیں لی جاتی۔ کیا یہ زکوٰۃ و عشر کی رقم پبلک اور مدارس کے لئے حلال ہے یا حرام؟ اور بعض مدارس والے طیب اور حلال سمجھتے ہیں اور لے لیتے ہیں۔ اور بعض مدارس اس سے اجتناب کرتے ہیں۔

حکومت کے طریق کار سے قطع نظر جن مدارس یا اصحاب کو یہ رقم جس نام سے دی جاتی ہے وہ اس کے مصرف ہوں تو ان کے لئے لینے کی گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم : احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔

وکیل نے زکوٰۃ کے پیسے اپنی مستحق بیوی کو دیدیتے تو موکل کی زکوٰۃ ادا ہوگئی!

زید نے خالد کو دس روپے دیئے اور کہا کہ یہ زکوٰۃ کے روپے ہیں کسی مستحق کو دے دو۔ خالد نے سوچا کہ میری بیوی غریب ہے۔ صاحب نصاب نہیں ہے، اس نے وہ دس روپے اپنی بیوی کو دے دیئے، آیا زکوٰۃ ادا ہوتی یا نہیں۔ اور خالد گناہگار ہوا یا نہیں؟

۲: زید کسی مدرسے میں مدرس ہے۔ مکان مدرسہ والوں نے دیا ہے۔ اس مکان میں جو اہل مدرسہ نے دیا ہے زید اس میں رہائش کرتا ہے۔ زید کو کسی نے زکوٰۃ کا روپیہ دیا۔ کہ مدرسہ میں دے دو یا کسی مستحق کو دے دو۔ زید دل میں سوچتا ہے کہ مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کی بجائے اگر اس رقم سے دروازہ خرید کر مکان کو لگا دیا جائے تو مکان چونکہ مدرسہ کا ہے، دروازہ بھی مدرسے کا ہو جائے گا اور مجھے جو تکلیف ہے کہ مکان کا دروازہ نہیں ہے وہ تکلیف بھی رفع ہو جائے گی۔ اگر زید اس زکوٰۃ والی رقم سے دروازہ خرید کر مدرسے کے مکان کو لگا دے تو زکوٰۃ ادا ہوتی یا نہیں؟

۱: زکوٰۃ ادا ہوگئی، خالد گناہگار نہیں ہوگا۔ وللوکیل ان یدفع لولده الفقیر وزوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها ضعها

حيث شئت۔ (شامح ج ۲، ص ۱۵)۔ ۲: زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ تمہیک نہیں پائی گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۸/۳/۱۳۹۰ھ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اپنے مدیون کو زکوٰۃ دے کر پھر قرض میں واپس لینے کا حکم

زید نے بکر سے تقریباً تین چار سال قبل مبلغ تیرہ ہزار روپیہ قرض حسنہ لیا تھا اور جب بکر نے واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ کہتا ہے کہ میں جلدی دے دوں گا۔ لیکن اسی دوران میں زید نے ایک پلاٹ اپنی بیوی کے نام خرید کیا۔ کچھ اپنا پیسہ اور کچھ دوستوں سے لے کر، جب مکان بنانے کا مرحلہ آیا تو زید نے کارپوریشن سے پلاٹ گروی رکھ کر سود پر قرض لیا۔ جو تقریباً ساٹھ ہزار کے قریب ہے۔ بکر نے جب زید سے اپنے تیرہ ہزار روپے کا مطالبہ کیا تو زید نے اپنی مجبوریاں ظاہر کرنی شروع کر دیں کہ میری اتنی ماہوار تنخواہ ہے۔ میرے گھر کا خرچہ مشکل سے پورا ہوتا ہے۔ بچے سکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور تقریباً دس گیارہ بچے ہیں۔ کیا بکر اپنی زکوٰۃ میں سے یہ پیسے کاٹ سکتا ہے جب کہ بکر موجودہ قرضہ سے کہیں زیادہ خدا کے فضل سے زکوٰۃ دیتا ہے۔

زید کے مصرف زکوٰۃ ہونے کی صورت میں بکر اپنی زکوٰۃ زید کو دے سکتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک روپے والے نوٹ کی صورت میں زید کو زکوٰۃ دی جائے۔ پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کر لی جائے۔

وحيلة الجواز ان يعطى مديونه الفقير زكوته ثم ياخذها
عن دينه اه - (درمختار على الشامية ۱ ج ۲ ص ۱۱۱) - فقط والله اعلم

احقر محمد انور عفا الله عنه نائب مفتي

خير المدارس ملتان ۸/۸/۲۰۲۰ھ

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا الله عنه مفتي جامعہ ہذا

برسر روزگار کو زکوٰۃ دینے کا حکم
زید کے پاس کسی قسم کی مالیت کا نصاب نہیں، لیکن برسر روزگار ہے۔ کیا زید کو زکوٰۃ کا پیسہ دیا جاسکتا ہے؟

قاری غلام نبی۔ ممتاز آباد : ملتان

زید کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بیک وقت نصاب کے

برابر یا اس سے زیادہ نہ دی جائے۔

هو فقير وهو من له ائتمنى اي دون نصاب او قدر

نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة - ۱ھ (درمختار علی الشامیہ ج ۲ ص ۵۵)

فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح

اسحق محمد النور عفا اللہ عنہ ۲۰/۱۲/۱۳۹۹ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

قومی اتحاد کو زکوٰۃ دینے کا حکم
آج کل موجودہ تحریک جو کہ قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے
چل رہی ہے اس تحریک کے بارے میں علماء نے جہاد کا فتویٰ

دیا ہے آیا اس میں زکوٰۃ دینا جائز ہے - ۶ -

حاجی محمد حنیف، صدر انجمن تاجران شہر بہاولنگر۔

زکوٰۃ و صدقات کا مصرف عام فقراء و مساکین ہیں جن کی تفصیل قرآن و حدیث اور
فقہ میں مذکور ہے۔ قومی اتحاد بہرچند کہ علمبردار جہاد ہے مگر یہ کوئی وجہ استحقاق

زکوٰۃ نہیں ہے۔ زکوٰۃ تب ہی ادا ہوگی جب اس کے مصرف کو دی جائے۔ جب کوئی سیاسی یا
دینی جماعت زکوٰۃ و صدقات کی اپیل کرے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس زکوٰۃ کو مصرف
تک پہنچا دیں گے۔ ظاہر ہے کہ جلسہ و جلوس کا انتظام اور کارکنان کو تنخواہ مال زکوٰۃ سے نہیں
دی جاسکتی۔ البتہ جماعت میں جو فقراء شامل ہوں وہ مستحق زکوٰۃ ہیں۔ ویسے ہی جو زخمی ہوں اور
مصرف زکوٰۃ ہوں، ان کی ادویات وغیرہ خرید کر زکوٰۃ کے مال سے دی جاسکتی ہیں۔

الحاصل اگر کسی جماعت کے مال زکوٰۃ کو اس کے صحیح مصرف تک پہنچانے کا انتظام ہو، اور
کارکنان پر اعتماد ہو کہ وہ اس میں سُستی نہیں کریں گے تو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے مگر اس کا اہتمام کم ہوتا
ہے « اتوا الزکوٰۃ » کا مطلب صرف جیب سے پیسہ نکال دینا نہیں ہے بلکہ صحیح
مصرف تک پہنچا دینا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

اسحق محمد النور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

اجواب صحیح

خیر المدارس سلتان ۱۵/۵/۱۳۹۷ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں
۱، قریشی - ۲، ہاشمی خاندان کو زکوٰۃ دینا جائز
ہے یا نہیں؟ ۲ - اگر لاعلمی سے زکوٰۃ دے

دی گئی ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟

۱- باستثناء بنو لہب، بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے

الجواب

ولا الى بنی ہاشم الا من ابطل النض قرابته و

هو بنو لہب فتحل لمن اسلم منهم كما تحل لبني المطلب

ثم ظاهر المذهب المنع ۱ھ-

شامی میں ہے۔

عبد المطلب اعقب اثني عشر تصروف الزكاة الى اولاد

كل اذا كانوا مسلمين فقراء الا اولاد عباس و حارث و اولاد

ابی طالب من علی و جعفر و عقیل قہستانی ۱ھ (ج ۲ ص ۹)۔

۲ : زکوٰۃ ادا ہو گئی مگر علم ہونے کے بعد نہ دے۔

عملا علی روایۃ ابی عصمۃ تسہیلا علی المزکی ۱ھ (امداد المفتیین ص ۳۱۱)

باستثناء مذکورین قریش کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ

۲۸ / ۳ / ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کے پیسے امام مسجد کو دینے کا حکم

ائمہ مساجد کو زکوٰۃ و عشر و صدقۃ الفطر اور حرم

قربانی وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔ عام ماحول عرف

اور خود تجربہ کے پیش نظر چمن و امور پیش خدمت ہیں تاکہ ان کو محفوظ رکھتے ہوئے تسلی بخش جواب سے مستفید فرمائیں۔

۱- اول یہ کہ روز اڈل تقرر امام کے وقت ایجاب و قبول صریحی بھی حقیقی اجرت کا نام اجرت

نہیں ذکر کیا جاتا۔

۲- اگر یہ لوگ زکوٰۃ نہ دیں یا ان میں بعض نہ دیں تو اگرچہ امام کا گزارہ ہوتا ہے مگر امام ان سے

مطالبہ کرتا ہے اور ناراض ہوتا ہے بلکہ جواب دے کر امامت چھوڑ دیتا ہے۔

۳- امام اگر اپنے فرائض میں کمی کرے یا نہ کرے جو بہت سارے فرائض ہیں، تو لوگ بھی زکوٰۃ وغیرہ

کچھ نہیں دیتے، بلکہ جواب دے دیتے ہیں

۴ :- بستی کے لوگ اگر کسی اور فقیر یا کسی عالم وغیرہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں تو پوچھا کرتے ہیں یا اگر امام کو پتہ

چلتا ہے تو ناواض ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عوام و خواص کی نظر میں امام فقیر نہیں اس لئے مصرف زکوٰۃ نہیں مگر لوگ اجرت کے طور پر تنخواہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اس صورت میں امام اجرت کے طور پر

زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب اور تفصیلی حکم سے مستفید فرمائیں۔

عبد الحفیظ : شریک دورہ حدیث، مدرسہ بکر العلوم

نزد سر یاب کسٹم سٹونگ روڈ، کوئٹہ، بلوچستان

✽

الجواب

زکوٰۃ کی رقم بطور اجرت امام صاحب کو نہیں دے سکتے۔ اس صورت میں

زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیوں کہ زکوٰۃ کی تعریف یہ ہے۔

تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاہ بشرط

قطع المنفعة عن المملک من كل وجه لله تعالى : (عالمگیری ج ۱ ص ۸۶)

مال زکوٰۃ بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ دینے والے کی کوئی منفعت اس مال سے متعلق نہ ہو مستاجر

ملازم سے اس مال کے عوض منفعت حاصل کر چکا ہے۔ ہندیہ میں ہے۔

”لو نوى الزكوة بما يدفع المعلم الى الخليفة ولم يستأجره ان كان

الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان ايضا اجزأه والا فلا۔ (رح ۱ ص ۹)

اس جزئیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ استیجار کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ نیز حرم قربانی

کی قیمت کا حکم زکوٰۃ کی مثل ہے۔ اس قیمت کو ذابح یا قصائی کو بطور اجرت نہیں دے سکتے۔

ہندیہ میں ہے۔ ولا ان يعطى اجر الجزار والذابح منها۔ (ج ۲ ص ۸۷)۔

الحاصل اگر لوگ امام مسجد کو زکوٰۃ کی رقم بطور تنخواہ کے دیتے ہوں تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی

ایسے لوگ دوبارہ اپنی زکوٰۃ ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ ۱/۳/۲۰۰۸ھ

اجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ



اندازہ میں غلطی کی وجہ سے مقدار واجب سے زیادہ زکوٰۃ

دے دی تو زائد کو آئندہ سال کے حساب میں شمار کر سکتے ہیں

اگر کوئی شخص اندازے سے زکوٰۃ کاٹے اور بعد میں حساب کرنے پر معلوم ہو کہ سات آٹھ روپے زائد نکال دیئے۔ تو کیا اس زائد مقدار کو اگلے سال کی زکوٰۃ میں شمار کیا جاسکتا ہے ؟

زکوٰۃ سے زائد رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں شمار کر سکتے ہیں۔ شامی میں بحوالہ ولو الجبہ

منقول ہے۔ ولو كان عنده اربعة مائة درهم فادى زکوٰۃ خمس مائة ظاناً انها كذلك كان له ان يحسب الزيادة للسنة الثانية لانه امكن ان يجعل الزيادة تعجيلاً - (ج ۲ ص ۷۷)۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مقروض معترف ہو تو زکوٰۃ واجب ہے ایک شخص نے قرضہ لیا اس کا اقرار کرتا رہا۔

۲۱ خراج چودہ سال گزر گئے۔ مالک پر کتنے سالوں

کی زکوٰۃ لازم ہے ؟

الجواب اگر یہ رقم بقدر نصاب ہے تو گزشتہ چودہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔

دفع مقربہ تجب مطلقاً سواء كان ملياً او معسراً۔

(ہندیہ ج ۱ ص ۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۲۲ / ۴ / ۱۳۹۵ھ

ٹپوں میں زکوٰۃ کے وجوہ تبت ایک شہ کا جواب آپ نے فرمایا ہے کہ نوٹ مال نہیں بلکہ ایک قسم کا چیک اور حوالہ ہے جب

نوٹ مال نہیں تو پھر نوٹوں پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں ؟

ہاں آپ نے لکھا ہے کہ کاغذ کے بدلے حکومت نقد روپیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہے۔ تو پھر یہاں سے معلوم ہوا کہ اصل مال کا جب وہ مالک بنے گا تو پھر اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، وگرنہ ہرگز نہیں۔ کیوں کہ اس کے پاس تو ایک قسم کا چیک ہے اصل مال نہیں۔ جب اصل مال نہیں تو زکوٰۃ بھی لازم نہیں۔ ؟

تیسری بات یہ ہے کہ جیسے آپ نے لکھا ہے کہ ”اگر خدا نخواستہ وہ نوٹ فقیر کے ہاتھ سے گم کر گم ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی“

معارض نے اس پر یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ ایک شخص غلہ خرید کرتا ہے۔ وہ نوٹوں کی ایک رقم ادا کرتا ہے مگر گیرندہ جب وصول کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس سے وہ گم ہو جاتے ہیں تو جو شخص رقم ادا کر رہا ہے وہ ابھی قرض دار ہوا۔ کیوں کہ اصل چیز ادا نہیں کی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ دہندہ غلہ یا کپڑا وغیرہ بھی ادا کر سکتا ہے یا نہیں ؟

پہلے آپ یہ بتائیں کہ اگر کسی کا کسی پر قرض ہو تو جو قرض میں مال دیا ہوا ہے اس کی مالک پر زکوٰۃ ہے یا نہیں ؟ جب اس میں زکوٰۃ ہے تو نوٹ کا معاملہ تو قرض سے بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ قرض پر قبضہ کرنے کے لئے بہت سے مقدمات طے کرنے پڑتے ہیں۔ بلکہ قرض پر قبضہ اختیاری بھی نہیں، وہ دوسرے کے اختیار میں ہوتا ہے۔ بخلاف نوٹ کے کہ جب چاہے جس وقت چاہے بینک سے بازار سے، جہاں سے چاہے نوٹ دے کر مال پر قبضہ کر سکتا ہے۔

باقی آپ کا جو غلے والا شبہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مشتری بائع کو اصل مال نہیں دیتا بلکہ ایک چیک دیتا ہے اور حکومت کا حوالہ دیتا ہے کہ میرے حکومت کے ذمہ اتنے روپے ہیں تم وصول کر لینا۔ اور حکومت نے پہلے ہی سے حوالہ قبول کیا ہوا ہے۔ کیونکہ نوٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اتنے روپے عند المطالبہ سرکاری خزانہ سے دے دیئے جائیں گے۔ اور جب بائع وہ نوٹ لے لیتا ہے تو یہ بھی گویا اس کو قبول کر لیتا ہے۔ تو جب حوالہ تام ہو جائے پھر محال کو محیل پر رجوع کا حق نہیں ہوتا۔

ہاں اس وقت رجوع کا حق ہوتا ہے جب محال علیہ سستی کرے۔ اور یہاں تو محال علیہ یعنی

حکومت کی طرف سے کوئی سستی نہیں اور بعد حوالہ کے تام ہونے کے میں دین سے بری ہو جاتا ہے

اذا تمت الحوالة برئ المحيل من الدين بالقبول. (ہدایہ ج ۳ ص ۱۱۱)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ بائع اگر نوٹ گم کر دے تو اس کو دوبارہ مشتری پر رجوع کا حق نہیں۔ اور نہ ہی مشتری اس کا مقروض متصور ہوگا۔ اور زکوٰۃ میں غلہ و کپڑا وغیرہ ادا کرنا جائز ہے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ اصغر علی عفرلہ
۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

تنخواہ وصول ہونے سے پہلے نصاب میں شمار نہیں ہوگی

ایک شخص کچھ رقم کا مقروض ہے۔ اس سے کم اس کے پاس نقد موجود ہے۔ لیکن مستاجر پر اس کی تنخواہ واجب ہے۔ کیا اس تنخواہ کو جو ہیمنہ ختم ہونے سے اس کا حق ہو چکی ہے مستاجر پر قرض شمار کر کے صاحب نصاب ہونے یا نہ ہونے میں یا مقدار زکوٰۃ کا حساب لگانے میں اس کو شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

اور کیا جتنے دن ہیمنے کے گزر گئے ہوں اتنے دن کی تنخواہ کا بھی حساب لگانا چاہیے؟

آفتاب احمد حال دار ذمیر المدارس ملتان

تنخواہ بدل منافع ہے اور عہدہ للتجارت کی اجرت کو دین ضعیف یا متوسط سے قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ایک روایت دین قوی کی بھی ہے۔ (کما فی

الشامیۃ ج ۲ ص ۵۰۵)۔

لیکن منافع حرکہ مال قرار دینا دشوار ہے لہذا منافع حرکہ معاوضہ دین ضعیف میں داخل ہوگا۔ اور دین ضعیف کا حکم بعد قبضہ جب کہ دوسرا مال بھی موجود ہو وہی ہے جو مال استفادہ فی اثناء۔ احوال کا ہے۔ کما فی الشامیۃ ج ۲ ص ۵۰۵۔

وهذا كله اذا لم يكن له مال غير الدين فان كان له غير

ما قبض فهو كالفائدة فيضم اليه

پس صورتِ ستولہ میں اختتامِ سال پر تنخواہ کو وصول شدہ تصور کرتے ہوئے نصاب کی تکمیل کا اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ تا وقتیکہ وصول نہ ہو جائے۔ البتہ بعد الوصول دوسرے مال کو ملا کر فوراً نصاب شمار ہوگا۔ جب کہ دوسرا مال موجود ہو۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳۸۲/۹/۱۲ھ

پاکستانی دو سو روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں
 علمائے حیرال نے سونا چاندی نہ ہونے کی صورت میں دو صد پاکستانی روپے پر زکوٰۃ واجب کر رکھی ہے۔ برسوں سے اس پر عمل جاری ہے۔ جب ان سے سند مانگی گئی تو انہوں نے بیج ذیل عبارت بطور سند پیش کی۔

وقال الوا لو الجی ان الزکوٰۃ تجب فی الغطارفة اذا كانت
 مأتین لانها اليوم من دراهم الناس وان لو تكن من
 دراهم الناس فی الزمن الاول وانما يعتبر فی كل زمان
 عادة اهل ذلك الزمان اه (بحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۷)۔

نوٹ! غطارفہ اس سکہ کو کہتے ہیں جس میں چاندی نہ ہو۔

الجواب
 دو صد پاکستانی روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بلکہ جب اتنی مقدار کو پہنچ جائے جن سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیوں کہ ان میں چاندی معدوم ہے تو یہ مثل فلوس ہوتے۔ اور فلوس جب سکہ رائج ہو تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ جب ان کی قیمت ادنیٰ نصاب کو پہنچے گی تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ شامی میں ہے۔

فی الشرنبلالیۃ الفلوس ان كانت اثمانا رائجة او سلعا

للتجارة تجب الزکوٰۃ فی قيمتها والافلا - (ص ۳۲ مصری)۔

اور یہ حکم یعنی معمولی تفاوت کے ساتھ دراہم مغشوشہ کا ہے جن پر کھوٹ غالب ہو۔ جیسے تو سجر میں ہے۔

ان غلب الغش فليس كالفضة كالستوقة فينظر ان كانت
رائجة او نوى التجارة اعتبرت قيمتها فان بلغت نصابا وجبت
فيها الزكوة والا فلا - ۱ھ (ج ۲ - ص ۲۲۵) -

الحاصل پاکستانی روپیہ معدوم الفضة ہو یا مغلوب الفضة ہو، دونوں صورتوں میں اس کا
حکم معلوم ہو گیا اور دلوا بجی کا جو قول بحر الہ بحر سوال میں مذکور ہے۔ اولاً تو وہ مقید ہے
اس قید کے ساتھ کہ ان کی مالیت عہد نبوی کے دو صد اصغر الہ راہم سے کم نہ ہو۔ فتح القدر میں اس
قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے -

الا انی اقول ینبغی ان یقید بما اذا كانت لہم دراهم لا تنقص
عن اقل ما کان وزنا فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی ما
تکون العشرة وزن خمسة لانها اقل ما قدر النصاب بمائتین
حتى لا تجب فی المائتین من الدراہم المسعودیة الحائنة
بمكة وان كانت دراهم قوم - (بحر، ج ۲ ص ۲۲۵) -

ثانیاً یہ کہ قول دلوا بجی مرجوح ہے - بحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۵ - پر ہے -

فاما الغطارفة فقيل يجب فی كل مائتین منها خمسة منها اعدا
لانها من اعز الاثمان والنقود عندہم قال السلف ینظر
ان كانت رائجة او سلعا للتجارة تجب الزکوة فی قيمتها
كالفلوس وان لم تكن للتجارة فلا زکوة فیها لان ما
فیها من الفضة مستهلك لغلبة النحاس علیها فكانت
كالستوقة و فی البدائع قول السلف اصح - ۱ھ

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غطارفہ میں بھی چاندی ہوتی ہے۔ گو مغلوب ہو۔ تو
یہ لکھنا درست نہیں کہ غطارفہ اس سکہ کو کہتے ہیں جس میں چاندی نہ ہو۔

فقط والشر اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان، ۲۲، ۸، ۱۳۹۸ھ



دینی اداروں کے مخلص و جان نثار کارکن جب ضعیف و پیری کے سبب
 خدمات سرانجام دینے کے قابل نہ رہیں تو ادارہ زکوٰۃ سے
 ان کی مِسْتَقِلَّ اِمْدَادَ كَرَّ سَكْتَا ہے



علمائے کرام نے مغلیہ دور کے بعد انگریزی دور میں تقسیم ملک کے بعد پاک و ہند میں ہر قسم کی
 مصائب و مشکلات کے باوجود تبلیغی اور تدریسی سلسلہ جاری رکھا اور دین کے بقا کے لئے جانی
 و مالی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اول تو معاوضہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر معاوضہ مل بھی گیا
 تو بہت قلیل مقدار میں لیکن تبلیغ اسلام اور دینی تعلیم اور تربیت میں خلل پیدا نہ ہونے دیا اور
 یہ دینی خدمات محض حسبہ اللہ انجام دیں۔ معاوضہ کے بارے میں نہ کبھی اضافہ کا اظہار کیا، اور نہ
 کمی کا گلہ کیا۔

بہر حال زندگی بھر رضائے الہی کے لئے کام کرتے رہے۔ ایسے مخلص اور ایثار پیشہ لوگ سلف
 میں تو بہت پائے جاتے ہیں لیکن اس دورِ فحط الرجال میں تو ایسے بزرگوں کا وجود شاذ و نادر ہے۔
 تاہم کچھ بزرگ آج بھی موجود ہیں جو دینی درس گاہوں اور تبلیغی اداروں میں دینی خدمات انجام دے
 رہے ہیں اور قلیل مشاہرے کی وجہ سے پس انداز نہیں کر سکتے۔ اور حسب دینی خدمات کے قابلے
 نہیں رہتے اور ضعیف و پیری وغیرہ کے سبب کوئی کام بھی نہیں کر سکتے جو اس وقت قوت
 لایموت کا ذریعہ بن سکے۔ تو کیا ایسے حالات میں ان علمائے کرام کو جنہوں نے اپنی تمام زندگی دین سے
 درس گاہوں یا تبلیغی اداروں میں کام کیا ہو، اور کام کی نوعیت بھی اکابر کی طرح خلوص و ایثار
 پر مبنی ہو، اور کام بھی جانفشانی کے ساتھ ہو، اور کوئی اولاد یا قریبی رشتہ دار بھی نہ ہو۔ اور
 کوئی پس انداز رقم یا جائیداد بھی نہ ہو، جو ان کی ضروریات زندگی کی کفیل ہو سکے۔ اور ان کی حالت
 بھی دورانِ کام یہ رہی ہو کہ جو مل گیا اسے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھا۔

آیا ایسے کارکنوں کو ادارہ جس میں انہوں نے زندگی بھر کام کیا ہے۔ از روئے شریعت کسی قسم کی

مالی امداد دے سکتا ہے؟ اس کی مقدار کیا ہو اور طریق ادائیگی کیا ہو؟

مستفتی : (حضرت مولانا) محمد علی جالندھری (رحمۃ اللہ تعالیٰ)
ناظم مرکزہ یہ مجلس تحفظِ ختمِ نبوت : تعلق روڈ ، ملتان

الجواب

۱ :- صورتِ ستولہ میں ادارہ ایسے مخلص کارکنوں کی کئی صورتوں سے امداد کر سکتا ہے۔
تخفیفِ کار اور تقلیلِ مشاہرہ - یعنی سابقہ کام کی نوعیت تبدیل کر کے شخصِ مذکور کو ایسا کام دیا جائے جو آسانی کر سکتا ہو۔ اور مناسب قلیل مشاہرہ طے کر لیا جائے جو بقدر کفایت ہو۔

۲ :- اگر یہ مبلغ اس قابل بھی نہ ہو، تو بشرط فقر زکوٰۃ سے اس کی اعانت کی جاسکتی ہے۔ جب کہ تمیک کر کے تعمیرات و مشاہرات پر رقم صرف ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے اولیٰ یہ ہے کہ بدون حلیہ زکوٰۃ اپنے مصرف میں صرف ہو جائے۔

۳ :- ایسے مخلص کارکنان کی کفالت و سرپرستی کی مناسب صورت اور قابل تحمل شرح تجویز کر کے اپنے ضوابط و آئین میں اس امر کا اضافہ کر لیں۔ چندہ دہندگان اور عوام الناس میں جب مشہور و معلوم ہو جائے گا تو اس مد پر خرچ بھی جائز ہو جائے گا۔ جیسے کہ دوسری مدت میں خرچ کیا جاتا ہے

نقطہ واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ ۲۵/۱۱/۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۶/۱۱/۱۳۹۰ھ

صرف بے آباد زمین ملکیت میں ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے
سائل مشتاق احمد مانگوں سے معذرت ہے کسی قسم کی نقدی اور مال میرے پاس نہیں ہے تھوڑی سی بے آباد زمین

ہے جس سے کسی قسم کی آمدنی نہیں ہوتی کیا بندہ زکوٰۃ لے سکتا ہے ؟

سائل کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ سئل محمد عن لہ ارض بزرعھا او حانوت یتغلھا او دار غلھا ثلاثہ الاف ولا تکفی لنفقتہ ونفقۃ عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکوٰۃ (شامی ج ۲ ص ۴۱)

الجواب

نقطہ واللہ اعلم - محمد انور عفا اللہ عنہ - الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مزدوری سے جمع شدہ غلہ کو تجارتی غلہ میں شامل نہیں کیا جائے گا

ایک شخص کے پاس ماہ جنوری ۱۹۶۳ء میں نصابِ زکوٰۃ کی نقدی جمع ہو گئی۔ مالک نے اس نقدی کا غلہ گندم برائے تجارت لے کر رکھ دیا۔ پھر قبل از حولانِ سہول اپنی مزدوری کا جمع شدہ غلہ بیس من ہو گیا۔ اب ماہ جنوری ۱۹۶۴ء میں زکوٰۃ دینی ہے کیا استفادہ غلہ سے بھی زکوٰۃ دینی پڑے گی؟

الجواب مستفاد مذکورہ (مزدوری کے غلہ) میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگرچہ اسے فردخت کرنے کی بھی نیت ہو۔

« وفي اول الاشياء ولو قارنت النية ماليس بدل مال بعمال لا تصح

على الصحيح - (درمختار - ج ۲ - ص ۱۸۴ شامی) - پہلے غلہ میں زکوٰۃ واجب ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۲۸۴/۴/۲۵ھ

نوٹ ! ذیل کا جواب اس صورت میں ہے۔ جب کہ مزدوری میں بعینہ غلہ حاصل کیا گیا ہو اور اگر مزدوری یا تنخواہ کی رقم سے بغرض تجارت غلہ استفادہ خرید گیا تو اس صورت میں غلہ استفادہ پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خوب سمجھ لیا جائے۔ فقط

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رہائش کیلئے خریدے ہوئے پلاٹوں کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس اپنے رہائشی مکان کے علاوہ دیگر پلاٹ وغیرہ بھی ہیں۔ جنہیں خریدتے وقت اس کی نیت یہ تھی کہ وہ یہ پلاٹ اپنے بھائیوں یا بچوں میں تقسیم کرے گا۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس کو ان پلاٹوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی پڑے گی یا نہیں؟ بیوا تو صبروا۔

مستولہ پلاٹوں کی مالیت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ البتہ اگر اس کی کچھ آمدنی ہو۔

مثلاً کرایہ وغیرہ آتا ہے۔ تو آمدنی میں صاحب نصاب پر سال پورا ہونے پر

زکوٰۃ واجب ہوگی۔ درمختار میں ہے۔ « ولا فی ثياب البدن واثاث المنزل ودور

السكنى ونحوها -

اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں -

قوله ونحوها اى كشياب البدن الغير المحتاج اليها وكالحوانيت

والعقارات اه (شامية ج ۲ ص ۲) - وكذا فى فتاوى دارالعلوم - ج ۶ - ص ۱۴۲ -

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح
احقر محمد الوری عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

نصاب سے کم سونے کو چاندی کیساتھ کیسے ملایا جائے

ایک شخص نصاب چاندی
۵۲½ تولہ کا مالک ہے

اور پانچ تولہ سونا علاوہ چاندی کے ہے۔ کیا اس سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا؟ اور زکوٰۃ

ہوگی یا اتنی مقدار سونے پر زکوٰۃ نہیں ہے؟ احمدیاء، دین پورہ متصل بہاولنگر

اس سونے کو چاندی سے قیمت کے لحاظ سے ملا کر زکوٰۃ دی جائے گی۔ یعنی سونے

کی قیمت لگا کر اس چاندی میں ملا لیا جائے گا۔

الجواب

وقیمة العروض للتجارة تضو الى الثمنین لان الكل للتجارة

وضعا وجعلا ویضم الذهب الى الفضة وعكسه بجامع الثمنیة

قیمة - (درمختار علی الشامیة - ج ۲ - ص ۴۵) - فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

کون کون سی اشیاء حواجج صلیہ میں شمار ہوں گی

۱۔ ضروریات زندگی سے زائد سامان جو بقدر نصاب ہو، اس پر صدقہ فطر و قربانی کے وجوب کے فقہاء کرام قائل ہیں اس کی تفسیر کیا ہے۔

۲۔ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کی شرط پر غالباً اجماع ہے۔ لیکن مولانا عثمانی رحمہ اللہ "دنی الرقاب"

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یا خرید کر آزاد کئے جائیں یا فدیہ دیا جائے۔ یہ بظاہر اجماع اور کم از کم فقہ حنفی کے خلاف ہے۔ اس کی توجیہ سے مطلع فرمائیں۔

۱۔ ضروری سامان بظاہر وہی ہے جو عام طور پر زیر استعمال رہتا ہے اور اس کے نہ ہونے سے تکلیف ہوتی ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے۔

الجواب

وہی مسکنہ واثاثہ وشیابہ وفسسہ وصلاحہ وعبیدہ للخدمة
وفی الشامیة لا بأس ان یعطى من الزکوة من له مسکن وما یتأثت
به فی منزله وخدام وفسس ۱۵ - (ج ۲ - ص ۸۸)۔
ابن ملک نے حاجت اصلیہ کی تفسیر یہ کی ہے۔

عماید فک الملک عن الانسان تحقیقا کالنفقة و دور السکنی
والات الحرب والشیاب المحتاج الیها لدفع الحر والبرد او تقديرا
کالدين - ۱۵

بہشتی زیور میں ضروری سامان کی تشریح میں لکھا ہے۔

” اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے“ (ج ۳ ص ۳۶) نیز ج ۳ ص ۳۳ پر ہے ” رہنے کا
گھر پہننے کے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر اور گھر کی گڑھستی جو اکثر کام میں رہتی ہے یہ سب ضروری
سامان میں داخل ہیں“ ۱۵

تشریحات بالا سے ظاہر ہے کہ ضروری سامان کی تعریف میں زیر استعمال ہونا اور اس کے نہ ہونے
سے تکلیف ہونا، داخل ہے۔ اس ضرورت و استعمال سے مراد اضطرار نہیں، بلکہ نفس حاجت
ہے۔ اور مباح الاستعمال ہونا بھی لازم ہے۔ ہاں اس میں تقدیر نہیں کفایت کا اعتبار ہے
قال فی المراقی والمعتبر فیہ الکفایة لا التقدير۔ ۱۵

جو اشخاص و حالات کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک کیلئے سائیکل کافی ہے
دوسرے کے لئے موٹر کار ضروری ہے۔ لیکن وجوب اُصْحَبِیَّة کا مدار قدرتِ ممکنہ پر ہے۔ اس لئے
اس میں زیادہ توسیع منشاءتے شارع اور تصریحات فقہاء کے خلاف ہوگی۔ عبارات فقہاء رحمہم اللہ
کا لحاظ ضروری ہے۔ کپڑوں کے تین جوڑے ضروری ہیں۔ زائد کو غیر ضروری قرار دیا ہے۔ کسان کے
لئے ایک جوڑا بیسوں کا ضروری ہے۔ زائد غیر ضروری ہے۔ اسی طرح اس کے لئے بھینس کو

غیر ضروری زائد قرار دیا ہے۔

رئیس قریہ کے لئے ایک گھوڑا حاجت ہے۔ زائد نہیں۔

یہ جزئیات عالمگیری میں موجود ہیں۔ عبارات بالا اور ان جزئیات میں کہیں اس امر کا نشانہ نہیں کہ جس سامان کا فقدان باعث عار ہو۔ وہ بھی سوانح اہلیہ میں داخل ہے۔ اس لئے موجودہ معاشرہ میں دلہن کے تمام جہیز مروج کو سامان ضرورت قرار دینا مشکل ہے۔ ہاں جہیز میں اس جیسی دلہن کیلئے جو چیزیں زیر استعمال رہیں گی وہ ضروری ہیں۔ اور اس سے زائد کا حساب کیا جائے گا۔ جو بجز ضرورت و نمائش اور تفاخر دمی جاتی ہیں۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔

وسئلت عن المرأة هل تصير غنية بالجهاز الذي تزف به الى بيت زوجها والذي يظهر مما مورا ما كان من اثاث المنزل و ثياب البدن و اواني الاستعمال مما لا بد لا مثالها فهو من الحاجة الاصلية و ما زاد على ذلك من الحلي و الاواني و الامتعة اللتي يقصد بها الزينة اذا بلغ نصابا تصير به غنية - اه (ص ۸۹)

۲۔ " دنی الرقاب " کی تفسیر میں دو قول ہیں۔

۱۔ اس سے مراد مکاتب ہیں۔ زکوٰۃ مکاتب کو دی جائے تاکہ وہ بدل کتابت ادا کر سکیں۔ اس میں تملیک مستحق ہو جاتی ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔ اور بعض احادیث سے اس کی تائید مہنتی ہے۔

۲۔ عام مراد ہے۔ مکاتب ہو یا دوسرا غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے

گی۔ امام مالکؒ و احمدؒ و اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں۔

و اما الرقاب فروری عن الحسن البصری و مقاتل ابن حبان و عمر بن

عبد العزیز و سعید بن جبیر و النخعی و الزہری و ابن زید انھم

المکاتبون و روی عن ابی موسیٰ الاشعری نحوه و هو قول الشافعی

و اللیث رضی اللہ عنہما و قال ابن عباس و الحسن لا بأس ان تعتق

الرقبة من الزکوٰۃ و هو مذهب اسحق و مالک و احمد ای ان

الرقاب اعم من ان يعطى المكاتب او يشتري رقبة فيعتقها

استقلالاً (ابن كثير، ج ۱، ص ۱۲، ص ۳۶۵)۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانی رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ ابن کثیر سے لیا ہے اور اسی کے مطابق تحریر فرمایا ہے۔ راجع و مرجوح کی بحث سے الگ ہو کر حضرت عام تفسیر فرما رہے ہیں۔ باقی یہ درست ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اعتاق کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ولا الى ثمن ما اى قن يعتق لعدم التملك اى يعتقه الذى اشتراه

بزكوة ماله - اه (درمختار و شامی، ج ۲، ص ۱۶۶)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۵ / ۲۲ / ۱۳۹۵ھ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

سال کے شروع و آخر میں صاحبِ نصاب ہو تو زکوٰۃ فرض ہے اگر درمیان میں مال بالکل ختم نہ ہو اور

ایک شخص کو ہر مہینہ کے شروع میں زکوٰۃ کے نصاب سے زائد رقم ملتی ہے لیکن اخیر مہینہ میں نصاب سے کم رہ جاتی ہے بالکل ختم نہیں ہوتی۔ اسی طرح سال گزر جاتا ہے۔ اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جب یہ شخص شروع مہینہ میں صاحبِ نصاب ہو گیا تو اس وقت سے اس کو حساب لگانا چاہئے۔ اگر اس کے پاس آخر سال تک ایسے ہی رقم آتی جاتی

الجواب

رہی لیکن بالکل ختم نہیں ہوتی تو آخر سال میں نصاب کے برابر رقم موجود ہوتی تو زکوٰۃ واجب ہو گی۔ درمیان میں نصاب کی کمی و بیشی سے فرق نہیں پڑے گا بشرطیکہ کسی وقت مال بالکل ختم نہ ہو

ہو۔ لکن هذا الشرط يعتبر في اول الحول و اخره لاني خلا له اه

بدائع (ج ۲، ص ۱۵۱)۔ وفيه ولا يعتبر في هذا النصاب صفة زائدة على

كونه فضة الى قوله اذا بلغت مائتي درهم وسواء كان يمسكها

للتجارة او للمنفعة او للتجمل اولو ينو شيئا اه بدائع ص ۱۵۱

فقط واللہ اعلم

سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ دیتے وقت سونے چاندی کی موجود

قیمت کا اعتماد ہوگا یا یوم وجوب کی قیمت کا؟

ایک شخص کے ذمہ قربانی و زکوٰۃ واجب ہوتی مگر کئی سال گزرنے کے بعد ادا کرنے کا ارادہ کیا اب وہ قربانی کی قیمت اور زکوٰۃ ولے سونے کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے تو قیمت یوم الوجوب کی معتبر ہوگی یا یوم الاداء کی؟ نیز اگر سونا ہی زکوٰۃ میں دیوے تو مثلاً چالیس تولہ سونا میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ ایک تولہ ہوگی۔ دوسرے سال اثنالیس تولہ کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔ یا چالیس تولوں کا چالیسواں حصہ؟ صورت یہی ہے کہ کئی سالوں کی زکوٰۃ اکٹھی ادا کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح قربانی میں مثلاً دس سال کی قربانی اس کے ذمہ ہے۔ تو ایک مکمل گائے کی قیمت اور دوسری گائے کی قیمت کا تین سبب (۳) کافی ہوگا یا نہیں؟

محمد سرور: مدرس جامعہ شرفیہ، نیلا گنبد لاہور
صاحبین کے نزدیک یوم الاداء کی قیمت لگائی جائے اور امام اعظم کے نزدیک یوم الوجوب کی۔ صاحبین کا قول انفع للفقراء ہے اور امام اعظم کا قول انفع لصاحب المال ہے۔ کیوں کہ آج کل قیمت بڑھی ہوتی ہے۔ اور یوم الوجوب زمانہ ماضی میں قیمت کم تھی۔ مستفتی احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو احوط قول صاحبین کا ہوگا۔ اثنالیس تولہ میں چالیس تولہ کی زکوٰۃ میں ایک تولہ نکال کر دوسرے سال اثنالیس تولہ کی۔ وعلیٰ ہذا الیٰ آخرہ نکالنی ہوگی۔

دلیل المسئلة الاولى وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الاداء
وفي السوائع يوم الاداء اجماعا وهو الاصح - (درمختار ج ۲ ص ۳) -
ودلیل المسئلة الثانية المفهوم من عبارة البحرودین الزکوٰۃ

مانع حال بقاء النصاب لانه ينتقص به النصاب - (ج ۲ - ص ۲۴) -

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ : ۱۱/۲/۱۳۶۶ھ

حوائج اصلیه خریدنے کے لئے جمع کردہ روپے میں زکوٰۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس رہائشی مکان نہیں، سواری کے لئے سائیکل نہیں ہے، جہاد کے لئے اسلحہ نہیں ہے، کاریگری ہے مگر کاریگری کے آلات نہیں ہیں، اس نے کچھ پیسہ جمع کیا تاکہ یہ حوائج اصلیه خرید سکے۔ ان پیسوں پر اگر یہ نصاب سے زائد ہوں تو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

مذکورہ بالا صورت میں جب کہ یہ پیسے حوائج اصلیه کے لئے تیار کئے گئے ہوں

الجواب سال گزرنے کے بعد ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ "طحاوی علی

مراقی الفلاح" فقہ حنفی کی مشہور کتاب کے صفحہ ۴۳۰ - میں ہے۔

فارغ عن الدين وعن حاجته الاصلية كثيابه المحتاج اليها
لدفع الحر والبرد و كالتفقه و دور السكنى و آلات الحرب
والحرفة اه الى قوله فاذا كان عنده دراهم اعددها هذه
الاشياء و حال عليها الحول لا تجب فيها الزكوة =
رد المحتار جز ثمانی میں ہے۔

وفارغ عن حاجته الاصلية وفسره بذلك اع فسر المشغول
بالحاجة الاصلية و الاولى فسرهما وذاك حيث قال وهى ما يدفع
الهلاك عن الانسان تحقيقا كالتفقه و دور السكنى و آلات
الحرب و الثياب المحتاج اليها لدفع الحر والبرد او تقديرا
كالدين فان المديون محتاج الى قضاائه بما فى يده
من النصاب دفعا عن نفسه الجس الذى هو كالهلاك فاذا
كان له دراهم مستحقة ليصرفها الى تلك الحوائج صارت

كالمعدومة كما ان الماء المستحق يصرفه الى العطش
 كان كالمعدوم و جاز عنده التيمم -
 علامہ شامی رح کی عبارت کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور اس
 رقم کو معدوم سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ حوائجِ اصلیہ میں مستغرق ہے۔
 بحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۶۔ میں ہے۔

و شرط فراغه عن الحاجة الاصلية لان المال المشغول
 بما كالمعدوم وفسرها في شرح المجمع لا يبغ المالك بما
 يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا او تقديرا فالثاني
 كالدين والاول كالنفقة ودور السكنى الخ
 اس عبارت کا بھی وہی مقصد ہے جو علامہ شامی رح کی عبارت میں گزرا ہے۔ غرضیکہ فقہ حنفی
 کی مستند کتابوں سے یہی صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے
 جس کا مال حوائجِ اصلیہ ضروریہ میں مشغول ہو۔ اگرچہ اس پر سال گزر جائے۔
 البتہ ایسے شخص کے لئے جس کا مال حوائجِ اصلیہ مذکورہ بالا میں مستغرق ہو زکوٰۃ کا لینا جائز نہیں
 جیسا کہ طحاوی ص ۴۳۳۔ باب المصروف میں ہے۔

وهو الفقير من يملك مالا يبلغ نصابا او يملكه وهو مستغرق
 في حاجته الاصلية فمن تحقق فيه هذا او هذا فهو فقير
 فقط هذا ما عندي والله اعلم بالصواب -

محمد شيرين خطيب بيشياں
 راولپنڈی

ہذا بہو الحق

ابوالوفاق محمد اسحاق خطیب، ہیٹ آباد

مجوزہ استفتاء کا جواب متذکرہ بالا بالکل صاف اور صحیح مسائل شرعیہ پر مبنی ہے۔
 اور بالکل صحیح اور درست ہے۔ فاضل مجیب نے جن کتب فقہیہ کا حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح فقہ
 حنفیہ کی دیگر کتب معتبرہ مستداولہ تبیین الحقائق۔ زلعیمی فتح القدر وغیرہ میں بھی موجود ہے۔
 لہذا میرے نزدیک فاضل مجیب مذکورہ بالا فتوے دینے میں مصیب و صائب ہے۔

مولوی محمد شعیب ڈسٹرکٹ خطیب مردان و نگران ہفت روزہ قیادت مردان

اجواب صحیح والمحبیب مصیب : محمد یوسف کان اللہ لہ مفتی دارالعلوم اکوڑہ خشک پشاور

جو مال حاجتِ اصلیہ میں مستغرق ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

عبد الشکور غفرلہ مفتی جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خشک

ہذا ہوا حق وماذا بعد الحق الا الضلال۔ عبد الواحد خطیب صدر راولپنڈی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایسا روپیہ جو نصاب کو پہنچتا ہو یا نصاب سے زائد ہو اگر کسی شخص نے اس نیت سے جمع کر رکھا ہو کہ وہ اس روپیہ کو سوائجِ اصلیہ میں صرف کرے گا لیکن ابھی تک سوائجِ اصلیہ میں صرف کرنے نہیں پایا تھا کہ سولانِ سول ہو گیا تو اس روپیہ کے اندر وجوبِ زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جیسا کہ علامہ شامی ج نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ صاحبِ بحر الرائق و بدائع اور صاحب ہدایہ وغیرہ جمہور کا مسلک یہی ہے لہذا جواب محررہ بالا سے ہمیں اختلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی نعیر المدارس ملتان ۱۲/۱۲/۱۳۷۶ھ



مال مضاربت میں زکوٰۃ کے مسائل

زید نے عمرو کو کچھ رقم بطور مضاربت دی۔ اب

اس کے متعلق چند سوالات کا جواب مطلوب ہے۔

۱۔ کیا زکوٰۃ صرف رب المال پر عائد ہوگی یا مال تجارت پر قبل از تقسیم منافع عائد ہوگی۔

اور حصہ رسدی اس میں سے عمرو بھی ادا کرے گا۔؟

۲۔ اگر تجارت میں بالفرض سارا پیسہ نہ لگایا جاتے اور رب المال نے ساری رقم کارکن کے

سپرد کر دی ہو تو جو رقم تجارت میں لگی ہوتی نہیں ہے اور کارکن کے قبضہ میں ہے کیا اس کی

زکوٰۃ مشترک ہوگی یا صرف رب المال پر یا صرف کارکن پر؟

اگر مضاربت میں نفع نہیں ہوا صرف راس المال ہی ہے تو اس کی زکوٰۃ صرف

الجواب

رب المال پر واجب ہے۔ مضارب پر نہیں۔ اور اگر نفع ہو چکا ہے تو راس المال

کی زکوٰۃ صرف رب المال پر واجب ہوگی۔ اور منافع کی زکوٰۃ علی قدر الحصاص دونوں پر ہوگی۔ لیکن

رب المال کا حوالہ اس مال کے وقت سے شروع ہوگا۔ درمیان سال میں جو نفع ہوتا رہا وہ
 مآس المال کے ساتھ شامل ہوتا رہے گا۔ اور مضارب کا حوالہ اس وقت سے شروع ہوگا جبکہ
 نفع مقدار نصاب کو پہنچا۔ وہاں سے اس کا حوالہ شروع ہوگا۔ کما هو المفہوم من
 قواعد الفقہاء -

۲ : صرف رب المال پر۔ فقط واللہ اعلم
 بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
 مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۹ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

مختلف اموال بلک میں ہوں تو سب کی قیمت لگا کر مجموعہ سے ۱/۵ ادا کرے

میں جو تول کا کاروبار کرتا ہوں۔ باہر اور ملتان سے مال خرید کر پرچون میں فروخت کرتا ہوں۔
 دوکان میں اچھا اور پرانا سبھی قسم کا مال رکھتا ہوں۔ زکوٰۃ نکالنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ ؟
 استفتیٰ محمد عبدالحفیظ مالک پاک شو سٹور ملتان چھاؤنی

دوکان میں جتنا مال موجود ہے اس کی قیمت لگا کر رقم مشخص کر لی جائے اس
 میں مزید نقدی اور زیورات وغیرہ (اگر ہوں) کی قیمت، نیز جو آپ نے قرضہ جات
 لینے ہیں ان سب کو جمع کر لیا جائے۔ پھر اس مجموعی رقم سے چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکال دیے
 اگر کوئی قرضہ آپ کے ذمہ ہو تو یہ قرضہ مندرجہ بالا رقم مجموعی سے وضع کر کے پھر زکوٰۃ کا حساب

لگایا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

پراویڈنٹ فنڈ میں زکوٰۃ نہیں ہے
 بندہ ایک ریلوے ملازم ہے اور بندہ کو زکوٰۃ کے
 بارے میں مندرجہ ذیل فتویٰ درکار ہے۔

۱۔ ہر ریلوے ملازم کے مستقل ہو جانے کے بعد پراویڈنٹ فنڈ ہر ماہ تنخواہ سے لازماً کاٹ لیا
 جاتا ہے اور اس فنڈ کو ملازم اپنی ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے سے پہلے واپس نہیں لے سکتا۔ کیا
 ایسی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی ؟ البتہ ہر سال جتنی رقم کٹ جاتی ہے اس کا میسر زانیہ بتلا
 دیا جاتا ہے۔

۲ :- آج کل بیمہ کمپنیاں زندگی وغیرہ کا بیمہ کرتی ہیں اور ماہانہ یا سہ ماہی قسط وصول کرتی ہیں۔
کیا بیمہ کرانا جائز ہے ؟

۳ :- کیا بیمہ شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ پر رقم بیمہ کی مدت ختم ہونے سے قبل نہیں مل سکتی۔
۴ :- حکومت ہر ریٹیلے ملازم کو ریٹائرڈ ہونے کے بعد مذکورہ بالا پراویڈنٹ فنڈ کے علاوہ بونس (حتیٰ
ملازمت) اور دونوں کا زائد سود بھی دیتی ہے۔ کیا یہ سود لینا جائز ہے ؟ اگر لیا جائے تو کیا
مصرف ہے ؟

پراویڈنٹ فنڈ میں جمع شدہ روپیہ پر زکوٰۃ نہیں۔

الجواب

۲ :- بیمہ زندگی کرانا جائز نہیں ہے مگر وجہ سے۔ (الف) یہ سود ہے۔ (ب) یہ قمار

وجوہ ہے۔ اور یہ دونوں حرام ہیں۔

۳ :- اس رقم پر زکوٰۃ ہے۔ ۴ :- پراویڈنٹ پربونس کا ملنا اور وصول کرنا جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ

عشر ادا کرنے کے بعد غلہ بیچا تو اس کی قسم پر زکوٰۃ کا حکم

فصل کا عشر نکال دیا گیا باقی جنس فروخت کر دی گئی تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

عبدالباری خان احمد پور شرقیہ

اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ اس پر سال گزر جائے۔ یا کسی دوسری رقم پر

سال گزر جائے جو اس شخص کے پاس پہلے سے موجود ہو۔ ففی البدائع اوکان

الجواب

له طعام فادی عشره الخ ثم باعها يضم الى اصل النصاب ۱ھ (ج ۲ ص ۱۷)

فقط واللہ اعلم : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

سونہ چاندی جس شکل میں بھی ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے

کیا سونے کی کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ جس میں زکوٰۃ نہ آئے اور استعمال میں آنے والے

سونے کا کیا حکم ہے۔ آیا اس پر زکوٰۃ آتی ہے یا نہیں ؟ اور کتنی مقدار سونے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ؟

الجواب

احناف کے نزدیک استعمال کے زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کہ نصاب کو پہنچ جائیں۔ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے۔ اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے۔ لیکن یہ نصاب اس صورت میں ہے جب کہ صرف سونا یا صرف چاندی ہو۔ دونوں موجود ہونے کی صورت میں یا ان کے ساتھ کچھ نقدی ہو تو پھر مجموعہ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔

در مختار میں ہے۔ و معموله ولو تبراً او حلیاً مطلقاً مباح الاستعمال
اولاً ولو للتجمل والنقمة لانهما خلق اثماناً فیزکیهما کیف کان
(شامی ج ۱ ص ۲۰۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

اسحق محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی نیر المدارس ملتان ۱۳۰۶/۶/۵ھ



راج الوقت سکہ ۱/۲ ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے

زید کے پاس پانچ نوٹ ہزار ہزار کے موجود ہیں جن پر حولان حوال بھی ہو چکا ہے۔ زید کہتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ نہیں۔ کیوں کہ نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت ہے جب کہ اس سے ۱/۲ ۵۲ تولہ چاندی خریدی جاسکے لہذا جب اتنی مقدار کے نہیں تو زکوٰۃ بھی نہیں۔

لیکن عمر و کہتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ ہوگی۔ کیوں کہ سونا چاندی کی تعیین اس زمانے کے ساتھ خاص تھی جب کہ درہم و دنانیر تھے۔ اس زمانے میں وہ نہیں، اس لئے نوٹوں پر زکوٰۃ ہوگی۔ ارشاد فرمائیں کہ کس کی بات صحیح ہے۔

الجواب

راج الوقت سکہ جب ادنی مقدار نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور خود زید کے کہنے کے مطابق بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے۔ کیونکہ پانچ ہزار روپیہ ۱/۲ ۵۲ تولہ چاندی کی مالیت سے کہیں زیادہ ہے۔ اور نوٹوں کا اپنا کوئی نصاب نہیں۔ بلکہ ان کی مالیت کا اعتبار ہے۔ چاندی، سونے کی مالیت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور نوٹوں کی مالیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

الفلوس بان كانت اثماناً لوجه او سلعا للتجارة تجب الزكوة
في قيمتها والا فلا۔ (شامی ج ۲ ص ۲۰۲) فقط واللہ اعلم۔

ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ نہیں
ایک دوکاندار نے برائے تجارت شامیانے قنائیس
دستہ خوان، کرسیاں، میز اور دیکھیں ٹپ، ڈوش

پلیٹیں، ڈونکے، جگ اور گلاس، چمچے چھوٹے اور بڑے، دریاں، یعنی ٹینٹ ہاؤس کا سالم سامان
برائے شادی بیاہ، کرایہ کے لئے دوکان کھولی ہے۔ تو کیا اسکی آمدنی پر زکوٰۃ ہے یا کہ سالم سامان کی قیمت
کہ کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ کیوں کہ سامان کرایہ پر چلنے سے پرانا ہوگا۔ اور اگر سالم قیمت پر زکوٰۃ
ہے تو مالک سامان بظاہر نقصان میں ہوگا۔

ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ اس سے ملنے والی آمدنی پر زکوٰۃ کا وجوب
ہوگا۔ ہندیہ میں ہے۔ ولو اشتری قدورا من صفریسکھا

ولواجزها لا تجب فیہا الزکوٰۃ کمالا تجب فی بیوت الغلة۔ (ج ۱ ص ۹۲)۔

فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۸/۹/۲۰۰۸ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اقل نصاب و نون دو صد درہم از نقرہ است

چہ سے فرمایند علمائے کرام و مفتیانِ عظام دریں مسئلہ مہمہ۔ درہم شرعی کہ دو صد درہم ازاں
نصاب و وجوب زکوٰۃ و دہ ہزار درہم دیت قبل خطا است آیا معیار خاص وارد کہ کمی و بیشی را در اں
راہ نیست یا اینکه باعتبار ہر زمان و ہر مکان با تفاوت قیمت نقرہ متفاوت میگردد۔

در امداد الفتاویٰ، جلد دوم، ص ۶۔ کتاب الزکوٰۃ می آرد کہ دو صد درہم ۵۲ تولہ نقرہ میشود
پس اگر قیمت آن با عتبار ہر زمان و مکان است۔ پس فی الحال دریں ولایت مایک تولہ نقرہ با ۳۰
روپیہ نوٹ برابر است۔ پس بایں حساب ۵۲ ۱/۴ تولہ نقرہ کہ نصاب زکوٰۃ است برابر ۱۵۶ روپیہ
نوٹ سے شود و دہ ہزار درہم کہ دیت قبل خطا است ۲۶۰۰ تولہ نقرہ و آن برابر ۷۸۰۰ روپیہ

نوٹ سے شود و اگر قیمت را اعتبار نیست و توله نقره بارو پیہ برابر حساب سے شود پس دو صد درہم نصاب زکوٰۃ کہ ۵۲ توله نقرہ است ۵۲ روپیہ نوٹ سے شود و دہ ہزار درہم کہ دیت قبل خطاہ است بآن حساب مذکور ۲۶۰۰ توله نقرہ سے شود پس دیت ہم ۲۶۰۰ نوٹ سے شود۔ درالجوبہۃ النیرۃ کتاب الدیات ص ۱۹۳ می آرد۔

قال ابو یوسف و محمد و من البقر مائتا بقرة و من الغنم

الفاشاة الخ

پس اگر در بقر و غنم قیمت ہر زمان و ہر مکان اعتبار کردہ شود فعلاً قیمت یک گاؤ دریں ولایت تقریباً ۵۰۰ روپیہ است کہ مجموع قیمت دو صد گاؤ صد ہزار روپیہ سے شود و ہم چنین قیمت یک گوسفند ۵۰ روپیہ کہ مجموع قیمت دو ہزار گوسفند صد ہزار روپیہ سے شود۔ خلاصہ اینکہ در بارہ تحقیق قیمت درہم شرعی و مقدار نصاب زکوٰۃ و مقدار دیت خطاہ از نوٹ مروج وقت ہر چہ تحقیق علمائے کرام و مفتیان عظام است تحریر فرمائید کہ موضوع نیلے ہم و مشکل است چہرہ کہ درہم شرعی فعلاً موجود نیست و در تمام معاملات تقویم اشیاء مروج شدہ است۔

(مولانا) عبدالعزیز خطیب جامع مسجد زاہدان - ایران

باید دانست کہ درہم عبارت از مخصوص قطعہ نقرہ معلومۃ الوزن است و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم این دو صد قطعات نقرہ را نصاب زکوٰۃ مقرر فرمود و وزن

الجواب

این قطعہ در عهد رسالت معروف بود۔ و حضرات فقہاء این وزن را ضبط کردہ اند۔ علماء محققین تحقیق کردہ فرمودہ اند کہ بہ حساب اوزان رائج الوقت $\frac{۵۲}{۱۰}$ توله نقرہ سے باشد پس گویا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نصاب زکوٰۃ از نقرہ $\frac{۵۲}{۱۰}$ توله را تعیین فرمودہ اند۔

پس این مقدار نقرہ برائے نصاب زکوٰۃ معیارے است کہ کمی و بیشی را در آن صحیح راہ نیست

نیز معلوم گشت کہ نصاب نقرہ $\frac{۵۲}{۱۰}$ توله نقرہ است نہ کہ ۵۲ نوٹ و روپیہ نعم در نوٹ زکوٰۃ واجب است۔ یک در وجوب زکوٰۃ قیمتش اعتبار کردہ شود۔ یعنی چون در بلک کسے جمع آیند کہ از قیمتش $\frac{۵۲}{۱۰}$ توله نقرہ خرید تو ال کرد بعد حولان حول زکوٰۃ در آنها واجب شود ورنہ واجب نہ شود و ہم چنین در دیت باید فہمید کہ معتبر در آن وزن دہ ہزار درہم نقرہ است کہ مساوی ۲۶۰۰ توله باشد این مقدار از نقرہ یا قیمتش از نوٹ در دیت ادا کردن واجب

است نہ دیہ ہزار درہم روپیہ نوٹ و لیس - فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

سخیر محمد عفا اللہ عنہ

۱۸ - ۱۱ - ۸۶ - ۱۳ ھ

سفرار کو زکوٰۃ کے پیسے سے قبل از تملیک تنخواہ دینا درست نہیں

اور سفیر کو عامل پر قیاس کرنا صحیح نہیں

ایک سفیر جو ادارے کا تنخواہ دار ہے - ادارہ اس کو چندہ وغیرہ وصول کرنے کے لئے بھیجتا ہے - وہ مختلف جگہوں سے زکوٰۃ و عشر وغیرہ کے پیسے ادارہ کے لئے جمع کرتا ہے - تو کیا تملیک سے پہلے اس رقم سے تنخواہ لے سکتا ہے یا نہیں ؟ زید کہتا ہے کہ میں نے (فتاویٰ دارالعلوم ج ۱ ص ۷۹) میں پڑھا ہے کہ زکوٰۃ سے کسی سفیر کو تنخواہ دینا جائز نہیں اور وہ عاملین علیہا میں داخل نہیں - قبل از تملیک مال زکوٰۃ سے سفیر کو تنخواہ دینا درست نہیں - جیسا کہ "فتاویٰ دارالعلوم" میں تحریر ہے - اور سفرار کو عاملین پر قیاس کرنا درست نہیں ہے - کیوں کہ عاملین صدقات فقرا کے وکیل ہوتے ہیں اور سفرار اصحابِ اموال کے وکیل ہوتے ہیں - نیز بعد از حیدر تملیک اسے مال زکوٰۃ کہنا ہی درست نہیں -

لانه يتبدل الحكم بتبدل الملك - فقط واللہ اعلم -

اسحق محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

اجواب صحیح

۲۰ / ۱۱ / ۹۸ ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

از باب مدارس، مطبخ اور وظائف وغیرہ میں صدقات

واجبہ احتیاطاً بدون تملیک استعمال نہ کریں !

ایک بچے کے والدین زکوٰۃ دینے کے قابل ہیں - اور وہ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں - اور ان کا بچہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے - یعنی اپنے شہر سے کہیں دوسرے شہر میں گیا ہوا ہے - تو وہ طالب علم

مدرسہ سے کھانا اور کپڑا، وظیفہ بھی لیتا ہے۔ کیا یہ چیزیں اس کے لئے لینا جائز ہیں؟
الجواب جس طرح غنی صدقات واجبہ کا مصرف نہیں ایسے ہی غنی کی نابالغ اولاد بھی صدقات
 واجبہ کا مصرف نہیں۔ لہذا اگر یہ اشیاء ثلاثہ (کھانا، کپڑا، وظیفہ) صدقات
 واجبہ سے دی جاتی ہیں اور وہ بچہ نابالغ ہے تو یعنی درست نہیں۔ اگر وہ بچہ بالغ ہے اور صاحب نصاب
 نہیں تو لے سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اشیاء مذکورہ مدرسہ میں تیلیک کے بعد استعمال کی جائیں۔ تاکہ کبھی
 مستفید ہو سکیں۔ فقط واللہ اعلم۔

اجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲۰۱/۱/۹ھ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

تیلیک کی بہتر صورت
 ایک مدرسہ میں عطیات وغیرہ سے کام نہیں چلتا۔ تو ارادہ
 ہوا کہ صدقات واجبہ بھی لئے جائیں۔ اور ان سے تنخواہیں
 پوری کی جائیں۔ زید کہتا ہے کہ تیلیک وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلا تیلیک تنخواہ دینا جائز ہے
 بجز کہتا ہے کہ تیلیک کے ساتھ بھی جائز نہیں۔ عمر کہتا ہے کہ شرعی تیلیک تو جائز ہے ورنہ نہیں۔
 تیلیک کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی صاحب جو مستحق زکوٰۃ ہوں اس سے مدرسہ کے لئے چندہ
 لیا جاتا ہے۔ اس کے پاس نہ ہو تو وہ قرض لے کر دیتا ہے۔ پھر اس کو زکوٰۃ کے پیسے دے دیئے
 جائیں۔ یا وہی زکوٰۃ کے پیسے دیں اور وہ اپنی خوشی سے مدرسہ کو دے دے، کیا حکم ہے؟

محمد صدیق، انوار العلوم جھنگ صدر

عمر و کا قول صحیح ہے۔ اور تیلیک کی پہلی صورت اختیار کی جائے۔

« وحيلة التكفين بها التصدقات على الفقير

ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في

بناء المسجد - (در مختار) -

اور فتاویٰ دارالعلوم جدید، جلد ۶ ص ۱۰۴ میں اسی حیلہ سے زکوٰۃ وغیرہ کو تنخواہوں

میں صرف کرنا جائز لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۲۲/۱۳۹۲ھ

کیپاس میں بھی عشر واجب ہے
 قنادی عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ کیپاس میں
 عشر نہیں ہے۔ نیز یہ بھی بتائیے کہ کن فصلوں

پر عشر ہے اور کن پر نہیں ؟

۲۔ جو زمین ٹھیکے (مستاجر) پر دی گئی ہو، اس کا عشر مالک پر ہے یا اس کو کاشت کرنے والے
 پر، $\frac{1}{10}$ یا $\frac{1}{12}$ ہوگا جب کہ زمین نہری ہو۔ اور کاشت کار کو ٹھیکہ ادا کرنے کے بعد بھی کافی
 منافع حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ کیپاس روئی وغیرہ میں بالاتفاق زکوٰۃ و عشر واجب ہے۔ البتہ امام صاحب
 الجواب اور صاحبین کا مقدار نصاب میں اختلاف ہے۔

قال ابو یوسف فی مال یوسق کالزعفران والقطن یجب فیہ
 العشر اذا بلغت قیمتہ خمسۃ اوسق من ادنی ما یوسق الخ
 وقال محمد و یجب العشر اذا بلغ الخارج خمسۃ امدار من
 اعلی ما یقدر بہ نوعہ۔ (ہدایہ - ج ۱ - ص ۱۸۴)۔

اس عبارت سے صراحتاً معلوم ہو گیا کہ روئی وغیرہ میں عشر واجب ہے۔ امام اعظم کے نزدیک
 ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جس کو زمین اگائے۔

” لقولہ علیہ السلام ما اخرجت الارض ففیہ العشر (ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۳)۔
 قنادی عالمگیری میں شجر قطن کی نفی ہے ثمر قطن یعنی کیپاس کی نفی نہیں ہے۔ (ج ۱ ص ۹۵)۔
 ۲۔ الباب ص ۵۵۔ پر ہے کہ۔

العشر علی الموحج کالخارج الموظف و قال اعلی المستاجر قال فی
 الحاوی و بقولہما نأخذ اقول لکن الفتوی علی قول الامام وبہ
 افقی الخیر الرملی والشیخ الاسماعیل الحائک وحامداً فندی العمادی
 و علی العمل لانہ ظاہر الروایۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مالک پر واجب ہوگا کیونکہ مکمل ٹھیکہ وصول کر لیتا ہے نہری زمین میں نصف عشر یعنی
 بیسواں حصہ ادا کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم
 الجواب صحیح

○ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

عشر کل پیداوار سے دیا جائے ایک آدمی نے گندم اڑھائی ایکڑ بیجی اور اس کی گندم کل چالیس من ہوئی۔ اور اس نے پھر حساب لگایا۔

مزدوری سات من اسی وقت نکل گئی۔ کھاد، بھائی اور ٹریکٹر کا خرچ، سولہ من گندم وہاں خرچ ہوئی۔ نقد پیسے اور آب پاشی بھی آئے گی۔ پھر اس گندم کا عشر کیسے نکالا جائے۔

مذکورہ زمین کی کل پیداوار سے نصف عشر $\frac{1}{2}$ بطور عشر دیا جائے۔

و یجب نصفه فی مسقی غرب و دالیة بلا رفع مؤن ای

حلف الزرع - (در مختار علی الشامیة - ج ۲ - ص ۶۹) - فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

۱۸ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نابالغ کی جائیداد میں بھی عشر واجب ہوگا نابالغ کی جائیداد میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

نابالغ کی مملوکہ زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا۔ فی الشامیة و یجب مع الدین و فی ارض صغیر ۱ھ - (ج ۲ ص ۶۶) - فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

۳ - ۲ - ۸ - ۱۳۹۸ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

لذنی میں عشر نہیں ہمارے علاقہ میں خورد روپودا ہوتا ہے جس کو لذنی کہتے ہیں۔ اس سے کپڑے دھونے کی کھار بناتے ہیں اور کافی آمدنی ہوتی ہے۔ تو کیا

اس کھار پر عشر ہے یا نہیں؟

چونکہ عام طور پر اسے کاشت نہیں کیا جاتا، اور اس کے ذریعہ سے زمین کی آمدن مقصود نہیں ہوتی۔ لہذا اس میں عشر نہیں۔

الا فیما یقصد بہ استغلال الارض نحو حطب و قصب فارسی

وحشیش و تن و سعف و صمغ و قطران و خطمی و اشان ۱ھ

البتہ اگر کسی کی زمین میں مستقل پردے ہوں اور وہ ان کی حفاظت کرتا ہو، گوڑی وغیرہ کرتا ہو پک جانے پر کھار تیار کر کے بیچتا ہو تو اس پر عشر آنا چاہئے۔

وفی الدر المختار حتی لو اشغل أرضه بها۔ (رای بالمذکورات)

يجب العشر اه (درمختار علی الشامیہ - ج ۲ - ص ۶۸)۔ فقط

والله اعلم

افتقر محمد انور عفا الله عنه ۱۴۰۰/۴/۲۱

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا الله عنه

باغ کا پھل خریدنے کی صورت میں عشر بائع پر ہوگا یا مشتری پر

زید اپنے باغ کا میوہ ایسے وقت میں فروخت کرتا ہے کہ جب ظاہر ہو چکا ہوتا ہے مگر ابھی تک پختہ نہیں ہوا۔ اور فروخت کے وقت کوئی شرط نہیں لگاتا کہ بائع کے درختوں پر مشتری کا میوہ پختہ ہونے تک چھوڑا جائے گا بلکہ عقد مطلق ہوتا ہے۔ البتہ بائع خود مشتری کا میوہ پکنے تک اپنی رضا سے چھوڑ دیتا ہے۔ تو اس صورت میں میوہ کا عشر بائع پر ہے یا مشتری پر؟ اگر مشتری پر ہے جیسا کہ درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

«- ولو باع الزرع قبل ادراكه فعشره على المشتري والافعلی البائع»
تو بائع کو اس رقم کی زکوٰۃ کب ادا کرنی پڑے گی۔ اور اگر بائع کے پاس اس مبلغ سے پہلے بھی کچھ رقم تھی تو کیا اس میوہ والی رقم کو ساتھ ملا کر مال استفاد کے طور پر زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

عبد الواحد، ملتان

صورتِ مسئلہ میں عشر مشتری پر ہے جیسا کہ جزئیہ مسطورہ سے معلوم ہوا۔ اور

الجواب

اور بدائع الصنائع سے بھی۔ البتہ مشتری کو چاہئے کہ وہ خریدتے وقت یہ خیال کرے کہ عشر کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور اتنی مفت وارثن کم مقرر کر لے مشتری سے وصولِ حقیقت بائع سے ہی وصول ہے۔ کیونکہ مشتری سے جب حکومت جبراً عشر وصول کر لے گی تو لازماً خریدتے وقت وہ یہ گنجائش رکھ کر خریدے گا کہ مجھے عشر بھی ادا کرنا ہے اور ثمن کم لگا دے گا۔

۲۔ بائع اس رقم کو سابقہ رفتاری کے ساتھ ملا کر مال مستفاد کے طور پر زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اس کے لئے الگ سال پورا کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جب عشر بائع پر ہو تو ادائے عشر کے بعد جو ثمن ملے گا یہ بھی مال مستفاد کی طرح اصل نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا۔

” ولو كان له عبد للخدمة فادى صدقة فطره او كان له طعام فادى

عشره ----- ثم باعها يضم ثمنها الى اصل النصاب “

(بدائع ج ۲ ص ۶۶) - فقط والله اعلم -

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱، ۲۹، ۱۱/۱۱، ۱۳۹۸ھ



بھوسہ میں عشر ہے یا نہیں

بھوسہ میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

اس میں تفصیل ہے۔ اگر زمین میں گندم کی کاشت بھوسہ حاصل کرنے کے

لئے ہی کی گئی ہے تو پھر اس میں عشر ہوگا۔ اور اگر کاشت گندم حاصل کرنے

کے لئے کی تھی لیکن ساتھ ہی بھوسہ بھی برآمد ہوا تو گندم میں عشر ہوگا بھوسہ میں نہیں۔

لما في الشامية والبحر (قوله وتبن) بالباء الموحدة قال في

الفتح غير انه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه لانه

صار هو المقصود. وعلى هذا كل ما لا يقصد به استغلاك

الارض لا يجب فيه العشر مثل السعف والتبن. فقط والله اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

اجواب صحیح

اجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

بندہ محمود عفا اللہ عنہ مفتی قائم العلوم ملتان

اجواب صحیح، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۵، ۴/۴، ۱۳۹۶ھ



۱۔ پیداوار غلہ پر عشر کتنی مقدار پر واجب ہے؟

پیداوار کی کوئی حد وزن پیمانہ بھی مقرر ہے یا جتنا غلہ

عشر میں نصاب نہیں ہے

پیدا ہو سب پر عشر واجب ہے ؟

۲۔ تمام پیداوار پر عشر واجب ہے یا مزارع وغیرہ کے اخراجات اور دیگر اخراجات نکال کر دیا جائے ؟ حافظ محمد یوسف تونسہ ڈی جی خان -

۱۔ چپس من غلہ پر عشر واجب ہے -

الجواب

۲۔ عشر زمیندار پر ہے۔ چپس من غلہ جب نکلے پہلے عشر نکالا جائے باقی اخراجات بعد میں نکلے جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم

قاضی ڈیرہ غازیخان

الجواب :- ۱۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عشر میں نصاب نہیں ہے۔ جبکہ پیداوار

پر عشر واجب ہے۔ لقولہ علیہ السلام ما اخرجت الارض

ففیہ العشر۔ (ہدایہ ج ۱۔ ص ۱۸۳)۔

۲۔ مزارعت کی صورت میں زمیندار پر عشر اس کے حصہ میں آنے والی پیداوار پر آئے گا اس حصہ سے دیگر اخراجات وضع کرنے سے پہلے عشر ادا کرے۔ فقط واللہ اعلم

اسحق محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۱ / ۲ / ۱۴۰۰ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جن زمینوں کا آبیا نہ دیا جاتا ہو ان میں ۱/۴ واجب ہوگا

عرصہ تقریباً ۵، سال گزر چکا ہے کہ لائل پور کی زمین گورنمنٹ برطانیہ نے کچھ سستی اور کچھ گراں قیمت پر لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دی تھی۔ کیا اس زمین میں عشر واجب ہے یا نہیں ؟ جبکہ حکومت آبیانہ اور مالیہ دونوں قسم کے مطالبات وصول کرتی ہے۔

مولوی عبد الغنی نائب مہتمم مدرسہ ربانیہ ضلع لائلپور

آبیانہ اور مطالبہ مال کی ادائیگی کی وجہ سے ان زمینوں کے عشری ہونے میں

الجواب

کوئی فرق نہیں آتا۔ البتہ ان زمینوں میں جب کہ مشقت اور محنت زیادہ ہوتی ہے

دسویں حصے کی بجائے بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا۔ لان العلة في العدول عن العشر

الح نصفه في مسقى غروب ودالية هي زيادة الكلفة كما
علمت وهي موجودة في شراء الماء ۱۱ (شامية ج ۲ ص ۶۶)۔

فقط والله اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۸، ۱۲، ۱۳۸۳ھ

اجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

قرض و جوہ عشر سے مانع نہیں
مالک زمین یا مزارع مقروض ہے تو وہ زمین
کی پیداوار سے قرض ادا کرے یا عشر؟

قرض و جوہ عشر سے مانع نہیں۔ اس کے باوجود ہر ایک اپنے حصہ پیداوار کا عشر
ادا کرے۔ ولا يمنع الدين وجوب عشر وخراج وكفارة ۱۱

الجواب

(در مختار علی الشامیہ - ج ۲ ص ۷۷)۔ فقط والله اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲، ۱۳، ۱۴۰۰ھ

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

قدرتی پانی سے سیراب کھیتوں میں! واجب ہے
چترال میں گرمیوں کے موسم میں
برف کا پانی ندیوں اور وادیوں

میں بہتا ہے۔ لوگ ان سے نہریں نکالتے ہیں اور اپنی اراضی کو پانی دیتے ہیں۔ یہ نہریں ایک فرانگ
لمبی، کہیں میل کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہیں۔ پھر سردیوں میں یہ نہریں خراب ہو جاتی ہیں تو لوگ بعضے
جگہ تقریباً بیس دن تک ان کی اصلاح کرتے رہتے ہیں پھر اس نہریں پانی جاری کرنے کے بعد
تقریباً ۱۱ ماہ تک دو آدمی نہر کی دیکھ بھال کرتے ہیں تاکہ کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ اب اس پانی سے
جو زمیں سیراب ہوتی ہیں ان میں عشر ہوگا یا نصف عشر۔ درمختار وغیرہ سے بظاہر یہ معلوم
ہوتا ہے کہ عشر ضروری ہے۔ جب کہ حکومت آبیانہ وغیرہ بھی نہیں لیتی۔

مولوی فضل مولیٰ - چترال

آپ کی اراضی میں عشر ہی واجب ہوگا۔ چند دن نہر کی کھدائی میں لگ جائیں اور
پھر دو ماہ تک اس سے سیرابی ہوتی رہے تو اسے تونٹ کبیرہ قرار نہیں دیا جاسکتا

الجواب

خصوصاً جب کہ آپ کے ہاں سابقہ تعامل بھی عشری کا ہے۔

وتجب فی مسقی سماء ای مطر و سیح کنھر ۱ھ

معلوم ہوا کہ نہر سے سیراب شدہ فصل پر عشر ہوگا۔ اور اس کی عمومی صورت یہی ہوتی ہے کہ نالی

کاٹ کر لائی جاتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۱۱/۱/۱۳۹۵ھ

مقل (ضلع میانوالی) کی زمیںیں عشری ہیں

زید نے آج سے تقریباً بارہ سال قبل حکومت اسلامیہ پاکستان سے ضلع میانوالی میں

چار مربع زمین بسلسلہ آباد کاری اجرت (قیمتاً) لی تھی مگر قیمت ابھی تک ادا نہیں کی گئی۔ بلکہ ہر سال

بارہ روپے ایکڑ کے بدلہ میں حکومت کو ادا کرتے ہیں۔

۱۔ تو کیا یہ زمین عشری ہے یا خراجی ؟

۲۔ اگر خراجی ہے تو عشر ادا کیا جائے یا نہیں ؟

۳۔ اگر خراجی ہے تو مالیہ بارہ روپے فی ایکڑ کی صورت میں جو حکومت لے رہی ہے اس کی کیا

صورت ہوگی۔ یہ خراج ہے یا عشر مستقل دینا پڑے گا۔ ؟

۴۔ اب تک اس زمین کو عشری سمجھ کر جو عشر ادا کیا گیا اس کی بنا پر علاقہ کے غرابار میں یہ مشہور

ہو گیا ہے کہ یہ لوگ عشر دینے والے ہیں۔ اب عشر چھوڑنے کی صورت میں اس کا کیا ہوگا ؟

اگر اراضی عشریہ اور خراجیہ کی شرائط بھی بیان فرمادیں تو مہربانی ہوگی۔

۲۔ اسی طرح فیصل آباد اور بخش خان تحصیل چشتیاں میں کچھ زمین آبار و اجداد کے ورثہ میں ملی

ہے۔ اس کا کیا حکم ہے ؟ وہ عشریہ ہے یا خراجیہ ؟

۳۔ اراضی خراجیہ کی صورت میں اگر حکومت خراج نہ لے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

۱۔ غور کرنے سے یہی معلوم ہوا کہ یہ زمین عشری ہے۔ جب کہ بارانی ہو یا ٹیوب ویل

یا حکومت پاکستان کی نکالی ہوئی نہروں سے سیراب کیا جاتا ہو۔ کیوں کہ یہ سب

عشری پانی ہیں۔ اور مالک بھی مسلمان ہیں۔ اور "ایق بحال المسلم" عشری ہی ہے۔ بے آباؤ زمینوں

الجواب

کے بارے میں ضابطہ یہ لکھا ہے کہ - اگر انہیں حکومت کی اجازت سے آباد کیا جائے تو امام ابو یوسف ؓ کے نزدیک اسے قریبی زمینوں کا حکم دیا جائے گا - اگر عشری کے قریب ہے تو عشری - اور اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی - جب کہ آباد کرنے والا مسلمان ہے -

اور امام محمد ؓ کے نزدیک پانی کا ائمتہ بار ہے - اگر عشری پانی سے اس زمین کو سیراب کیا جاتا ہے تو عشری ہے ورنہ خراجی - جیسا کہ ہدایہ و درمختار وغیرہ میں مصرح ہے -

اور ایک مقام پر مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں -

” اس طرح جن زمینوں کو حکومت پاکستان نے پانی پہنچانے کے ذرائع مہیا کر کے آباد کیں اور مسلمانوں کو بلا قیمت یا بہ قیمت تقسیم کیا جیسا کہ پنجاب میں نقل کا علاقہ، اور سندھ میں کوٹری کا علاقہ، ان سب زمینوں پر چونکہ ابتداءً ملکیت مسلمانوں کی ہوئی، اس لئے یہ بھی عشری قرار پائیں گی - بشرطیکہ ان کی آبپاشی سندھ و پنجاب کے بڑے بڑے دریاؤں سے ہوتی ہو - (جواہر الفقہ ج ۲: ص ۲۵۸) -

پس یہ زمین عشری ہے تو خراج سے متعلقہ سوالات کی حاجت نہیں -

۲ - جو زمین ابتداءً ہی سے مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آ رہی ہو اس میں احتیاطاً عشر کو واجب قرار دیا جاتا ہے - پس ان میں سے بھی عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا -

۳ - اگر لگان مسلمان حکومت وصول کرتی ہے تو اس کی ادائیگی میں خراج ادا کرنے کی نیت کی جاسکتی ہے - اور اگر حکومت لگان وصول نہیں کرتی یا بہت کم وصول کرتی ہے تو اپنے طور پر خراج کو مصارف خراج میں خرچ کرنا ضروری ہے - کذا فی جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۹۰ -

اور مصارف خراج میں سے علماء، طلباء، مفتیوں، قاضیوں کو دینا بھی جائز ہے -

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۱۴/۵/۱۴۰۱ھ

پاکستانی زمینیں عشری ہیں یا خراجی

پاکستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی - اگر عشری ہیں تو زمیندار اور مزارع دونوں پر اپنے اپنے

حصص میں عشر واجب ہے یا فقط زمیندار پر، ادا اگر دونوں پر واجب ہے تو زمیندار معاملہ سرکاری نکال کر، اور مزارع آبیانہ نکال کر باقی دے گا - یا معاملہ و آبیانہ نہیں نکالنا پڑے گا؛

اگر نکال کر باقی دینا ہے تو اگر کچھ نہ بچے تو دیوے یا نہ دیوے۔ اگر پانچ دستق سے کم ہے تب بھی عشر نکالے یا نہیں۔ اگر صاحبین کے قول پر پانچ دستق کے کم سے نہ نکالے تو مجرم ہے یا نہیں۔ اگر امام اعظم کے قول پر ہر چیز سے نکالنا ہے تو سبزیاں مثل کریلے وغیرہ سے کیسے نکالے، چھوٹی بڑی قلیل کثیر سب کا حساب سخت مشکل ہے۔

اور جو زمینیں نہر سرکاری یا عوام کی نہر سے آب پاشی ہوتی ہیں ان کا دسواں حصہ نکالنا ہے یا بیسواں سیلابی اور بارشی زمین کا کتنا حصہ نکالنا ہے؟

پاکستانی زمینیں عشری ہیں کیوں کہ اسلامی بادشاہوں کے زمانہ سے مسلمانوں پر تقسیم ہوتی چلی آئی ہیں یا یہاں کے باشندے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور ایسی ہر دو قسم کی زمینیں عشری ہیں۔ البتہ کافر سے خریدی ہوئی زمین عشری نہ ہوگی۔ (بہشتی زیور)

عشر صاحب پیداوار پر ہے۔ زمیندار اور مزارع ہر ایک اپنے حصہ کا عشر نکالے۔ (بہشتی زیور)

جس زمین کا آبیانہ سرکاری ادا کیا جاتا ہے اس کی پیداوار پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم ہے۔ لہذا کل پیداوار کا بیسواں حصہ دینا ہوگا۔ کیوں کہ ادائیگیء آبیانہ کی وجہ سے عشر میں تخفیف ہو کہ بیسواں حصہ لازم ہو چکا ہے۔

عبادات میں مطلقاً امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر فتوے ہے۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ پیداوار قلیل ہو یا کثیر دسواں یا بیسواں حصہ ضرور نکالے، سبزیوں کا عشر بھی نکالے جس وقت پیداوار دستیاب ہو کل وزن کر کے دسواں یا بیسواں حصہ تول کر فقراء میں تقسیم کر دے۔ بیس سیر سبزی میں سے ایک یا دو سیر نکالنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ (بہشتی زیور)

نہری یا چاہی پانی میں چونکہ مونت زیادہ ہے اس لئے اس میں بیسواں حصہ عشر ہے۔ اور بارشی پانی میں مونت کم ہے اس لئے اس میں عشر (دسواں حصہ) لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء نعیر المدارس ملتان

انجوس صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ ۴ صفر ۱۳۷۴ ھ



خراجی زمین کی تعریف زمین کی دو قسمیں ہیں۔ عشری اور خراجی۔

عشری کی وضاحت یہ ہے کہ جو زمین یا علاقہ کفار سے لڑ کر حاصل کیا جائے۔ اور حاصل شدہ زمین کو مسلمان بادشاہ مسلمانوں میں غنیمت کے طور پر تقسیم کر دے وہ عشری ہے۔ مزید تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کل جو بھی زمینیں کلیم اور الاٹمنٹ کی صورت میں تقسیم ہوتی ہیں سب کی سب عشری ہیں۔ اس میں بارانی اور چاہی کی صورت میں ۱/۱۰ اور ۱/۲ کا عشر ہونا چاہئے۔ یا ایسی عشری زمین باپ دادا سے وراثتاً چلی آتی ہے اور اس کو کوئی دوسرا مسلمان خرید لے تو بھی اس میں عشر ہوگا۔ اس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ کہ کفار کی زمین ہو کہ مال غنیمت یا فدیہ میں ملی ہو جب تک وہ مسلمانوں کی وراثت میں رہے گی بے شک بیسیوں دفعہ فروخت ہو (مسلمانوں میں) عشری ہی رہے گی۔ تا وقتیکہ اس کو کوئی غیر مسلم خرید نہ لے۔ بندہ نے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق یہ مفہوم عرض کر دیا ہے۔ اگر اس میں غلطی ہو تو، اصلاح فرمائی جائے۔

اور خراجی زمین کے بارے میں تفصیلاً وضاحت کی جائے کہ خراجی زمین کون سی ہے۔

عزیز برادر زغلہ منڈی چشتیاں۔

الجواب
عشری زمین کے بارے میں جو آپ نے سمجھا ہے صحیح ہے۔ اور خراجی زمین کے تعریف اور تشخیص اس طرح ہے کہ۔ جو اراضی کفار سے لڑ کر حاصل کی جائیں اور وہ مسلمانوں میں تقسیم نہ کی جائیں۔ یا کوئی علاقہ ضلماً فتح ہو جائے، وہ زمینیں خراجی ہیں۔ البتہ مکہ مکرمہ اگرچہ لڑ کر فتح ہوا ہے لیکن مکہ کی زمینیں عشری ہیں خراجی نہیں۔ اس لئے کہ مکہ مکرمہ جزیرہ عرب سے ہے۔ درمختار میں ہے۔ ج ۲ - ص ۲۶۲ - شامیہ)۔

وما فتح عنوة ولو يقسم بين جيش الامنة سواء اقرا هلہ

علیہ اد نقل الیہ کفار اخر او فتح صلحا خراجیة -

اسی طرح جو زمین کافر سے خریدی جائے وہ بھی خراجی ہوگی۔ اور جو زمینیں مسلمانوں نے انگریز گورنمنٹ سے خریدی ہیں اگر وہ پہلے سے عشری نہیں تھیں تو وہ زمینیں بوجہ آسٹیلہ سرکار کی ملک ہو گئی تھیں۔ اس لئے وہ اب بھی عشری نہیں ہوں گی۔ فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح: نیر محمد عفا اللہ عنہ ○ بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۶، ۷، ۱۳۸۸ھ

اجرت کم ہو تو عشر کاشت پر ہے

مسئلہ عشر کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں جو اب تحریر فرمادیں۔ اجناس مثلاً گندم، نخود، چاول

وغیرہ میں عشر ہے یا نہیں؟ نیز یہ ٹھیکہ کی زمین کی پیداوار ہے تو اس کی کل آمدنی پر عشر ہوگا یا ٹھیکہ منہا کرنے کے بعد عشر ادا کیا جائے گا؟

فی الدر المختار والعشر علی الموحج کخراج موظف

الجواب

وقالا علی المستأجر کاستعیر مسلوم فی الحاوی

وبقولہما نأخذہ فی الشامیة قلت لکن افتی بقولہ

الامام جماعۃ من المتأخرین (الی ان لکن فی زماننا

عامۃ الاوقاف من القرع والمزارع لیرضی المستأجر

بتحمل غرامات ومؤونہا یتأجرها بدون اجر المثل - ۱ھ

(ج ۲ - ص ۷۵) -

روایت بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر زمیندار پوری اجرت لے اور کاشتکار کے پاس بہت کم بچے تو عشر زمیندار کے ذمہ ہے اور اگر زمیندار اجرت کم لے اور کاشتکار کے پاس زیادہ بچے تو عشر کاشتکار کے ذمہ ہے لیکن ہمارے دیار میں جب کہ اجرت کم لی جاتی ہے۔ اس لئے کاشتکار پر وجوب عشر کا فتوے دیا جائے گا۔ کافی امداد القادری، ج ۲ ص ۵

آبیانہ، ٹیکس، لگان وغیرہ آمدنی سے منہا نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ایسی زمین کی پیداوار میں

نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ فقط والشہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی

الجواب صحیح

خیر المدارس ملتان ۱۱/۱۲/۱۳۸۶ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

بارانی اور نہری زمینوں کی پیداوار میں مقدار عشر کے فرق کی وجہ

زید کے پاس ایک ایکڑ زمین ہے اور اس سے گندم کی فصل حاصل کرنے کے لئے دو قسم کے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ کچھ خرچ اس کے بچنے سے فصل پکنے تک، اور کچھ خرچ فصل پکنے پر کٹوانے اور دانے

نکلوانے کے لئے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح اسے انیس من گندم حاصل ہوتی ہے جس میں سے کٹوائی نکلوائی ادا کر کے پندرہ من گندم بچتی ہے، آیا عشر کتنی گندم کا دینا ہوگا۔؟

۲ : دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ جتنی گندم کاٹی جاتی ہے اس کا سولہواں حصہ فصل کی کٹائی میں دیدیا جاتا ہے۔ اس کے بعد تھریشر سے دلنے نکلوانے جاتے ہیں اس میں کتنا عشر دینا ہوگا۔

۳ : زید کے پاس چار گائیں، دو بیل ہیں وہ مزارعت پر کام کرتا ہے۔ اور صاحب نصاب بھی نہیں غریب آدمی ہے، کیا زید کو عشر دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے جانوروں کے قیمت تقریباً دس ہزار کے قریب ہے۔

الجواب
کل پیداوار یعنی انیس من سے نصف عشر یعنی ۱۰ ادا کرنا ہوگا۔ کیوں کہ ایسی زمینوں کی پیداوار کے عشر میں انہی اخراجات کو مد نظر رکھ کر تخفیف کی گئی ہے اور بجائے عشر کے نصف عشر واجب کیا گیا ہے۔ بارانی زمین میں اخراجات کم ہوتے ہیں اس لئے اس میں عشر واجب کیا گیا ہے۔ اگر یہ اخراجات وضع کرنے کے بعد باقی بیچ رہنے والی پیداوار میں عشر واجب ہو تو بارانی اور نہری کے عشر میں تفریق کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔

يجب العشر في الاول ونصفه في الثاني بلا رفع اجرة العمال ونفقة
البقر وحرى الانهار و اجرة الحافظ ونحو ذلك - "درر" قال
في الفتح يعني لا يقال بعدم وجوب العشر في قدر الخارج
الذى بمقابلة المؤنة بل يجب العشر في الكل لانه
عليه السلام حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو
رفعت المؤنة كان الواجب واحدا وهو العشر دائما في
الباقى لانه لم ينزل الى نصفه الا للمؤنة والباقى بعد رفع
المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب دائما العشر لكن الواجب
قد تفاوت شرعا فلمنا انه لو يعتبر شرعا عدم عشر
بعض الخارج وهو القدر المساوى للمؤنة اصلا - ۱ھ

(شامی ج ۲ ص ۶۹)

ب۔ کٹائی کی اجرت میں دی جانے والی گندم کا عشر بھی ادا کرنا ہوگا نیز اس کی کٹائی ہوتی گندم کو

اجرت میں مقرر کرنا درست نہیں۔ کہا ہو المعروف۔

۲ : زید کی گزراوقات اگر ان گالیوں پر موقوف نہیں تو ان کی وجہ سے غنی سمجھا جائے گا، زکوٰۃ وعشر کا مستحق نہیں۔ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۳ میں ہے۔

والسزارع بثورین والة الفدان لیس بغنی وبيقرة واحدة غنی۔

فقط والله اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس مانتان ۱۰

دکان پر رکھے ہوئے اموال بھی اموال باطنہ ہیں

مال تجارت پر زکوٰۃ تو لازم ہے مگر اسکی وصولی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اموال باطنہ میں سے ہے اس لئے یہ حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ بھیسٹر، بکری جو جنگل میں چرتی ہے یہ تو اموال باطنہ میں سے نہیں مگر جو مال تجارت کھلے بازاروں میں پوری روشنی میں فروخت کے لئے پیش ہو رہا ہے کیسے اموال باطنہ میں سے ہوا، اسکی قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں نیز یہ کہ کیا اسلامی حکومت یہ زکوٰۃ جمع کرنے کی قانوناً مجاز ہے یا نہیں؟

الاجوبہ
اندرون شہر جو مال پائے جاتے ہیں انہیں اموال باطنہ کہا جاتا ہے جیسے سونا چاندی اموال تجارت ہیں جب تک کہ وہ شہر کے اندر ہوں اور بیرون شہر پائے جانے والے اموال مال ظاہر ہیں۔ عربی زبان میں "ظاہر البلد" بیرون شہر کو کہتے ہیں اسی سے یہ اصطلاح ماخوذ ہے۔

(۲) :- اسلامی حکومت یہ زکوٰۃ جمع کرنے کی مجاز نہیں مگر خاص حالات میں مالکان کو زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے۔ فقط، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

۱۹ شعبان ۱۴۱۰ھ

دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ دینے کا حکم : صدر پاکستان نے ہنگامی حالات شروع ہونے پر قومی دفاعی فنڈ

کا آغاز کیا ہے کیا اس فنڈ میں زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ جبکہ زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے تو اس صورت میں یہ شرط کیسے پوری ہوگی؟

زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے لہذا تملیک کے بغیر زکوٰۃ کا روپیہ دفاعی فنڈ میں جمع کر کے خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی البتہ اگر زکوٰۃ کا روپیہ کسی مسکین

کو دے دیا جائے پھر وہ مسکین اپنی خوشی سے اس روپیہ کو دفاعی فنڈ میں جمع کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جبکہ وہ روپیہ نوٹوں کی شکل میں نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صواب محمد اسحاق غفرلہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۳ / ۶ / ۱۳۸۵ ھ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کا حکم

کیا صاحبِ نصاب پر سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا کچھ دن کی تاخیر بھی ہو سکتی ہے؟

سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ ادا کر دی جائے بلا عذر معقول تاخیر نہ کی جائے ورنہ گناہ ہوگا۔

فیانم بتاخیرھا بلا عذر (درمختار) قوله؛ فیانم بتاخیرھا الخ

ظاہرہ الاثم بالتاخیر ولو قل لیوم او لیومین لانہم فسروا

الفور باول اوقات الامکان وقد یقال المراد ان لا یؤخر

الی العام القابل لما فی البدائع عن المنتقی اذا لم یؤدّ ومضی

حولان فقد اساء واثم اھ (شامیہ) فمتی لم تجب علی الفور

لم یحصل المقصود من الا یجاب علی وجه التمام وتمامہ فی

الفتح (درمختار) (قوله وتمامہ فی الفتح الخ) حیث قال بعد

مامر فتكون الزکوٰۃ فریضۃ وفوریتهما واجبة فیلزم بتاخیرہ

من غیر ضروریۃ الاثم کما صرح بہ الکرنجی والحاکم الشہید فی

مسجد و مدرسہ کا جو پیسہ جمع ہوا اس پر زکوٰۃ نہیں

مسجد و مدرسہ کا پیسہ جو جمع رہتا ہے اور اس پر سال بھی گزر جاتا ہے کیا اس کی زکوٰۃ متولی کو ادا کرنا ضروری ہے یا اس مال پر زکوٰۃ نہیں ہے ؟

الجواب ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ وسببہ ای سبب افتراضہا ملک نصاب اھ (در مختار) (قوله ملک نصاب) فلا زکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم الملك اھ (شامی ص ۱۲) - فقط واللہ اعلم ، محمد النور غفرلہ ،

حکومت زکوٰۃ کو انہی مصارف میں صرف کرنے کی

پابند ہے جن کا قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے

کیا مسلمان حکومت اپنی مرضی اور منشاء سے زکوٰۃ و عشر خرچ کر سکتی ہے؟ اس

سلسلے میں اسلامی احکامات کیا ہیں ؟

الجواب زکوٰۃ و عشر کے مصارف قرآن حکیم میں واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں انہی مصارف میں استعمال کرنا ضروری ہے کسی بھی حکومت کو ان مصارف کے سوا دوسری جگہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت علیہ السلام سے صدقہ مانگا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ صدقات کے معاملہ کو اللہ نے صرف اپنے اختیار میں رکھا ہے اور خود مصارف متعین فرمائیے ہیں اگر تم ان مصارف میں سے کسی قسم میں آتے ہو تو میں تمہیں دے سکتا ہوں ورنہ نہیں۔

عن زیاد بن الحارث الصدائی قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبایعته فذکر حدیثا طویلاً فاتاہ رجل فقال اعطنے من الصدقة

فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله لم يرض بحكم بنى
ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها هو فجزأها ثمانية
اجزاء فان كنت من تلك الا جزاء ما اعطيتك اه (رواه ابوداؤد
مشکوٰۃ ص ۱۷۲)
عالمگیری میں بیت المال میں جمع ہونے والے مال کی اقسام اور ان کے مصارف کا ذکر
کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ وعشر کو صرف ان کچھ ان مصارف میں خرچ کیا جائے جن کا
قرآن و حدیث میں ذکر ہے۔

ما يوضع في بيت المال اربعة انواع الاول زكوة السوائم والعشور
وما اخذها العاشر من تجار المسلمين الذين يسمون عليه ومحله ما
ذكرنا من المصارف الخ (ص ۱۹۰ ج ۱)

قال الشرنبلالي انه يجب عليه (اي على الامام) ان يجعل لكل
نوع منها (اي من الصدقات بيتاً يخصصه ولا يخلط بعضه ببعض)
(شامی ص ۶۳ ج ۲) - فقط واللہ اعلم ، محمد انور، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان
الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ، ۲۲ / ۱۱ / ۱۴۰۹

کتابت کے بلاکوں پر زکوٰۃ نہیں : ایک شخص نے قرآن مجید کی طباعت

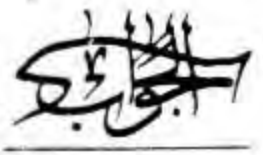
بار طباعت کے بعد ان کو اس لئے محفوظ کر لیا کہ آئندہ ان کے ذریعہ طباعت کرتے
رہیں گے۔ اب وہ صرف قرآن پاک کی تجارت کرتا ہے اور بلاک کو اپنے کام کے لئے
بطور آلات رکھا ہوا ہے۔ ان کو تجارت سے کوئی تعلق نہیں کیا ان بلاکوں کی زکوٰۃ
بھی شرعاً اس کے ذمہ ہے یا نہیں ؟

(حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ مقیم خیر المدارس ملتان)

اگر شخص مذکور نے ان بلاکوں کو بغرض تجارت نہیں رکھا تو ان پر زکوٰۃ
نہیں آئے گی۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

صاحبِ لُصَابِ لُوكُولِ سِے زَكْوَاتِ لِيْتَارِهَاتُ اَبِ تَلَانِي كِي صُورَتِ

زید مستحقِ زکوٰۃ ہے اس کے اکثر اجاب کو علم ہے اسے حج کے لئے کسی نے تیرہ سو روپیہ دیا۔ زید نے یہ سمجھا کہ یہ روپیہ تو حج کے لئے دیا گیا ہے حج پر خرچ کر دوں گا۔ نیز زید اپنے آپ کو مصرفِ زکوٰۃ ہی سمجھتا رہا چنانچہ صدقاتِ واجبہ بھی وصول کرتا رہا۔ اور ایک مدرسہ عربیہ کے مہتمم صاحب بھی زید سے مدرسہ کی رقم تملیک کر لے رہتے تھے باوجودیکہ مہتمم صاحب کو ۱۳۰۰ روپے حج والے کا علم تھا۔ زید کو بدستور غریب و مسکین سمجھتے رہے۔ اب زید کو مسئلہ بتایا گیا کہ تیرہ سو روپیہ حج کے لئے تم کو جو دیا گیا ہے وہ تمہاری ملک ہے۔ اگرچہ دینے والے نے حج کے لئے دیا ہے مگر اس نے تمہارے حج کے لئے دیا ہے۔ حج بدل کے لئے نہیں دیا ہے تو وہ روپیہ تمہارا ہو گیا۔ اس وجہ سے اب تم مصرفِ زکوٰۃ نہیں تھے اب زید پریشان ہوا کہ لوگوں کی زکوٰۃ میں وصول کر کے اپنے مصرف میں لا چکا ہوں۔ اور زیادہ فکر مدرسہ کی رقم کا ہے اب کیا کیا جائے۔

صُورَتِ مَسْئَلِہِ مِیْنِ مَخْلُصِی كِي شَكْلِ یِهْ هِے كِهْ اِن مَدَاتِ سِے جِن مِیْنِ زَكْوَاتِ  كَا صَرْفِ كَرْنَا جَائِزِ نَهِيں تَهَا۔ مَثَلًا تَعْمِيرِ مَشَاهِرَاتِ اِس مِیْنِ سِے مَقْدَارِ زَكْوَاتِ نَكَالِ كَرِ صَحِيحِ مَصْرَفِ زَكْوَاتِ مِیْنِ خَرْجِ كَرِے مَثَلًا مَسْتَحِقِّ طَالِبِ عِلْمُولِ كُو نَقْدِ و ظَائِفِ و غَيْرِہِ دِيئِے جَائِیْنِ اُوْر جُوْر تَمِ اَس صَاْحِبِ نِے جُو دَر حَقِيْقَتِ مَالِكِ لُصَابِ تَهِي اِپْنِي ذَاتِ پَر خَرْجِ كَر لِي وَہ مَالِكَانِ كِي طَرَفِ سِے زَكْوَاتِ اَدَا هُو گئی كِيونكہ لُوكُولِ نِے اِسے حِبِّ سَابِقِ مَصْرَفِ سَمَجھتے هُوئِے تَمْلِيكِ كِي تَهِي اِیْسِي صُورَتِ مِیْنِ زَكْوَاتِ اَدَا هُو جَاتِي هِيے۔

فِي الدَّرِ الْمَخْتَارِ دَفْعِ بَتَحَرِّرٍ مَن يَظْنُه مَصْرَفًا فَبَان اِنَّه عَبْدُه
اَوْ مَكَاتِبُه اَوْ حَرَبِي و لَوْ مَسْتَأْمَنًا اَعَادَهَا لَمَّا مَرُو اِنْ بَانَ غَنًا اَوْ
كُوْنُه ذَمِيًا اَوْ اِنَّه اَبُوهُ اَوْ ابْنُه اَوْ اَمْرَاْتُه اَوْ هَاشِمِي لَا يَعِيْدُ لَانَه
اِنِّي بَمَا فِي وُسْعِه حَتِي لَوْ دَفْعَ بَلَا تَحَرِّرٍ لَمْ تَجْزَا اِنْ اَخْطَا۔
اُوْر اِگَر اِنْ رُقُومِ بِالَا مِیْنِ سِے كَچھ بَقَا يَا مَوْجُوْدِ هُو تُو وَہ مَالِكَانِ كِي طَرَفِ وَاِپْسِ كَر دِيے

یا صدقہ کر دے۔ فقط بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیرالمدارس۔

الجواب صحیح، خیر محمد مہتمم مدرسہ خیرالمدارس ۲۰ / ۵ / ۱۳۸۳ ھ

پیشہ ور گدا گروں کو زکوٰۃ دینا : جو شخص زکوٰۃ کا مال عام فقیروں کو دے جو تمام سال گداگری کا پیشہ

کرتے ہیں۔ انکی کیفیت کسی کو معلوم نہیں کیا زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں ؟

جس شخص کے بارے میں غنی ہونے کا ظن ہو اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے الجواب صحیح قبل ازیں اگر ان لوگوں کی فقیرانہ حالت کے پیش نظر انہیں مسکین سمجھتے

ہوئے زکوٰۃ دے دی گئی تھی تو وہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ کذا فی الشامیہ (ص ۹۲ / ۱)

الجواب صحیح، عبدالستار غفرلہ، نائب مفتی خیرالمدارس

۳ / ۱۰ / ۱۳۸۳ ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

عہ و عبارتہ دفع بہ تحریر لمن یظنہ مصرفاً فبان انہ عبد لا و مکاتبہ

او حربی ولو مستامناً اعداھا لما مروان بان غناہ او کونہ

ذمیاً او انہ ابواہ او ابنہ او امرأۃ او ہاشمی لا یعید لانہ

انفی بما فی وسعہ حتی لو دفع بلا تحریر لم یجز ان اخطا ھا

فقیر محمد انور، مرتب خیرالفتاویٰ

جن کو بطورِ تملیک زکوٰۃ دی گئی اس سے جبراً واپس نہیں لے سکتے

اگر تملیک کر نیوالے کو ساری صورت سمجھا دی جائے لیکن زکوٰۃ وغیرہ ہاتھ میں لینے

کے بعد اگر وہ واپس دینے سے منکر ہو جائے اور ہو بھی صاحبِ ضرورت تو پھر اس کا

کیا حکم ہے ؟

تو یہ رقم اس صاحبِ ضرورت غریب کی ملوک ہوگی زبردستی اس سے الجواب صحیح

واپس نہیں لی جاسکتی۔ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۹۷/۱/۱۲

مہتمم زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہوتا ہے : عوام الناس اپنے مال کی زکوٰۃ

کسی مسکین کی تملیک نہیں کرتے بلکہ ایک مہتمم مدرسہ کو دے دیتے ہیں اور وہ مہتمم ضروریات مدرسہ پر خرچ کرتا رہتا ہے مثلاً سالن، تیل، روٹی وغیرہ تو کیا یہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہ؟

الجواب مہتمم مدرسہ لوگوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے اسے چاہیے کہ زکوٰۃ کا پیسہ بصورت نقدی یا روٹی وغیرہ طلباء مستحقین کی تملیک کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ تنخواہ میں خرچ کر دیا یا اس کو تعمیر مدرسہ پر یا کسی اور مقام میں خرچ کیا جس میں تملیک نہیں ہوئی تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور اگر ایسے مصارف تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو فقیر کی تملیک کر کے پھر مدرسہ میں داخل کیا جائے پھر اس کو حسب منشاء خرچ کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

الجواب صحیح، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۱۳۷۰ / ۱ / ۲۲

بلا نیت زکوٰۃ صدقہ کرتے ہے تو وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا

بعض لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے مگر ویسے صدقات دیتے رہتے ہیں کبھی کسی گداگر کو کچھ دے دیا کبھی کسی غریب مسکین کو دے دیا کبھی کسی نیک کام میں چندہ دے دیا، مگر زکوٰۃ کی نیت نہیں کرتے تو کیا ایسے لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب جو کچھ یہ لوگ گداگروں کو دیتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ و عشر کی نیت نہیں ہوتی تو یہ سب صدقات نعلیہ سے شمار ہوں گے یہ زکوٰۃ اور عشر سے

محسب ہوں گے۔ البتہ اگر زکوٰۃ و عشر و الامال علیحدہ کیا ہوا ہو اور اس مال سے فقرا اور مساکین کو تھوڑا تھوڑا دیتا ہے تو پھر یہ زکوٰۃ و عشر سے محسوب ہوگا۔

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق غفرلہ، ۲۹ / ۳ / ۱۳۷۸ھ

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ، ۲۹ / ۳ / ۱۳۷۸ھ

۱۔ زکوٰۃ کے لئے نصاب
توسیلی والدہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں:

۱۔ زکوٰۃ کے لئے نصاب موجودہ وقت میں قیمت کے لحاظ سے چاندی کو رکھا جائے یا سونے کو۔ ۲۔ کاروبار کیلئے مستعمل اشیاء وغیرہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں ۳۔ دفاعی فنڈ میں جو ہم تنخواہ کھولتے ہیں یہ اس میں شمار کی جائے یا نہیں ۴۔ اگر اپنے بھائی سے کچھ رقم لینی ہو تو وہ بھی اس میں شمار ہو جائے گی یا نہیں؟ ۵۔ کاروبار میں جو رقم دوسروں کے پاس ادھار ہوتی ہے وہ وقتاً فوقتاً ملتی رہتی ہے تو اس کو اس میں داخل کیا جائے یا نہیں ۶۔ اپنی توسیلی والدہ جبکہ بیوہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں جبکہ خرچہ کا خود کفیل ہو۔

۱۔ چاندی کی قیمت لگا کر نصاب ہونا معلوم کیا جائے اور اگر سونا ہی پاس ہو نہ سامان تجارت ہو نہ چاندی نہ قرضہ تو ایسی صورت میں صرف سونے کے وزن ہی کا اعتبار ہوگا۔ ۲۔ برتنوں اور آلات کی قیمت زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگی۔

۳۔ زرضمانت زکوٰۃ کی رقم میں شمار کریں پراویڈنٹ فنڈ نہیں۔ ۴۔ کی جائے۔ سال پورا ہونے پر آپ جب زکوٰۃ کا حساب کریں تو ادھار والی رقم کو بھی اپنے پاس موجودہ نقد رقم میں شمار کر لیا کریں۔ اور اس کی بھی زکوٰۃ نکال دیا کریں۔ ۵۔ اگر یہ مسکینہ ہو صاحب نصاب نہ ہو تو اس کو خرچہ اور معالجہ کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،

۱۹ / ۷ / ۱۳۸۵ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ،

جس کے پاس گھر کا سال کا خرچ موجود ہو اسے زکوٰۃ دینا

اگر کسی کے پاس اپنی ضروریات کے لئے رہنے کا اپنا گھر اور روزانہ استعمال کے برتن اور چارپائیاں اور بستر اور سامان خوراک مثلاً گندم نمک مرچ مصالحہ تقریباً ایک سال کے لئے ہیں اور کپڑے سینے کی مشین ہے جس کی آمدن سے اپنے اہل و عیال کا گزارہ کرتا ہے ایسے شخص کو مال زکوٰۃ، قربانی، نذر، صدقہ فطر، فدیہ، کفارہ اور عشر دینا جائز ہے اگر کسی نے جائز سمجھ کر دے دیا تو دوسری دفعہ زکوٰۃ وغیرہ کا دینا واجب ہے یا نہیں۔ نیز اس شخص سے جس کو غلطی کی وجہ سے دے چکا ہے واپس لینے کا کیا حکم ہے؟

و فی رد المحتار ص ۸۸ ۹۳ **الجواب** و فیہا سئل محمد عن لہ
ارض فی زرعہا و حانوت لیستغلہا و دار غلتہا ثلاثہ

آلاف و لا تكفی لنفقتہ و نفقتہ عیالہ سنتہ یحل لہ اخذ الزکوٰۃ و انکانت
قیمتہا تبلغ الوفاء و علیہ الفتویٰ۔ و عندہما لا یحل و فی الدر المختار ص ۹۳
دفع بتحریر لمن یظنہ مصرفاً فیات انہ عبیدہ او مکاتبہ او حربی
ولو ہستأمننا عا دہا لما مروان بان غناہ او کونہ ذمیاً او ابنہ او امرأۃ
او ہاشمی لا یعید۔

شخص مذکور فی السؤال کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ بنا بر روایت در مختار سئل محمد اور
جس شخص کو دی جا چکی ہے۔ اگر اپنی طرف سے تحقیق کر کے فقیر یا مستحق سمجھ کر دی گئی
تو اعادہ واجب نہیں ورنہ اعادہ ضروری ہے۔ بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

۳ / ۶ / ۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح ،

خیر محمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے زکوٰۃ کے پیسوں سے رجسٹر خریدنا

زید نے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو محض رقوم زکوٰۃ و فطرانہ لوگوں سے وصول کرنے

کی اپیل کرتا ہے پھر بمشورۃ اہل محلہ مستحق لوگوں پر تقسیم کی جاتی ہے اور قیدیوں میں بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ اس ادارہ کو رسید بک داکٹریٹ اور رجسٹریٹ و قلم دوات اس فنڈ سے رکھنا اور بنانا درست ہے یا نہ۔ اور کیا اس فنڈ سے قیدیوں کے پڑھنے کے لئے دینی اور مذہبی کتابیں خرید کر کے لائبریری جیل خانہ میں داخل کرنا کیسا ہے؟

زکوٰۃ و فطرانہ وغیرہ کے مال سے ادارہ مذکورہ کے حساب و کتاب کے لئے رجسٹر اور قلم دوات وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی کتابیں خرید کر کسی لائبریری میں داخل کرنا جائز ہے اس طرح زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ لہذا زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی تب ہوگی جب کسی مسکین کو اس کا مالک قابض بنا دیا جائے۔ بندہ اصغر علی غفرلہ ۱۳ / ۹ / ۱۳۷۸ ھ

المجواب صحیح، محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۳ / ۹ / ۱۳۷۸ ھ

جب آپ نے ایک نیک مقصد کے لئے ادارہ قائم کیا ہے تو رجسٹر وغیرہ کے لئے اپنی لوگوں سے جو زکوٰۃ دیتے ہیں دیگر چندہ لیں کیونکہ اس طرح ان کی زکوٰۃ صحیح مصرف پر صرف ہوگی اور ان کو تحقیق مصرف وغیرہ کی مشقت سے کفایت حاصل ہو جائے گی۔ نیز زکوٰۃ کا روپیہ نقد بنا کر فقرا کی تملیک کیا جائے اور جو رقم کسی سے زکوٰۃ کی وصول کی جائے وہ فوری طور پر فقرا پر تقسیم کر دی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ کی رقم ہفتوں یا دنوں تک آپ کے پاس پڑی رہے۔ کوشش یہ ہو کہ رات آنے سے پہلے روز کی روز ٹھکانے لگ جائے۔ اس قسم کی اور بھی ضروری احتیاطات اور مسائل ہیں جو کہ آپ اہل علم سے دریافت کر سکتے ہیں۔

المجواب صحیح، مفتی خیر المدارس مسلمان

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۹ / ۱۳۷۸ ھ

عیالدار مستحق کو نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں

زید نے خالد کو مبلغ ۱۵۰ روپے زکوٰۃ کے دیتے کیا خالد کو بکرہ بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے کیونکہ خالد صاحب نصاب بن گیا۔؟

الجواب خالد اگر عیالدار ہے تو اسے مزید زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے تا وقتیکہ اس کے گننے کے ہر فرد کے پاس تقریباً ۱۰۰ روپے کی مالیت کی مقدار نہ ہو جائے۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیرالمدار اس

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدار اس ملتان ۳۰/۸/۱۳۸۳ھ
 علیہ وکراہ اعطاء فقیر نصاباً او اکثر الا اذا کان المدفوع الیہ
 مدیوناً وکان صاحب عیال بحيث لو فترقہ علیہم لا یخص کلاً

(در مختار علی الشامیۃ ص ۴۳)

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

مُرتب خیر الفیاضی مقیم خیرالمدار اس۔ ملتان

کتنی عمر کے بچے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

اگر کسی نابالغ اور یتیم بچے کو زکوٰۃ دینی ہو تو شرعاً اس کے لئے کوئی عمر کی شرط ہے یا نہیں؟

الجواب نابالغ مستحق کم از کم اتنی عمر کا ہو کہ وہ قبضہ کو سمجھتا ہو یعنی اسے یہ سمجھ ہو کہ یہ چیز مجھے مالکانہ طور پر دی جا رہی ہے۔ اسے پھینک کر بھاگ نہ جاتے کم از کم چھ سات سال کی عمر کے بچے میں اتنی سمجھ ہوتی ہے۔

ولو کان الصبی مراہقاً او یقل القبض بان کان لایس محبہ ولا

یخدع عنہ یجوز اھ (فتح القدیر ص ۲۱۱)۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور، عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ میں آنے ہوئے کپڑے کو مہتمم نے کم قیمت پر

بیچ دیا تو کتنی زکوٰۃ ادا ہوئی؟

ایک شخص نے پچاس روپے کے کپڑے لیکر بعد زکوٰۃ مدرسہ میں داخل کئے مہتمم نے تیس روپے کے فروخت کر کے رقم مدرسہ میں داخل کر لی تو زکوٰۃ تیس روپے کی ادا ہوئی یا پچاس کی؟

باوجود تلاش کرنے کے صریح جزئیہ تو کوئی نہیں ملا البتہ دو فتوے فتاویٰ امدادیہ میں مل گئے ہیں اگرچہ وہ بھی باحوالہ نہیں تاہم ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئلہ میں تیس روپے کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔ اگر ان کپڑوں کی قیمت پچاس روپے ہو تو مہتمم بیس روپے کا ضامن ہوگا۔ زکوٰۃ دینے والے سے دوبارہ اجازت حاصل کر کے مہتمم صاحب اپنی طرف سے بیس روپیہ مدرسہ میں داخل کرے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ،

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳۸۵/۴/۲۶ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

زکوٰۃ کی رقم ملکی قرضہ میں ادا کرنا : گورنمنٹ پاکستان نے غیر ملکیوں کا بہت قرض دینا ہے جس

کی وجہ سے مہنگائی ہے اور ملک مالی لحاظ سے کمزور ہو رہا ہے۔ اور دن بدن قرض میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سود کی ادائیگی کے قابل بھی ملک نہیں ہے۔ کیا ان حالات میں حکومت جو زکوٰۃ و عشر جمع کرتی ہے، وہ اس قرض کی ادائیگی میں استعمال ہو سکتا ہے اور کیا قربانی کی کھالیں حکومت جمع کر کے اس قرض کی ادائیگی کر سکتی ہے اس کے بارے میں شرعی فتویٰ کیا ہے؟

زکوٰۃ و عشر غر بار کا حق ہے۔ لہذا ولعب اور نمائش پر خرچ ہونے والا

مذکورہ قرضہ زکوٰۃ و عشر سے ادا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں انما الصدقات للفقراء والآلۃ
 زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں تمہیک فقیر ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو مسجد پل، سڑکیں
 حج، جہاد وغیرہ البواب خیر میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے
 ہندیہ میں ہے ولا یجوز ان ینبى بالزکوٰۃ المسجد و کذا القناطیر والسقایا
 واصلاح الطرقات وکری الا نهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیہ (ص ۱۸۸)

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۳۰۹/۱۰/۱۲

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کافر کو زکوٰۃ کمیٹی کا چیرمین نہ بنایا جائے

ہمارے چک نمبر ۳۲۱/۸-۳ میں موجود زکوٰۃ و عشر کمیٹیوں کی سلیکشن کی صورت میں ایک شخص
 نور محمد ولد عزیز بخش کو زکوٰۃ کمیٹی کا ممبر بنا دیا گیا جو کہ مرزائی ہے۔ بظاہر وہ اپنی ذات
 کو مسلمان کہلاتا ہے لیکن حقائق سے معلوم ہوا کہ وہ مرزائی ہے۔ کیا یہ شخص زکوٰۃ کمیٹی کا
 ممبر بن سکتا ہے؟

مرزائی ممبر مسلمانوں کے مال میں تصرف کا شرعاً مجاز نہیں ہے خصوصاً
 جبکہ نظام زکوٰۃ کے اصول میں ہے کہ شیعہ اور مرزائی عشر و زکوٰۃ کمیٹی
 کا ممبر و عہدیدار نہیں بن سکتا۔ نیز قرآن کریم میں واضح اعلان ہے کہ کافر مسلمان پر کسی قسم
 کی فوقیت کا اہل نہیں۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً الآلۃ
 ہدایہ میں ہے۔ لا تقبل شہادتہ (ای الکافر علی المسلم) ص ۱۶۳

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۱۳۰۹ / ۱۰ / ۱۲ ہجری

سال گزرنے سے پہلے حکومت جبراً زکوٰۃ نہیں کاٹ سکتی۔

میری بیوی راشدہ بیگم نے ————— مرکزی قومی بچت نیشنل سبوانگ سنٹر
ملتان میں مورخہ ۲ مئی ۱۹۸۵ء کو مبلغ ایک لاکھ روپیہ جمع کرادیا تھا اس مئی کے مہینہ
میں صرف ۲۰ دن بعد اڑھائی ہزار روپے زکوٰۃ فنڈ میں کاٹ لئے گئے کیا یہ زکوٰۃ کی کٹوتی
صحیح ہے۔ ؟

مالکِ نصاب کے مال نامی پر جب ایک سال گزر جائے تو اسپر زکوٰۃ
واجب ہے۔ اس سے پہلے زکوٰۃ کاٹنا خلاف ضابطہ شرعیہ ہے
فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
۲ شعبان ۱۴۱۰ھ

جس سے تملیک کرائی جائے اس کو بھی ثواب ملے گا ؟

بعض مدارس میں تملیک کا معمول ہے تو جس سے تملیک کرائی جائے جب وہ رقم
مدرسہ کو دیدے تو اسے بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں ؟

اسے بھی ثواب ملے گا بشرطیکہ تملیک صحیح طریقہ پر ہوئی ہو۔
وحیلۃ التکفین بہا التصدق علی فقیر ثم ہو یکنف

فیكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد اه (در مختار)
رقوله فيكون الثواب لهما اي ثواب الزكاة للمزكي و ثواب
التكفين للفقير وقد يقال ان ثواب التكفين يثبت للمزكي
ايضاً لان الدال على الخير كفاعله وان اختلف الثواب كما
وكيفاً قلت واخرج السيوطي في الجامع الصغير لومرت
الصدقة على يدي مائة كان لهم من الاجر مثل اجر المبتدئ

من غیر ان ینقص من اجرک شیء" (شامیہ ص ۱۳)۔
فقط واللہ اعلم ، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

انجمن سپاہ صحابہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم : زکوٰۃ کی رقم انجمن سپاہ صحابہ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

جبکہ انجمن اس کو ایک دینی پروگرام پر خرچ کرنا چاہتی ہے مثلاً عظمت صحابہ کے لئے ۔؟
(سائل مولانا عبداللہ صاحب - بہاولپور)

الجواب زکوٰۃ ہر دینی کام پر خرچ نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جس کو دی جائے وہ فقرا و مساکین میں سے ہو۔ نیز کسی کام یا عمل کے معاوضہ میں نہ دی جائے۔ اگر انجمن سپاہ صحابہ کے کارکن جن کو زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں وہ اس مسئلہ سے بخوبی واقف ہوں اور ان پر اعتماد ہو کہ وہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں ادائیگی زکوٰۃ کی شرائط کا اہتمام کریں گے تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ ورنہ دیگر عطیات سے ان کا تعاون کر دیں۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور ۱۲ / ۸ / ۱۴۱۰ ھ

مختلف شہروں کے سفیروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم

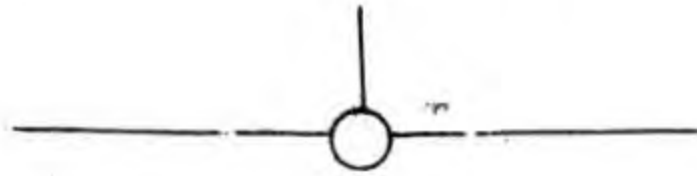
رمضان المبارک میں مختلف شہروں سے مدارس کے سفیر حضرات زکوٰۃ لینے کے لئے آجاتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے شہر والوں کا حق زیادہ ہے شرعاً ان سفیروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب یہ درست ہے کہ اپنے شہر والوں کا حق مقدم ہے اور ان کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے مگر چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں مثلاً اگر اپنے رشتہ دار ضرورت مند ہوں اور دوسرے شہر رہتے ہوں تو بلا کر اہمیت ان کی طرف بھیجنا درست ہے۔ ایسے ہی علوم دینیہ کے طلباء کے لئے بھی دوسرے شہروں میں زکوٰۃ

بھیجا درست ہے۔ وکرة نقلها إلا إلى قرابة بل في الظهيرية لا تقبل
 صدقة الرجل وقرابته محاویج حتی یبدأ بهم فیسد حاجتهم
 أو أحوج أو أصلح أو أروع أو النفع للمسلمین أو من دار الحرب إلى
 دار السلام أو إلى طالب علم وفي المعراج التصدق على العالم الفقیر
 افضل اه (در مختار)

وفي الشامية (قوله وکرة نقلها) ای من بلدٍ إلى بلدٍ آخر
 لان فيه رعاية حقوق الجوار فكان اولی زیلعی والمتبادر منه ان الكراهة
 تنزیهية تأمل فلو نقلها جاز لان المصرف مطلق الفقراء در راه ^{۷۵}
 وفيها (قوله افضل) ای من الجاهل الفقیر قهستانی اه (ص ۷۵)

الجواب صحیح
 بنده عبدالستار عفا اللہ عنہ
 فقط واللہ اعلم ،
 احقر محمد انور عفا اللہ عنہ



ماہتمم مدرسہ کے بیٹے بھی اتنا ہی مال لے سکتے ہیں جتنا کہ عام طالب علم

زید کا اپنا مدرسہ ہو اس میں مسافر طلباء اور زید کے اپنے بچے بھی پڑھتے ہیں
 جس طرح عام طالب علموں کی ضروریات کا مدرسہ کفیل ہوتا ہے کیا زید کے لڑکوں کو بھی
 وہی مراعات و ضروریات مدرسہ سے دی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ حالانکہ زید مسکین و
 غریب بھی نہیں۔

ضرورت نہ ہونے کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ نہ لے، اور اگر لینا
 چاہیں تو جتنا ایک عام مقامی طالب علم کو مدرسہ کی طرف سے دیا جاتا ہے اتنا لینے میں

گنجائش ہے۔ مہتمم مال مدرسہ کا امین ہے، مالک نہیں۔ محض اہتمام کی بناء پر اس کے بیٹے مال مدرسہ لینے کے مجاز نہیں۔ اور اجازت صرف ان بچوں کے لئے ہے جو باقاعدہ مدرسہ کے طالب علم ہوں۔ نیز غنی کے نابالغ بچوں کو صدقات واجبہ دینے جائز نہیں دیتے

وقت اس مسئلہ کو بھی ملحوظ رکھا جاوے۔ نیز اگر مقامی طلبہ کو امداد نہیں دی جاتی تو مہتمم کے لڑکوں کو بھی نہ دی جائے۔ محمد انور عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح، نائب مفتی خیر المدارس ۲۸/۱۱/۱۳۹۸ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کمپنیوں کے حصہ دار زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟

ایسی صنعتی کمپنیاں جس کے مختلف حصہ دار ہوں وہ اصل اور نفع کی زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟ اگر اصل رقم کا کوئی حصہ تعمیر یا مشینری پر خرچ نہیں ہوا تو زکوٰۃ اصل اور نفع دونوں پر ہوگی۔ درمختار میں ہے۔

و ثمنیۃ المال کالدرہم والدنانیر لتعینہما للتجارۃ باصل الخلقۃ
فتلزم الزکاۃ کیفما امسکھا ولوللنفقۃ اھ (شامی ص ۱۱۲)۔
اگر رقم کا کچھ حصہ مشینری پر خرچ ہو چکا ہے تو باقی مال اور نفع پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ آلات اور مشینری پر زکوٰۃ نہیں آتی ولو اشترى قدورا ویوجبرها لا تجب فیہا الزکوٰۃ کما لا تجب فی بیوت الخلقۃ (کذا فی قاضی خان و

عالمگیری ص ۹۲) فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲/۱۱/۱۳۰۷ھ

کمپنی کے شیئرز کی زکوٰۃ اس وقت کی قیمت کے اعتبار ادا کیجائے

کمپنی یا بینک سے (SHARES) شیئرز خریدنے جب خریدے تھے تو اسکی قیمت چار ہزار روپے تھی اور اب ہم اس کو فروخت کریں تو اسکی قیمت آٹھ ہزار روپے ہے تو انکی زکوٰۃ موجودہ قیمت کی ادا کریں یا بوقت خرید کی زکوٰۃ ادا کریں ؟

بازار میں انکو جو اسکی قیمت ہوگی زکوٰۃ اسی حساب سے ادا کی جائے گی۔

درمختار میں ہے۔ و تقیمت القيمة يوم الوجوب و قال لا يوم الاداء اجماعاً وهو الاصح (ص ۳۲۰)۔ فقط واللہ اعلم ،
الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ ،

کسی کی طرف سے بلا اجازت زکوٰۃ دے دی تو اسکی

طرف سے ادا نہیں ہوگی

ایک عورت پر زیور کی زکوٰۃ واجب تھی مگر نقد رقم موجود نہ تھی۔ اسکی بیٹی نے اپنی ذاتی رقم سے والدہ سے اجازت لئے بغیر والدہ کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دی کیا وہ زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ ؟

صورتِ مسئلہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ لو ادى زکوٰۃ عن غیرہ
بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجزاھ (شامی ص ۱۲۰)

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ ،
۹۹ / ۱ / ۶

متوفیٰ نے اپنی زندگی میں زکوٰۃ نہ دی ہو تو ترکہ سے لیکھنے کا حکم

بندہ مرگئی اور کچھ زیورات چھوڑ گئی۔ اپنی زندگی میں اس نے ان زیورات وغیرہ

کی زکوٰۃ پوری پابندی سے زدی اب وفات کے بعد کیا ورثہ مال میں سے اسکی زکوٰۃ نکال سکتے ہیں۔ اور ان پر زکوٰۃ نکالنا واجب ہے یا نہ۔ اور زکوٰۃ اس کے مال سے نکال کر ترک تقسیم کریں یا کیسے کریں اگر ایک واپارث اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس وارث کی ادائیگی زکوٰۃ سے ہندہ سے فرض اتر جائے گا یا نہ؟

الجواب اگر ورثہ تمام بالغ ہوں تو اپنی خوشی سے متوفیٰ کی طرف سے زکوٰۃ نکال سکتے ہیں۔ ان پر واجب نہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی زکوٰۃ دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے حق تعالیٰ سے اس کو ثواب ملنے کی پوری امید ہے اور اس متوفیٰ سے بوجھ کم ہونے کی توقع ہے۔ اگر سب وارث راضی ہوں تو ترکہ کی تقسیم سے پہلے زکوٰۃ ادا کریں ورنہ بعد از تقسیم ہر شخص اپنے حصہ سے اگر چاہے نکال کر ثواب حاصل کرے۔

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ، مہتمم خیر المدارس سلطان

۱۳/۴/۱۳۴۶

مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا : ایک غریب مستحق زکوٰۃ کو مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ

کی رقم دینا درست ہے۔

الجواب درست ہے۔ مگر بیک وقت اتنی زدی جائے کہ وہ غنی ہو جائے

وکیرہ ان یدفع الی واحد ہائتی درہم فصاعداً وان

دفع جازاھ (ہدایۃ ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲/۸/۱۳۹۸

بلیک کے ذریعہ حاصل کردہ مال پر زکوٰۃ کا حکم :

جو نقدی بذریعہ بلیک حاصل کی جائے اسے قربانی و فطرانہ دینا جائز ہے یا

نہیں۔

یہ مال اگرچہ ناجائز طریقے سے حاصل ہوا ہے لیکن باوجود اس کے **الجواب** وہ اس کا مالک بن گیا ہے اس وجہ سے اس کو قربانی اور فطرانہ

اور اسکی زکوٰۃ یہ تمام امور ادا کرنے ضروری ہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق عفر اللہ

معین مفتی خیرالمدارس۔ ملتان بندہ اصغر علی عفر

نائب مفتی خیرالمدارس۔ ملتان ۱۲ / ۱۱ / ۱۳۷۸ ھ

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ عفر اللہ مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

بھانجا ماموں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ ماموں اپنے بھانجے سے زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ جبکہ

ماموں از حد غریب ہے نہ نقدی ہے اور نہ سونا چاندی، کسی دینی جماعت کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

اگر ماموں میں کوئی شرعی مانع نہ ہو تو عام لوگوں کی بر نسبت ان کو دینا زیادہ **الجواب** ثواب کا سبب ہے۔ ایسے ہی اگر وہ زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرنے میں

مصارف کا پورا پورا خیال رکھتے ہوں تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفر ، محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۹ / ۷ / ۱۴۰۶ ھ

حکومت کو مالیر ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا

زمین کی پیداوار پر گورنمنٹ ٹیکس (مالیر) ادا کرنے کے ساتھ شرعی حق

دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند صبح ۸۶ میں مرقوم ہے اگر زمین عشری ہے

تو سرکاری محصول دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ فیما بینہ وہین اللہ

الجواب

فقرا۔ کو دسواں یا بیسواں حصہ دینا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۰ رجب ۱۳۷۰ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کا پیسہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنا : زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر
روانہ کرنا جائز ہے یا نہیں یا بیمہ

ہو سکتا ہے ؟

منی آرڈر سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے اور اسی طرح بیمہ سے بھی روپیہ
زکوٰۃ بھیجا جا سکتا ہے۔ (کذا فی الفتاویٰ امدادیہ ص ۱۴۹) لیکن واضح

ہے کہ اگر ڈاک خانہ سے مرسل ایہ کو زکوٰۃ کا روپیہ بصورتِ نوٹ کے حاصل ہو تو اس
کو نقد بنا کر قبضہ کرانا ضروری ہے۔ یعنی مرسل ایہ کو لکھ دیا جائے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے۔
اس رقم کے اگر نوٹ ڈاک خانہ سے حاصل ہوں تو نقد بنا کر لو۔ اور نقد رقم کو اپنے صرف
میں لاؤ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۱۰ / ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

مقروض بھی اپنی زمین کی پیداوار کا عشر دے

میری تنخواہ مبلغ ۸۰ روپے ماہوار ہے۔ کنبہ زیادہ ہونے کی وجہ سے بڑی مشکل
سے گذر ہوتا ہے اور پس انداز کچھ بھی نہیں ہوتا کہ اسے شرعی طور پر زکوٰۃ دی جا
سکے۔ اس رقت مجھ پر ۵۰۰ روپے قرض ہے۔ اور زمین سے دس من گندم ملی ہے
کیا اس گندم پر شرعاً عشر واجب ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب عشر کا وجوب زمین سے حاصل شدہ چیز پر ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ عشر دینے والا غنی ہو۔ پس آپ پر ضروری ہے کہ آپ ایک من عشر ادا کریں۔ زمین اگر بارانی ہے تو دسواں حصہ دینا ہوگا اور اگر چاہی یا نہری ہو جس کا پانی معاوضہ سے خریدا گیا ہو تو بیسواں حصہ یعنی بیس سیر عشر ہوگا۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ له ۲۴ / ۱۱ / ۱۳۷۶ ھ

الجواب صحیح ، بندہ اصغر علی غفر اللہ له ۲۴ / ۱۱ / ۱۳۷۶ ھ

الجواب صحیح عبد اللہ غفر اللہ له مفتی خیر المدارس ملتان

بہن کو زکوٰۃ دینے کا حکم : بھائی بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب بہن مستحق ہو تو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے بلکہ دُہرا ثواب ملے گا۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس۔
۵ / ۹ / ۱۴۰۷ ھ

جانوروں کی زکوٰۃ کے لئے ان کا سامنہ ہونا ضروری ہے

ایک شخص کے پاس انٹی بھینسیں ہیں۔ جو کہ تجارت کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کا دودھ فروخت کرتا ہے۔ جس کی آمدنی ہر ماہ تقریباً سو لاکھ روپیہ ہے۔ کیا بھینسوں پر زکوٰۃ ہوگی یا آمدنی پر جبکہ وہ باہر چرنے نہیں جاتیں۔ بلکہ گھر پر ہی خرید کر چارہ ڈالا جاتا ہے۔ ؟

الجواب بر تقدیر صحت واقع صورت مسؤلہ میں بھینسوں پر زکوٰۃ واجب نہیں

کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ کے لئے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ البتہ ان سے جو آمدنی ہوتی ہے
اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم ،
الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار غفرلہ ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

داخلہ حج میں دیتے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ : میرا سال زکوٰۃ ماہِ رمضان
کے آخری عشرے میں پورا
ہوتا ہے مگر میں نے یکم رجب کو داخلہ حج بھردیا ہے۔ سال پورا ہونے پر اس رقم پر
زکوٰۃ آئے گی یا نہیں ؟

الجواب صحیح
جب سال یکم رمضان کو پورا ہوتا ہے اس وقت تک روپیہ استعمال میں نہیں
آیا تو وجوبِ زکوٰۃ کل رقم پر ہوگا۔ لہذا داخلہ حج میں دیا ہوا روپیہ
وجوبِ زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

كما يفهم من الدر على هامش الرد ص ۶ بخلاف دين نذر وكفارة
وجح لعدم المطالب الخ - فقط واللہ اعلم ، محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح ، خیر المدارس - ملتان ۶ / ۷ / ۹۲ جو

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، خیر المدارس - ملتان ۶ / ۷ / ۹۲ جو

زکوٰۃ کے پیسے سے ادویات خرید کر دینا

زکوٰۃ کے روپیے سے ادویات خرید کر لوگوں کو تقسیم کر سکتے ہیں یا کسی مدرسہ میں جو
گورنمنٹ سے گرانٹ حاصل کر رہا ہو اس میں ادویات خرید کر دے سکتے ہیں ؟
زکوٰۃ کے روپے سے ادویات خرید کر کے فقرا و مساکین کو جو مستحق
ہوں اور شرعی مصرف ہوں تملیک کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح سکول
کے مستحق طلبہ کو ادویات تملیک کرنا جائز ہے۔ چاہے سکول کو گورنمنٹ گرانٹ

بھی ملتی ہو یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ سے خرید شدہ ادویات مستحق اور نادار طلبہ کو ہی
تملیک کی جائیں۔ فقط واللہ اعلم، محمد عبداللہ غفر اللہ لہ،
مفتی خیر المدارس، ملتان ۱۳۷۸/۵/۱۲

زکوٰۃ کے پیسے علیحدہ رکھے تھے کہ چوری ہو گئے

زکوٰۃ کے دو سو روپیے زائد حساب کر کے نکالے اور ان زکوٰۃ کے روپیوں کو
علیحدہ رکھ دیا۔ مدارس وغیرہ میں بھجوتے رہے۔ کچھ روپے ابھی تقسیم نہیں کئے تھے کہ
کسی نے وہ ڈبہ گھر کی الماری سے چُرا لیا۔ اس کمرے سے ہی ہمارے پہلے بھی کچھ
پیسے کسی نے چُرا لئے تھے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوٰۃ والے روپیوں کی زکوٰۃ ادا
ہو گئی۔ یا دوبارہ دینے پڑیں گے۔؟

جتنی مقدار فقراء کو نہیں دی گئی اتنی مقدار ادا نہیں ہوگی۔ دوبارہ
دینی لازم ہوگی۔ (در مختار ص ۱۲۱) (ولا ینخرج عن العہدۃ بالغرل)
فلو ضاعت لا تسقط عند الزکوٰۃ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب
الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ عنہ،

خیر محمد غفر اللہ عنہ، ہتم جا ہذا ۳ / ۱۲ / ۱۳۷۱

ایک ہی شخص کو اتنے پیسے دینا کہ وہ غنی ہو جائے

کوئی آدمی زکوٰۃ کے پیسے سے ایک غریب آدمی کو حج بیت اللہ شریف کرا سکتا
ہے یا نہیں؟

ہاں بننے کے بعد فقیر کو اختیار ہے کہ اس پیسے کو جہاں چاہے
صرف کرے لیکن کسی مستحق کو غنی کرنا بیک وقت بصاب سے زائد
الجواب صحیح

دینا مکروہ ہے۔ ویکرہ ان یدفع الی واحدٍ ما شتی درہم فصاعداً
وان دفع جان (ہدایہ باب الزکوٰۃ) - فقط واللہ اعلم ،
فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۹/۱۲/۱۳۹۷ھ

جس قرض کے ملنے کی اُمید ہو اسکی زکوٰۃ کا حکم

جو مال کسی کو قرض پر دیا ہے یا رقم قرضہ پر دی ہوئی ہے لیکن ملنے کی اُمید نہیں ہے تو اسکی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہ۔ پھر یہی قرضہ اگر کئی سالوں کے بعد بالفرض مل جائے تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہ ؟

الجواب اگر مقرض منکر تھا اور قرض دینے کے گواہ بھی موجود نہیں تھے تو اس صورت میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ درمختار میں دین کان جحدۃ المدیون سنین ولا بینة لہ علیہ (ص ۲۹) لیکن اگر مقرض مقرض ہے مگر حصول پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے نا اُمید ہے تو اس صورت میں بھی گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ (شامیہ باب المصرت) ملنے کی اُمید اور مقرض کے اقرار یا اس پر گواہ ہوں تو کُل صورتوں میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔ درمختار میں ہے۔ ولو کان المدین علی مقرملئ او معسر او مفلس او جاحد علیہ بینة او علم بہ قاض فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ما مضی۔

(شامیہ ص ۲۷۰)۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۷ / ۵ / ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح :

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

واجب التصدق رقم اپنی بالغ اولاد کو دے سکتا ہے

ایک آدمی کے پاس سود کی رقم ہے وہ خود تو اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا اسکی ایک لڑکی ہے جس کی شادی کی تھی تو اس کے خاوند نے طلاق دے دی کیا وہ والد سود کی رقم اپنی اس لڑکی کو دے سکتا ہے یا کہ نہیں؟

اگر لڑکی مستحق زکوٰۃ ہے تو یہ رقم اس کو دے سکتا ہے مگر زکوٰۃ وغیرہ **الجواب** نہیں دے سکتا ہے۔ وفی کراہیۃ الہندیۃ ان

تصدق بہ علی ابیہ یکفیه ولا یشرط التصدق علی الاجنبی

فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ایک شخص صاحب مال ہے اور **شیعہ کو عشر دینا جائز نہیں** : عشر دینا چاہتا ہے اس کا ایک

رشتہ دار قریبی شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے کیا اس پر عشر لگتا ہے یا نہیں؟ **جائز نہیں۔**

الجواب بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۳۷۶ / ۱۱ / ۲۴

الجواب صحیح ، محمد عبدالستار غفر اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ، ملتان

افیون کی تجارت سے حاصل ہونے والے مال پر زکوٰۃ کا حکم :

ایک شخص فیون بیچتا ہے اس میں منافع اتنا ہوا کہ اس کے پاس دو تین ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ وہ چاہتا ہے کہ اس میں سے زکوٰۃ ادا کروں اور نماز بھی پڑھوں اور حج بھی ادا کروں اور یہی کام آئندہ بھی کرتا رہوں جس طرح شریعت کا حکم

ہو تحریر فرمادیں :-

الجواب افیون کی تجارت کرنا جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ اگر کوئی اور کاروبار مل جائے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کماٹے ہوئے روپے کی زکوٰۃ بھی دیوے اور اس سے حج بھی کرے۔ فقط واللہ اعلم،
الجواب صحیح،
بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ

۲۲ / ۱۲ / ۱۳۷۴ھ

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ میں جانوروں کی ایک جنس کو دوسری کے ساتھ ملا یا نہیں جائیگا

ایک آدمی کے پاس ۳۵ بھریاں اور دس گائے اور تین اونٹ، پانچ بھینسیں ہیں۔ نقدی بھی ہے۔ اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ اور گھوڑوں کی زکوٰۃ ہے یا نہ؟ اگر ہے تو نصاب کیا ہے؟

الجواب مویشی مختلف اقسام کے جمع ہو جائیں اور نصاب کسی کا پورا نہ ہوتا ہو تو کسی قسم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ جمع نہ کیا جائے گا۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ بنا بر قول مفتی ابہ فی

الدر المختار ولا شئ فی خیل سائمة عندهما وعلیہ الفتویٰ و فی الرد قال الطحاوی و هذا احب القولین الینا ورجعه القاضی البوزید فی الاسطر و فی الینابیع وعلیہ الفتویٰ۔ و فی الجواهر و الفتویٰ علی قولہما الخ ج ۲- ۲۶ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ خادم الافکار

الجواب صحیح، خیر المدارس، ملتان، ۱۸ شعبان ۱۳۷۴ھ

خیر محمد ہتم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۲۲ شعبان ۱۳۷۴ھ

۵۔ صاحبِ نصاب وکیل اپنی بیٹی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے

زید صاحبِ نصاب نے اپنی دختر کی شادی عمر صاحبِ نصاب سے کی۔ کچھ عرصہ بعد عمر نے لڑکی کو ناشزہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی اور کچھ مہر و نفقہ نہ دیا۔ لڑکی اپنے باپ کے گھر عدت گزار رہی ہے۔ اور اس کا خرچ اب اس کا باپ برداشت کرتا ہے۔ اور وہ اب بھی صاحبِ نصاب ہے۔ بکر نے زید کو کچھ رقم مد زکوٰۃ کی دی اور یہ کہا کہ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کر دو۔ کیا زید اس رقم کو اپنی مطلقہ دختر پر خرچ کر سکتا ہے؟

زید اگر بکر کے مال کی زکوٰۃ کو اپنی بیٹی کبیرہ پر صرف کر دے تو جائز ہوگا یعنی باپ کے علاوہ دوسرے شخص کی زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے۔ وکذا الى البنت الکبيرة اذا كان ابوها غنيا لان قدر النفقة لا یغنیها (عالمگیری ص ۱۸۹)۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،
الجواب صحیح، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۸/۹/۱۳۷۰ھ

مالِ عشر دوسرے شہر لیجا کر فروخت کرے تو بھی مجموعہ قیمت سے عشر دے

کسی آدمی نے ٹماٹر وغیرہ کاشت کئے ہیں۔ وہ شخص ان کو اسی جگہ بیچنا چاہتا ہے، مگر نرخ کی کمی کی وجہ سے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہے۔ اب اس شخص کو کیا کرنا چاہیے بصورت دیگر اگر اس زمیندار نے ٹماٹر دوسرے شہر کو ارسال کر دیئے وہاں پر ۱۰۰ روپے کا مثلاً بک گیا جب تمام خرچہ وغیرہ نکال دیا گیا تو صافی صرف شتر یا شتی روپے رہ گئے۔ اب عشر خام بکری سے ادا کرے یا صافی بکری سے۔

در مختار میں ہے ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی
مقازة ففی اقرب الامصار الیہ۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

فلو بعث عبد التجارة في بلد آخر ليقوم في البلد الذي فيه العبد صبغة $\frac{3}{2}$
 اس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئلہ میں سو روپیہ خام بکری
 کا واجب ہے۔ خرچہ نکالنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم،
 الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،
 بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

راج الوقت نوٹ عرض تجارت کے حکم میں، ہمیں

میرے اور میری گھر والی دونوں کے پاس پانچ پانچ تولے سونا ہے۔ زوجہ
 کے پاس گھر کا کچھ سامان بھی ہے۔ جو کہ والدین نے ان کو تمیک کر دیا ہے۔ جو
 تقریباً تین صد روپے کا ہے۔ لیکن میرے پاس سوائے پانچ تولے سونے کے اور کچھ
 بھی نہیں ہے آیا اس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ، قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے۔ اور
 اسی طرح میری بیوی پر بھی ان مذکورہ بالا میں سے کچھ واجب ہے یا نہیں نیز بندہ ۸۰ روپے
 کا ملازم ہے۔ لیکن ۸۰ روپے سارے کے سارے خرچ ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ
 تین سو روپے قرضہ بھی دینا ہے۔ جواب تک ادا نہیں کیا۔ بالفرض اگر قرضہ نہ بھی دینا ہو
 تو پھر بھی صدقۃ الفطر وغیرہ واجب ہوں گے یا نہیں؟

راج الوقت نوٹ اور روپے عرض تجارت کے حکم میں ہیں۔ اور ان
 میں زکوٰۃ واجب ہے۔ الفلوس ان کانت اثمانا راجحة او سلباً

للتجارة تجب الزکوٰۃ في قيمتها والا فلا (شامی ص ۴۲) جب آپ نے تنخواہ
 وصول کی تو اس کا ضم مع الذہب کرنے کی وجہ سے تصاب فضہ کی مالیت سے یہ مجموعہ
 زائد ہو گیا تو سال شروع ہو گیا۔ آئندہ سال اگر اس تاریخ میں ایک روپیہ یا اٹھنی چوٹی
 یا آٹھ بھی موجود ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ ایام قربانی میں بھی اگر ایک روپیہ یا
 اٹھنی یا چوٹی وغیرہ موجود ہوئی تو قربانی واجب ہوگی۔ ورنہ نہیں یہی حکم صدقۃ فطر کا

ہے۔ بیوی کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے کہ جس دن کوئی روپیہ اسکی ملکیت میں آیا اسی روز سے اس کا سال شروع ہو جائے گا الخ۔ البتہ اسکی ملکیتی برتن اگر استعمال میں نہ آتے ہوں ویسے پڑے رہتے ہوں تو اس صورت میں صدقۃ الفطر قربانی وغیرہ ذرا ہوگی۔ خواہ مزید کوئی روپیہ اسکی ملک میں آئے یا نہ آئے۔ اور اگر استعمال ہوتے ہوں تو یہ برتن یعنی انکی مالیت نصاب میں محسوب نہیں ہوگی فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
الجواب صحیح،
نائب مفتی خیرالمدار کس۔ ملتان

محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۱ / ۱ / ۱۳۹۳ ھ

زکوٰۃ کی رقم خود استعمال کر لی اور مالکان کو بتانا بھی مشکل ہو تو....

اگر کوئی زکوٰۃ کی رقم اپنی کسی ضرورت میں خرچ کر بیٹھے اور پھر اپنی طرف سے اتنی رقم مدرسہ میں خرچ کر دے تو کیا زکوٰۃ دھندہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔؟
اصل یہ ہے کہ صورت حال بتلا کر مالکان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے اگر اس میں مشکلات ہوں تو ایک قول کے مطابق صورت مسئلہ میں ہی گنجائش ہے امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لکن قد يقال تجزی عن الامر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع ام (شامیہ ص ۱۳) لیکن یہ رقم ویسے ہی مدرسہ میں خرچ کرنا کافی نہیں ہوگا، بلکہ معظین کی طرف سے تیک کرنی ہوگی۔ رجل جمع ما لا من الناس لينفقہ فی بناء المسجد فانفق تلك الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لا يسعه ان يفعل ذلك فان فعل فان عرف صاحب ذلك المال رد عليه او سأل له تجديد الاذن فيه وان لم يعرف صاحب المال استأذن الحاكم وان تعذر عليه ذلك رجوت له في الاستحسان ان ينفق مثل ذلك من ماله على المسجد فيجوز ام كذا في الذخيرة (هندیہ ص ۲۵۲)۔ فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
۱۵ / ۱ / ۱۳۹۶ ھ

اُدھار کی زکوٰۃ کیسے دے ؟ زید کپڑے کا کاروبار کرتا ہے۔ اور زید چاہتا ہے کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کروں۔ زید کا

مال تین قسم کا ہے۔ اولاً جو کپڑا دوکان میں موجود ہے ثانیاً جو نقد رقم زید کے پاس ہے ثالثاً وہ رقم جو مختلف اشخاص کے پاس بطور اُدھار ہے۔ اب ان تینوں قسموں پر زکوٰۃ ہے یا نہ یا پہلی دو قسم پر زکوٰۃ ہے۔ ؟

جو اُدھار تجارت کے سلسلہ میں ہو یعنی لوگ دکان سے مال لے گئے ہوں یا نقد روپیہ کسی کو دیا ہو اُس کی زکوٰۃ جیسے جیسے وصول ہوتا جائے ادا کی جائے۔ باقی ڈوک کی ابھی دے دیں۔

فتجب عند قبض اربعین درهما من الدين القوی لقرض و

بدل مال التجارة فكلما قبض اربعین درهما يلزمه درهم

(درمختار علی الشامیہ)۔ فقط والشرائع علم، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۲۲/۴/۱۴۰۹ھ

بیٹے کی بیوی کو زکوٰۃ دینے کا حکم : عثمان نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ میں زکوٰۃ اپنی بیوی کو دینا

چاہتا ہوں یہ جائز ہے یا نہیں ؟ مولوی صاحب نے بتلایا کہ من حیث الزکوٰۃ دینا جائز ہے پھر عثمان نے دوسرے مولوی صاحب سے معلوم کیا تو دوسرے مولوی صاحب نے عدم جواز کا فتویٰ دیا کیونکہ ان کا نفع و نقصان مشترک ہے اس لئے دینا جائز نہیں واضح رہے کہ عثمان کی بیوی عاقلہ بالغہ اپنے شوہر کے سمیت عثمان کے گھر کونت پذیر ہے۔ عثمان اور اس کا بیٹا کھیتی کرتے ہیں۔ اور عثمان مذکور تمام مرد و زن منغیر کبیر کا خرچہ خود کرتا ہے ہر چیز کا مشترک کمائی سے ایسے حالات میں عثمان اپنی زکوٰۃ اپنی بیوی کو شرعاً دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب صحیح، کتب فقہ میں زوجہ ابن یعنی بیوی کو زکوٰۃ دینے کا جواز مصرح ہے اور

کسی طرح بھی اصولِ شرع کے تحت بہو کو مصرفِ زکوٰۃ سے خارج کرنے کی صورت نہیں نکلتی، لہذا بہو کو زکوٰۃ دینی جائز ہے اگر وہ مسکینہ ہو۔ باقی فقہاء نے باپ کی زکوٰۃ بیٹے کو یا علی العکس یا زوجہ کی زوج کو و علی العکس کے عدم جواز کے لئے بطورِ دلیل عقلی یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھانے میں چونکہ آزاد ہوتے ہیں تو یہ زکوٰۃ گویا دوبارہ زکوٰۃ دینے والے کی ضرورت میں استعمال ہو رہی ہے۔ وغیر ذلک اس قسم کے دلائل عقلیہ جنہیں فقہاء پیش کرتے ہیں مسئلہ کا مدار نہیں ہوتے اس طرح کہ اگر یہ دلیل اجنبی میں پائی جائے اور کوئی شخص کسی غریب قریب کے ساتھ اس قسم کا دوستانہ برتاؤ اور حسن تعلق رکھے کہ وہ ایک دوسرے کے مال کو آزادی سے استعمال کریں تو وہاں حکم عدم جواز کا دیا جائے یا کوئی لڑکا اپنے باپ سے علیحدہ ہے اور بیٹے کا مال کامل الانقطاع ہے۔ کسی قسم کا نفع ایک دوسرے کے مال سے نہیں اٹھاتے تو وہاں جوازِ زکوٰۃ کا حکم دیا جائے اس طرح کا عمل صحیح نہیں۔ دلائل عقلیہ کو فقہاء صرف تقریبِ ذہن کے لئے پیش کرتے ہیں دراصل مصارفِ زکوٰۃ حدیث شریف میں منصوص ہیں۔ باپ کی زکوٰۃ بیٹے پر منع ہے۔

حدیث شریف میں اب یہ منع مطلق ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ ہو اور بہو کے لئے جواز ہے لہذا یہ بھی مطلقاً ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ ہو۔ البتہ اگر کوئی نیت فاسد رکھتا ہو اور بہو کو دینا حیلہ بنا رہا ہو فی الواقعہ مقصود یہ ہو کہ اس طرح زکوٰۃ سے دوبارہ فائدہ اٹھاؤں گا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ انما الاعمال بالنیات الخ اگر نیت فاسد ہے تو عمل فاسد ہوگا لیکن فقہی حکم کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے باطنی نیت سے نہیں لہذا فقہی حکم صرف جواز کا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم ،

محمود عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مفتی قاسم العلوم۔ ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۸ / ۲ / ۱۳۸۱ھ

مفتی خیر المدارس ملتان



سادات کو زکوٰۃ دینا کسی زمانہ میں جائز نہیں

سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے موجودہ زمانہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے۔؟ احادیث صحیحہ اور معتبر فقہاء اس کے حق میں ہیں یا خلاف۔ درست صورت حال اور مفتی بہ قول درکار ہے۔

کسی زمانہ میں بھی سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور سادات کو ہر زمانہ میں زکوٰۃ لینا حرام ہے خواہ خمس ہو یا نہ۔ **الجواب صحیح**۔
 واطلق الحكم في بنى هاشم ولم يقيد بزمانٍ ولا بشخصٍ للاشارة الى رد رواية ابى عصمة من الامام انه يجوز الدفع الى بنى هاشم في زمانه لان عوضها وهو خمس الخمس لم يصل اليهم لاهمال الناس امر الغنائم وايصالها الى مستحقيها واذ لم يصل اليهم العوض عادوا الى المعوض وللإشارة الى رد الرواية بان الهاشمي يجوز له ان يدفع زكواته الى هاشمي مثله لان ظاهر الرواية المنع مطلقا ص ۲۶۶ نیز جس ایک روایت کے پیش نظر جواز بتلایا جا رہا ہے۔ وہ دلیل کے مقتضی کے خلاف ہے۔ فقہاء معتبرین کا مفتی بہ قول بھی عدم جواز کا ہے۔ فقط واللہ اعلم، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ،
 الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

آل علیؑ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں؛ ایک شخص اپنے آپ کو علوی بتاتا ہے کیا اسے زکوٰۃ دے

سکتے ہیں۔؟

آل علیؑ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں؛ ایک شخص اپنے آپ کو علوی بتاتا ہے کیا اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔؟
الجواب صحیح۔ اگر واقعہً وہ آل علیؑ سے ہے تو اس کو صدقات واجبہ براہ راست نہیں دے سکتے۔ (قولہ ولا الی بنی ہاشم) درمختار) اعلم ان عبد مناف وهو الاب الرابع للنبي صلى الله عليه وسلم اعقب اربعة

وہم ہاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس ثم ہاشم اعقب اربعة انقطع نسل
الكل الا عبد المطلب فانه اعقب اثنا عشر تصرف الزکوة الى اولاد کل اذا
کانوا مسلمین فقراء الا اولاد عباس وحادث واولاد ابی طالب من
علی وجعفر وعقیل اھ شامیة ص ۲۷۲ - فقط واللہ اعلم ،

محمد انور ۳۰ / ۹ / ۱۴۰۶ ھ

برادری کے مالداروں سے لیکر انہی کے فقرا پر تقسیم کرنے کی شرائط

ہماری ایک برادری جو کہ پانچ چھ خاندانوں پر مشتمل ہے۔ جس میں مالی اعتبار سے ہر
طرح کے افراد شامل ہیں یعنی امیر و غریب۔ برادری کی ایک قومی کمیٹی تمام برادری کے
اتفاق و اتحاد سے بنی ہوئی ہے جس کا مقصد اب یہ ہے کہ برادری کے امیر لوگوں سے
زکوٰۃ وصول کریں اور اپنے پاس جمع کر کے اپنی برادری کے یتیموں، بیواؤں، مسکینوں
اور ایسے افراد جن کا گزارہ نہیں ہوتا ہے ان پر تقسیم کریں۔ اگر یہ جائز ہے تو قومی کمیٹی کس
طرح سے ان افراد میں زکوٰۃ کو تقسیم کرے۔؟

کمیٹی اس طرح زکوٰۃ جمع کر سکتی ہے اور انکو دے سکتی ہے جن کے پاس تقریباً
ایک سو پندرہ روپے کی مالیت کا سامان معہ نقدی زیورات موجود نہ ہو۔
جو سامان کہ زائد از حاجت ہو۔ ہر یتیم، بیوہ مستحق زکوٰۃ نہیں۔ مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری
ہے :- کسی وسیع النظر عالم دین سے مسائل پوچھ کر زکوٰۃ ادا کرنا۔ ورنہ خطرہ ہے کہ بہت سے
لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہی نہ ہو :- شرعاً مسکین و غریب کس کو کہتے ہیں اسکی صحیح تحقیق معلوم
کرنا :- رقم جمع ہوتے ہی جلد از جلد مستحقین تک پہنچانے کی کوشش کرنا۔ جمع کرنے میں
بہت ضروری ہے۔ کہ ہر سال کے سال یہ فنڈ ختم ہو جایا کرے گا۔ اگر دشواری نہ ہو تو فقرا
کی فہرست تیار کر کے ایک طرف لیتا جاوے اور دیتا جاوے کہ جمع کی نوبت ہی آوے :- مساکین
میں اپنی ہی برادری کی تخصیص کرنا اچھا نہیں دوسرے مساکین کو بھی دیتے رہیں :- کسی

غیر مقررہ من مستحق کو ایک ہی مرتبہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت سے کم دیں۔ تقریباً
سورہ پیکہ زیادہ نہ دیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، ۲۵
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۸۲ھ

کیا کس کی لکڑیوں میں عشر ہے یا نہیں؟ کیا کس چُنوائی میں مزدوری

اور اگر یوں ہی کیا جاوے تو جو مقدار مزدوری میں چلی جاوے گی اس کا عشر بھی واجب
ہوگا۔ نیز اسکی آمدنی سے خرچہ نکال کر عشر واجب ہوگا یا خرچہ نکالنے سے پہلے۔ نیز
کیا کس کی لکڑیوں میں عشر ہے یا نہیں؟

الجواب اگر یہ کہا جائے کہ جو کیا کس چُنو گے، اس سے اجرت دی جائے
گی تو درست نہیں اور اگر لُؤلُ کہا جاوے کہ دس سیر کیا کس چُننے پر
ایک سیر دی جائے گی تو درست ہے پھر چاہے اسی سے دی جائے۔

لو استأجر رجلاً یحییٰ هذا القطن بعشرة أمناء من القطن
ولم یقل من هذا القطن جاز (عالمگیری ص ۵۲۲)

جو مقدار مزدوری میں دی جاوے عشر اس میں بھی واجب ہے کیونکہ وہ بھی
منجملہ پیداوار ہے کیا کس کی لکڑی میں عشر نہیں ہے عشر خرچہ وغیرہ نکالنے سے
پہلے ادا کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔ فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح، مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۹۸/۱/۲ھ

غنی نابالغ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے : ایک یتیم لڑکا جو لُصَاب کا مالک
نہیں تھا۔ کچھ عرصہ سے لُصَاب سے زائد اس کے پاس
اب اس کو زکوٰۃ عشر۔ قرآنی کے چمڑے کی رقم صدقہ الفطر وغیرہ دے سکتے ہیں یا

نہیں اور وہ خود نصاب کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہیں؟

مذکورہ بچے کو زکوٰۃ دینے کی اجازت نہیں نابالغ کے مال میں زکوٰۃ
الجواب فرض نہیں، درمختار میں ہے۔ و شرط افتراہنھا عقل و بلوغ و
 اسلام و حریت (ص ۲۴) قربانی کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف ہے اصح
 عدم وجوب ہے درمختار میں ہے۔ ویضی عن دلہ الصغیر من مالہ وقیل
 لا صححہ فی کافی قال ولیس للاب ان یفعلہ من مال طفله ورجحہ
 ابن الشحنة قلت وهو المعتمد (شامی ص ۲۰۵)۔ بچے کی زمین میں عشر واجب
 ہے۔ ہندیہ میں ہے۔ یحب العشر فی ارض الصبی والمجنون (ص ۹۵)
 الجواب صحیح ، فقط والسرائم ، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
 عبدالستار عفا اللہ عنہ
 ۱۴۰۸ / ۸ / ۳

زکوٰۃ و عشر میں مال کی قیمت کا تعین قریبی شہر بستی کے لحاظ سے کیا جائے

ہمارے علاقہ میں خرلوزے ہوتے ہیں اور جب خرلوزے پک جاتے ہیں تو خرلوزہ
 کو کاٹ کر کوئٹہ کراچی وغیرہ میں فروخت کے لئے لے جاتے ہیں۔ مذکورہ جگہوں
 میں لے جانے سے بہت خرچہ ہوتا ہے۔ یعنی لاری کر ایہ مانڈی و محصول دلالی
 وغیرہ اور زمیندار عشر روپوں سے نکالتا ہے اب عشر خرچ کے ساتھ ادا کریں یا کہ
 بغیر خرچ کے مذکورہ جگہوں میں خرلوزے کی کل قیمت پانچ ہزار ہے اور مختلف خرچہ
 پانچ سو روپیہ ہے تو اب عشر پانچ ہزار کے حساب سے ادا ہو یا کہ ساڑھے چار ہزار
 کے حساب سے ۲۔ اور بعض زمیندار ایسے کرتے ہیں جب خرلوزہ کاٹ لیتے ہیں تو
 اس وقت کریٹ بھر کر کے عشر کیلئے چند کریٹ متعین کر لیتے ہیں مثلاً کل چالیس
 کریٹ خرلوزے سے بھر گئے تو اس زمیندار نے چار کریٹ عشر کے لئے متعین کر
 لئے اور کسی مسکین کے قبضہ میں نہیں دیتے اور اپنے کریٹوں کے ساتھ کوئٹہ لے گئے

تاکہ وہاں بیچ کر مُشترکہ رقم کو اپنے شہر کے مساکین پر تقسیم کریں ایسی صورت میں خرچہ دینا مالک کے ذمہ ہوگا۔ یا کہ عشر کے کرٹوں کی قیمت سے وصول کیا جائے۔

۱۔ خرچہ کا کھیت کاٹ لیا تو اس پر عشر کی ادائیگی لازم ہوگئی۔

الجواب

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَاَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ الْآيَةُ

لہذا عشر کو جدا کر کے فقرا کو دیدے اور عشر میں شریعت نے مالک کو یہ بھی حق دیا ہے کہ اصل جنس کے بجائے اسکی قیمت ادا کرے۔ وَاَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ الْآيَةُ

وَعَشْرٌ وَخَرَجٌ ۝ وَتَعْتَبِرُ الْقِيَمَةَ يَوْمَ الْوَجُوبِ وَقَالَ يَوْمَ الْاِدَاءِ وَفِي السَّوَامِ يَوْمَ الْاِدَاءِ اَجْمَاعاً وَهُوَ الْاَصْحَحُّ وَيَقُومُ فِي الْمَبْلَدِ الَّذِي الْمَالُ فِيهِ وَلَوْ فِي مَفَاذَةٍ فَنَحْيُ اقْرَبُ اِلَّا مَصَارِئِهِ (شامی ص ۲۴ ج ۲)

اس لئے مالک اگر چاہے تو اپنی بستی یا قریبی شہر کے بھاؤ کے مطابق عشر کی قیمت لگا کر یہ قیمت بطور عشر ادا کرے اور مال جہاں چاہے لیجا کر فروخت کرے چاہے جس بھاؤ پر فروخت کرے کرایہ و خرچہ اس پر ہوگا۔ عشر کے ساتھ تعلق نہ ہوگا عشر جو متعین کر لیا ہے وہ دیدے۔ ۲۔ جب عشر کے کرٹ متعین کئے تو اپنی بستی و شہر کی قیمت کے اعتبار سے وہ روپے اپنے ذمہ لگالے پھر بعد میں دیدے۔

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱ / ۱۴۰۹ھ

ضرورت کی کتب نصاب میں شمار نہیں ہوں گی

علماء حضرات کے پاس جو مختلف درسی یا غیر درسی کتابیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں جبکہ انہوں نے اپنی ضرورت کے لئے رکھی ہوں تو خواہ انکی ضرورت اکثر و بیشتر ہوتی ہو یا مہینوں تک کبھی کبھی ضرورت پیش آتی ہو، جب انکی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو انکی وجہ سے اس نصاب کے مالک پر صدقہ نظر اور قربانی کا وجوب ہوتا ہے۔

یا نہیں اور ایسے شخص کے لئے صدقات لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز طب و فلسفہ کی کتابیں بھی جبکہ اپنی ضرورت کے لئے ہوں نصاب کو پہنچ جائیں تو ان کا حکم بھی مذہبی کتابوں جیسا ہے یا ان سے مختلف؟

الجواب کتب درسیہ وغیر درسیہ اگر تفسیر و حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام، نحو و صرف کی ہیں تو پھر اگرچہ انکی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تب بھی مالک کے لئے (جبکہ وہ عالم ہو) اخذِ زکوٰۃ جائز ہے بشرطیکہ اس کے پاس ان کتب کے علاوہ دیگر کوئی نصاب موجود نہ ہو لہذا ایسے شخص پر صدقہ فطر و قربانی واجب نہیں۔ کما فی الدر صبیحاً و کذا للکتب ان تکن لا ہلہا اولم تنو للتجارة غیر ان الہل لہ اخذ الزکوٰۃ وان ساوت نصاباً البتہ اگر ان میں سے بعض کتب دو دو نسخوں سے زائد ہوں اور زائد نسخوں کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو پھر یہ شخص مصرف زکوٰۃ نہیں ہوگا۔ اور اس پر قربانی اور صدقہ فطر واجب ہوگا۔ کما فی الدر او تزید علی نسختین اسی طرح کتب طب اگر طبیب کے لئے ہیں اور اس کو انکی ضرورت پڑتی ہے تو وہ کتب اس کے لئے اخذ زکوٰۃ سے مانع اور صدقہ فطر وغیرہ کے لئے موجب نہیں ہوں گی کما فی الشامیۃ وان کتب الطب للطیب یحتاج الح مطالعتها و مراجعتها لا تمنع لانہا من الحوائج الاصلیۃ کالات المحترفین یعنی یہ بھی فقیر کا حکم رکھتا ہے منطق و فلسفہ و دیگر کتب مشابہ کتب شعر، تاریخ، عروض کی قیمت اگر نصاب تک پہنچ جائے تو پھر وہ شخص غنی سمجھا جائے گا۔ قربانی و صدقہ فطر اس پر واجب ہوگا۔ کما فی الشامیۃ والذی یقتضیہ النظر ایضا ان ارید بالادب الظرافۃ کما فی القاموس و ذالک کتب الشعر و العروض و التادیخ و نحوہ تمنع الاخذ۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی

الجواب صحیح،

خیر المدارس۔ ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۴ / ۲ / ۱۳۸۲ھ

مفتی خیر المدارس ملتان

مروجہ کمیٹیوں میں زکوٰۃ کا حکم : ایک شخص نے بذریعہ قرعہ اندازی ہندہ
آدمیوں سے پندرہ ہزار روپے

کی رقم لی جس میں ایک ہزار اس کا ہے اور چودہ ہزار باقی ساتھیوں کا۔ بطور قرض جو
اس نے واپس کرنا ہے اب بتائیں اسکی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہوگی ؟

الجواب صحیح : بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئلہ میں زید پر جو رقم قرض ہے اسکی
زکوٰۃ اس کے ذمے واجب نہیں ہے ہر حصہ دار اپنی رقم کی زکوٰۃ
خود ادا کرے کیونکہ جس قرض کے ملنے کی قوی اُمید اس کو بھی دوسرے مال کے ساتھ
ملا کر زکوٰۃ ادا کرنا شرعاً مامور بہ ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۲۶ / ۴ / ۱۴۰۶ ہج

مالِ ضمّار میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

بکر نے تجارت کا مال افغانستان میں خریدا اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ
افغانستان میں خطرناک جنگ جاری ہے ہر جگہ پھڑے جانے کا اور جان سے مار دینے کا خطرہ
ہے اب بکر کو معلوم نہیں کہ اس کا مال اب موجود ہے یا ہلاک ہو گیا ؟ کیا اس صورت
میں بکر کا یہ مال ، مالِ ضمّار ہے یا نہیں ؟ افغانستان میں امن و امان ہو جانے کی صورت
میں بکر کو جب مال مل جائے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہیں ؟

الجواب صحیح : یہ مالِ ضمّار ہے۔ مل جائے تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب
نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۶ / ۴ / ۱۴۰۰ ہج

مجنون پر زکوٰۃ واجب نہیں : اگر نابالغ ، مجنون کا حصہ الگ ہو تو کیا ان کے کفیل شخص کو ان کے زیر تحویل

قابل زکوٰۃ مال سے انکی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب نابالغ اور مجنون بچے کے مال میں زکوٰۃ نہیں جبکہ سال بھر مجنون رہتا ہے۔ فلیس الزکوٰۃ علی صبی و مجنون اذا وجد منه الجنون في السنة كلها هكذا في الجوهرية - مال اگر کچھ وقت کے لئے لے لے بالکل افاقہ ہو جاتا ہے تو مالک نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فلو افاق في جزء من السنة بعد ملك النصاب في اولها و آخرها قل او كثر يلزمه الزکوٰۃ ۱ھ (ہندیہ ص ۸۸)

فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۸ / ۱۴۰۰ھ

کالجزوں کے طلبہ بھی زکوٰۃ لے سکتے ہیں ؟ : گورنمنٹ جو فنڈ

اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کو بطور وظیفہ دیتی ہے طلبہ کو اس اعتبار سے لینا کہ تبدل ملک سے تبدل عین لازم آتا ہے کی رو سے یہ خزانہ گورنمنٹ کا جزو ہو گیا اور حکومت اسے اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے خرچ کرے یا صرف زکوٰۃ کے مستحقین ہی اسے حاصل کر سکتے ہیں شریعت کی رو سے فتویٰ صادر کیا جائے ۔

الجواب اگر حکومت زکوٰۃ فنڈ سے وہ وظائف دیتی ہے تو اسے وہی طلبہ لیں جو مستحق زکوٰۃ ہوں اور حکومت انہیں بطور ملک نہیں لیتی بلکہ زکوٰۃ دھندگان کے وکیل یا نائب کی حیثیت سے لیتی ہے لہذا تبدل ملک نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہ ، ۳۰ / ۶ / ۱۴۰۶ھ

زکوٰۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ لکھنا

زید نے این، آئی، ٹی میں اپنی رقم جمع کرائی ہوئی ہے۔ سنا ہے کہ ان کا طریق کار صحیح ہے۔ علماء دیوبند نے اسکی اجازت دی ہے یہ حکمہ زکوٰۃ کاٹ کر حکومت کے خزانہ میں جمع کر دیتا ہے۔ زید چاہتا ہے کہ اپنی زکوٰۃ اپنے رشتہ داروں میں دے۔ اگر زید خود کو شیعہ لکھ دے تو کٹوتی سے بچ جائے گا تو کیا کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ کہنا درست ہے؟

موجودہ دور کے شیعہ جو تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں کافر ہیں۔ اسی لئے ان کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ کافر پر زکوٰۃ نہیں ہوتی اسلئے زید اپنے آپ کو

ہرگز شیعہ نہ لکھے اگر لکھ چکا ہو تو توبہ و استغفار کرے۔ ایمان و نکاح کی تجدید کرے
فقط واللہ اعلم،

محمد انور، ۱۹/۶/۲۰۰۹ء

فقیر نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم : زید نے ایک لڑکا عمر و چھوڑا اور اتنا مال بھی کہ جس سے عمر و

صاحبِ نصاب بن جائے اور بکر نے نابالغ بچہ وارث چھوڑا اور اتنا مال نہیں کہ جس سے اس کا بیٹا خالد صاحبِ نصاب بن سکے تو کیا دونوں لڑکے زکوٰۃ کے مصرف ہوں گے؟ ۲۔ یتیم کا قبضہ کافی ہے یا اس کے کسی وارث کو قبضہ کرانا چاہیے اور پھر اس وارث کے لئے صاحبِ نصاب ہونا تو شرط نہیں؟

عبدالحلیم جامعہ رحیمیہ۔ جھنگ

عمر و (یتیم غنی) مصرفِ زکوٰۃ نہیں لہذا اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں خالد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے درمختار میں و طفل الغنیۃ فیجوز لا یتفاء المانع کہ مال زکوٰۃ یتیم کو دینا جائز ہے البتہ اگر یتیم چھوٹا ہے کہ خود قبضہ نہیں کر سکتا تو

اس کے اولیاء یتیم کے لئے قبضہ کر سکتے ہیں اور اولیاء کا فقیر ہونا بھی شرط نہیں
کما یفہم من اطلاق در المختار وان ذهب له اجنبی یتیم بقبض ولید

المجولب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ
عبداللہ غفرلہ ، معین مفتی خیر المدارس مسلمان

مفتی خیر المدارس مسلمان ۱۳ / ۱۱ / ۷۵ ھ

خود روگھاس کی دیکھ بھال کی جاتی ہو تو عشر بھی واجب ہوگا

جانوروں کے چارہ کے لئے جو گھاس اُگائی جاتی ہے جیسے برسین جوار، مٹر وغیرہ
اس پر عشر ہے یا نہیں؟ اور فقہ میں جس حشیش کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ کون
سا گھاس ہے۔؟

جس گھاس سے آمدنی مقصود ہو جیسے جوار برسین وغیرہ اس پر
عشر واجب ہے خود روگھاس پر عشر واجب نہیں۔ لیکن اگر کوئی
شخص خود روگھاس کی دیکھ بھال شروع کر دے اور بیج کر کماٹی کرے تو اس پر بھی
عشر واجب ہوگا۔ ہندیہ میں ہے۔ فلا عشر فی الحطب والحشیش الخ ولو کان
یقطعہ ویبیعہ یجب فیہ العشر۔ فقط واللہ اعلم ،

المجولب صحیح ، بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱۰ / ۱۴۰۷ ھ

زمین میں سے جو درخت فروخت کئے
جاتے ہیں ان پر عشر واجب

ہے یا نہیں؟
المجولب صحیح درختوں میں عشر واجب نہیں ہے ولا عشر فیما ہوتا بع

للارض كالنخل والاشجار (ہندیہ مج ۹۵) فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

ایون اور تمباکو کی پیداوار میں عشر کا حکم : جو لوگ ایون و تمباکو کی زراعت کرتے ہیں

ان پر حاصل شدہ ایون و تمباکو میں عشر دینا واجب کیا نہ؟

الجواب : وجوب عشر و عدم وجوب عشر کا مدار اس پر ہے کہ جو چیز زمین کی کاشت سے مقصود ہوتی ہے اس چیز میں عشر واجب ہوتا ہے۔ اور جو چیز اس کے ساتھ تبعاً حاصل ہو جائے اس پر عشر واجب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ گندم میں عشر واجب ہے اور بھوسہ میں عشر نہیں۔ کیونکہ زمین کی کاشت گندم ہی کے لئے کی جاتی ہے۔ بھوسہ اس کے ساتھ تبعاً حاصل ہوتا ہے لیکن اگر کسی نے گھاس ہی کے لئے زمین کی کاشت کی ہے تو پھر اس میں عشر واجب ہوگا۔ پس اس اصول کے تحت تمباکو اور ایون میں بھی عشر واجب ہے کیونکہ ان ہی کے لئے زمین کی کاشت ہوتی ہے۔ وکل ذالک فی الشامیۃ ص ۵۵۔ اِنَّ الْاَرْضَ الْمَعْدَةَ لَا یَخْلُو عَنْ اِحْدَى الْوُظَیْفَتَیْنِ وَایْضًا ذَیْہِ بَعْدَ سَطُوْرٍ اِنَّ الْمَدَانَ عَلَی الْقَصْدِ حَتّٰی لَوْ قَصَدَ بِہِ ذَکَ وَجِبَ الْعَشْرُ کَمَا صَرَحَ بِہِ بَعْدُ : فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۳ / ۹ / ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح ،

۱۳ / ۹ / ۱۳۷۸ھ

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

اسقاطِ زکوٰۃ کے لئے حیلہ کرنے کا حکم

مسماۃ خالہ کے پاس ۱۲ تونہ سونے کے زیور ہیں۔ میری دو بیٹیاں ہیں ایک کی عمر چار سال اور دوسری کی سات سال ہے۔ میری ذاتی حیثیت اتنی نہیں ہے کہ زیور کی زکوٰۃ ادا کر سکوں۔ میری بیوی زیور فروخت کرنے کو اس لئے تیار نہیں ہے کہ یہ زیور بیٹیوں

کی شادی میں زیور بنانے کے کام آئے گا۔ وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے گناہ سے بھی بچنا چاہتی ہے۔ اگر ۱۲ تولہ زیور میں سے پانچ یا چھ تولہ بڑی بیٹی جس کی عمر سات سال ہے اس کے لئے زیور بنا کر رکھ لیا جائے یا اس کی ملکیت کر دیا جائے تو کیا اس صورت میں میری بیوی پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حسب ضابطہ شرعیہ بچیوں کو دینے کے بعد سماء خالہ پر اس زیور کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور بچیوں پر بھی بلوغ تک زکوٰۃ نہ ہوگی۔ بلوغ کے بعد اگر وہ صاحب نصاب ہوگئیں تو زکوٰۃ شروع ہو جائے گی۔ ہدایہ میں ہے ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ ص ۱۴۲ لیکن بعض حضرات فقہاء نے استقاط زکوٰۃ (ختم کرنا زکوٰۃ) کے لئے حیلہ کو مکروہ قرار دیا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

بندہ عبدالستار عفی عنہ، ۱۳ / ۸ / ۱۴۰۲ھ

شراب اور ہیروئن پینے والے کو زکوٰۃ دینا :

شراب اور ہیروئن کے عادی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مفلس بھی ہو۔

الجواب مسلمان چاہے جیسا بھی بدکار ہو اگر فاقہ زدہ ہو تو اس کی زکوٰۃ سے مدد کرنا جائز ہے۔ خاص کر جبکہ رشتہ دار بھی ہو اور پڑوسی بھی ہو۔ اور زمی کے ساتھ اس کو سمجھا بھی دیا جائے اور نصیحت بھی کی جائے کہ یہ کام چھوڑ دو اور نیک کام کرو تو یہ نحوست فقر و فاقہ کی دور ہو جائے گی اور جہنم کے عذاب سے بھی نجات ہوگی۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ اگر یہ شخص اس پیسے سے شراب پیتا ہے اور ہیروئن میں یہ رقم استعمال کرتا ہے تو اس میں اعانت ہے ایک گناہ کی۔ اس لئے اس صورت میں اس کو حرکات شیعہ سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر یہ باز نہ آئے تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا مناسب نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِسْوَاعِ وَالْعُدْوَانِ۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، ۴ / ۸ / ۱۴۱۱ھ

پس منظر

حضرت مفتی عبدالستار صاحب برکاتہ

حکومت کی طرف سے ۱۳۹۹ھ میں زکوٰۃ و عشر آرڈینیمنس کا مسودہ مختلف حضرات علماء کی خدمت میں لغرض تبصرہ بھیجا گیا۔ اس میں ایک بنیادی بحث اموال ظاہرہ اور باطنہ بھی تھی۔ اس مسودے میں بینک اکاؤنٹس اور دیگر ایسے مالی اثاثوں کو جو حکومت کے پاس جمع ہوں۔ مال ظاہرہ قرار دیا گیا تھا۔ غالباً سب سے پہلے اس پر مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ میں غور و خوض کیا اور اپنے فیصلے میں لکھا :

”کہ ہم مذاہب اربعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی یہ تعریف (جو حکومتی مسودے میں کی گئی ہے ناقل) ائمہ اربعہ کی متفقہ تعریف خلاف ہے الخ۔ اور مجلس نے آگے چل کر حکومتی مسودے میں اموال ظاہرہ کی اس تعریف کو اصلی تعریف کا ”منسوخ اور تحریف“ قرار دیا۔ (بیانات جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ)

لیکن بعد میں مجلس بالا کا دوسرا اجلاس ہوا جس میں اموال ظاہرہ اور باطنہ کے بارے میں مجلس نے اپنے پہلے فیصلے کو بدل دیا اور سرکاری مسودے کی تائید کر دی کہ بینک اکاؤنٹس اموال ظاہرہ میں شامل ہیں۔ اور پھر دارالانداز کراچی کی طرف سے اس دوسرے فیصلے کو مختلف مدارس میں بھیجا گیا۔ کئی حضرات نے اسکی تائید فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب جامعہ اتر فیہ لاہور۔ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی دارالعلوم حنائیہ ضلع سرگودھا محقق دوران شیخ الحدیث مولانا سر فراز صاحب گوجرانوالہ

اور راقم الحروف نے ”مجلس“ کے اس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ بینک اکاؤنٹس اموال ظاہرہ نہیں۔ کیونکہ حضرات فقہاء کی تصریح کے مطابق اموال ظاہرہ ہیں اچیتیاں۔ بائناٹ، سوائم اور وہ مال تجارت جسے مالک شہر سے باہر لے جائے اور اسے لیکر سفر کرے اور بینک اکاؤنٹس ان چار میں شامل نہیں۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ شہر میں ہوتے ہوئے کوئی مال باطن، مال ظاہر میں شامل نہیں ہو سکتا جب شہر سے باہر لجا جائے گا۔ تب وہ مال ظاہر بنے گا اور بینکی لے کر شہر کے مجلس کے اہم گرامی یہ ہیں۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی۔ حضرت مفتی دلی حسن۔ حضرت مولانا محمد علی عثمانی۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق۔ حضرت مولانا محمد جمیل خاں اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لہھیانوی۔

اموال شہر میں ہی موجود ہوتے ہیں۔

مجلس تحقیق نے اپنے ایک اجلاس میں پھر ہماری معروضات پر غور کیا اور اس سلسلہ میں حضرات کی تصریحات کی بجائے بعض آثار صحابہؓ سے استدلال کرتے ہوئے اپنی سابقہ اجتہادی رائے پیش کردہ فقہی جزئیات و تصریحات کا جواب دینے کی بھی کوشش کی گئی اور اپنے اس تفصیلی جواب کو "البلاغ" بابت ماہ رمضان و شوال ۱۴۲۰ھ میں شائع کر دیا گیا۔

"البلاغ" میں یہ جواب پڑھ کر حیرت و تعجب ہوا۔ اور ذمہ دار حضرات کو مطلع کیا گیا کہ اس جواب میں شرعی اور فقہی اعتبار سے بہت سے امور قابل اصلاح ہیں جس پر مخدوم و مکرم حضرت مولانا محمد رفیع صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم کراچی نے بندہ کو جواب الجواب لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ بندہ نے مفصل جواب تحریر کر کے حضرات اکابر کی تصدیقات کے بعد اسے کراچی بھیج دیا۔ مگر اس کا کوئی مثبت رد عمل سامنے نہیں آیا۔ علم چونکہ امانت ہے۔ اور بہت سے حضرات نے بار بار اس آخری جواب کو شائع کرنے کا اصرار و تقاضا بھی فرمایا۔ اس لئے مجبوراً اسے اشاعت کے لئے دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرماویں۔ آمین!

اموال ظاہرہ اور باطنہ کے مسئلے کے بارے میں بہت سے حضرات نے ہمارے اس آخری جواب کی تصدیق فرمائی ہے جن میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

- ۱۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب دامت برکاتہم جامعہ اشرفیہ لاہور۔
- ۲۔ محقق دوران حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب دامت برکاتہم گوجرانوالہ۔
- ۳۔ حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مفتی لفرۃ العلوم گوجرانوالہ۔
- ۴۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد۔
- ۵۔ حضرت مولانا خالد محمود صاحب۔ لاہور۔
- ۶۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔ کراچی۔
- ۷۔ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مفتی قاسم العلوم۔ ملتان۔
- ۸۔ حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب استاذ الحدیث دارالعلوم۔ فیصل آباد۔
- ۹۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔
- ۱۰۔ محمد انور مرتب خیر القادری۔

اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تحقیق

اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی فقہی اصطلاح اردو اور پنجابی کے لفظ ظاہر سے ماخوذ نہیں بلکہ عربی کے لفظ ظاہر البلد اور بطن البلد سے لی گئی ہے۔ ظاہر البلد بیرون شہر کو کہا جاتا ہے اور بطن بلد اندرون شہر کو کہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ فقہی اصطلاح وجود میں آئی کہ جو اموالِ زکوٰۃ بیرون شہر پائے جائیں ظرفیتِ مکانی کے اعتبار سے انہیں اموالِ ظاہرہ اور جو اموالِ زکوٰۃ اندرون شہر پائے جائیں بطن البلد کی نسبت سے انہیں اموالِ باطنہ قرار دیا گیا ہے۔ گو پوشیدہ ہونے یا نہ ہونے کا معنی بھی فی الجملہ ان میں پایا جاتا ہے لغت اور فقہاء کرام کی تصریحات سے مجموعی طور پر یہ حقیقت اس قدر واضح ہے کہ اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔

اہل لغت نے ظہر کا معنی برز لکھا ہے چنانچہ قاموس میں ہے ظہر برز بعد خفاء اور بروز اصل کے لحاظ سے خروج الی البراز کو کہتے ہیں اور براز درختوں سے خالی وسیع میدان کو کہتے ہیں (منجد اردو)

اور قضاءِ حاجت کے لئے جنگل میں جانا تبرز اور میدانِ جنگ میں صفوں سے نکل کر مقابلہ کے لئے باہر آنا مبارزت کہلاتا ہے ان سب استعمالات میں بیرون شہر کے معنی ملحوظ ہیں اور ظہر جنگلی راستہ کو کہتے ہیں قریشی ظواہر آہنا کہ بظاہر مکہ فرود آمدند (صحاح)

ابن اعرابی فرماتے ہیں قریشی الظواہر الذین نزلوا بظہر ورجبال مکة و

قریشی البطاح الذین ہم نزلوا بطاح مکة بطن مکة و البطحاء الرمل

ترجمہ: قریشی ظواہر وہ قریشی ہیں جو مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کی بندلیوں پر فرودکش ہوئے اور

قریشی بطاح وہ ہیں جو اندرون مکہ ریتلی زمین پر اترے وذلک ان بنی ہاشم وبنی

امیة و سادة قریشی نزلوا بطن مکة و من کان دونہم فہم نزلوا بظواہر

جبالہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ "فاظہر بمن۔

معدک من المسلمین الی کذا ای اخرج بہم الی ظاہرہا و ابرزہم۔

(لسان العرب ص ۵۲۳)

ترجمہ: اپنے لشکروں کو فلاں شہر کے میدان میں لے آؤ۔

البدایة والنہایة میں ہے واقام علیٰ بظاہر البصرة ثلاثا ولما دخل
البصرة فضأھ (ص ۲۴۲ ج ۱)

حضرت سعید بن جبیرؓ کی قبر کے متعلق لکھا ہے ودفن سعید بظاہر واسط
العراق وقبرہ بہا یزار۔ حضرت سعید کو شہر واسط کے باہر دفن کیا گیا اردو عربی
منجد میں ہے ظاہر البلد بیرون شہر (منجد اردو)

ظاہر البلد خارجہ (منجد عربی)

ایک حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ یخرج من آخر اللیل الی
البقیع ای بقیع الخرقہ وهو موضع بظاہر المدینة فیہ قبور اہلہا۔
(مرقات ج ۲ ص ۱۱۵ امدادیہ سلطان)

ان حوالہ جات سے یہ امر ظاہر ہے کہ ظاہر بلد بیرون شہر اور بطن بلد اندرون شہر کو کہتے
ہیں اور ظہور اور بروز میں وسیع میدان اور جنگل کے معنی پائے جاتے ہیں۔ پس جب تک کوئی مال
ظاہر بلد (بیرون شہر) میں نہیں ہوگا اسے اصطلاحی طور پر مال ظاہر قرار دینا اس حقیقت لغویہ
سے بے خبری ہے اور یہ حقیقت لغویہ حضرات فقہاء کے بیان کردہ "اموال ظاہرہ" پر من و عن
منطبق ہے۔ چنانچہ حضرات فقہاء نے جو اموال زکوٰۃ بیرون شہر پائے جاتے ہیں
انہیں اموال ظاہرہ اور جو اندرون شہر پائے جاتے ہیں۔ انہیں اموال

باطنہ قرار دیا ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: والاموال الظاہرة وهی السوائم وما

فیہ العشر والخراج (ای الزروع والبساتین) وما یربہ التاجر علی العاشر

عبارت سے بظاہر تحدید معلوم ہوتی ہے۔ اور تحدید تعریف سے ابلغ ہے۔

امام ابوبکرؓ کا سانی فرماتے ہیں: ان اموال الزکوٰۃ نوعان ظاہر وھو

المواشی وما یربہ التاجر علی العاشر وباطن وھو الذھب والفضة

واموال التجارة فی مواضعہا اھ۔

"فی مواضعہا" یہ "وما یربہ العاشر" کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے

جس کا حاصل یہ ہے سونا اور چاندی اور اموال تجارت دکانوں یا گھروں میں رکھے ہوئے

ہیں تو اموال باطنہ میں سے ہیں۔ اور انہیں لیکر عاشر کے پاس سے گزریں تو یہ اموال ظاہرہ

میں تبدیل ہو جائیں گے جنگل اور بیرون شہر میں ہونے کی وجہ سے سائہ اور کھیتوں کو چھپایا

نہیں جاسکتا اور گھریلو اور دکانوں میں پڑے ہوئے اموال کو چھپایا جاسکتا ہے چنانچہ بازار بند ہوتے ہی یہ سب اموال پوشیدہ اور نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ علامہ ماروردی نے الاحکام السلطانیہ میں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی یوں تعریف کی ہے: والا موال المنزکاة نوعان ظاہرة و باطنة فالظاہر ما لا یمکن اخفاءہ کالزرع والشمار والمواشی والباطنة ما یمکن اخفاءہ من الذهب والفضة و اموال التجارة ص ۱۳۱ ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اصل اموال ظاہرہ تین ہیں۔

(۱) جنگل میں چرنے والے جانور (۲) بھکتیاں (۳) باغات اور اموال ظاہرہ کی چوتھی قسم وہ ہے جو دراصل اموال باطنہ ہیں یعنی چاندی سونا، مال تجارت اور کرنسی نوٹ جو شہر میں اپنے اپنے مقامات پر رکھے ہوتے ہیں لیکن جب ان اموال کو لیکر کوئی شخص سفر کرے گا (اور اس طرح سے یہ اموال ظاہرہ میں آجائیں گے) تو اب یہ اموال اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کی متفقہ تصریحات ملاحظہ ہوں۔ ملک العلماء امام ابو بکر کاسانی اپنی مایہ ناز تصنیف "بدائع الصنائع" میں لکھتے ہیں۔

وکذا المال الباطن اذا مر به التاجر علی العاشر کان لہ

ان يأخذ (العشر منه) فی الجملة لانه لیسما سفر بہ واخرجه

من العمر ان صار ظاہراً (ص ۲۵ ج ۲)

علامہ زین العلماء ابن نجیم فرماتے ہیں: لا شک ان السوائم محتاج الح

الحماية بخلاف الاموال الباطنة اذا لم ینخرجها المالك من المصر لفقد

هذا المعنی (ص ۲۲۸ ج ۲)

اموال باطنہ کو سفر میں لے گیا تو اموال ظاہرہ میں شامل ہو گئے اور اگر شہر سے نہیں نکالے

تو بدستور یہ اموال باطنہ رہیں گے۔

علامہ حصکفی در مختار میں لکھتے ہیں کہ عاشر اموال باطنہ سے بھی زکوٰۃ وصول کرے گا جب کہ

مالک انہیں شہر سے باہر نکال لائے کیونکہ اب یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہو گئے ہیں.....

والاموال الباطنة بعد اخراجها من البلد لانها بالاجراج التحقت بالاموال

الظاهرة فكان الاخذ فيها للإمام (باب العاشر)

اسی مسئلہ کی تعلیل میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔ لافہا بعد الاخراج التحت

بالاموال الظاهرة الخ

علامہ موصوف نے قاضی خاں کی شرح جامع صغیر سے نقل کیا ہے۔

”وانما تثبت ولاية المطالبة للإمام بعد الاخراج الى المفاضة (شامی ص ۵۳)

”اخرجه من العمران“ اخرجہ من البلد“ سا فر بہ“ ما یر بہ علی العاشر

”اخرجه الى المفاضة“۔ یہ الفاظ اپنے مفہوم میں واضح ہیں کسی تاویل کی ان میں گنجائش

نہیں، ان عبارات سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ مال باطن شہر میں ہوتے ہوئے مال باطن

ہی رہتا ہے ہاں اموال باطنہ کو لے کر جب سفر کیا جائے گا تب یہ اموال ظاہر میں شامل ہو جائیں

گے کیونکہ اب یہ ظاہر البلد میں آگئے ہیں اور اس شمول والتحاق کی علت ان اموال کو

لیکر سفر کرنا ہے پورے ذخیرہ کتب میں ایک جزئیہ بھی اس کے خلاف موجود نہیں۔ جزئیات

وتصريحات بالا کی موجودگی میں ہم نہیں سمجھتے کہ کسی اہل علم کو مذکورہ بالا علت التحاق میں کوئی

شہہ ہو سکتا ہے۔

الجباية بالحماية

واضح رہے کہ سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ کے لئے صرف مال ظاہر ہونا کافی نہیں بلکہ اس

کے ساتھ ساتھ اس مال کا حکومت کے زیر حفاظت آنا بھی ضروری ہے کیونکہ اموال ظاہرہ

بیرون شہر اور جنگلات میں ہوتے ہیں۔

جنگلات اور دور دراز کے راستوں پر چوروں سے تحفظ مہیا کرنا صرف حکومت ہی کا

کام ہے ایسا تحفظ صرف حکومت مہیا کر سکتی ہے اس لئے ان اموال میں وصولی زکوٰۃ کا

حق حکومت کو دیا گیا گو یا کہ یہ وصولی کا حق اس حفاظت خاصہ کا معاوضہ ہے تاکہ حکومت

زکوٰۃ کا ایک حصہ اپنے اس حفاظتی انتظامات کے سلسلہ میں خرچ کر سکے اور اموال باطنہ

شہر میں ہونے کی وجہ سے اس تحفظ خاص کے محتاج نہیں اس لئے عام حالات میں اموال

باطنہ کی وصولی زکوٰۃ میں دست اندازی کا حق حکومت کو حاصل نہیں۔ یہ وجہ فرق اور

”الجباية بالحماية“ کے ضابطے کی تصریح بھی حضراتِ ائمہ کے کلام میں بطریقِ توأتر منقول ہے بعض عبارات بطورِ نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) :- اموالِ ظاہرہ سے وصولیِ زکوٰۃ کے سلسلے میں ہدایات دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا : ان شکت لا تمہم فلا تجہم ، اھ (عناہ)
(۲ تا ۶) :- لان الجباية بالحماية اھ (در مختار) بحر الرائق ص ۲۲۹ ج ۲ شامی ص ۶۳ ج ۲ ہدایہ ص ۱۵ ، فتح القدير (بالمعنى ص ۱۷۱ بحر الرائق ص ۲۴ ج ۲)۔

(۷) :- مبسوط سرخسی میں ہے ثبوت حق الاخذ باعتبار الحاجة الى الحماية

(۸) :- ثبت حق الاخذ بالحماية (شامی ص ۵۶ ج ۲)

(۹) :- وشرط ولاية الاخذ وجود الحماية من الامام (بدائع)

(۱۰) :- انما تثبت حق الاخذ للعاشر لحاجته الى الحماية اھ (عناہ)

علامہ شامی اس ضابطہ (الجباية بالحماية) کی تشریح میں لکھتے ہیں ص ۱۶۱ جباية الامام

هذا لما خوذ بسبب حمايته ص ۵۲ ج ۲ :-

حُضُورِ مالک

سرکاری سطح پر وصولیِ زکوٰۃ کے لئے ایک مزید شرط یہ بھی ہے کہ مالک کی موجودگی میں زکوٰۃ وصول کی جائے مالک کی غیر حاضری میں زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ ناشر مالِ مضار مالِ ودیعت اور مالِ بھضاعت کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان اموال کا مالک حاضر نہیں ہوتا۔ کذافی البدائع ، سابقہ بحث کی روشنی میں جب ہم بینک اکاؤنٹس کی حیثیت اور ان سے وصولیِ زکوٰۃ کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو امور ذیل واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

(۱) :- کہ اصولی طور پر بینک اکاؤنٹس اموالِ باطنہ ہیں کیونکہ یہ اندرونِ شہر (الطن بلد) میں موجود ہیں۔
(۲) :- چونکہ انہیں لیکر سفر نہیں کیا گیا لہذا (علت التماق کے منتفی ہونے کی وجہ سے) انہیں اموالِ ظاہرہ میں شامل کرنا ممکن نہیں۔

(۳) :- اور پھر یہ اموال حکومت کی اس خاص حفاظت کے تحت بھی داخل نہیں ہونے جو تجارتی

اموال کو دورانِ سفر جنگلات وغیرہ میں حاصل ہوتی ہے۔ بینک لوگوں سے قرض لیکر پانے

مال کی حفاظت کر رہا ہے زید و بکر کے مال کی نہیں۔

(۲) زکوٰۃ کی سرکاری کٹوتی کے وقت مالک پاس موجود نہیں ہوتا۔ پس مندرجہ بالا حقائق اور شرائط کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ بینک اکاؤنٹس سے حکومت کو مال ظاہر ہونے کی بنا پر زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات حاصل نہیں۔ اور بدون توکیل بینک کی طرف سے کاٹی گئی زکوٰۃ شرعاً ادا نہ ہوگی۔

بخی مقامات کی تفتیش

اول الذکر تصریحات فقہاء رحمہم اللہ کی روشنی میں یہ امر بلاشبہ ثابت ہے کہ کسی مال باطن کے مال ظاہر بننے کے لئے علت "اخراج من المصر" ہے لیکن بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ کسی مال کے اموال ظاہرہ میں شمار ہونے کے لئے دو بنیادی امور ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ ایسے بخی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے اُن کا حساب کرنے کے لئے بخی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے، اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں، اگر اس معیار پر موجود بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان میں بہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں، مالکان نے اپنے اموال کو اپنی عز سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا ہے، دوسرے یہ کہ حکومت کے زیرِ حفاظت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں (البلاغ رمضان ۱۴۰۱ھ)۔

لیکن ان حضرات کا یہ خیال صحیح نہیں اس میں متعدد خامیاں موجود ہیں۔

(۱) اس میں اموال ظاہرہ اور باطن کی حقیقت لغویہ سے ذہول ہوا ہے۔ اموال ظاہرہ کی فقہی اصطلاح کو اردو کے لفظ ظاہر سے ماخوذ سمجھ لیا گیا جیسا کہ "خود حکومت پر ظاہر کر دیا" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ بنیادی غلط فہمی ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

(۲) اسی غلط فہمی کی بنیاد پر مال ظاہر و باطن کی حقیقت اور تعریف میں تبدیلی کر دی گئی جس کا حاصل گویا یہ ہے کہ مال باطن وہ ہے جس کا حساب کرنے کے لئے بخی مقامات کی تفتیش کرنی

پڑنے اور مال ظاہرہ ہوگا جس کا حساب کرنے کے لئے بخی مقامات کی تفتیش کی حاجت نہ ہو (وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بخی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہ ہو) (البلاغ ص ۵ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ) گویا کہ مدار حکم محتاج تفتیش ہونے نہ ہونے پر ہے حالانکہ ظہورِ مال کا مدار ظاہر و باطن میں موجود ہونے پر ہے، محتاج تفتیش ہونا

یا نہ ہونا نہیں۔ ٹرک کے اندر کسی بوری میں سونا رکھا ہے اس کے ہر طرف گندم ہے۔ یہ سونا محتاج تفتیش ہے مگر اس کے باوجود یہ سائے ٹرک کا مال اموال ظاہرہ میں شامل ہے۔

(۳)۔ دو اور دو چار کی طرح یہ امر واضح ہے کہ حضرات فقہاء کسی مال کے مال ظاہرہ میں تبدیل ہونے کے سلسلہ میں خروج یا اخراج کی جب بات کرتے ہیں تو یقیناً اس سے ان کی مراد مال کو شہر سے باہر لیجنا ہوتا ہے۔ گھر یا دکان سے باہر لے آنا نہیں ہوتا جیسا کہ

تصریحات فقہاء، اخرجہ من العمران، اخرجہ من البلد، ساخریہ،

اخرجہ الی المفاضة، ما یربہ علی العاشر سے قطعی طور پر یہ امر ثابت ہے

ابلاغ کا یہ تسامح ہے کہ من العمران اور من البلد وغیرہ کو کاٹ کر پھینک دیا

گیا ہے اور صرف اخراج کو لے لیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ مالکان نے ان اموال کو اپنی حرز سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا۔ (الابلاغ ص ۱۲۱ رمضان ۱۳۴۷ھ) حرز سے نکلنے

کی بات حضرات فقہاء نے قطعاً نہیں کی نہ اسے ظہور مال کی علت قرار دیا ہے یہ سب بے دلیل ہے

فقہاء نے صرف شہر سے نکلنے کی بات کی ہے کہ اس سے مال ظاہر بنے گا صرف گھر سے

نکلنے کو اگر کسی نے ظہور مال کی علت قرار دیا ہو تو اسکی نشاندہی کی جائے۔ ورنہ تصریحات

فقہاء کرام کے مقابلہ میں محض اپنا خیال پیش کرنا بے سود ہے۔

(۴)۔ جیسے "اخراج من المصر" میں قطع و برید واقع ہوا ہے۔ اسی طرح اموال کے حکومت

کے زیر حفاظت آنے کے سلسلہ میں بھی بے جا تصرف کیا گیا ہے (الف) فقہاء کی مراد

یہ تھی کہ یہ اموال باطنہ بحالت سفر حکومت کے اس خصوصی تحفظ میں داخل ہو جائیں جو

تحفظ صرف حکومت ہتیا کر سکتی ہے یعنی من طریق دیگر عبارات کے علاوہ امام قاضی خاں

کی ایک تصریح ملاحظہ ہو : انما تثبت ولایة المطالبة للامام بعد الاجراج

الم المفاضة (شامیہ طبع مصر ص ۵۲)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ لا شک ان السوائم محتاج الی الحماية بخلاف

الاموال الباطنة اذا لم ینخرجها المالك فی المصر لفقدها المعنی۔

(بحر ص ۳۲۸)۔ ان عبارات سے صراحت سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ زیر بحث

حمایت سے مراد حکومت کی طرف سے وہ حفاظت ہے جو جنگلات میں ہوتی ہے۔

اندر وہ شہر والی حفاظت مراد نہیں، اس لئے تصریح کر دی گئی کہ اموالِ باطنہ کو جب تک مالک نے شہر سے باہر نہ نکالا ہو۔ اس نوعیت کی حفاظت سے انہیں حکومت کے زیر تحفظ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مگر السبلاغ میں حضراتِ فقہاء کرام کی ان متفقہ تصریحات سے اعراض کیا گیا اور شہر کے اندر ہی موجود اموال کو حکومت کے اس تحفظ کے ماتحت ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ حضراتِ فقہاء کرام کے خواب و خیال میں بھی یہ معنی نہیں ہوگا۔ السبلاغ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ”کہ وہ اموال فی الجملۃ“ حکومت کی حفاظت میں آگئے ہیں“ واضح ہے کہ یہ فی الجملۃ حفاظت کی شرط لغو ہے۔ کیونکہ فی الجملۃ تحفظ تو حکومت کی طرف سے تمام اموال کو حاصل ہوتا ہے تو اس شرط کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ ؟

”زیر حفاظت“ زیر ضمانت

(۵)۔ بینکی اموال کے متعلق السبلاغ نے لکھا، کہ یہ اموال حکومت کے زیر حفاظت ہی نہیں بلکہ زیر ضمانت آچکے ہیں۔ بحث بالا میں زیر حفاظت آنے کی تحقیق کی جا چکی ہے کہ اندرون شہر موجود اموال زیر بحث حفاظت کے تحت داخل نہیں ہوتے۔ پس بینکی اموال کو زیر حفاظت کہنا بنا۔ الفاسد علی الفاسد ہے۔

(ب)۔ حکومت کو وصولی زکوٰۃ کے جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ زیر حفاظت آنے پر ہی موقوف ہیں۔ اس کے لئے زیر ضمانت آنا کافی نہیں۔ کیونکہ زیر ضمانت آنے سے مالکان کے اموال کی حفاظت کا معنی مفقود ہو جاتا ہے کیونکہ مالک نے جب اپنا مال بطور قرض بینک کو دیا تو اب یہ مال مقرض کا ہوگا سابقہ مالک کا نہیں رہا اگر گم یا چوری ہو جائے تو یہ نقصان مقرض کا ہوگا سابقہ مالک کا نہیں۔ تو ایسی صورت میں مقرض اپنے مال کی حفاظت کر رہا ہے نہ کہ سابقہ مالک کے مال کی۔ لہذا مقرض اس حفاظت کے سبب سابقہ مالک سے کسی اجرت کی وصولی کا استحقاق نہیں رکھتا۔ حالانکہ اموالِ ظاہرہ میں حکومت کو وصولی زکوٰۃ کے اختیارات اسی حفاظت کے سبب حاصل ہوتے ہیں۔ علامہ شامیؒ ضابطہ الجبایۃ بالحمایۃ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ جبایۃ الامام

هذا لما خود بسبب حمايته (شامیہ ص ۵۲) — الغرض حکومت کے استحقاق وصولی زکوٰۃ کے لئے مال ظاہر کا زیر حفاظت آنا ضروری ہے۔ زیر ضمانت آنا موثر نہیں بلکہ لغو ہے۔ مستعیر یا مقروض کا اصل مالک سے معاوضہ استعمال طلب کرنا احمقانہ تصور ہے کہ میں اس مال کو استعمال کرتا رہا ہوں اس لئے مجھے اس کا معاوضہ ادا کرو اسی طرح کسی مال کے حکومت کے ضمان میں داخل ہوجانے سے جسے وہ استعمال کر رہی ہے، وصولی زکوٰۃ کا استحقاق حکومت کو حاصل نہ ہوگا۔

الحاصل کسی مال باطن کے اموال ظاہرہ میں شامل ہونے کا مدار اس کے لطن بلد (اندرون شہر) سے ظاہر بلد میں آجانے پر ہے۔ (جیسا کہ تفصیلاً لکھا جا چکا) بلا تفتیش معلوم ہونے یا نہ ہونے پر نہیں۔ مال ظاہر اور باطن کی ایسی تعریف نہ صرف یہ کہ بلا دلیل ہے بلکہ خلاف دلیل ہونے کے علاوہ مشاہدات اور بداہت کے بھی خلاف ہے۔ بازار کھل جانے کے بعد ہر دوکاندار اپنے مال کی نمائش و اظہار کی حتی الوسع کوشش کرتا ہے تاکہ گاہکوں کو اپنے مال کی طرف کھینچ سکے۔ حتیٰ کہ دوکان کے باہر بھی مال لگا دیا جاتا ہے لائٹ وغیرہ سے زیادہ روشنی کیجاتی ہے۔ فرٹ پاتھوں اور ریڑھیوں پر رکھ کر مال فروخت کیا جاتا ہے۔ منڈلیوں اور کارخانوں میں کرڈول کے اموال کھلے بندوں پرٹے رہتے ہیں ایسے سب اموال کا علم بلا تفتیش حاصل ہوتا ہے مگر یہ سب اموال بالاجماع اموال باطنہ ہیں اموال ظاہرہ نہیں۔ حالانکہ البلاغ کی تعریف کے مطابق یہ سب اموال ظاہرہ ہونے چاہئیں۔

(۲)۔ تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ تاجر نے اگر عاشر کو بتلا دیا کہ میرے گھر میں اتنا مال رکھا ہوا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو بھی عاشر اس مال کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ ایسے جزئیات سے ظاہر ہے کہ گھر میں رکھا ہوا مال اقرار کے ذریعہ بلا تفتیش معلوم ہو گیا مگر اس کے باوجود مال ظاہر نہیں بنا حکومت اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتی حالانکہ البلاغ کے مطابق بذریعہ اقرار یہ مال ظاہر بن چکا ہے۔ فی الجملہ حفاظت تو حاصل ہی ہے۔ جزئیات بالاین بلا تفتیش معلوم ہوجانے کے باوجود یہ اموال مال ظاہرہ میں شامل نہیں ہو سکے۔ اور آئندہ صورت اس کے برعکس ہے کہ خروج من المصر پایا گیا مگر عاشر کو اس کا علم نہ ہو سکا تو بھی یہ مال ظاہر بن گیا۔ معلوم ہوا کہ مال ظاہر بننے کا مدار بلا تفتیش

معلوم ہونے پر نہیں، (حوالہ آگے آ رہا ہے) دونوں قسم کی جزئیات سے ظاہر ہے کہ البلاغ سے استفادہ اموال ظاہرہ کی تعریف جامعیت اور مانعیت دونوں سے عاری ہونے کے علاوہ اجماع فقہاء کے بھی خلاف ہے۔

اگر کہا جائے کہ مال کا اس حیثیت سے ہونا کافی ہے کہ بلا تفتیش اس کا علم ہو سکے بال فعل معلوم ہو جانا مال ظاہر بننے کے لئے ضروری نہیں لہذا آخری جزئیہ البلاغ کے خلاف نہیں۔ — جواب یہ ہے کہ اگر ایسا معلوم ہو سکنا کافی ہے تو بال فعل ایسا علم حاصل ہو جانا تو مال ظاہر بننے کے لئے بطریق اولیٰ کافی ہو گا۔ پس بازار میں منظر عام پر کھلے بندوں لکھے ہوئے اموال بلاشبہ اموال ظاہرہ ہوں گے حالانکہ باتفاق فقہاء یہ اموال باطنہ ہیں معلوم ہوا کہ ایسا علم بال فعل ہو یا بالقوة دونوں صورتوں میں یہ مدار نہیں ہے وگرنہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا علم بالقوة تو مؤثر بنے اور بال فعل مؤثر نہ ہو۔

ایک صاحب نے شبہ پیش کیا کہ مرور علی العاشر سے اگر مال باطن ظاہر میں شامل ہو جاتا ہے تو عاشر اگر شہر میں کسی مال کے پاس آ جائے تو یہ مال ظاہر کیوں نہیں بنتا؟
جواب یہ ہے کہ وجود عاشر فی نفسہ کوئی ایسا آلہ نہیں ہے کہ اس کے سامنے آتے ہی مال باطن ظاہر میں تبدیل ہو جاتا ہو بلکہ اس تبدیلی کی علت "اخراج عن المصر" ہے اس لئے مرور علی العاشر سے تبدیلی ظاہر ہوگی۔ نہ کہ عاشر کے "دخول مصر" سے نیز یہ شبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ کسی مال کا بلا تفتیش معلوم ہو جانا ظہور مال کے لئے کافی ہے اور اس خیال کی مفصل تردید پہلے کیجا چکی ہے۔

اور یہ شبہ بھی بے بنیاد ہے کہ ظہور مال کی اصل علت علم عاشر ہے عموماً "اخراج عن المصر" سے چونکہ یہ حکم متحقق ہو جاتا ہے اس لئے فقہاء نے "اخراج" کا ذکر کیا ہے علم عاشر کی تصریح نہیں کی اس شبہ کی تردید بھی آتندہ جزئیہ سے ظاہر ہے جس میں تصریح ہے کہ اگر کوئی تاجر مال لیکر سفر کرے اور عاشر کو اس کا علم نہ ہو تو بھی یہ مال ظاہر بن جاتا ہے۔ اگر اصل علت علم عاشر ہوتا تو ایسی صورت میں یہ مال تجارت مال ظاہر نہیں بننا چاہیے تھا۔

۱۱ ومن مر علی العاشر بمائة درهم واخبره ان له مائة اخرى في

منزله قد حال عليه الحول لم يترك التي معه لقلتها وما في بيته

لو اخبربہا العاشر فلا یاخذ منها (بحر الرائق)

(۲)۔ ولا یؤخذ من مال ف بیتہ مطلقا (در مختار)

جزئیات بالا سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ گھروں میں رکھے ہوئے مال کا بلا تفتیش بذریعہ اقرار معلوم ہونا اسے مال ظاہر میں تبدیل نہیں کرتا۔ اس امر سے السبلاغ کے خیال کی چونکہ واضح طور پر نفی ہوتی ہے اس لئے ان جزئیات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلہ میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ جزوی واقعہ ہے حالانکہ یہ جزوی واقعہ نہیں بلکہ اسلامی قانون کی ایک دفعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جزوی واقعہ اور فقہی جزئیہ میں زمین آسمان کا فرق ہے اگر ایسی فقہی تصریحات کو جزوی واقعات قرار دیکر مسترد کر دیا جائے تو اسلامی قانون کے پچاس فی صد حصے سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

ثانیاً السبلاغ نے اسے استثنائی واقعہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ بھی درست نہیں کیونکہ استثنائی واقعہ وہ ہوتا ہے جو عمومی ضابطہ کے خلاف ہو اور یہ فقہی جزئیہ وصولی زکوٰۃ کے غیر ضابطہ الجبایۃ بالحمایۃ کے تحت من و عن داخل ہے۔ چنانچہ جزئیہ بالا میں اسکی تصریح موجود ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے مال کو مال ظاہر میں اس لئے شمار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ تحت الحمایۃ داخل نہیں ہوا۔ اس تصریح کے باوجود اسے استثنائی واقعہ قرار دینا محض دعویٰ بلا دلیل اور قابلِ تعجب ہے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی تفصیل میں لکھتے ہیں۔

الی الحمایۃ و ہذا غیر موجود فی بیتہ و ما مت بہ علیہ لم یبلغ اھ

(مبسوط سرخسی ص ۱۹۹)۔ السبلاغ نے اسلامی قانون کی اس دفعہ کا تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق عاشر کو نہیں لیکن امام کو یہ حق حاصل ہے۔ پہلے دونوں جوابوں کی طرح السبلاغ کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے۔ حضرات فقہاء کی کوئی تصریح ان جوابات کی تائید میں پیش نہیں کی گئی اور ظاہر ہے کہ محض خیال کسی قانون کا جواب نہیں بن سکتا۔

مزید گزارش ہے کہ یہ جواب بھی زکوٰۃ کی سرکاری وصولی کے بنیادی ضابطہ و اصول الجبایۃ بالحماۃ سے ذہول بلکہ اسکی مخالفت پر مبنی ہے کیونکہ جب یہ مال امام کے زیر حفاظت ہی نہیں آتا تو امام کا استحقاق وصولی اس مال کے ساتھ متعلق ہی نہیں ہوا۔ پس نہ امام اس سے خود زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے اور نہ ہی اسکی نیابت میں عاشر وصول کر سکتا ہے اور فی نفسہ یہ امر مستبعد ہے کہ ایک مال ظاہر میں امام کو وصولی زکوٰۃ کا حق ہو اور عاشر کو یہ حق حاصل ہو علاوہ ازیں یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے تصریح کی ہے کہ امام کو بھی مطالبہ زکوٰۃ کا استحقاق صرف کسی مال کو شہر سے باہر لیجانے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ گھر میں رکھے ہوئے مال کے ساتھ امام کا یہ حق متعلق نہیں ہوتا۔ علامہ شامی نے قاضی خاں سے نقل کیا ہے۔

وف شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں وانما تثبت ولایۃ المطالبۃ

للإمام بعد الإخراج الحامض المفاضۃ (ص ۵۲)

انما لفظ حصر اور "لفظ امام" البلاغ کے دعویٰ کی تردید میں صریح ہیں۔

(ب) :- فتح القدیر میں ہے۔ وببجرد خروجه انتقلت الولاية عنده الى الامام پوری عبارت پہلے گزر چکی ہے اس عبارت میں مالک سے امام کی طرف ولایت اخذ زکوٰۃ کے منتقل ہونے کو خروج مصر پر معلق کیا گیا ہے۔

(ج) :- اصول الجبایۃ بالحماۃ کی تشریح میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔

جبایۃ الامام هذا لما خوذ بسبب حمايته - (ص ۵۲ ج ۲)

اس میں بھی تصریح ہے کہ امام کا استحقاق وصولی اموال کو بیرون شہر تحفظ ہتیا کرنے پر مبنی ہے۔ گھر میں رکھا ہوا مال جب اس تحفظ کے تحت داخل نہیں ہوا۔ تو امام کو اسکی زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات بھی حاصل نہیں ہوتے۔ اور اسکی نیابت میں پھر عاشر بھی ایسے مال کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ الغرض یہ تفریق بالکل بے بنیاد ہے کہ ایسے مال میں امام کو استحقاق وصولی حاصل ہے اور عاشر کو حاصل نہیں۔ ان جزئیات سے ظاہر ہے کہ علم امام یا علم عاشر مال کو ظاہر بنانے کی علت نہیں جبکہ وہ مال گھر میں رکھا ہو۔ لیکن البلاغ کے مطابق یہ مال، مال ظاہر بن گیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ حسب تصریحات فقہاء عاشر کو اس سے وصولی زکوٰۃ

کا حق ہے نہ امام کو؟ کسی خلاف ضابطہ بات ہے۔

اور اگر اس کے برعکس صورت پیش آئی کہ خروج
حکومت کے علم میں آنا: من المصراپا گیا لیکن حکومت کو اس مال کا

علم نہیں ہو سکا تو یہ مال ظاہر بن گیا ہے۔ اگر بعد میں حکومت کو علم ہو گیا تو وہ اسکی زکوٰۃ وصول
کر سکتی ہے عالمگیری میں ہے: ولو مر حرجی بعاشرو ولم یعلم به العاشر حتى

خرج ودخل دار الحرب ثم خرج لم يعشرا لما مضى كذا في التبيين ولو مر ^{لمسا}
او الذمی علی العاشر ولم یعلم بهما ثم علم فی الحول الثاني یاخذ منهما
كذا في محيط السرخسی والسراج الوهاج - (ہندیہ ص ۹۲)

معلوم ہوا کہ مال ظاہر بننے کی علت اخراج من المصرا ہے۔ علم امام یا علم عاشر کا ہونا یا
نہ ہونا فیضاً یا اثباتاً اسکی علت نہیں۔ جیسا کہ جزئیات بالا اس بارے میں صریح ہیں۔

اول الذکر جزئیہ (ومن مر علی عاشر بائتہ درہم الخ) کے جواب میں البلاغ نے

اکت بات بھی کہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاجر کے بتلانے سے گھر میں رکھا ہوا مال، مال ظاہر
تو بن گیا لیکن عاشر کو لگا بندھا اصول بتا دیا گیا ہے کہ جو کوئی شخص تمہارے پاس مال لیکر گزرے

صرف اس سے زکوٰۃ وصول کر سکتے ہو۔ گھروں یا دوکانوں پر جو مال ہے اس سے تعرض
نہ کر دو۔ (البلاغ ص ۲۲ رمضان ۱۴۱۱ھ)۔ اس لگے بندھے اصول کا البلاغ نے

کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور شرعی ضابطے کے لحاظ سے بھی یہ "اصول" علی الاطلاق درست
نہیں کیونکہ اگر کوئی مال ظاہر مثلاً سامتہ گھر میں موجود ہو اور عاشر کو اس کا علم ہو جائے تو

عاشر اسکی بھی زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے جیسا کہ جزئیہ ذیل سے ظاہر ہے۔ ولو مر بمواشی
سائتہ دون النصاب وفي بيته ما يكمله نصابا اخذ منه الواجب لان الكل

داخل تحت الحماية كذا في السراج الوهاب (عالمگیری ج ۱ ص ۹۲)۔ معلوم ہوا کہ وصولی
عاشر کے لئے ضابطہ ہے کہ مال ظاہر سے زکوٰۃ وصول کرے۔ خواہ یہ مال عاشر کے پاس سے

لیکر کوئی شخص گزرے یا اس شخص کے گھر میں یہ مال ظاہر موجود ہو۔ عاشر دونوں قسم کے مال
ظاہر سے زکوٰۃ وصول کرے گا۔ پس البلاغ کا بیان کردہ "اصول" درست نہیں۔ شبہ نہ

کیا جائے کہ مال باطن کے مال ظاہر بننے کی علت جب "اخراج من المصرا ہے" (جیسا کہ تفصیل سے

اس پر بحث گزر چکی ہے) تو یہ سائمہ گھر میں اور شہر میں ہوتے ہوئے مالِ ظاہر میں کیے شمار ہو گئے۔ جواب یہ ہے کہ یہ علت مالِ باطن کے مالِ ظاہر بننے کے لئے ہے۔ اور سائمہ تو پہلے ہی سے مالِ ظاہر ہیں۔ کیونکہ انہیں چرانے کے لئے یقیناً شہر سے باہر لایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان کا گزارا ہی جنگل میں چرنے پر ہے۔ پس سائمہ کے بارے میں خروج من المصرا اور تحت الحماۃ داخل ہونا دونوں امر پائے گئے۔ اس لئے سائمہ مالِ ظاہر ہی ہیں باطن نہیں ہاں سونا چاندی مالِ تجارت اندرون شہر ہوتے ہوئے مالِ باطن ہیں۔ ان کے مالِ ظاہر بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ انہیں لیکر سفر کیا جائے۔ اسی بنیاد پر یہ فرق کیا گیا ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے دراہم کو شامل کر کے عامل کے پاس نصاب مکمل نہیں کیا گیا۔ اور سائمہ کو لیکر گزریا والے کا نصاب گھر میں موجود سائمہ سے پورا کیا جاتے گا اور مجموعے سے زکوٰۃ وصول کی جائیگی۔ مزید یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اگر کسی تاجر نے اپنے مال کی زکوٰۃ شہر میں ادا کر دی، اور پھر اس مال کو لیکر سفر کیا۔ تو عاشر اس مال کی زکوٰۃ دوبارہ وصول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ مالک خود ادا کرنے کا مجاز ہے پس یہ ادائیگی زکوٰۃ معتبر تسلیم کی جائے گی اور اگر تاجر نے اموالِ تجارت کی زکوٰۃ انہیں شہر سے باہر لانے اور سفر کرنے کے بعد ادا کی ہے تو یہ ادائیگی شرعاً معتبر نہیں۔ عاشر دوبارہ ان اموال کی زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے۔ درمختار شامیہ، ہدایہ، فتح القدر، کفایہ وغیرہ تمام کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ مالِ ظاہر بننے کا مدار اخراج من المصرا پر ہے۔ علمِ عاشر پر نہیں۔ کیونکہ اگر مالِ ظاہر ہونے کا مدار علمِ عاشر پر ہوتا۔ تو بوقت مرور علی العاشر یہ دونوں اموال معلوم ہیں اور اس سے قبل دونوں غیر معلوم تھے۔ پس یا تو دونوں صورتوں میں سابقہ ادائیگی معتبر ہونی چاہیے تھی یا دونوں صورتوں میں غیر معتبر۔ ایک میں معتبر اور دوسرے میں غیر معتبر، یہ تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ مالِ ظاہر بننے کا مدار مال کے شہر سے باہر لانے پر رکھا جائے۔ کیونکہ شہر میں ہوتے ہوئے یہ مالِ باطن تھا تو مالک کی ادائیگی درست ہے اور شہر سے باہر لایا تو مالِ ظاہر بن گیا اب مالک کی ادائیگی زکوٰۃ غیر معتبر قرار پائی۔

الحاصل بطن بلد (اندرون شہر) میں موجود نقدی اموالِ تجارت اموالِ باطنہ ہیں۔ اور انہیں لیکر سفر کیا جائے تو یہ اموالِ ظاہرہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور زروع و شمار

اور ساتھ یہ اموال چونکہ بیرون شہر (ظاہر البلد میں) پائے جاتے ہیں اس لئے یہ اموال اصولی طور پر اموال ظاہرہ ہیں۔ سابقہ مفصل اجاث کی روشنی میں یہ حقیقت باطل واضح ہے کہ بینکی اموال، اموال باطنہ ہیں۔ انہیں بینک میں ہوتے ہوئے قطعاً مال ظاہر قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی حضرات فقہاء کی ذکر کردہ متفقہ تصریحات کو کسی اجتہاد سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اس امر میں تو کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ دلائل شرعیہ کے علاوہ ملکی و بین الاقوامی بینکنگ نظام کے ضوابط کے تحت بینکی اموال کو مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک شخص کے اموال کو دوسرے پر ظاہر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بعض ممالک میں تو حکومت بھی کسی کھاتہ دار کا بینک بلینس معلوم کرنے کی مجاز نہیں۔ اور اصولی طور پر بینکی اموال کو زیادہ سے زیادہ محفوظ پٹیوں اور تالوں میں بند کر کے رکھا جاتا ہے ایسے مخفی مقفل کمروں آہنی اماویوں مضبوط تجزیوں میں بند اموال کو مال ظاہر قرار دینا مشاہدہ، بداحت اور شریعت کے یکسر خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی نے اپنے ایک اجلاس منعقدہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ میں "زکوٰۃ و عشر آرڈیننس" میں ذکر کردہ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی تعریف کو ائمہ اربعہ کی متفق علیہ تعریف کے خلاف بلکہ اسکو مسخ قرار دیا تھا۔ کیونکہ اس آرڈیننس میں بینکی اموال کو اموال باطنہ میں شمار کیا گیا تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "بیانات" کراچی بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ)

البلاغ کے دلائل کا جواب

اب ہم "البلاغ" کے پیش کردہ دلائل پر مختصر گزارشات پیش کریں گے۔ اموال ظاہرہ کی اپنی بیان کردہ تعریف کے سلسلہ میں البلاغ میں نہایت اہم دو عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱) :- فلما ولی عثمان و ظہر تغیر الناس کرہ ان یفتش السعۃ علی الناس

"مستور اموالہم فضوض الدفع الی الملائک نیا بۃ" عندہ (فتح القدیر) ۲۸

(۲) :- لم یبلغنا اند بعث سعۃ علی زکاۃ الاموال کما بعثہم علی صدقات

المواشی و الثمار فی ذلک لان سائر الاموال غیر ظاہرۃ للامام و انما

تکون محبوبۃ فی الدور و الحوانیت و المواضع الحریز " ولم یکن

جائزاً للعاة دخول احبارهم..... ولما ظهرت هذه الاموال

عند التصرف بها في البلدان اشبهت المواسی فیہا

عمال یاخذون منها ما وجب من الزکوٰۃ۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۱۵۵ ج ۲)

استدلال: ان تصریحات سے واضح ہے کہ نقد روپیہ اور سامان تجارت اس مالکان کے زیرِ حفاظت ہوں..... لیکن جب یہی اموال مالکان خود نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں اور وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں تو وہ اموال ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں۔ (البلاغ سنہ ۱۴۰۱ھ ص ۱۱)

جواب: اموال ظاہرہ اور باطنہ کی تعریف کے بارے میں عبارات بالا سے استدلال کرنا کئی وجوہ سے مخدوش ہے اولاً اس لئے کہ اس امر میں کوئی شبہ

ہنیں کہ ابن ہمام اور امام جصاصؒ رازی کا مقصود ان عبارات سے اموال ظاہرہ و باطنہ کی تعریف کرنا نہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس خاص اعلان کی صرف حکمت اور مصلحت بتلانا پیش نظر ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا حق مالکان کے سپرد کرنے میں انہیں مضرت تفتیش سے بچانا مطلوب تھا (باقی اموال ظاہرہ و باطنہ کی تفصیل اور ان کے علل یہ اپنے مقام پر مفروض عن البحث ہیں)۔ البلاغ کے استدلال میں بنیادی کمزوری یہ ہے کہ بیان حکمت کو بیان علت سمجھ لیا گیا اور پھر اس سے اولاً اموال باطنہ کی تعریف اخذ کی گئی اور پھر اس کے تقابل سے اموال ظاہرہ کی تعریف کر دی گئی۔ حالانکہ بیان حکمت و مصلحت سے کسی حکم کی تعریف کرنا درست نہیں۔

علت اور حکمت میں فرق: (۱)۔ علت پر حکم نفاذ و اثباتاً دائر ہوتا ہے اور کسی حکم کی حکمت فی الجملہ ملحوظ ہوتی ہے

لیکن مدار حکم نہیں ہوتی۔

(۲)۔ علت میں عموم ہوتا ہے اور سب افراد میں پائی جاتی ہے۔ اس سے حکم کا تخلف جائز نہیں ہوتا مثلاً شریعت نے بوجہ مشقت مسافر کے لئے قصر و افطار کی اجازت دی ہے کیونکہ سفر میں عموماً مشقت ہوتی ہے لیکن یہ مشقت محض حکمت تخفیف ہے مدار حکم اور علت نہیں۔ علت رخصت سفر ہے پس اگر کسی سفر میں مشقت نہ ہو تو قصر کی شرعی

سہولت بدستور برقرار ہے گی کیونکہ علت پائی گئی ہے گو حکمت مستفی ہے۔

اگر حکمت کو مدارِ حکم قرار دیا جائے تو بعض اسفارِ شرعیہ میں بھی قصر کی رخصت حاصل نہ ہوگی اگر مشقت پر حکم دائر کیا جائے تو شاید یہ دعویٰ کرنا بھی مستبعد نہیں ہوگا کہ گھر پر ہوتے ہوئے اگر کوئی مشقت کا کام کیا گیا تو بھی قصر کی اجازت ہونی چاہیے کیونکہ علت رخصت پائی گئی حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ کچھ ایسی ہی صورت البلاغ کے زیر بحث استدلال میں پائی جا رہی ہے کیونکہ حضرات فقہاء کے ہاں یہ امر مسلم ہے کہ سونا چاندی مال تجارت کے اموال ظاہرہ کے حکم میں آنے کی علت اخراج من المصر ہے لیکن البلاغ نے مضرت تفتیش کو (جو فی الواقع حکمت تھی) علت اور مدارِ حکم سمجھتے ہوئے یہ طے کر لیا کہ شہر میں ہوتے ہوئے بھی اموال باطنہ کو اموال ظاہرہ قرار دیا جاسکتا ہے یہ ایسے ہی سمجھتے جیسے بغیر سفر گھر پر ہوتے ہوئے بوجہ مشقت قصر نماز کی اجازت دیدی جاتے۔

محتاج تفتیش اموال باطنہ کو سرکاری وصولی

احتیاج تفتیش حکمت علت نہیں : زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھنے کی حکمت ہے

علت نہیں۔ اگر سے علت قرار دیا جائے تو بازار کھل جانے کے بعد ہر دوکاندار اپنے اموال کو ایسے منظر عام پر لانے کی کوشش کرتا ہے جو کابگوں کے لئے جاذبِ نظر ہو۔ ان تمام اموال کا بلاغہ روزانہ ہزاروں لوگ مشاہدہ کرتے ہیں اور بلاشبہ یہ اموال محتاج تفتیش نہیں، اگر محتاج تفتیش ہونے کو مال باطن بننے کی علت قرار دیا جائے تو یہ سب اموال، اموال باطن ہونے سے یقیناً خارج ہو جائیں گے حالانکہ حضرات فقہاء کرام نے شہر میں اپنی جگہوں پر رکھے ہوئے اموال کو بالاتفاق مال باطن قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ محتاج تفتیش ہونا علت نہیں ورنہ معلول اس سے متخلف نہ ہوتا بلکہ حکمت ہے جس سے حکم کا تخلف جائز ہے جیسے سفر میں عدم مشقت کے باوجود رخصتِ قصر برقرار رہی یا گھر پر ہوتے ہوئے مشقت کے کام کے باوجود رخصتِ قصر کی سہولت حاصل نہ ہو سکی۔ یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ رہے بعض بڑی دوکانوں میں گاہکوں کے لئے نشستیں کر سیاں وغیرہ ہتیا ہوتی ہیں۔

پس ہر دوکان میں جانے کو مضرت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ صبح سے لیکر بازار بند ہونے تک اموال تجارت بقصد انظار و نمائش کھلے بندوں رکھے رہتے ہیں۔ ہاں بازار بند ہوتے

ہی یہ سب اموال دوکانوں میں چھپا دیئے جاتے ہیں۔ اب یہ اموال مستور ہو گئے دن میں بالکل ظاہر تھے رات کو بالکل پوشیدہ اور غائب ہو گئے اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ اموال باطنہ کا مستور اور چھپائے ہوئے ہونا یہ بعض حالات (یعنی رات) کے اعتبار سے ہے ہر وقت کے لحاظ سے انہیں پوشیدہ نہیں کہا جاسکتا اموال باطنہ کا گھروں اور دوکانوں میں مستور و مخفی ہونا بعض اموال باطنہ (یعنی سونا، چاندی) کے اعتبار سے ہے کیونکہ انکو گھروں میں مضبوط تالوں وغیرہ میں بند کر کے رکھا جاتا ہے۔ تمام اموال باطنہ کے اعتبار سے نہیں۔ علامہ ابن ہمامؒ اور امام جصاص نے اپنی عبارات میں اموال باطنہ کے لئے ”مستور“ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان الفاظ سے انکی مراد قطعاً یہی ہے اور ہر مال باطن کا ہر حالت میں مستور رہنے کا دعویٰ ان حضرات کی کلام میں ہرگز نہیں اور نہ ان حضرات کی کلام کا یہ مفہوم ہے کہ نقد اور سامان تجارت اس وقت تک اموال باطنہ کہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر ہیں اور جب انہیں نجی مقامات سے نکال لیا جائے تو مال ظاہر میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ”اس وقت تک“ ”جب تک“ یہ دونوں قیدیں ان حضرات کی کلام میں موجود نہیں پس مستور و پوشیدہ بہر حال محتاج تفتیش ہونے کو مال باطن کی حقیقت میں داخل سمجھتے ہوئے اس سے مال باطن اور مال ظاہر کی تعریف اخذ کرنا محض تساہل ہے حالانکہ علامہ جصاص رازی کی کلام میں واضح اشارہ موجود ہے کہ تقابل مکشوف اور مستور ہونے میں نہیں۔ اور نہ ہی پوشیدہ نجی مقامات میں رکھے ہونے یا ان سے اموال کو باہر لانے میں ہے بلکہ تقابل اس میں ہے کہ یہ اموال مکانوں اور دوکانوں میں اپنی جگہوں میں رکھے ہوئے ہیں یا ان اموال کو شہر سے باہر سفر پر لے جایا گیا ہے۔ پہلی صورت میں یہ اموال باطنہ ہیں دوسری صورت میں یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔ چنانچہ عبارت بغور پڑھیے،

امام جصاص رازی لکھتے ہیں :

واما تكون مخبوة في الدور والخوانيت والمواضع المحرقة.....
ولما ظهرت هذه الاموال عند التصرف بها في البلدان
اشبهت المواشي فنصب عليها اعمال ياخذون منها ما وجب من
الزكوة ولذلك كتب عمر بن عبد العزيز الى عماله ان

یاخذوا مما یمربہ المسلم من التجارات من کل عشرین دیناراً
 نصف دینار (احکام القرآن ص ۱۵۵ ج ۲)

عبارت بالا میں تصریح ہے کہ جب اپنی پوشیدہ اموال کو لے کر دوسرے (شہروں میں
 جائے گا تو یہ اموال (حکومت کے زیرِ حفاظت آنے میں) جنگل میں چرنیوالے مولشیوں کے مشابہ
 ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں حکومت بذریعہ عاشران اموال کی زکوٰۃ وصول کرے گی۔ جیسا
 کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے حکم سے ثابت ہو رہا ہے۔ حاصل یہ کہ اس صورت میں یہ اموال
 باطنہ اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔ اور یہ وہی بات ہے جو دیگر حضرات فقہاء کی
 کلام میں پوری وضاحت سے موجود ہے۔ شہر میں اپنی جگہوں پر رکھے ہوئے اموال تجارت
 نقدی، اموال باطنہ ہیں اور جب انہیں لے کر سفر کیا جائے تو یہ اموال مولشیوں کے مشابہ
 ہو جاتے ہیں اور اموال ظاہرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ابن ہمامؒ سے بھی ایسی ہی تصریح پہلے
 ہم نقل کر چکے ہیں۔ شہر میں ہوتے ہوئے اموال باطنہ کی ادائیگی زکوٰۃ کا حق مالکان کو
 حاصل ہے اور ان اموال کے شہر سے نکلتے ہی یہ حق امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(باب العاشر ص ۱۴۳ ج ۲)

معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی مال ظاہر باطن بننے کا مدار مستور و مکشوف ہونے
 پر نہیں بلکہ اندرون شہر ہونے یا بیرون شہر لے جانے پر ہے اور مستور ہونے کا لفظ بطور
 بیان مصلحت فرماتا ہے ہین بطور بیان علت نہیں۔

الغرض جب اموال باطنہ کا ہر حال میں مستور ہونا ضروری نہ ہو کہ بلا تفتیش ان کا
 علم حاصل نہ ہو سکتا ہو تو اس کے مفہوم مخالف سے مال ظاہر کی تعریف مستنبط کرنا بھی
 درست نہ ہوگا۔ ورنہ سب بناء الفاسد علی الفاسد ٹھہرے گی۔ گویا البلاغ کے اس استدلال
 میں تین تسامح واقع ہوئے ہیں۔ (۱) حکمت کو علت سمجھ لینا (۲) حکمت و مصلحت کو علت
 سمجھتے ہوئے اس سے مال باطن کی تعریف اخذ کرنا (۳) پھر اس تعریف سے تقابل کے
 طور پر مال ظاہر کی تعریف ترتیب دینا۔

(فائدہ) اموال باطنہ اپنے بعض افراد کے اعتبار سے مستور ہوتے ہیں جن سے
 وصولی زکوٰۃ کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی حاجت پڑ سکتی تھی جس سے مالکان کو ضرر

پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ دفع مضرت کے لئے شریعت نے بعض افراد کی سہولت پوری نوع کے لئے عام فرمادی اور مالکان کو عام اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے تمام اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کر دیا کریں۔ کیونکہ احکام شرعیہ میں عموماً نوع ہی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ سفر کے بعض افراد میں مشقت تھی لیکن سفر شرعی کے تمام افراد میں رخصتِ قصر وغیرہ کی سہولت کو عام کر دیا گیا۔

”البلاغ“ کے پیش کردہ آثار پر ایک نظر

ہماری موضوعات کے جوابات میں پھر البلاغ ماہ رمضان ۱۴۱۷ھ میں مجلس تحقیقات مسائل حاضرہ ”کافیصلہ شائع ہوا جس میں مجلس نے اموال ظاہرہ و باطنہ کے بارہ میں اپنے سابقہ موقف کو بحال رکھا اسی فیصلہ کے بارہ میں مزید گزارشات پیش کی جا رہی ہیں۔

پہلی گزارش یہ ہے کہ خیر المدارس کے جواب میں حضرات فقہاء کی متعدد تصریحات پیش کی گئی تھیں کہ سونا، چاندی، نقدی شہر میں ہوتے ہوئے اموال باطنہ ہیں۔ جب انہیں شہر سے نکالا جائے گا اور انہیں لے کر سفر کیا جائے گا تب یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہوں گے۔ اور کسی مال باطن کے مال ظاہرہ میں شامل ہونے کی علت ”اخراج من المصر“ تک العلماء اہم کا سائی فرماتے ہیں؛ لانه لما سافر به واخرجه من العمران صار ظاهراً (بدائع) در مختار و شامیہ میں ہے؛ لانها بعد الاجراج من البلد التحقت بلا موال الظاہرة خیر المدارس کے جواب کی تردید کے لئے ایسے فقہی جزیات پیش کئے جانے چاہئے تھے جس سے ہماری پیش کردہ تصریحات فقہاء کرام کی صراحت نفی ہوتی لیکن البلاغ کے پورے اس فیصلہ میں ایسا ایک جزیہ بھی مذکور نہیں اور ظاہر ہے کہ تصریحات فقہاء کرام کے مقابلہ میں کوئی خیال و اجتہاد قابل قبول نہیں۔ حضرات فقہانے تصریح کی ہے؛ البحت فی المنقول غیر مقبول (شامی) علامہ قاسم بن قطلوبغا نے اپنے شیخ محقق ابن ہمام کے بارے میں واضح طور پر لکھا ہے؛

لا عبرة بابحاث شيخنا التي خالف المنقول (يعني منقول في المذهب) اسلامی قانون میں

کسی ایسے جزیہ کی دستیابی سے مایوس ہونے کے بعد البلاغ ۱۴۱۷ھ نے موضوع بحث میں توسیع فرمادی۔ واضح رہے

کہ اصل زیر بحث یہ امر تھا کہ مال باطن مال ظاہر کب بنتا ہے ؟ اور اس کی علت کیا ہے ؟ اور یہ بات کہ گھڑوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر کبھی وصول کی گئی ہے یا نہیں یہ بحث ثانوی درجہ میں ہے۔ ہماری ساری بحث اموال ظاہرہ اور باطنہ کی تحقیق و تفصیل و تشریح کے بارہ میں تھی۔ مگر ابلاغ سلسلہ میں بنیادی تہہ بندی کر دی گئی کہ اصل موضوع کی بجائے دوسری بات سرکاری وصولی کو ہی موضوع بحث بنا لیا گیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

غور و تحقیق کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ کے لئے مخرج من المصروف کو علت قرار دینا درست بلکہ اصل علت وہی ہے کہ وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سبھی مقامات کی تفتیش کی حاجت نہ ہو (السبلاغ ص ۱۸) اور پھر اپنے اس جدید دعویٰ کے لئے خلافت راشدہ کے بعض آثار سے استدلال کیا کہ خلفائے راشدین نے گھڑوں میں رکھے ہوئے اموال کی بھی زکوٰۃ وصول کی۔ واضح ہے کہ ہم نے مخرج من المصروف کو مال ظاہر بننے کی علت قرار دیا تھا اور اسے سرکاری سطح پر وصولی کی علت قرار نہیں دیا تھا۔ پس اگر کسی دور میں ماضی کے اندر گھڑوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصولی کی گئی ہو تو یہ وصولی زکوٰۃ نہ تو علت بن سکتی ہے اور نہ ہی زیر بحث مسئلہ میں مفید عائد ہے بلکہ ہم پر مخفی ہے کہ سرکاری وصولی اور مال ظاہر ہونے میں تلازم ہے نہ مساوات۔ خلافت راشدہ کے دور میں گھڑوں میں رکھے ہوئے اموال کی سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کی گئی۔ جب کہ یہ اموال ظاہرہ نہیں اور اس کے برعکس مال ظاہرہ ہو اور حکومت کو بوجہ عدم حفاظت کے اس سے وصولی زکوٰۃ کے اختیارات نہ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے جیسے کہ جزیئہ ذیل سے ظاہر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مال ظاہر اور سرکاری وصولی میں اتحاد و مساوات نہیں بلکہ مغایرت ہے۔

پس اصل موضوع مال ظاہر و باطن کی بحث میں سرکاری وصولی کی بحث چھیڑ دینا۔ اصل موضوع سے گریز و انحراف ہے اور اس سلسلہ میں پیش کردہ آثار اصل موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

اصل موضوع یہ تھا کہ کوئی مال باطن مال ظاہر کے حکم میں کب داخل ہو جاتا ہے۔ ان آثار میں اس کا کوئی نشان و اثر تک موجود نہیں ہاں سرکاری وصولی زکوٰۃ کا ذکر ہے جس سے ہمیں انکار نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ کسی مال سے سرکاری وصولی یہ اس کے

مال ظاہر ہونے کی دلیل ہے اول تو اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت ہے اور ثانیاً یہ کہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ خلافت راشدہ میں بھی اموال ظاہرہ کی ہی زکوٰۃ وصول کی گئی ہے۔ اموال باطنہ کی زکوٰۃ سرکاری طور پر کبھی وصول نہیں کی گئی اور نہ ہی کبھی وصول کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ جب کسی مال کی زکوٰۃ وصول کی جائے گی تو وہ مال ظاہر بن جائے گا حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے کیونکہ سرکاری طور پر اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ خلافت راشدہ کے دور میں مسلمہ امر ہے۔

لکھتے ہیں کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ حکومت وصول کرے گی۔

اور ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ جس مال کی حکومت زکوٰۃ وصول کرے گی وہ مال ظاہر بن جاتا ہے گویا کہ اسلامی قانون میں مال ظاہر کا کوئی تشخص اور پہچان موجود نہیں۔ مال ظاہر بننے کا مدار سرکاری وصولی زکوٰۃ پر ہے۔ گذارش یہ ہے کہ کس فقیہ نے مال ظاہر کے متعلق یہ تحقیق ذکر کی ہے؟ ایک نام بھی اس سلسلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ حضرات فقہاء نے اموال ظاہر کا مستقل تشخص اور ان کی تعداد تک بتلائی ہے جیسا کہ تفصیلاً ہم پہلے ذکر کرتے ہیں۔

الغرض خلافت راشدہ میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کی گئی لیکن اس سے یہ اموال ظاہرہ میں بھی تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں البلاغ کے پیش کردہ آثار کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما لوگوں میں جب لاندہ وظائف تقسیم فرماتے تو آپ وصول کنندہ سے دریافت کرتے کہ تیرے پاس کوئی اور ایسا مال ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہو چکی ہو۔ اگر وہ شخص اثبات میں جواب دیتا تو اس مال کی زکوٰۃ وظیفہ کی رقم میں سے کاٹ کر باقی وظیفہ اس کے حوالے کر دیتے۔

(ب) — حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما وظیفہ کی زکوٰۃ بھی وصول کرتے تھے۔

(ج) — حضرت عمر بن عبد العزیز نے واپس کرتے وقت ایک ایسے مال کی بھی زکوٰۃ وصول کی جو سابق حکمرانوں نے ظلماً مالک سے لے لیا تھا۔ البلاغ نے ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

”اس طریقہ کار سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ کسی مال کے اموال ظاہرہ میں شامل ہونے اور اس سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اس کا شہر سے باہر لے جانا ضروری نہیں۔“ گذارش یہ ہے کہ ان آثار میں سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ کا تذکرہ تو موجود ہے لیکن ان اموال کے اموال ظاہرہ بن جانے کا کوئی ذکر ان میں نہیں پایا جاتا۔ ہم نے بار بار غور کیا لیکن ”بات بالکل واضح ہونے کی بجائے ان سے آثار میں کوئی اشارہ تک ایسا نہیں مل سکا جو ان اموال کے مال ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہو اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی فقہی صریح جزیہ پیش کیا گیا۔“

حالانکہ اصل اس سلسلہ میں فقہی جزیہ ہی مطلوب تھا۔ گھر میں رکھا ہوا مال بذریعہ اقرار مال ظاہرہ میں تبدیل نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور مال باطن ہی رہتا ہے اسی لئے عاشر اس سے زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے نہ اہم۔ جیسا کہ اس کی مفصل تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ اور صرف سرکاری وصولی کو مال ظاہرہ کی دلیل سمجھ لینا تساہل ہے۔ (اس کی تردید پہلے کی جا چکی ہے) خصوصاً جبکہ یہ مسلم ہے کہ خلفائے راشدین نے اموال باطنہ کی بھی زکوٰۃ وصول کی

ہے۔ اور البلاغ کے مطابق حکومت کو ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق اب بھی باقی ہے۔ — جب یہ ہے تو سرکاری وصولی زکوٰۃ کو کسی مال کے مال ظاہر ہونے کی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ جبکہ سرکاری وصولی البلاغ کے مطابق مال باطن سے بھی ہو سکتی ہے اور مال ظاہر سے بھی۔ — چنانچہ البلاغ میں ہے :-

”لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام کا حق اخذ بالکلیہ ساقط ہو گیا۔ اور اب وہ زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔“

(یعنی ایسا نہیں) (البلاغ ۱۲۰ ص ۲۱)

وصول کرانے میں نہ معلوم البلاغ کو کیا دلچسپی ہے۔؟ سیدھی بات فرمادیتے کہ مضرت تفتیش نہ ہونے کی صورت میں ماہی کے اندر اموال باطن کی زکوٰۃ وصول کی گئی۔ بینکی اموال بھی اسی نوعیت کے ہیں بقول البلاغ ”جب اموال باطن کو وصول زکوٰۃ سے بجز مضرت تفتیش کوئی مانع نہیں۔“

تو بینکی اموال کو ”مال باطن بنا کر بھی زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔“ انہیں خواہ مخواہ اموال ظاہر بنانے کا تکلف کیوں فرما ہے؟ اور البلاغ کے پیش کردہ مواد کا حاصل بھی یہی ہے کہ ان اموال سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کی گئی لیکن یہ اموال ظاہر بھی تھے؟ — یہ امر ان کے پیش کردہ مواد سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ حالانکہ اصل موضوع سرکاری وصولی نہیں بلکہ اموال ظاہر اور باطن کی تحقیق ہے۔

وظائف و عطایا پر وجوب زکوٰۃ کا حکم

البلاغ میں وظائف سے وصولی زکوٰۃ کو بار بار اپنے استدلال کی بنیادی دلیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ استدلال کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ اموال وظائف سے سرکاری سطح پر چونکہ زکوٰۃ وصول کی گئی ہے لہذا

یہ مال ظاہر ہیں۔ پس بینکی اموال بھی چونکہ اسی نوعیت کے ہوتے ہیں لہذا ان سے بھی مال ظاہر ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔

اس استدلال میں ایک بنیادی کمزوری تو یہی ہے کہ سرکاری وصولی کو مال ظاہر ہونے کی دلیل بنا لیا گیا ہے دوسری کمزوری یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق وظائف میں زکوٰۃ واجب ہے۔ نہ اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے نہ ان حضرات نے وظائف کی زکوٰۃ وصول کی اور ائمہ متبوعین امام عظیم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے بلکہ وظائف سے وصولی زکوٰۃ کو خلاف اجماع

قرار دیا گیا ہے (کما سیاتی) پس ایسے خلافِ اجماع امر کو بنیاد بناتے ہوئے جس مسئلے کو اس پر متفرع کیا جائے گا وہ بھی خلافِ اجماع ہوگا۔ پس بیٹی اموال سے وصولی زکوٰۃ کا مسئلہ خلافِ اجماع ہوگا۔

حضرت ابو بکر صدیق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کا یہ طرز عمل گزر چکا ہے کہ یہ حضرات وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مال کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ (موطا امام مالک) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ چنانچہ طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ ہمارے وظائف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس طرح جاری ہوتے تھے کہ ان کی زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی تا آنکہ ہم خود ان کی زکوٰۃ نکالتے تھے۔ (کتاب الاموال ص ۱۶۳)

شراح موطا علامہ باجی اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں :

وَأَمَّا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فَلَمْ يَكُونُوا يَأْخُذُونَ مِنْهَا
(ای من الاعطية) الزكاة لانها لم يتحقق ملك من اعطيها

الابعد الاعطاء والقبض (اوجز)

خلفائے ثلاثہ کے اس طرز عمل کو ابلاغ میں بھی تسلیم کیا گیا ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا کہ وہ

مذہب علی رضی اللہ عنہ کی تحقیق

تتخا ہوں اور وظائف کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ (البلاغ ص ۱۸) مگر ابلاغ میں اس کا کوئی حوالہ دیا گیا ہے اور نہ ہی ہماری تحریری مراجعت کے جواب میں کسی ایسے حوالے کی نشاندہی کی گئی ہے صحیح ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں فرماتے تھے۔ اولاً اس لئے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

أول من اخذ من الاعطية الزكاة معاوية بن ابي سفيان (موطا امام مالک) معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام خلفاء راشدین عطیہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

ثانياً — اس لئے کہ یہ عطاء ووظیفہ مال مستفاد ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مال مستفاد میں حلال حوال سے قبل وجوب زکوٰۃ کے قائل نہیں۔

عن علي رضي الله تعالى عنه قال من استفاد ما لا فليس فيه الزكاة

حتى يحول عليه الحول — (مصنف عبدالرزاق ص ۱۵) ومصنف ابن ابی شیبہ

ثالثاً — اس لئے کہ معنی ابن قدام میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا مذہب (کان عبد اللہ یعطینا ویزکیہ) نقل کرنے کے بعد خلفاء راشدین کا مذہب اس کے خلاف نقل کیا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: — وجہور العلماء علی خلاف هذا القول منهم ابو بکر

وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین (ص ۶۶)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وظیفہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

رابعاً — اس لئے کہ وظیفہ سے وصولی زکوٰۃ خلاف اصول شریعہ اور جمہور ائمہ و علماء کے خلاف ہے۔ توجہ تک اس کا کوئی ناقابل تردید ثبوت نہ مل جائے اس کی نسبت خلیفہ راشد کی طرف کرنا درست نہ ہوگا۔

خامساً: — اس لئے کہ وصولی زکوٰۃ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بہ نسبت تخفیف و سہیل پر مبنی تھا نہ کہ تشدید و تضییق پر، جیسا کہ واقعہ ذیل سے ظاہر ہے۔

ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ تو خزانہ سے وظیفہ بھی وصول کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے اس کی زکوٰۃ وصول نہیں کی۔ اور فرمایا: لا یجمع علیک ان لا نعصیک و نأخذ منک فامرہ ان یقسمہا (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹ ج ۴ طبع لبنان) — ان وجوہ اور ابن قدام کی تصریح سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب متحقق ہوا کہ آپ وظیفہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

(الحاصل) حوالہ جات بالا سے یہ ثابت ہو گیا کہ خلفاء راشدین نے وظائف و عطایا کی زکوٰۃ وصول نہیں کی۔ اور جمہور صحابہ تابعین، ائمہ اربعہ اور علماء و فقہاء اُمت کا یہی مذہب ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ شاذ اور ناقابل التفات ہے۔ حضرات ائمہ اہل فتویٰ نے کبھی اسے قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ امام ابن عبدالبر وظیفہ کی وصولی زکوٰۃ کے متعلق لکھتے ہیں —

هذا شذوذ لم یخرج علیہ احد من العلماء ولا قال به احد من ائمة

الفتویٰ — ام —

علامہ حاجی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرز عمل (وظیفہ کی وصولی زکوٰۃ کے متعلق) تحریر فرماتے ہیں:۔
ثم العقد الاجماع علی خلافہ قالہ الزرقانی — (کذا فی الأوجز ص ۱۵ ج ۳)

اس تفصیل و تحقیق سے قارئین کرام نے محسوس کر لیا ہو گا کہ البلاغ کا دعویٰ ثابت نہیں بلکہ وظیفہ فی وصولی زکوٰۃ خلفائے راشدین کے متفقہ طرز عمل اور اجماع اُمت کے خلاف ہے۔ پس اس کے خلاف کسی کا شاذ قول ہرگز قابل اعتماد نہیں۔

قابل تعجب

تشریحات بالا کی موجودگی میں نہ معلوم البلاغ والے ایک خلاف اجماع شاذ روایت کو اپنا مستدل بنا کر کیسے مطمئن ہو بیٹھے۔ یہ امر ناقابل فہم ہے کہ ہزار سالہ قدیم فقہاء کے اجماعی موقف کے خلاف شاذ اور خلاف اجماع اثر مل جانے کو ہی کافی سمجھ لیا جائے۔ آخر عصر حاضر کے متجددین اور اہل حق میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔؟
کسے معلوم نہیں کہ ہر ضعیف بلکہ غلط خیال کے لئے بھی کوئی نہ کوئی شاذ قول مل ہی جاتا ہے۔ حلت ربوا جواز متعہ وغیرہ تک جیسے مسائل میں کیا کیا اقوال نہیں ملتے۔ اہل انصاف کے نزدیک اس مسئلہ میں خلفاء راشدین کا اجماع اور ائمہ اربعہ کا اتفاق کافی ہے کہ وظائف سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ پس اسے زیر بحث مسئلے میں مستدل نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

اثر ابن مسعودؓ کی توجیہ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے طرز عمل کے متعدد جوابات ہو سکتے ہیں :-

پہلا جواب یہ ہے کہ اس اثر کے ثبوت میں ہی کلام ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں مرکزی راوی ہبیرہ بن مریم ہے۔ جس کی توثیق میں اختلاف ہے۔ امام احمد نے اسے "لا بأس بہ" کہا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں "لیس بالقوی" وقال ابن الخراسانی "ضعیف" وقال ابو حاتم شبیبہ بالجمہول (میزان ص ۲۵۱) اور اس کی تائید امام زہری کے قول سے بھی ہوئی۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ پہلے پہل وظائف و عطایا سے زکوٰۃ کی وصولی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی (موطاء امام مالک)

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ عطایا کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے یا کم از کم یہ ہے کہ یہ طرز عمل ابن مسعود سے معروف نہیں تھا۔ ورنہ امام زہری پر یہ امر مخفی نہ رہتا۔ امام زہری کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود کا طرز عمل اس سلسلہ میں حضرات خلفاء راشدین کے خلاف نہ تھا۔ اس کی تائید امام ابو عبیدہ کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ ابن مسعود کا زیر بحث اثر نقل کرنے کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں میرے نزدیک عبداللہ ابن مسعودؓ کی اس روایت کی یہی توجیہ ہے۔ جو حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہما

کی روایات کی ہے۔ یعنی یہ دونوں بزرگ اس مال کی زکوٰۃ لیتے تھے (جو دوسرے مال پر) ماضی میں واجب الادا تھے نہ کہ وہ جو مستقبل میں ان پر واجب ہونے والی تھی۔ یعنی وظیفہ کی زکوٰۃ (ترجمہ کتاب الاموال ص ۱۶۳) علاوہ ازیں جب ہم حضرت ابن مسعودؓ کی ایک دوسری حدیث دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت بالکل کھل جاتی ہے کہ زیر بحث حدیث ابن مسعودؓ ثابت ہی نہیں یا متوکل ہے وہ حدیث یہ ہے کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی شخص مال حاصل کرے تو اس پر پورا سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہوگی۔

(ترجمہ کتاب الاموال ص ۱۶۳)

اس حدیث سے ان کا مذہب ظاہر ہے کہ مال مستفاد میں فی الحال زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ وظائف مال مستفاد ہی ہیں۔

ابلاغ میں بھی وظیفہ کا مال مستفاد ہونا تسلیم کیا گیا ہے تو ابن مسعودؓ وظیفہ کی زکوٰۃ جبراً کیے وصول کر سکتے

تھے۔ جبکہ یہ مال مستفاد ہے: — **تطبیق**

دونوں روایات کو جمع کرنے کے لئے یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ آپ وظیفے سے جبری کٹوتی نہیں کرتے تھے کیونکہ زکوٰۃ کافی الحال وجوب ہی نہیں ہوا۔ ہاں صاحب وظیفہ کی رضامندی سے پیشگی زکوٰۃ وصول کر لیتے ہوں تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ مالک اپنی رضا و رغبت سے پیشگی زکوٰۃ کر سکتا ہے اور اس مبارک دور میں لوگ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کو غنیمت جانتے تھے۔ چنانچہ بعض سلف کا یہ مذہب لکھا ہے کہ دوران سال اگر کئی کو کوئی مال مل جائے اور اسے حوالان حوال سے پہلے خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو مستحب ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ فوری طور پر ادا کر دی جائے۔ پھر اسے خرچ کیا جائے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶) اور یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ خصوصی طرز عمل ان کے ذاتی اجتہاد پر مبنی تھا جو خلفاء راشدین کے متفقہ طریق کار کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے اور ائمہ نے اسے قبول نہیں کیا۔

بہر حال زیر بحث اثر ابن مسعودؓ ثابت نہیں یا متوکل ہے۔ پس ظاہر پر رکھتے ہوئے یہ اثر قابل حجاج نہیں۔ حضرات ائمہ نے اسے شاذ اور خلاف اجماع قرار دیا ہے۔ یہی توجیہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے فعل کی بھی کی جاسکتی ہے۔ —

مال مستفاد کی توجیہ

تمام اقوام کے عرف عام سے ثابت ہے کہ وظائف تنخواہ، مہینہ وغیرہ پورے ہونے کے بعد ہی ادا کی جاتی ہے۔ پس ظاہر یہی ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی عطایا سال پورا ہونے کے بعد ہی تقسیم کئے جاتے تھے

پس ختم مال مستفاد کی توجیہ بھی اثر ابن مسعود میں جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ موصولی طور پر نسم ان اموال کا کیا جاتا ہے جو دوران سال حاصل ہوئے ہوں نہ ان اموال کا جو سال پورا ہونے کے بعد ملک میں آئے ہوں۔ علاوہ ازیں اثر ابن مسعود کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وظائف کی زکوٰۃ مستقل حیثیت سے وصول کرتے تھے۔ دوسرے اموال کے تابع کر کے نہیں۔ کیونکہ وہ دریافت نہیں فرماتے تھے کہ تمہارے پاس اور مال بھی ہے یا نہیں۔ اور مستقل حیثیت میں فوری طور پر مال مستفاد کی زکوٰۃ کا وجوب اُمت میں سے کسی اہم کا مذہب نہیں ہے۔ اگر کوئی قول پایا بھی جائے تو وہ شاذ و مرجوح ناقابلِ احتجاج اور ساقط الاعتبار ہوگا۔

والسرجوح فی مقابله المراجیح بمنزلة المعدوم (عقود) —

وظائف سے وصولی زکوٰۃ

اموال و وظائف کی زکوٰۃ کے بارے میں حضرات خلفائے راشدین کا طرز عمل آپ پڑھ آئے ہیں کہ یہ سب حضرات و وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں فرماتے تھے لیکن السبائح میں ہے:

تنخواہوں اور وظائف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا سلسلہ خلفائے راشدین کے بعد تک جاری رہا۔ (ص ۱۲) کتنا زبردست دعویٰ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی خلیفہ راشد نے زکوٰۃ وصول ہی نہیں کی تو یہ سلسلہ ان حضرات سے شروع ہی نہیں ہوا۔ بعد تک جاری کیسے رہا۔ اور اگر وظائف سے وصولی زکوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ وظائف میں سے گچھ میں رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ وصول کی جاتی رہی — تو اس سے "وظیفہ" کا مال ظاہر ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟ حالانکہ سرکاری سطح پر خود وظیفہ کی زکوٰۃ وصول ہی نہیں کی گئی — یا السبائح کا خیال یہ ہے کہ جس مال میں سے دوسرے مال کی زکوٰۃ وصول کر لی جائے وہ بھی مال ظاہر بن جاتا ہے۔ فیما سبحان اللہ — بہر حال السبائح کے اس دعویٰ میں خاصا تساہل پایا جاتا ہے اور وظائف کا مال ظاہر کسی طرح بھی ثابت نہیں

قطعہ دلیل

ہماری گزارش یہ ہے کہ وظائف اور تنخواہیں قانون اسلامی کی رو سے اموال ظاہرہ میں شمار نہیں ہیں۔

دیگر دلائل کے علاوہ اس کی ایک قطعہ دلیل یہ ہے کہ: —

(الف) — عہد خلافت راشدہ سے لے کر آج تک حکومتوں کی طرف سے تنخواہ یا وظیفہ دینے کا سلسلہ

جاری ہے۔ (ب) سرکاری خزانہ سے اس میں صرف ہونے والے اموال بلا تفتیش حکومت کے علم میں ہوتے ہیں۔ (ج) اور قطعہ بات ہے کہ بارہ صدیوں سے مذکورہ بالا دونوں امور (الف اور ب) حضرات

فقہا کرام (ماہرین قانون اسلام) کے علم میں ہیں۔ لیکن ان قطعی حقائق کے باوجود قانون اسلام کا پورا ذخیرہ ان اموال کے مال ظاہر ہونے کی تصریح سے خالی ہے۔ قانون اسلام کی کسی کتاب میں وظائف یا تنخواہوں کا اموال ظاہرہ کی فہرست میں اندراج موجود نہیں ہے۔ لاکھوں اور کروڑوں کا یہ بجٹ بارہ صدیوں تک حکومت کے قابل وصولی زکوٰۃ اثاثوں میں کیوں درج نہیں ہو سکا۔ انتہائی سادگی کی وجہ سے حضرات فقہاء کو اس بجٹ کا علم نہیں ہو سکا۔ یا سہوایہ فرگند اشرت ہوتی چلی آئی ہے اور کوئی اس پر متنبہ نہیں ہو سکا۔ یہ سب تو تہمت محض باطل ہیں حقیقت یہ ہے کہ وظائف کے اموال، اموال ظاہرہ میں شامل نہیں۔ بلکہ قبل القبض تو سرے سے یہ مملوک ہی نہیں مال ظاہر کیا ہوتے؟ —

قاضی القضاة امام ابو یوسف نے خاص سرکاری مال گزارہ پر مایہ ناز تصنیف فرمائی۔ ابو عبیدہ نے اسی موضوع پر کتاب الاموال لکھی اور جزوی طور پر تمام فقہاء کی کتابوں میں کتاب الزکاۃ موجود ہے۔ دوسری صدی ہجری (جو قاضی ابو یوسف کا زمانہ ہے) اس وقت سے لے کر سلطان عالمگیر تک کسی کتاب میں تنخواہوں کے بجٹ کو اموال ظاہرہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے برعکس اس بجٹ کے مال باطن ہونے کی ضمنی تصریح قانون اسلامی کے مسلمہ ماخذ میں موجود ہے۔ راجح الوقت نقدی یا کونسی نوٹ سونا چاندی اموال باطن میں سے ہیں۔ جب تک وہ پشہر کے اندر ہوں —

بجیب

دلائل کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے وظیفہ پر صاحب وظیفہ کی ملک نہیں آتی۔
 ہدایہ، فتح القدر، بحر الرائق اور مختار، شامیہ وغیرہ تقریباً سب کتب میں وظیفہ کے بارے میں لکھا ہے —
 انه نوع صلۃ و لیس بدین و لهذا سُمی عطاءً فلا یملک قبل القبض

ولیسقط بالموت (ہدایہ ص ۵۸۰)

البلاغ میں بھی اسے تسلیم کیا گیا ہے کہ (تنخواہ) صاحب تنخواہ کی ملکیت میں قبضہ کرنے کے بعد آتی ہے۔ اس (ص ۱۳) رمضان المبارک سن ۱۱۱۱ھ میں قابل غور امر یہ ہے کہ جب قبضے سے قبل، وظیفہ زید کا مملوک ہی نہیں۔ تو اسے زید کے اموال ظاہرہ میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے۔ اگر شبہ ہو کہ وظیفہ گیر نہ کے ملک میں آنے کے بعد یہ مال ظاہرہ بن گیا ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ اب یہ مال حکومت کی تحویل سے نکل کر نجی ملکیت و حفاظت میں داخل ہو گیا ہے۔ حالانکہ البلاغ کے مطابق کسی مال کے مال ظاہرہ میں شامل ہونے کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ مال حکومت کے زیر حفاظت آجائے۔ دو بنیادی امور ضروری تھے۔ ان میں سے ایک یہاں مفقود ہے

وظیفہ کے "متعین الوصول" ہونے کی وجہ سے اس کے مملوک ہونے کا دعویٰ کرنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرات فقہاء کرام نے اس کی حیثیت کا علم رکھتے ہوئے اسے غیر مملوک دیا ہے۔ بہر حال کسی غیر مملوک

مال کو زید کا... مال ظاہر قرار دیدینا عجیب ہے۔

تیسری قسم کا مال،

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں ایک واقعہ پیش آیا کہ آپ نے سابق حکومت کے غصب کردہ مال کو مالکان کی درخواست پر انہیں واپس کر دیا اور اس میں سے ایک سال کی زکوٰۃ بھی وصول کر لی۔

السبلاخ میں اس واقعہ کو بھی بینک اکاؤنٹس کے مال ظاہر ہونے کی دلیل بنایا گیا ہے حالانکہ اس میں سرکاری وصولی کا ذکر ہے۔ مال ظاہر ہونے کا کوئی اشارہ تک اس میں موجود نہیں۔ پس یہ اثر موضوع سے غیر متعلق ہے۔ پھر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصولی جبری زکوٰۃ بلکہ مالکان کی رضامندی کے ساتھ تھی۔ کیونکہ خیر القرون میں مسلم معاشرہ کے اندر شعائر اسلام اور فرائض کی پابندی کامل طوع و رغبت کے ساتھ کی جاتی تھی۔ خیر غالب اور شرمغلوب تھا۔ جن مالکان کو اڑھائی لاکھ روپے کی خیر رقم مایوسی کے بعد واپس بل رہی ہو۔ انہیں مقدار زکوٰۃ کی معمولی رقم ادا کرنے میں کیا ناگواری ہو سکتی ہے۔ جبکہ عدم ادائیگی کی صورت میں وہ خود بھی زکوٰۃ ادا کرتے۔

مُری ہوئی اتنی بڑی رقم کی وصولی کے لئے لوگ تو اس کا چوتھائی تہائی حصہ بیک نصف تک بطور رشوت دینے کے لئے بخوشی تیار ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ اڑھائی فی صد زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی ناخوشی محسوس کریں۔ جو عذاب سے خلاصی اور خداوند قدوس کی رضامندی کا باعث ہے۔ اور رشوت موجب عذاب۔

امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ جانوروں کی زکوٰۃ از خود غبار کو دیدی جائے۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ امام عادل کو دیدی جائے جبکہ وہ عمر بن عبدالعزیز جیسا ہو (مدونہ) گویا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مالیات میں دیانت و امانت ضرب المثل تھی۔ ان حقائق پر غور کرنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ زیر بحث واقعہ میں مالکان کا زکوٰۃ ادا کرنا کسی جبر واکراہ کے تحت نہ تھا بلکہ طوع و رغبت سے تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں ایک عامل نے لکھا کہ فلاں شخص نے ہمارے محصل کو زکوٰۃ نہیں دی۔ تو آپ نے جواب لکھا (دعوم) اسے رہنے دو یعنی جبر نہ کرو۔ (موطا) معلوم ہوا کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز عمومی جبر کے قائل نہ تھے۔ جبکہ معلوم ہو کہ مالک خود ادا کرے گا۔ تو سونے چاندی کی زکوٰۃ بلا رضامندی جبراً کیسے کاٹ لیتے تھے لہذا البلاغ میں ذکر کردہ اس واقعہ سے زیر بحث مسئلہ پر استدلال صحیح نہیں۔ دوسرے یہ ایک جبروی واقعہ ہے اور بقول البلاغ جبروی واقعات کو کلی احکام کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ واقعہ

یہ مال غصبوبیس ہزار درہم تھے (مصنف عبدالرزاق) جن کی مالیت تقریباً کم از کم اڑھائی لاکھ

بتی

حضرات فقہاء اور محدثین نے مالِ ضمار کی زکوٰۃ کے سلسلے میں ذکر کیا ہے لیکن اس واقعہ سے کسی مال کے مالِ ظاہر میں شمار ہونے پر استدلال کرنے کی اولیت البلاغ ہی کو حاصل ہے۔ بارہ صدیوں میں کسی فقیہ یا محدث نے اس سے یہ استنباط نہیں کیا۔ اپنے دور میں عمر بن عبدالعزیز نے جو مالی اصلاحات کیں۔ غیر اسلامی ٹیکس منسوخ کئے۔ سابقہ حکمرانوں کے غصب کردہ اموال واپس کئے۔ انتہا یہ کہ اپنی اہلیہ کا جہیز شہ ہونے کی وجہ سے بیت المال میں واپس کر دیا۔ ان اصلاحات کی وجہ سے معاشرے کے قلوب پر ان کی ہر دلہن عمر بن عبدالعزیز اور عظمت کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔ اس کے اثرات اب تک باقی ہیں۔ ایسا حکمران اگر جان بھی طلب کرے تو عوام دریغ نہیں کرتے چہ جائیکہ فریضہ زکوٰۃ کی سرکاری وصولی پر کوئی ناخوشی محسوس کرے۔ امام ابو عبید اور دوسرے حضرات کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مجموعی طرز عمل یہی تھا کہ وہ صرف انہی لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے جو بخوشی زکوٰۃ انہیں دینا چاہیں۔ اور اپنے عمال کو بھی یہی ہدایات جاری کی تھیں۔ چنانچہ امام موصوف فرماتے ہیں: —

”جو صدقہ زکوٰۃ تمہارے پاس لے آئے اس سے تم وہ قبول کر لو اور جو تمہارے پاس نہ لائے اللہ

اس سے حساب کرنے والا ہے۔“ (کتاب الاموال ص ۲۹۵) —

ابھی ابھی موطاء امام مالک کے حوالہ سے بھی۔ عمر بن عبدالعزیز کا ایسا ہی واقعہ گزر چکا ہے۔ بہر حال جبری

کٹوتی زکوٰۃ کے بارے میں واقعہ عمر بن عبدالعزیز سے استدلال درست نہیں —

البلاغ نے مزید لکھا ہے کہ علامہ ابن ہمام اور شمس اللامہ سرخسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک سال

کی وصولی زکوٰۃ کا واقعہ لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مال (ضمار) سے ایک سال کی جو زکوٰۃ حضرت عمر بن

عبدالعزیز نے وصول فرمائی وہ حنفیہ کے نزدیک بھی معمول ہے۔ ورنہ وہ اس کی توجیہ یا تردید فرماتے (البلاغ ص ۱۶۱)

(جواب) حنفیہ کے مذہب کے بارے میں بے خبری قابل تعجب ہے۔ حالانکہ حنفیہ کی تقریباً تمام شروح و

متون میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ کہ مالِ ضمار میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہدایہ میں ہے —

ومن له على آخر دين فجدده سنين ثم قامت له بينة لم يزك لما مضى ...

وهي مسئلة مال الضمار فيه خلاف زفر والشافعي اه —

مالِ ضمار کی زکوٰۃ کے متعلق اوجہ میں ہے: —

وعند الشافعي يجب فيه اذا وجد في الاحوال كلها وقال مالك عليه زكوة

حول واحد لقول عمر بن عبد العزيز وعند ابى حنيفة لا تجب في الضمار (ص ۹۲۵)

امام طحاویؒ کی عبارت سے استدلال درست نہیں،

السبائح صلا بابت رمضان المبارک مسئلہ ہج میں امام طحاویؒ کی ایک عبارت سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ: مصدق بھیج کر امام کو اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کے مکمل اختیارات ہیں۔ حالانکہ سیاق و سباق و دیگر قرآن کی روشنی میں یہ استدلال قطعاً درست نہیں۔

امام طحاویؒ اس پورے باب میں جو احادیث لائے ہیں ان سے بلا کسی اشتباہ کے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ "حق وصولی" عام نہیں۔ بلکہ یہ حق اس سونے، چاندی اور اموال تجارت کے بارے میں ہے جن کو لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گزے۔ اس باب میں امام طحاویؒ کی ذکر کردہ روایات یہ ہیں جو سب عاشر کے بارے میں ہیں:-

مثلاً: ليس على المسلمين عشور انما لعشور على اهل الذمة لا يدخل

الجنة صاحب مكس يعني عاشرًا ۳۱ فأعشر المسلمين فقال رسول الله صلى

الله عليه وسلم - انما يعشور اليهود والنصارى ۳۲ ان عمر بن عبد العزيز كتب الى

ايوب بن شرجيل ان خذ من المسلمين من كل اربعين دينار ديناراً

ومن اهل الكتاب من كل عشرين دينار ديناراً اذا كانوا يريدون زهنا ثم لا

تأخذ منهم شيئاً حتى رأس الحول فاني سمعت ذلك ممن سمع النبي

صلى الله عليه وسلم يقول ذلك ۳۳ اثر عمر رضي الله عنه قال انس بن سيرين

لاض بن مالك اكتب لي سئس عمر قال فكتب خذ من المسلمين من كل

اربعين دراهم درهماً ومن اهل الذمة من كل عشرين دراهم درهماً ومن

لاذمة له من كل عشرة دراهم درهماً اه وغير ذلك من الروايات-

یہی روایات کتاب الاموال لابی عبید میں باب العاشر کے تحت مسند درج ہیں۔ بلکہ فقہاء و محدثین میں سے جس نے بھی عاشر کے مسائل بیان کئے ہیں انہی روایات سے استدلال کیا ہے۔ آخر الذکر دو آثار یعنی اثر عمر بن عبد العزیز اور اثر عمر رضی اللہ عنہما کو تو مسائل عاشر میں مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:- (بدائع ص ۳۵) (احکام القرآن ص ۱۵۵) (موطا امام مالکؒ، باب زکوٰۃ العروص)۔ (موطا امام محمدؒ شرح نقایم) کتاب الآثار لمحمدؒ، (شرح مختصر الخرنجی، مبسوط سرخسی، البحر الرائق ص ۲۹۹)۔ اول الذکر احادیث سے بظاہر عاشر مقرر کرنے کی مانعت معلوم ہوتی ہے۔ امام طحاویؒ نے ان احادیث

کا صحیح محل بیان کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کے لئے آخری دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کا قدر مشترک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے (دور دراز راستوں پر) عاشر مقرر کئے اور انہیں لکھا کہ جو مسلمان ذمی یا عربی تاجر تمہارے پاس سے گزرے اس سے زکوٰۃ ویکس وصول کرو، باب العاشر میں دیگر فقہاء محدثین نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا ہے۔ مثلاً لایہ خل اللجنة صاحب مکس کی توجیہ کرتے ہیں اور حدیث عمر سے تقرر عاشر کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ جس کا جی چاہے کتابیں کھول کر دیکھ لے۔ اہم طحاوی دلیل نقلی پیش کرنے کے بعد حسب عادت اپنے دعویٰ کو قیاس و نظر سے مبرہن فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سائمہ اور ثمار کی وصولی زکوٰۃ میں کوئی اختلاف نہیں، اسی طرح ایسے سونے اور چاندی اور اموال تجارت کی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ جو بیرون شہر ہونے میں سائمہ کے مشابہ ہوں۔

جس دعویٰ کے لئے آثار عمر بن رضی اللہ عنہما سے استدلال کیا ہے قیاس و نظر سے بھی اسی دعویٰ کی تائید کی جائے گی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ احادیث الباب سے تو طائر علی العاشر کی وصولی زکوٰۃ کا جواز ثابت کریں اور "نظر" سے گھروں اور دکانوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ کا مسئلہ چھیڑ دیں اسی طرح وجہ بطریق النظر کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ جو مسئلہ احادیث سے ثابت کر چکے ہیں۔ اس کی دلیل نظری بیان کرنا چاہتے ہیں اور وہ مسئلہ طائر علی العاشر سے وصولی زکوٰۃ کا مسئلہ ہے نہ کہ تمام اموال تجارت کا۔

اہم طحاوی کی طرح دیگر حضرات فقہاء کرام نے بھی سفر پر لے جائے گئے اموال تجارت کو سائمہ پر قیاس کرتے ہوئے انہیں مال ظاہر قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ جب شبہ اور علت جامعہ ان دونوں کا شہر سے باہر پایا جانا ہے۔ چنانچہ اہم ابو بکر کا سانی فرماتے ہیں۔

و كذا المال الباطن اذا مرّ به التاجر على العاشر كان له ان يأخذ في الجملة

لانّ لما سافر به اخرج من العمران صا رظا هر او لحتق بالسوائم (ص ۲۵)

اہم سرخسی فرماتے ہیں:۔

ثم المسلم حين اخرج مال التجارة الى المفازة فقد احتاج الى حماية الامام

فثبت له حق اخذ الزكوة منه كما في السوائم۔

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں مولیشیوں پر جس مال تجارت کو قیاس کیا گیا ہے وہ ایسا مال تجارت ہے جسے تاجر لے کر عاشر کے پاس گزرے۔ ہر مال تجارت نہیں اور وجہ قیاس اور علت التماق شہر سے باہر آکر اس مال کا اہم کے زیر حمایت آجانا ہے اور اموال ظاہرہ کی وصولی زکوٰۃ کا حق اہم کو حاصل ہی، اہم طحاوی بھی یہی مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔ الغرض دلالت سیاق و سباق و دیگر قرآن کی بناء پر پورے

و توفیق سے کہا جاسکتا ہے کہ امام طحاویؒ کی اس عبارت سے مراد "ما مر علی العاشر" ہے بشہری اموال تجارت اور سونا چاندی نہیں۔

احادیث الباب کی اس قطعی دلالت کے علاوہ زیر بحث عبارت کو مطلق سمجھنے میں ایک منظور یہ بھی ہے کہ حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات کی مخالفت لازم آئے گی۔ کیونکہ شہری اموال کی ذمہ داری زکوٰۃ کے لئے محصل مقرر کرنے کا کوئی امام قائل نہیں۔ حتیٰ کہ عہد رسالت و خلافت شیخین میں بھی اس غرض کے لئے مصلین کا تقرر عمل میں نہیں لایا گیا۔ امام ابو بکر جصاص رازی امام الہدیٰ کے حوالے سے پہلے یہ بات ہم نقل کر چکے ہیں۔ امام طحاویؒ ان حقائق سے بے خبر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور خلافت اجماع بات کیونکہ کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر امام عظیم امام ابو یوسفؒ اور امام محمد کا مذہب بھی قرار دے رہے ہیں۔ فیا سبحان اللہ۔ ان ائمہ ثلاثہ کا مذہب روز روشن کی طرح واضح ہے۔ جسے تمام فقہاء نے نقل کیا ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ اندرون شہر حکومت وصول نہیں کر سکتی۔ اگر بالفرض امام طحاویؒ کی رائے اس کے خلاف ہوتی تو وہ اسے مذہب ائمہ ثلاثہ قرار نہ دیتے بلکہ اپنی اختلافی رائے کی حیثیت سے پیش کرتے جیسا کہ بعض دوسرے مقامات پر امام طحاویؒ ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں، "بکہ کسی اور فقہ نے بھی اس مسئلہ میں امام طحاویؒ کا اپنے ائمہ ثلاثہ سے اختلاف ذکر نہیں کیا! تعجب ہے کہ اگر ان حضرات ائمہ ثلاثہ کا مذہب وہی ہوتا جس کی نشاندہی بقول البلاغ امام طحاویؒ کر رہے ہیں تو کتب فقہ میں بالاتفاق جو نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ وہ کس کا مذہب ہے۔"۔

تو مؤدبانہ گزارش ہے کہ مندرجہ بالا سب منظورات زیر بحث عبارت کو مطلق سمجھ لینے سے لازم آتے ہیں۔ لیکن جب اس اطلاق کو سیاق و سباق و دیگر قرآن کی روشنی میں "ما مر علی العاشر" کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔ جیسا کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے۔ تو اس سے مخالفت اجماع لازم آتی ہے نہ اپنے ائمہ ثلاثہ کے مذہب کا حوالہ غلط قرار پاتا ہے۔ نہ ہی کوئی دوسرا منظور لازم آتا ہے۔ اس صحیح و سلامتی کے راستے کو چھوڑ کر اپنی رائے اور سمجھ کو امام طحاویؒ کے ذمہ لگانا انصاف سے بعید ہے۔ سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر امام طحاویؒ کی عبارت کو شہری اموال کے بارے میں بھی عام رکھا جاتا ہے تو اس کے لئے امام طحاویؒ کا مستدل کیا ہوگا اور وہ کہاں ہے جبکہ احادیث الباب تو سب کی سب ما مر علی العاشر کے بارے میں تقریباً صریح ہیں۔

خود امام طحاویؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ باب عاشر اور ان کی یہ ساری بحث ان اموال کے متعلق ہے۔ جو عاشر کے پاس سے لے کر گزریں۔ حدیث:۔

لیس علی المسلمین عشو راتما العشور علی الیہود والنصارى: کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ ان المسلمین لا یجب علیہم بصرورہم علی العاشر فی اموالہم ما لم یکن وجبا

يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تَنْفِقُوا مِمَّا
تُحِبُّونَ وَإِنَّ أَحَبَّ مَالِي إِلَيَّ بَيْرِحَاءٌ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلَّهِ تَعَالَى
أَرْجُو بَرَّهَا وَذَخِرَهَا عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى فَضَعْمَهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ حَيْثُ
أَرَاكَ اللَّهُ الْحَدِيثُ (مشکوٰۃ ص ۱۴۲ ج ۱)

ترجمہ: یا رسول اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تَنْفِقُوا مِمَّا
تُحِبُّونَ اور مجھے اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ بیرحاء ہے اور وہ اللہ
کے لئے صدقہ ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرے لئے اللہ کے ہاں ذخیرہ بنے گا۔ پس اللہ تعالیٰ
کے منشاء کے مطابق اسے جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

اور غزوہ نبوک سے تَخَلُّف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولِ توبہ کی خوشخبری ملنے کے
بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال صدقہ کر دیا تھا اور اس کا اعلان خدمتِ نبویؐ میں حاضر
ہو کر کیا: "إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَخْلَعُ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِبَعْضِ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ (مسلم ۳۶۲)
اور حسب ضرورت اپنے طور پر بھی حضرات صحابہؓ زکوٰۃ ادا فرماتے تھے۔ فرضیتِ زکوٰۃ کے
ابتدائی سالوں میں دونوں طرح سے زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی ہوتی رہی یعنی نجی طور پر بھی زکوٰۃ ادا کی
جاتی تھی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھی پیش کر دی جاتی تھی کہ سالوں کے
بعد سورہ میں آیت کریمہ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمُ الْآيَةَ نَافِلٍ ہوتی تو
اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوائم اور پھلوں کی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سرکار
سطح پر انتظامات کئے گئے۔ محصلین کا تقرر ہوا اور انہیں وصولیِ زکوٰۃ کے لئے بیرون شہر جنگلوں
اور کھیتوں میں بھیجا گیا لیکن اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اندرون شہر کسی محصل کا بھیجنا
ثابت نہیں۔ امام جصاص رازی فرماتے ہیں:

"وَلَمْ يَبْلَغْنَا أَنْ بَعَثَ سَعَادَةَ عَلَى زَكَاةِ الْأَمْوَالِ كَمَا بَعَثَهُمْ عَلَى

صَدَقَاتِ الْمَوَاشِي وَالشَّامِ حَيْثُ ذَكَرْنَا ذَلِكَ ۱۵۵" (احکام القرآن ص ۱۵۵ ج ۲)

خلافتِ راشدہ میں بھی اسی پر عمل جاری رہا تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مالکان
کو اپنے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ مالِ زکوٰۃ چونکہ محض فقراء و مساکین

وغیرہ کا حق ہے اور سرکاری سطح پر وصولی فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نہ بحیثیت رکن تھی نہ بحیثیت شرط اس لئے حضرات صحابہ کرام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کو بلا تردد قبول کیا پچنانچہ حضرات ائمہ و فقہاء نے لکھا ہے کہ اعلان عثمان سے امام کا وصولی زکوٰۃ کا عرفی حق (بسیا کچھ تھا) ختم ہو گیا۔ اب عام حالات میں سرکاری سطح پر اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا امام کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ اسقاط حق خلیفہ راشد کا فیصلہ ہے جس کی اتباع امت پر لازم ہے۔ امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں :

ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤدله ثم ليزك بقية ماله فجعل لهم ادائها الى المساكين وسقط من اجل ذلك حق الامام في اخذها لانه عقد عقد امام من ائمة العدل فهو نافذ على الامة لقوله عليه السلام وיעقد عليهم او لهم - (احكام القرآن ج ۲ ص ۱۵۵)

واضح رہے اس حق سے مراد ایسا عرفی استحقاق ہے جو عہد نبوت سے لیکر خلافت عثمان کے وسط تک کے مسلسل تعامل سے ظاہر ہو رہا تھا کیونکہ اس عرصہ میں معطین اپنی زکوٰۃ و صدقات واجبہ و نافلہ عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے پاس جمع کراتے تھے۔ اگرچہ بعض حضرات اپنے طور پر بھی غریبوں و مساکین کو ادا کرتے تھے۔ کما سبباً تھی۔

صرف امام جصاص ہی نے نہیں بلکہ تمام فقہاء نے متفقہ طور پر

حق ساقط ہو گیا : یہی تحریر فرمایا ہے کہ خلافت عثمانی کے بعد امام کو اموال باطنہ

کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں رہا ہے۔ علامہ ابن نجیم متعدد کتب کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

ليس للسلطان ولاية اخذ زكاة اموال الباطنة فلم يصح

اخذها كذا في الواقعات والتجسس والولوالجية (البحر الرائق ص ۲۲۴)

ترجمہ:۔ بادشاہ کو اموال باطنہ سے وصولی زکوٰۃ کا اختیار نہیں پس اس کا وصول کرنا صحیح نہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے :

ان السلطان له ولاية الجبر في الاموال الظاهرة

لا في الاموال الباطنة - (اعلاء السنن ص ۳۹ ج ۹)

ترجمہ: بادشاہ کو جبراً وصولی کا حق اموالِ ظاہرہ میں ہے اموالِ باطنہ میں نہیں۔
 بلکہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ عام
زکوٰۃ ادا نہ ہوگی : حالات میں اگر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ جبری طور پر وصول کر لگے۔ تو
 اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ امام ابو بکر کا سانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

ولهذا قلنا انه ليس للامام ان يأخذ الزكاة من صاحب المال
 من غير اذنه جبراً ولو اخذ لا تسقط عنه الزكاة -

(بدائع ج ۲ ص ۵۳ و هكذا في البحر ص ۲۲۴ ج ۲)

ترجمہ: امام کو یہ حق نہیں کہ صاحب مال سے جبراً اس کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ وصول
 کرے اور اگر وہ ایسے وصول کر لگے تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اگے چل کر ایک دوسرے مسئلہ کے ضمن میں امام موصوف لکھتے ہیں :

بخلاف الزكاة فان الامام لا يملك الاخذ جبراً وان اخذ لا تسقط

الزكاة عن صاحب المال - (بدائع ص ۵۶ ج ۲)

ترجمہ: زکوٰۃ کا مسئلہ ایسا نہیں۔ کیونکہ امام جبراً وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور اگر
 زبردستی وصول کر لگے تو مالدار کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

شہر میں ہوتے ہوتے اموالِ باطنہ
خودار باب مال کی ذمہ داری ہے : کی زکوٰۃ ادا کرنا خودار باب مال

کی ذمہ داری ہے، امام کو ان میں وصولی زکوٰۃ کا حق نہیں... ہاں جب یہ اموال شہر سے باہر
 لائے جائیں۔ اس وقت وصولی زکوٰۃ کے اختیار امام کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب یہ
 ”اموالِ ظاہرہ“ میں شامل ہو جائیں گے۔

علامہ محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :

ان ولاية الاداء بنفسه انما كان في الاموال الباطنة

حال كونها

ترجمہ: بذاتِ خود زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار ”اموالِ باطنہ“ میں صرف شہر میں موجود ہونے
 کی حالت میں ہے۔

ف المصرو بمجرد دخروجه انتقلت الولاية الى الامام (فتح التدریج ص ۸۲)
ترجمہ: اور شہر سے نکلنے کے ساتھ ہی یہ اختیار امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(۲) امام قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح جامع صغیر میں تصریح فرماتے ہیں :
انما تثبت ولائک المطالبة للامام بعد الاخراج الى المفازة اه
(بحوالہ شامی ج ۲ ص ۵۳)

ترجمہ :- (اموال باطنہ میں) امام کو مطالبہ زکوٰۃ کے اختیارات تجارتی اموال کو صرف بیرون شہر
لیجانے ہی کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر نہیں (کیونکہ ایسی صورت
میں یہ "اموال باطنہ" نہیں رہتے بلکہ اموال ظاہرہ بن جاتے ہیں)

اموال باطنہ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا حق امام کو نہ ہونے پر صحابہ
اجماع صحابہ رضی کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام کے وصول کرنے کو اجماع صحابہ رضی
کے خلاف قرار دیتے ہوئے امام کا سانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

اذا اراد الامام ان يأخذ بنفسه من غير تهمة الترك من
اربابها ليس له ذلك لما فيه من مخالفة اجماع الصحابة
رضی اللہ عنہم۔ (بدائع ص ۲ ج ۲)

ترجمہ :- جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مالداروں سے زکوٰۃ خود وصول کرے۔ جبکہ ان پر
ترک اداء زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس
میں اجماع صحابہ رضی کی مخالفت ہے۔

امام کا سانی رضی کے دعویٰ اجماع کے بارے میں اگر کسی کو بعض صحابہ رضی
ازالہ تشبہ کے اختلاف کا شبہ ہو تو وہ شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے کلام سے
زائل کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

معنی اجماع این نیست کہ ہمہ مجتہدین لایشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند
بلکہ معنی اجماع حکم خلیفہ است بخیر بعد مشاورت ذوی الرأی یا بغیر آں و نفاذ آں حکم
تا آنکہ شائع شد و در عالم ممکن گشت۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ علیکم بسنتی و

سنة الخلفاء الراشدين من بعدى الحديث (ازالة الخفاء ص ۲۶)

ان تصریحات سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ خلافت عثمانی کے بعد سے امام کا وصولیٰ زکوٰۃ کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ عام حالات میں "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات اے حاصل نہیں رہے۔ مگر اس کے باوجود بھی بعض حضرات کو شبہ ہو گیا ہے کہ امام کا یہ وصولیٰ زکوٰۃ کا حق ساقط نہیں ہوا۔ اور ایسا نہیں کہ وہ اب زکوٰۃ وصول کرنا چاہے تو وصول نہیں کر سکتا۔ گویا کہ امام عملاً بھی وصولیٰ زکوٰۃ جب چاہے شروع کر سکتا ہے۔

حضرات ائمہ کرام اور فقہائے عظام، حضرت امام ابو بکر جصاص رازیؒ، امام ابو بکر کاسانیؒ، علامہ محقق ابن ہمامؒ، امام الفقیہ قاضی خاںؒ، علامہ ابن نجیمؒ وغیرہ اساطین اُمت کی سابقہ عبارات کی روشنی میں اس شبہ کا بے دلیل اور غلط ہونا ظاہر ہے۔ ان حضرات نے تصریح فرمادی ہے کہ امام کا یہ حق ساقط ہو چکا ہے۔ امام کا اب اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا اجماع صحابہؓ کے خلاف ہے۔ عام حالات میں امام کو یہ اختیارات نہیں ہیں۔ اور وصول کرنے کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ اس وقت بحث صرف اس میں ہے کہ بغیر تہمت ترک

تہمت ترک : عام حالات میں امام کو "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات ابھی نقل کی جا چکی ہیں کہ "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں۔ بصورت وصولی مالکان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ وغیر ذالک۔ اور بعض فقہاء کی عبارات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کا حق بالکل ساقط نہیں ہوا۔ اس کا ثمرہ صرف یہ ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں امام ادا کی زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا امام کا یہ حق عام حالات میں ساقط ہو چکا ہے۔ اور تہمت ترک کی صورت میں یہ حق عود کرتا ہے۔ پس بالکل ساقط نہ ہونے کا یہی معنی ہے۔ الغرض سقوطِ حق عام حالات میں ہے اور اس کا عود کر آنا ایک خاص حالت میں ہے۔ پس ان باتوں میں کوئی منافات ہے اور نہ ہی ان عبارتوں کو لیکر حکومت کے لئے عمومی حق ثابت کرنا درست ہے۔ پچھانچہ امام ابو بکر کاسانیؒ نے ایک ہی مقام پر دونوں باتوں کی صراحت کر دی ہے۔ تہمت ترک کی صورت میں مطالبہ زکوٰۃ کا حق بھی امام کے لئے تسلیم کیا ہے اور بدون اس کے وصولیٰ زکوٰۃ کو اجماع صحابہؓ کے خلاف بھی قرار دیدیا ہے۔ بدائع میں ہے :

ان الامام اذا علم من اهل بلدة انهم يتركون اداء الزكوة من الاموال الباطنة فانه يطالبهم بها لكن اذا اراد الامام ان يأخذ بنفسه من غير تسمية الترك من اربابها ليس له ذلك لما فيه من مخالفة اجماع الصحابة رضي الله عنهم اجمعين ۲ ص
 ترجمہ: کسی شہر والوں کے متعلق جب امام کو معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی ترک کر دی ہے تو وہ ان سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مال والوں سے زکوٰۃ خود وصول کرے۔ جبکہ ان پر ترک اداء زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں کیونکہ یہ اجماع صحابہؓ کے خلاف ہے۔

قابل غور: لوگوں کے فریضہ زکوٰۃ ترک کر دینے کی صورت میں امام کو مطالبہ زکوٰۃ کا جو حق ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل غور ہے کہ کیا یہ وہی حق ہے جو ساقط ہو گیا تھا۔ یا یہ دوسری نوعیت کا ایک عمومی حق ہے جو فرائض و شعائر اسلام کی توہین یا انہیں ترک کر دینے کی صورت میں امام کو حاصل ہوتا ہے۔ (بظاہر ترک زکوٰۃ کی صورت میں یہ حق امام دوسری نوعیت کا ہے) کیونکہ اگر کوئی شخص بے نماز ہے تو حکومت کو اس کی گرفتاری اور جس دوام کی سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ الایہ کہ وہ توبہ کر لے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں بلا عذر علانیہ کھاتا پیتا ہے تو حکومت کو اسے سخت ترین سزا دینے کے اختیارات ہیں۔ بلکہ امام محمدؒ نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ اگر امام کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے اذان کی سنت ترک کر دی ہے تو تائب نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں کے ساتھ قتال واجب ہے۔ گویا کہ نماز۔ روزہ۔ اذان کی بحالی اور ان شعائر اسلام کو قائم کرنے کے لئے جبر و قتال تک کی اجازت ہے۔ بلکہ واجب ہے تو ترک فریضہ زکوٰۃ کی صورت میں بھی اس فریضہ کو بحال کرنے کے اختیارات ویسے ہی ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا فرائض کی اقامت کے سلسلہ میں امام کو حاصل ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص حالات میں امام کے یہ اختیارات امر بالمعروف کے قبیل سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کی زکوٰۃ امام خود وصول نہیں کرے گا۔ بلکہ بذریعہ قید و بند اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود ادا کرے۔ اسی صورت کے بارے میں علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں :

و (اشار) الح انه لو امتنع من ادائها فالساعي لا يأخذ منه
 كرهاً ولو اخذ لا يقع عن الزكاة لكونها بلا اختيار ولكن
 يجبره بالحبس ليؤدى بنفسه لان الاكراه لا يلبس لاختيار
 بل الطواعية فيتحقق الاداء عن اختيار كذا في المحيط (جز ۲) ^{۲۴۴}

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں
مطالبہ امام : امام لوگوں سے "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس
 کا مطلب سمجھنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔

واضح ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صورتِ بالا میں امام کو جبری کٹوتی یا لوگوں کے اموال
 پر بنام زکوٰۃ زبردستی قبضہ کر لینے کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا
 مطلب یہ ہے کہ امام (عذابِ اخروی اور دنیوی سزا) یاد دلا کر اولاً ہمائش کرے گا۔
 ابن عبدالبر فرماتے ہیں :

والواجب ان يعظ الامام من منع الزكاة ويؤخذه اهـ
 اگر ہمائش کے باوجود یہ شخص (یا لوگ) زکوٰۃ ادا نہ کریں تو تعزیراً اُسے سزا دے
 اور جیل بھیج دے، تا وقتیکہ وہ ادائیگی زکوٰۃ نہ کر دے۔ کفایہ میں ہے :
 وفي التفاريق ان وقف على اهل بلدة لا يؤدون زكاة الاموال
 الباطنة طالبهم وكذا من عرف بذلك ضرب وطولب بالاداء
 وفي الاشارات اذا امتنع عن اداء الزكاة يحبس حتى يؤدى ^(ص ۱۸۷)

بحر الرائق میں بھی ایسے ہی ہے کہ ایسے ممتنع کے مال پر بغرض زکوٰۃ جبراً قبضہ کر لینا درست
 نہیں۔ بلکہ اسے قید کر دیا جائے گا۔ تا وقتیکہ وہ خود زکوٰۃ ادا کرے۔ حوالہ ابھی گزر چکا ہے۔

اور یہ مقصود شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ عبادات
طیکس اور زکوٰۃ : میں اصل یہ ہے کہ لوگ باختیار خود انہیں بجالاتیں مخلوق کو

صراطِ مستقیم پر چلانا مطلوب ہے۔ جمع مال مقصود نہیں ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں یہ ایک بنیادی
 ذوق ہے۔ ٹیکس میں مقصود صرف حصولِ مال ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں فعلِ مکلف کا پایا جانا
 ضروری ہے۔ وصولِ مال ثانوی درجے میں ہے۔ بعض اُمراء بنو امیہ نے نو مسلموں سے

جز یہ کی وصولی کو بحال رکھا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عامل کو لکھا :
 اما بعد فان الله تعالى قد بعث محمداً صلى الله عليه وسلم
 داعياً ولم يبعثه جابياً فاذا اتاك كتابك هذا فارفع الجزية
 عن من اسلم من اهل الذمة۔ (اوجز ص ۲۶۷ ج ۳)

اور لوگوں کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا عادی بنانا جبری کٹوتی کے اعلان سے نہیں ہو
 سکتا۔ بلکہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالکان کا فعل پایا جانا ضروری ہے۔ گو اس فعل میں قدرے
 جبر ہو۔ جبر محض اہل سنت کا مذہب نہیں بلکہ وہ جبر و اختیار کے مابین کے قائل ہیں۔
 کسی مال مسلم کے متعلق کئی یا جب زوی ضبطی قرقی جبری کٹوتی کے احکام بالکل انتہائی اقدام تو
 ہو سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ ابتداء اس سے کی جائے۔

متعدد حوالہ جات سے پہلے یہ گزرا کہ "اموال باطنہ" میں امام کا حق

بعید توجیب : ساقط ہو چکا ہے۔ بعض اجاب نے اس عبارت کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ

اس سقوط حق سے مراد یہ ہے کہ اس اعلان عثمانی سے قبل اپنے طور پر ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی ادائیگی
 شرعاً معتبر نہ تھی۔ اگر کوئی شخص فقیر کو از خود زکوٰۃ دے دیتا تو اسکی زکوٰۃ ادارہ ہوتی۔ اعلان
 عثمانی سے مالکان کو اسحق مل گیا کہ مالک کے خود کسی فقیر کو دینے کی صورت میں بھی اب زکوٰۃ ادارہ
 ہو جایا کرے گی۔ اور بس۔! گویا کہ امام کا "حق وصول زکوٰۃ" اعلان عثمانی سے ساقط ہوا نہ متاثر ہوا

توجیب بالا کے ضمن میں ایک بڑا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ عہد رسالت سے

دعویٰ : لیکر خلافت عثمانی تک زکوٰۃ کی نجی ادائیگی معتبر نہ تھی۔ فقیر کو براہ راست خود

دینے سے سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوتی تھی۔ دلائل سے قطع نظر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم
 ہوتی ہے کہ مال زکوٰۃ جس کی فرضیت کا ایک بنیادی مقصد ہی فقر اور مساکین کی حاجت برآری
 ہے اور شرعاً اسے غریبوں ہی کا حق تصور کیا جاتا ہے۔ اس مال زکوٰۃ سے اگر کوئی مالدار اپنے بھوکے
 پڑوسی۔ بیوہ اور مسکین۔ بہن۔ یتیم بچے۔ لاچار مریض کی کچھ مدد کر دے تو اسکی یہ زکوٰۃ ادارہ نہ ہوگی۔
 تاوقتیکہ یہ سرکاری خزانے میں جمع ہو کر حکومتی کارندوں کے ذریعہ تقسیم نہ ہو۔ شہر میں ہو یا دیہات میں۔

البلاغ اپنے مندرجہ بالا دعویٰ کی تائید میں امام جصاص کی یہ

نا تمام استدلال : عبارت پیش کی ہے :

قوله تعالى: خذ من أموالهم صدقة، يدل على أن أخذ
الصدقات إلى الامام وأنه متى اذأها من وجبت عليه إلى المساكين
لم يُجزه لأن حق الامام قائم في أخذها فلا سبيل إلى إسقاطه
وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يوجه العمال على صدقات
المواشي ويأمرهم بأن يأخذوا على المياه في مواضعها (إلى أن قال)
وكذلك صدقة الثمار.

اور لم یجزہ کے لفظ سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ
ممکن ہے کہ اس جُزئیہ میں صرف اموال ظاہرہ کا حکم بیان کیا گیا ہو دیگر دلائل کے علاوہ جیسے کہ
"فلا سبیل الی اسقاطہ" کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کیونکہ امام کے حق وصولی کا
ناقابل اسقاط ہونا یہ اموال ظاہرہ کے صدقہ کے بارے میں ہی ہو سکتا ہے۔ اموال باطنہ کی وصولی
زکوٰۃ کے متعلق تو امام کا حق ناقابل اسقاط نہیں بلکہ خود امام جصاص اس کے متصل الکی عبارت
میں اس کے ساقط ہو جانے کی تصریح فرما ہے ہیں کہ اموال باطنہ کی وصولی میں امام کا حق ساقط
ہو چکا ہے۔ (پورا حوالہ آگے آرہا ہے) — اور اگر بالفرض فلا سبیل الی اسقاطہ کو
دونوں قسم کے اموال کے لئے عام رکھا جائے اور اس حق امام کو بہر حال یہ نص قرآن ناقابل اسقاط
تصور کیا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ حضرت عثمان نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ اسے جُزوی طور
پر کیسے ساقط کر دیا، اور صحابہ کرام نے اس خلاف قرآن اقدام کو کیسے قبول کر لیا؟ حقیقت یہ ہے
کہ یہ "ناقابل اسقاط حق وصولی صرف اموال ظاہرہ کے بارے میں ہے، اموال باطنہ سے متعلق
نہیں۔ پس البلاغ کا استدلال اس عبارت سے صحیح نہیں۔ چنانچہ سیاق و سباق اور دیگر
قرائن کی روشنی میں یہ امر متعین ہے کہ امام ابو بکر جصاص نے اس عبارت سے عموم مراد نہیں لے
ہے ہیں بلکہ صرف اموال ظاہرہ کے متعلق لم یجزہ فرما ہے ہیں جیسا کہ وجہ العمل علی
صدقات المواشی وکذا لک صدقة الثمار کے الفاظ اس پر صاف دلالت کر رہے
ہیں۔ اور اسکی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خود امام موصوف نے دوسرے دو مقامات پر
مسئلہ بالاین "اموال ظاہرہ" کی قید ذکر کی ہے۔ حق امام پر بحث کرتے ہوئے امام موصوف
لکھتے ہیں :

ویدل ایضاً علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانہ لا یجزئ ان
 یعطی رب الماشیة صدقتها الفقراء فان فعل اخذها الامام ثانیاً
 (احکام القرآن ص ۱۲۳ ج ۲)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

ان من ادى صدقة مواشیه الی الفقراء ان الامام لا
 یحتسب له بها۔ (احکام القرآن ص ۱۲۳ ج ۲)

دیکھتے بالکل وہی الفاظ ہیں کہ وصولی صدقات کا حق امام کو ہے، لیکن اگلے جزیئہ میں رب الماشیة
 کی قید ذکر کر کے اس کا اموال ظاہرہ کے متعلق ہونا بھی واضح فرما دیا ہے۔ اہل اصول کے ہاں یہ مسلم
 ہے کہ ایک ہی حادثہ میں جب مطلق و مقید وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے پس اس ضابطے
 کی رو سے زیر بحث "جزئیہ" اموال ظاہرہ کے بارے میں تصور کیا جائے گا کہ نجی ادائیگی صحیح نہ ہونے
 کا حکم امام جصاص کے نزدیک مویشیوں کی زکوٰۃ کے متعلق ہے۔ تمام اموال زکوٰۃ کے بارے میں
 نہیں۔ اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ زیر بحث عبارت کے متصل بعد آگے اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ
 کی تفصیل مستقل طور پر بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

واما زکاة الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ ثم خطب عثمان فقال ہذا شہر
 زکوٰۃکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیۃ فاجعل لہم
 اداءها الی المساکین وسقط من اجل ذالک حق الامام
 فی اخذها۔

علاوہ ازیں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں امام جصاص نے ایک دوسری طرح
 سے بھی فرق کیا ہے۔ یہ ہے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کے متعلق صدقات کا لفظ استعمال کرتے
 ہیں اور اموال باطنہ کی "زکوٰۃ" کے لئے لفظ "زکوٰۃ" استعمال کرتے ہیں۔ یہ فرق البلاغ کی
 زیر بحث عبارت اور ہماری نقل کردہ اس عبارت سے بھی واضح ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے
 کہ مالک کی خود ادائیگی معتبر نہ ہونے کا حکم اموال ظاہرہ سے متعلق ہے۔ کیونکہ زیر بحث عبارت
 میں صدقات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ نہ کہ زکوٰۃ کا۔ اور ہمارے اس دعویٰ کی ایک بین

دلیل امام ابو بکر جصاصؓ کی ایک دوسری عبارت ہے جس میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں ابتدائے اسلام سے ہی وصولی امام کی شرط نہیں تھی، البتہ یہ شرط اموالِ ظاہرہ کے صدقہ میں ہے۔ امام موصوف لکھتے ہیں :

انہ (تعالیٰ) قال فی الزکوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ ولم یشرط فیہا اخذ الامام (الح ان قال) فلما خص الزکاۃ بالامر بالایاء دون اخذ الامام و امر فی الصدقۃ بان یأخذها الامام و جب ان یكون اداء الزکوٰۃ موكولا الح اربابها الا ما یرہم التاجر علی العاشر۔ (احکام القرآن ج ۱۵ ص ۲۷۰)

امام جصاصؓ نے فیصلہ فرما دیا کہ فرضیتِ زکوٰۃ کے وقت سے ہی اموالِ باطنہ کی ادائیگی کا اصل اختیار مالکان کو برہنہ قرآنی حاصل تھا البتہ مالِ ظاہرہ کے صدقہ میں وصولی امام شرط ہے۔ اس عبارت میں لفظِ زکوٰۃ اور لفظِ صدقہ کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایسی تصریحات کے باوجود ہم یہ نہیں سمجھتے کہ اربابِ البلاغ اپنے ناقص استدلال پر اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر بیٹھے اور سیاق و سباق دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ الحاصلہ امام جصاص رازی کی زیر بحث عبارت سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ کے اعلان سے قبل اگر کوئی شخص اپنے مالِ باطن کی زکوٰۃ خود فقیر کو دے دیتا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی۔

امام موصوف نے تصریح کر دی ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں وصولی امام شرط نہ تھی جیسا کہ آتوا الزکوٰۃ کا صیغہ اس پر دال ہے اسکی مزید تحقیق آگے ملاحظہ فرمائیے :

ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہیں : امام جصاصؓ کی عبارت سے

قطع نظر دیگر دلائل قرآن پاک، احادیث مبارکہ، اجماع صحابہؓ، اقوال ائمہ تفسیر، تصریحات فقہاء و محدثین سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں بھی اگر کوئی مالک اپنی نقدی کی زکوٰۃ براہِ راست فقیر کو دے دیتا تو اسکی یہ ادائیگی زکوٰۃ شرعاً معتبر تھی۔ اس سلسلہ میں مختصراً بطورِ نمونہ چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں — قرآن کریم میں ہے :

(۱) و آتوا الزکوٰۃ : زکوٰۃ کے متعلق لفظ "آیتا" وارد ہوا ہے اور عربی لغت

میں "ایتار" کے معنی کسی کو مالک بنا دینے کے ہیں۔ امام ابو بکر کا سانی فرماتے ہیں الایتاء
 هو التملیک اھ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :- ان العواجب ایتاء الزکاة
 والایتاء هو التملیک اھ - علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں: الایتاء هو التملیک اھ -
 پس فرمان باری تعالیٰ و اتوا الزکاة میں اغنیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ "مال زکوة" ملک
 کر دو۔ یعنی کسی کو مال زکوة کا مالک بنا دو۔ اور ظاہر ہے کہ زکوة ساعی یا امام کے حوالے کرنے
 کی صورت میں تو کیل ہوتی ہے، نہ کہ تملیک اور براہ راست تملیک زکوة کا مال فقراء و مساکین
 کو دینے ہی سے مستحق ہوتی ہے اور اغنیاء اسی کے مامور ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ براہ راست،
 بلا واسطہ امام، فقیر کو زکوة دینے سے زکوة ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آیت شریفہ کا اولین و حقیقی
 مفہوم و مطلب براہ راست ادائیگی ہی ہے۔ اموال باطنہ کی زکوة کی براہ راست ادائیگی کے صحیح
 ہونے اور امام کی وصولی کی شرط نہ ہونے کے لئے اسی آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام
 جصاص نے نقل کیا ہے

انہ قال فی الزکاة (واتوا الزکاة) ولم یشترط فیہا اخذ الامام
 لها (الحی ان قال) فلما خص الزکاة بالامر بالایتاء دون
 اخذ الامام وامر ف الصدقة بان يأخذها الامام وجب
 ان یکون اداء الزکاة موكولا الى اربابها الا ما یترتبہ
 التاجر علی العاشر اھ (ج ۳ ص ۱۵۶)

اس عبارت میں کم از کم "اموال باطنہ" کی زکوة کی تقسیم کا اصل اختیار خود صاحب مال

۱۵ بدائع ج ۲ ص ۳۹ ۱۶ بدائع ج ۲ ص ۴۵ ۱۷

۱۸ کسی کو یعنی فقراء کو مالک بنا دو۔ لقولہ تعالیٰ : وتوئروها الفقراء فهو
 لكم ولقوله تعالیٰ انما الصدقات للفقراء والمساکین۔ آیت و انوا
 الزکوة میں مصرف زکوة مذکور نہ تھا کہ "مال زکوة" کا کئے مالک بنا دیا جائے۔ تو دوسری
 آیات و احادیث میں مصرف زکوة کی تعیین فرمادی گئی۔ تو اس طرح سے صحیح زکوة کے ارکان
 اربعہ کا تعیین ہو گیا۔ یعنی معطی، فعل ایتار، مال زکوة اور مصرف۔ جن میں اشتراط امام کا
 کوئی تذکرہ نہیں۔ فقط من۔

کو ہونے اور امام کی وصولی شرط نہ ہونے پر آیت کی دلالت بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ نزول آیت سے ہی مالکان کی بذاتِ خود ادائیگی نہ صرف یہ کہ صحیح تصور کی جاتی تھی۔ بلکہ فرمانِ باری تعالیٰ کے مطابق اصل اختیار ہی مالکان کو دیا گیا تھا۔ اور امام کی وصولی شرط کے درجہ میں نہ تھی۔

آیت ہذا کی اس دلالت کے پیش نظر حضرات فقہاء نے زکوٰۃ کی جو تعریف فرمائی ہے اس سے بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ فقیر کو براہِ راست زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا معنی ہی یہ ہے کہ اللہ پاک کی خوشنودی کے لئے مال کی ایک خاص مقدار کا فقیر کو مالک بنا دیا جائے۔ چنانچہ :

(الف) :- كنز الدقائق میں ہے : هي تملك المال من فقير..... لله تعالى اھ

(ب) :- فتاویٰ ہندیہ میں ہے : فہی تملك المال من الفقير... لله تعالى كذا في التبیین۔

(ج) :- مراقی میں ہے : هي تملك مال مخصوص لشخص معلوم هو ان يكون فقيراً اھ

(د) :- تنویر میں ہے : هي تملك جزء مال من مسلم فقيراً اھ۔

مال زکوٰۃ کا فقیر کو براہِ راست مالک بنانا۔ یہ زکوٰۃ کا اولین مصداق ہے۔ اور بواسطہ امام یا ساعی زکوٰۃ کی ادائیگی یہ اس کا ثانوی درجہ ہے۔ خود فقیر کو دینے کی اولیت اور اصلیت اور بواسطہ ساعی ادا کر نیکی ثنائیت اور نیابت مندرجہ بالا عبارات فقہاء سے ظاہر ہے۔ اور اگر مزید صراحت مطلوب ہو تو امام ابو بکر کا سانیؓ تحریر فرماتے ہیں :

(س) :- فركن الزكاة هو اخراج جزء من النصاب الى الله تعالى وتسليم

ذالك اليه بقطع المالك يده عنه بتملكه من الفقير وتسليمه اليه

او الحى يد من هو نائب عنه وهو المصدق اھ (بدائع ج ۲ ص ۳۹)

(ص) :- شيخ التفسير والحديث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں :

زکوٰۃ و صدقات کی حقیقت کسی مسلمان فقیر کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے مالک بنا دینا

ہے۔ (معارف القرآن)

آیت شریفہ اور زکوٰۃ کی ان تعریفات سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ براہِ راست فقیر کو مال

زکوٰۃ کا مالک بنا دینے سے امثال امر خداوندی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں "ایّاہ"

قال تعالى - ان تبدوا الصدقات فنعمما هم
دوسری آیت: وان نخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم

ويكفر عنكم من سيئاتكم والله بما تعملون خبير (بقرہ ۲۷۱)

آیت ہذا میں تصریح ہے کہ فقراء و مساکین کو مخفی طور پر صدقہ دینا بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ براہ راست فقیر کو صدقہ دینے سے ادا ہو جاتا تھا۔ اگر ایسا صدقہ زمانہ نزول وحی میں شرعاً معتبر نہ تھا تو ایسے صدقے میں "خیر" اور "بھلائی" کیا ہوگی۔ جبکہ ایسا شخص تارک فرض ہونے کی وجہ سے اُلٹا گنہگار ہو رہا ہے۔ آیت میں لفظ "صدقات" کو نفلی صدقہ کے ساتھ خاص کہنے کی کوئی وجہ نہیں یہ لفظ دونوں قسم کے صدقات کو شامل ہے۔ تفسیری اقوال کی تفصیل میں جانے کی بجائے ہم صرف چند حوالوں پر اکتفا کریں گے۔

(الف)۔ آیت ہذا کی تفسیر میں "ترجمان القرآن" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :
حق تعالیٰ شانہ نے نفل صدقہ میں "خفیہ" کو "علانیہ صدقے" پر ستر درجہ فضیلت دی ہے۔ اور فرض صدقہ میں علانیہ کو مخفی صدقہ پر پچیس درجہ فضیلت دی ہے۔ معلوم ہوا کہ مخفی صدقہ فرض بھی ادا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے اسی قول کے بارے میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

ومثل هذا لا يقال بالرأى وإنما هو توقيفاه (تفسیر البحر المحیط ص ۳۲۲)

کہ ایسی بات محض رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔ یہ بات حضرت ابن عباسؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُن کر فرمائی ہے۔

پس اس سے ظاہر ہوا کہ براہ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی تھی۔ اور اس کا ثبوت گویا کہ فرمان نبویؐ سے ہو رہا ہے۔

(ب)۔ تفسیر بحر محیط میں ہے کہ لفظ صدقات میں بظاہر عموم ہے۔ پس نفلی اور فرض سب صدقات کو شامل ہوگا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ الف لام عہد کے لئے ہے۔ اور اس سے مراد صرف "فرض" صدقہ ہی ہے۔ امام حسن بصریؒ۔ قتادہ۔ یزید بن ابی حبیب کا یہی قول ہے۔

(ج) اپنے اکابر کی تفاسیر تمام تفاسیر کا خلاصہ اور مغز ہیں۔

آیت ہذا کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں۔

”بظاہر یہ آیت فرض اور نفل سب صدقات کو شامل ہے۔ (معارف القرآن ص ۶۳۲)

(د) حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ ”بیان القرآن“ میں آیت ہذا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس مقام میں اقوال مختلف ہیں۔ مگر احقر کے ذوق میں حسب شہادت ظاہر قرآن و

حدیث امام حن بصری ”کا قول جو ”کبیر“ میں منقول ہے، راجح معلوم ہوتا ہے۔ وہ

یہ کہ یہ آیت فرض و نفل سب صدقات کو شامل ہے۔ اور سب میں اخفاء ہی افضل

ہے۔ (بیان القرآن) ————— بندہ عرض کرتا ہے۔ کہ بظاہر اسکی وجہ یہ ہے

کہ مخفی صدقہ میں معطلی کی صحت ایمان پر زیادہ دلالت پائی جاتی ہے اور صدقہ کو صدقہ کہنے

کی یہی وجہ ہے کہ یہ معطلی کے دعویٰ ایمان کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ (مسک الختام)

پس حقیقت کے لحاظ سے صدقہ میں اصل اخفاء ہے۔ گو عوارض کی وجہ سے بعض اوقات

اعلان و اظہار افضل ہو۔ شرح و تالیہ میں ہے۔

بِخَلْفِ الزَّكَاةِ فَإِنَّ الْأَصْلَ فِيهِ الْأَدَاءُ خَفِيَةً قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

وَأَنْ تَخْفَوْهَا وَتَوْتَوْهَا الْفُقَرَاءُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ۔ (ص ۲۸۱ ج ۱)

(لا)۔ امام ابو عبیدہ۔ ایک مسئلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

مال داروں پر فرض ہے کہ وہ فقیروں یا امام کو زکوٰۃ ادا کریں۔ اس کے بعد اسکی دلیل کے

طور پر یہی آیت ان تبدوا الصدقات پیش کرتے ہیں (ترجمہ کتاب الاموال

جلد ۲ ص ۳۸۶) جس سے ظاہر ہے کہ امام ابو عبیدہ کے نزدیک بھی یہ آیت اس پر ناطق ہے

کہ براہ راست فقراء کو زکوٰۃ دینے سے بھی فریضہ ادا ہو جائے گا۔

ان معروضات کے بعد اس حقیقت میں کوئی خفاء باقی نہیں رہتا کہ مخفی طور پر اور براہ راست

فقراء کو ادا کی جانے والی زکوٰۃ زمانہ نزول قرآن میں بھی صحیح ہوتی تھی اور اس آیت میں اسی کی

اجازت دی گئی ہے۔

قال تعالى : وَأَتَىٰ الْأَمْوَالَ عَلَىٰ حَبِّ ذَوَى الْقُرْبَىٰ

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ الْآيَةُ لِقُرْبَىٰ

تیسری آیت:

ترجمہ: اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں عاجتہ رشتہ داروں کو اور محتاجوں کو، اور مسافروں کو۔
 آیت ہذا سے بھی ظاہر ہے کہ خود صاحب مال اپنا صدقہ "رشتہ دار، یتیم، اور فقیر کو
 دے تو اس کا یہ صدقہ معتبر ہے۔ اور شرعاً اسکی ادائیگی صحیح ہے۔ یہ آیت بھی ایک تفسیر کے
 مطابق زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔ آیت کے اس حصے میں گویا کہ مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے
 اور آگے زکوٰۃ کا صراحۃً ذکر کر کے اسکی تاکید کر دی گئی۔ تفسیر بحر محیط میں ہے:

وقیل ہی الزکاة وبین بذالک مصارفها - اور آگے چل کر کہا ہے۔
 اقام الصلوٰۃ واقف الزکاة - فان کان اُرید بالآیتاء السابق
 الزکاة کان ذکر هذا توکیداً - (ج ۲ ص ۶۱)

اس سے انکار نہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں دوسرے اقوال بھی ہیں ہم صرف یہ بتلانا
 چاہتے ہیں کہ قرآن کریم، "حدیث شریف" صحابہ کرام، ائمہ تفسیر، حضرات محدثین اور فقہاء
 عظام، رحمہم اللہ اجمعین۔ چودہ صدیوں تک بہر حال اس مسئلہ سے بے خبر تھے کہ "اموال باطنہ"
 کی زکوٰۃ فقیر کو دینے سے ادا نہیں ہوتی تھی۔ ورنہ وہ کسی آیت یا حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنا جائز
 نہ رکھتے جس سے صورت مذکورہ میں "ادائیگی" زکوٰۃ معتبر قرار پاتی ہو۔ کیونکہ آیات کا نزول تو حضور
 پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہے۔ اور بقول ان کے تفسیر منظر ہی میں بھی اس آیت
 کی تفسیر کے متعلق ایک احتمال اس کے عام ہونے کا ذکر کیا ہے۔

قال تعالیٰ وحق اموالهم حق معلوم للسائل
چوتھی آیت: والمحرورم الاية (معارض)

امام ابو بکر کا سانی فرماتے ہیں۔ یہ "حق معلوم" زکوٰۃ ہے۔ (بدائع)
 اس آیت میں نیک لوگوں کی مدح فرمائی گئی کہ ان کے مالوں میں سائل اور غیر سائل کا حق
 ہے۔ یعنی یہ لوگ "سائلین" وغیرہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔

(۲) حدیث شریف: قرآن کریم کے علاوہ متعدد احادیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے
 کہ بخئی ادائیگی صحیح ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیور
 پہنے ہو دیکھا تو دریافت فرمایا کہ اسکی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ عرض کیا۔ نہیں تو ارشاد فرمایا:

هو حسیب من النار - (اخرجه الحاكم وصححه)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائیگی کے لئے حکومت کی وصولی بلکہ امام کو اس ادائیگی کا علم بھی ضروری نہیں۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اتودین ذکوا تہما کیونکر دریافت فرماتے ؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی ساعی یا عامل کو "ادائیگی زکوٰۃ" کا سوال بعید از عقل ہے جبکہ "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کے لئے نہ کوئی ساعی بھجے گئے اور نہ ہی صحابہ کرام کسی ساعی کو دیتے تھے۔ بلکہ "صلوات الرسول" کے شوق میں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر میں اپنا صدقہ اپنے خاوند کو دوں تو یہ جائز و کافی ہو جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، بلکہ تجھے دو گنا ثواب ہو گا۔ صدقے کا اور صلہ رحمی کا۔ (بخاری وغیرہ مختصراً)

صحابیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا، اور آپ نے جواب ارشاد فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سرکاری وصولی "صحیحہ صدقہ" کے لئے عہد نبوی میں بھی شرط نہ تھی، اور نہ اب ہے۔ شوافع نے اس حدیث کو زکوٰۃ پر محمول کیا ہے۔ اور احناف نے اسے نقلی صدقہ پر رکھا ہے۔ یہ الگ اختلاف رہا، لیکن کسی حنفی نے شوافع کے استدلال کی تردید میں یہ نہیں کہا کہ اس حدیث میں "زکوٰۃ" مراد نہیں لیجا سکتی کیونکہ صحیحہ زکوٰۃ کے سرکاری وصولی شرط تھی۔ جو اس حدیث میں نہیں پائی جا رہی۔

انہی صحابیہ کا ایک دوسرا واقعہ مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے پاس بیس مثقال سونا ہے۔ کیا اسکی زکوٰۃ ادا کروں ؟ آپ نے ارشاد فرمایا — ہاں — مزید سوال کیا کہ میری پردیش میں میرے یتیم بھتیجے ہیں۔ ان کو یہ زکوٰۃ دے سکتی ہوں۔ ارشاد فرمایا — ہاں دے سکتی ہو۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۵)

اس حدیث میں فرض زکوٰۃ کی بھی تصریح ہے کہ یتیم بھتیجوں کو یہ زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟ یہ صحابیہ ادائیگی زکوٰۃ کے بارے میں مسئلہ دریافت فرما رہی ہیں۔ سرکاری

لائسنس حاصل نہیں کر رہیں۔

چوتھی حدیث: فدفعها اليه ليلاً وهو لا يعرفه فلما أصبح وقف عليه فقال ما اياك اردت واختصما الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال له لك مانويت يا يزيد الحديث۔ (بخاری وغیرہ داللفظ للجصاص^۲)
امام ابو بکر جصاص اس حدیث سے زیر بحث صورت میں فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولم يسئلہ اَنَدِيْتَهَا مِنَ الزَّكَاةِ اَوْ غَيْرِهَا بَلْ قَالَ لَكَ مَانُوَيْتَ فَدَلَّ عَلٰى جَوَازِهَا اِنْ نَوَاهَا زَكَاةً اَوْ (احكام القرآن ج ۲ ص ۱۳۸)
امام ابو بکر جصاص کے اس استدلال سے جہاں عہد رسالت میں نجی ادائیگی زکوٰۃ کا صحیح و معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وہاں پر خود امام جصاص کے مذہب کا بھی علم ہوتا ہے کہ وہ بھی ایسی نجی ادائیگی کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔ اسی لئے تو مسئلہ ہذا کے استدلال کر رہے ہیں اگر ان کے نزدیک "عہد رسالت" میں براہ راست فقرا کو ادائیگی زکوٰۃ صحیح نہ ہوتی، تو حدیث معن سے استدلال کرنے کی بجائے اُلٹا اس کا کوئی جواب ذکر کرتے، کوئی توجیہ یا تاویل پیش کرتے۔

حضرت یزید بن ابی جیب فرماتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام "زکوٰۃ" کو خفیہ طور پر تقسیم کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ کان یا امر بقسم الزکوٰۃ فی الستر۔ (بحر محیط ص ۳۲۳ ج ۲)
امام زجاج فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خفیہ طور پر زکوٰۃ دینا احسن افضل ہوتا تھا۔ کان اخفاء الزکوٰۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل و احسن۔ (بحر محیط ص ۳۲۲ ج ۲)

ان آیات و احادیث و روایات کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سرکاری وصولی شروع ہونے سے پہلے دور سے متعلق ہیں اور پھر منسوخ ہو گئی تھیں۔ اور بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "اموال باطنہ کے بارے میں ان کو پھر بحال کر دیا۔ ایسی مضحکہ خیز رائے ان نصوص کے متعلق چودہ سو سال میں کسی نے ظاہر نہیں کی۔ بلکہ "اموال باطنہ" کے بارے میں ان کو مسلسل اور ہمیشہ معمول بہا سمجھا گیا ہے۔
واضح فیصلہ: امام ابو عبیدہ ایسی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ہماری مذکورہ بالا تمام روایات جن کے بموجب زکوٰۃ حُکام کو دینا اور اسے اپنے طور پر بانٹ دینا دونوں پر عمل ہوتا رہا ہے۔ لیکن یہ صورت نقدی کی زکوٰۃ کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس کا مالک مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں بھی زکوٰۃ دے وہ اپنے ذمہ عائد ہونے والے فرض کو ادا کر دے گا۔ (ترجمہ: کتاب الاموال ج ۲ ص ۳۴۷)

ملک العلماء امام ابو بکر کا سانی رحمہ اللہ نے بالکل بات صاف کر دی کہ دُورِ اوّل میں بعض لوگ زکوٰۃ خود ادا کرتے تھے۔ اور بعض لوگ امام کو لاکر دیتے تھے۔ "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کرنے کے لئے نہ کوئی محصل بھیجا گیا اور نہ سرکاری ادائیگی کے لئے کسی شخص سے مطالبہ کیا جاتا تھا۔

وذكر امام الهدى الشيخ ابو منصور الماتريدي السمرقندي
لم يبلغنا ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث في مطالبته المسلمين
بزكاة الورق و اموال التجارة ولكن الناس كانوا يعطون ذلك
ومنهم من كان يحمل الحبال لائمة فيقبلون منه ذلك ولا
يسئلون احدا عن مبلغ ماله ولا يطالبون به بذلك (بدائع ج ۲ ص ۳۶۰)

امام ہدی شیخ ابو منصور ماتریدی سمرقندی فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی اور اموال تجارت کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس کسی کو بھیجا ہو بلکہ کچھ لوگ از خود براہ راست فقراء کو دے دیتے تھے اور کچھ لوگ ائمہ کے پاس لے آتے تو وہ اسے قبول کر لیتے اور کسی سے نہ اس کی مجموعہ مالیت کے بارے میں پوچھتے نہ اس کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرتے۔

اب تک چند آیات چند احادیث اور ان کے ذیل میں ضمنی طور پر بعض صحابہ کرام کے آثار تابعین کے اقوال، فقہاء و محدثین و مفسرین کے فرمودات ذکر کئے گئے۔ مندرجہ بالا دلائل سے "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ میں عہد رسالت کا طرز عمل واضح ہے کہ سرکاری وصولی شرط نہ تھی۔ یہی طرز عمل بعد میں (شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں اور اس کے بعد) بھی جاری رہا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کا معاملہ اسی طرح رہا جیسا کہ عہد رسالت میں تھا۔ ادائے زکوٰۃ کے

لئے سرکاری وصولی شرط نہ تھی۔ حکومت کو زمینے والوں سے باز پرس نہ ہوتی تھی۔

امام ابو عبیدہ تحریر فرماتے ہیں :

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مہاجرینؓ و انصار کی موجودگی میں مویشیوں کی زکوٰۃ روکنے پر مُرتدین سے جنگ کی تھی۔ لیکن سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے پر ایسا نہیں کیا۔ (ترجمہ کتاب الاموال جلد ۲ ص ۲۴۸)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ : تفسیر مظہری میں ابن ابی شیبہ کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "جو جس کسی صحیح مصرف میں لگا دو گے، تمہاری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فی ائى صنفٍ وضعتہ اجزاک۔"

(تفسیر مظہری جلد ۳ ص ۲۴۶)

اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم : یہ تہنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی رائے نہیں، بلکہ کسی صحابیؓ سے بھی اس کے خلاف مروی نہیں۔ اور بہت سے صحابہؓ و تابعین کی رائے اس کے مطابق منقول ہے۔ بقول امام جصاصؒ اس پر سلف کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس کے خلاف جائز نہیں۔

عن علی و ابن عباس رضی اللہ عنہما قالا اذا اعطى الرجل الصدقة صنفاً واحداً من الاصناف الثمانية اجزاة وروى مثل ذلك عن عمر بن الخطاب وحذیفہ وعن سعید بن ابراہیم وعن بن عبد العزیز و ابی العالیة و لا یروی عن الصحابة خلافہ
فصار اجماعاً من السلف لا یسع احد خلافہ۔ ۱۰

(احکام القرآن ص ۱۲۹ ج ۲)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ و سلف کے اجماع کی روشنی میں فقیر یا مسکین کو براہ راست دی جانے والی زکوٰۃ شرعاً ادا ہو جاتی ہے۔ عہد رسالت، اور خلافتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں یہی مسئلہ رہا ہے۔

حوالہ جات بالا سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہؓ، اور فقہارِ محدثین اور مفسرین سب کے نزدیک براہ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے معطلی کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فرضیت زکوٰۃ اور زما نزل قرآن سے لے کر اب تک مسئلہ یہی رہا ہے۔

پس جن اجباب نے ایک بے دلیل دعویٰ کے تحفظ کے لئے ایسی ادائیگی کو فی الجملہ غیر معتبر قرار دیا تھا۔ ان کا خیال صرف بے بنیاد ہی نہیں بلکہ دلائل صحیحہ کے قطعاً خلاف ہے۔ اور ان کا یہ لکھنا بھی درست نہیں (کہ عہد رسالت اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانے میں) دونوں قسم (ظاہرہ باطنہ) کے اموال میں ادائے زکوٰۃ کا راستہ یہی تھا کہ وہ حکومت کو دی جائے۔ گزشتہ اوراق میں ذکر کردہ تفصیلی دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مبارک دور میں "ادائے زکوٰۃ" کا صرف "یہی راستہ" نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہوا ایک دوسرا راستہ یہ بھی تھا کہ مالک اپنی زکوٰۃ خود فقیر کو دیکے۔ یہ ساری بحث "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کے بارے میں تھی باقی "اموال ظاہرہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام کو حاصل ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری طور پر بذریعہ محصلین وصولی زکوٰۃ کا انتظام صرف "اموال ظاہرہ" میں فرمایا تھا۔

ہم یہاں تک لکھ چکے تھے تو اس کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عبارت مل گئی جس میں انہوں نے مندرجہ بالا مضمون کی واضح تصریح فرمادی ہے الحمد للہ حضرت مفتی صاحب کی موافقت بھی ہمیں حاصل ہو گئی خاص زکوٰۃ ہی کے موضوع پر لکھے گئے "قرآن میں نظام زکوٰۃ" نامی اپنے رسالے میں، اسی آیت (خذ من اموالہم صدقۃ) کی تفسیر کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا انتظام صرف ان اموال میں کیا جو فقہاء کی اصطلاح میں اموال ظاہرہ کہلاتے ہیں (ص ۲۵)۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

باقی "اموال باطنہ" نقد، سونا، چاندی، زیورات وغیرہ..... ایسے اموال کی زکوٰۃ خود اصحاب اموال ہی کے حوالہ کی گئی کہ وہ بطور خود ادا کریں خواہ بیت المال کو دیدیں یا براہ راست فقراء میں تقسیم کر دیں۔ (الی ان قال)..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام معمول یہی رہا کہ وہ اپنے ایسے اموال کی زکوٰۃ بھی بیت المال ہی میں خود جمع کر دیتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ (ص ۲۶ مختصراً)۔ اس سے بڑھ کر وضاحت یا صراحت اور کیا ہو سکتی ہے۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ

عہد نامے کے زمانے میں بھی براہِ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے اُدا رہا ہو جاتی تھی۔ پس ایسی ادائیگی زکوٰۃ کو اس مبارک عہد میں غیر معتبر قرار دینا اور اسی بنیاد پر امام جصاصؒ رازی کے کلام کی توجیہ کرنا دلائل کی روشنی میں قابلِ قبول نہیں۔ بالکل بعید از انصاف ہے۔

پس

امام جصاص رازی نے اعلانِ عثمانی کے بارے میں جو یہ لکھا تھا :

فجعل لهم اداؤها الحاکمین وسقط من اجله حق

الامام في اخذها۔ (احکام القرآن)

یہ اپنے ظاہری و حقیقی معنی پر ہے۔ کہ (عام حالات میں) "اموالِ باطنہ" کی وصولی زکوٰۃ کے متعلق حقِ امام ساقط ہو گیا ہے۔ امام کو یہ اختیار نہیں رہا کہ جب چاہے ان اموال کی وصولی زکوٰۃ شروع کر دے۔

علمائے دیوبند کا مسلکِ اعمتِ ال معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے

خیر الفتاویٰ جلد اول ، دوم ، سوم

(مرتبہ: حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ)

نوٹ: دیگر جلدوں کے ترتیب جاری ہے۔ انشاء اللہ عنقریب منظرِ عام پر آجائیں گی۔

ملنے کا پتہ { مکتبہ الخیر جامعہ خیر المدارس ملتان ۵۷۸۳ فونے

دین و قرض میں ادائیگی زکوٰۃ کی بحث

بینک اکاؤنٹس متراض ہیں

جبری کٹوتی زکوٰۃ کے عدم جواز کی ایک وجہ ہم نے یہ ذکر کی تھی کہ بینک میں جمع شدہ لوگوں کے اموال شرعی احکام کے لحاظ سے ”قرض و دین ہیں“ اور لکھاتہ داران دائن اور بینک ان کا مقروض و مدیون ہے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ قرضہ جات کی زکوٰۃ تب واجب الاداء ہوتی ہے جبکہ ان کی وصولی ہو جائے۔ وصولی سے قبل وجوب ادا نہیں ہوتا۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے جیسا کہ آگے مفصل آئے گا۔ اس حکم شرعی کی روشنی میں بینک اکاؤنٹس پر وصولی سے قبل، زکوٰۃ فوری واجب الاداء نہیں تو مالکان کی رضامندی کے بغیر ان اموال کی زکوٰۃ کیلئے جبری کٹوتی جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ وجوب اداء اور انفرادی مطالبہ زکوٰۃ معدوم ہونے کی صورت میں مالکان کو ادائیگی زکوٰۃ سے انکاری قرار نہیں دیا جاسکتا اور بدون تحقق انکار و امتناع، حکومت کو جبری وصولی زکوٰۃ کے اختیارات حاصل نہیں۔

ہماری اس مختصر گزارش کے جواب میں ”البلاغ“ میں طویل بحث کی گئی جس کا خلاصہ چند نکات میں ہم یہاں پر پیش کرتے ہیں۔

(۱)۔ دین قوی، متوسط، اور دین ضعیف کی تقسیم ان کے مرجع الوصول ہونے یا نہ ہونے پر مبنی ہے۔

(۲)۔ قدے پس و پیش سے یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بینک اکاؤنٹس قرض ہیں۔

(۳)۔ لیکن قرض و دین کا حکم اصلی یہ ہے کہ ان میں قبضے سے پہلے ہی زکوٰۃ واجب الاداء ہے۔

(۴)۔ قبضہ تک وجوب اداء کے مؤخر ہونے کی سہولت امام ابوحنیفہ نے دی ہے (گویا کہ

وہ اس مسئلہ میں متفرد ہیں۔)

(۵)۔ صرف متفرد ہی نہیں بلکہ ان کا یہ مذہب بے بنیاد و بے دلیل بھی ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ

نے جس اثر سے (اس مسئلے کے لئے) استدلال کیا ہے اس سے ان کا مذہب ثابت نہیں ہوتا (مختصراً مطلقاً بالمعنی) (گویا کہ امام ابوحنیفہ اور فقہائے حنفیہ کو اس بارے میں غلط نہیں ہوتی ہے)۔

(۶)۔ بینک اکاؤنٹس ایک جدید قسم کا قرض ہے لہذا اس پر قدیم حکم قرض لاگو نہیں ہوگا کیونکہ یہ حکم قدیم قسم کے قرضہ جات کے لئے ہے۔

(۷)۔ حضرات فقہاء نے ہر دین قوی کو (خواہ اسکی وصولیابی کتنی ہی لقمینی کیوں نہ ہو) "دین ظنون" قرار دیا ہے۔

(۸)۔ قرضوں پر زکوٰۃ کا نفس وجوب متفق علیہ ہے۔

البلاغ کی اس بحث کے مندرجہ بالا نکات پر پورا غور و خوض کیا گیا۔ اہل علم سے مذاکرات بھی ہوئے دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ علماء کو چھوڑ کر باقی سب نکات و دعاوی خلاف تحقیق اور بے بنیاد ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔

اجتہاد

واضح رہے کہ اس پوری بحث میں البلاغ نے کسی مستند و متداول فقہی کتاب استدلال نہیں کیا۔ حالانکہ زیر بحث مسئلہ پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ تقریباً تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔

مسئلہ ہذا سے متعلقہ بارہ تیرہ صدیوں کی محقق علمی کاوشوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بعض آثار سے استدلال کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس اجتہاد میں اتنے دُور نکل گئے ہیں کہ ابوحنیفہ اور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی استدلالی کمزوریاں بھی آشکارا ہو گئیں۔ صرف زیر بحث قرض کے مسئلے ہی میں نہیں بلکہ اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی ساری بحث میں بھی "البلاغ" کا طرز استدلال تقریباً یہی ہے۔

حضرات فقہاء کرام اور قانون شرعی کے مسلمات کو یوں نظر انداز کرنا جو کم از کم ہم جیسے لکیر کے فقیرانہ قسم کے لوگوں کے لئے سخت حیرانی اور تشویش کا موجب ہے۔ اور یہ تشویش تقریباً ایسی ہی ہے

جیسی کہ اپنے اکابر کو بعض جدید قسم کے اجتہادات پر ہوتی تھی اور یہ دیکھ کر مزید دکھ ہوتا ہے کہ یہ طرزِ عمل (جدید اجتہادات) اپنے حضراتِ علماءِ دیوبند کی طرف سے ظہور میں آ رہا ہے۔ جن کے آباء اجداد کا طرہ امتیاز تھلکِ نبی الدین سلف کی تحقیقات پر مکمل اعتماد اور جدید اجتہادات کی تردید ہے ہمیں معلوم نہیں کہ اپنے اکابر نے حضراتِ ائمہ و فقہاء کی واضح متفقہ تصریحات کے مقابلہ میں کسی اجتہاد کے لئے جدید علتوں کا استخراج کیا ہو۔ اور مسلمات کی بعید از کار تاویلات کر کے انہیں معطل کرنے کی جرأت کی ہو۔ ان اکابر کا یہ موقف دینی استقامت کا نشان تھا کیونکہ اگر ماحول کے تاثر یا کسی دوسری وجہ سے طے شدہ مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھول دیا جائے تو کون سا مسئلہ ایسا ہے کہ جس کے بارے میں زمانہ حال کے مجتہدین کے علم و فضل کی جولانیاں ہمت ہار سکتی ہیں۔ ہر مسئلے میں ایسے اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔

تمہیدی تسامح

اب ہم ادارہ "البلاغ" بابت ماہِ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ کے مندرجہ بالا نکات پر تفصیلی گزارشات پیش کرتے ہیں۔
 اربابِ علم و مضمون میں بطور تمہید کے لکھتے ہیں۔

دعوتِ زکوٰۃ کے حق میں دین کے اندر اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ دائن کے لئے کس حد تک مرجو الوصول ہے اور دائن کا تصرف اس پر کس حد تک برقرار ہے، اسی بنا پر فقہاء کرام نے دعوتِ زکوٰۃ کے معاملے میں دینِ قوی اور دینِ متوسط اور دینِ ضعیف کی تقسیم فرمائی ہے۔ گزارش ہے کہ دین کی تقسیم بالا میں اس کے مرجو الوصول ہونے اور دائن کے اس میں تصرف پر قادر ہونے کو بنیاد قرار دینا صحیح نہیں۔

حضراتِ فقہاء کرام نے دین کی تقسیم ہرگز اس بنیاد پر نہیں کی۔ یہ صریح تسامح ہے۔ بلکہ شرعاً دین کی مندرجہ بالا تقسیم اس امر پر مبنی ہے کہ دینِ قرض اور مالِ تجارت کا بدل ہے یا مال کی بجائے غیر مال تجارت کا بدل ہے۔ جیسے اثاثہ البیت وغیرہ کی بیع یا غیر مال کا بدل ہے جیسے مہر اور بدلِ نخل وغیرہ یہ دیون علی الترتیب۔ دینِ قوی۔ دینِ متوسط۔ دینِ ضعیف کہلاتے ہیں۔

چنانچہ تمام فقہاء نے اسکی تصریح کی ہے۔ مبسوط میں ہے۔

ثم الديون على ثلاث مراتب عند ابي حنيفة "دين قوی۔ هو ما يكون
بدلاً عن مال كان اصله للتجارة لولبقی فی ملكه ودين متوسط
وهو ان يكون بدلاً عن مال لا زکوة فيه لولبقی فی ملكه كثياب
البذلة والمهنة ودين ضعيف وهو ما يكون بدلاً عما ليس
بمال كالْمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العبد

(مبسوط مستخرج ص ۱۹۵) (ومثله فی البدائع ص ۱۲)

مندرجہ بالا فقہی تصریحات سے یہ امر ظاہر ہے کہ دین کی یہ تقسیم اسکی ذاتی حیثیت پر مبنی ہے
مرجوع الوصول ہونے کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ عملی اور عدالتی اعتبار
سے بھی ان دیون میں مرجوع الوصول ہونے نہ ہونے کی بنیاد پر فرق نہیں کیا جاتا۔ مدیون بھی
کبھی ایسا نہیں کرتا کہ دین قوی کی تو فوری ادائیگی کر دیتا ہو اور دین متوسط اور ضعیف کی ادائیگی
میں اس بنیاد پر تاخیر کرتا ہو کہ ان دونوں قسموں میں چونکہ وصولی کی اُمید کم ہی ہوتی ہے اس
لئے تاخیر ادا یا عدم ادائیگی کا حق ہے۔ اور عدالت بھی یہ امتیاز نہیں کرتی کہ دین ضعیف
کے مقدمات کی سماعت نہ کرے اور مدعی کو یہ کہہ دے کہ دین ضعیف میں وصولی کی اُمید کم ہی
ہوتی ہے۔ لہذا مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔ الغرض عدالتی لحاظ سے دین قوی کے لئے مدعی
کی امداد کے جو ضوابط ہیں دین متوسط اور ضعیف کے لئے بھی ویسے ہی قوانین ہیں۔

الحاصل علمی۔ عملی۔ آئینی، عدالتی کسی لحاظ سے بھی دین قوی۔ متوسط اور ضعیف کی
تقسیم مرجوع الوصول ہونے نہ ہونے پر مبنی نہیں۔ پس "البلاغ" کا مندرجہ بالا تمہیدی ضابطہ
دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں بلکہ بے اصل اور خیال محض ہے۔ لہذا اس ضابطہ پر مبنی
آئندہ تفریعات بھی بے بنیاد ہیں۔

۲۔ بینک اکاؤنٹس قرض ہیں امانت نہیں۔

مجلس نے یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کی ہے کہ بینک اکاؤنٹس قرض سے زیادہ امانت

کے مشابہ ہے۔ حالانکہ جیسے اس کے قرض ہونے میں شبہ نہیں ایسے ہی اس کے امانت نہ ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے کہ امانت کی کچھ مخصوص شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نہ رہے تو پھر وہی مال امانت واجب فی الذمہ ہونے کی وجہ سے قرض ہو جاتا ہے۔ امانت کی چار بنیادی شرائط یہ ہیں۔ نمبر ۱: مال بعینہ محفوظ رکھنا طے ہو نمبر ۲: مودع اس میں تصرف نہ کر کے نمبر ۳: نمار و نقصان مالک کا ہو نمبر ۴: بصورت ضیاع مالک کا مال ہلاک ہو اور دین میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ یعنی نہ مال کا۔ بعینہ محفوظ رکھنا طے ہوتا ہے۔ ورنہ تو پھر دین کا کیا فائدہ۔ اسی طرح مدیون کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام و نقصان مالک کی بجائے مدیون کا ہونا ہے۔ اور بصورت ضیاع وہ چیز مدیون کی ہلاک ہوگی۔ اب مذکورہ بالا شرائط کی روشنی میں بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس میں امانت کی کوئی بھی شرط نہیں پائی جاتی جبکہ دین کی تمام شرائط اس میں موجود ہیں۔ الغرض ان تصریحات کی روشنی میں یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ بینک اکاؤنٹس فقہی اعتبار سے صرف اور صرف قرض ہیں۔۔۔ باقی یہ فرمان کہ عام قرضوں میں محرک مستقرض ہوتا ہے اور یہاں محرک مقرض ہوتا ہے اور اس کا اصل منشاء قرض دینے کی بجائے مال کی حفاظت ہوتی ہے۔ گراہی ہے کہ اس سے بھی بینک اکاؤنٹس کی "حیثیت قرض" قطعاً متاثر نہیں ہوتی کیونکہ اول تو یہ بات صحیح نہیں کہ یہاں تحریک صرف ایک طرف سے ہوتی ہے۔ بلکہ دونوں محرک ہوتے ہیں۔ البتہ تحریک کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے۔ نیز اگر بالفرض صرف کھاتہ دار ہی کو محرک مان لیں تو بھی اعتبار نفس حقیقت اور واقعہ کا ہوگا نہ کہ ابتدائی عوامل اور اسباب کا۔

الحاصل: اس پوری بحث سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آ

۵ اگر مال بعینہ محفوظ رکھنا طے نہیں ہوا یا ہو مگر امین نے محفوظ نہیں رکھا یا امین نے کل یا بعض مال اس طرح سے خرچ کیا کہ تمیز نہ تھا تو ان تمام صورتوں میں مال، مال امانت نہ رہے گا۔ اگرچہ اس امین کو خیانت کا گناہ ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ شرعی اصطلاح میں جو مال اس کے ذمہ ہے کیا اس کو امانت کہا جائے گا؟ یقیناً نہیں۔

جاتی ہے کہ بینک اکاؤنٹس شرعی احکام کی رُو سے قرض ہیں امانت نہیں۔
اب ہم آئندہ صفحات میں دین کا حکم شرعی و وجوبِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں دلائل شرعیہ کی
روشنی میں پیش خدمت کرتے ہیں۔

دین کا حکم شرعی

دین میں زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے؟

قرآن کریم، احادیث و آثار اور اصول شرعیہ کی روشنی میں حضرات ائمہ مجتہدین کا مذہب
یہ ہے کہ قرضہ جات کی زکوٰۃ کی ادائیگی وصولیابی کے بعد واجب ہے، قبضہ سے پہلے نہیں۔
امام ابو بکر کا سانی رحمہ اللہ "دین قوی" کی تعریف کے بعد لکھتے
"مسک احناف" ہیں۔ "ولا خلاف فی وجوب الزکوٰۃ فیہ الا ان لا یخاطب

باداء شئی من زکوٰۃ مامضی ما لم یقبض اربعین درهما (بدائع ص ۱۲۱)

علامہ خسی فرماتے ہیں :

"قال رجل له على رجل الف درهم قرض او عن متاع كان للتجارة
فخال عليه الحول ووجبت الزکوٰۃ علیه لا يلزمه الاداء قبل القبض

عندنا" (مبسوط ص ۱۹۲/۱۲)

عندنا کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ائمہ احناف سب اس پر متفق ہیں۔

موظا امام مالک میں ہے :

مسک مالکیہ : قال مالك : "الا مراندى لا اختلاف فيه عندنا ان

صاحبه لا يزكيه حتى يقبضه" (اوجز ص ۱۴۴)

اوجز میں الروض المربع سے نقل کیا ہے :

مسک حنابلہ : ومن كان له دين (من مضمون او مسروق) من صداق

وغیره کثمن المبيع على ملىء او غيره ادى زکوٰۃ اذا قبض لما مضى

"قال الموفق الدين على ضربين احدهما دين على معترف به باذل له فعلى

صاحبه زکوٰۃ الا انه لا يلزمه اخراجها حتى يقبضه فيؤدى لها
مضى روى ذلك عن علي وبهذا قال الثوري والبرثور واصحاب
الرأى

امام شافعىؒ کا قول قدیم بھی عدم وجوب کا ہے۔ (بیہقی ص ۱۵۰)
مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ قبل القبض عدم وجوب اداء پر جمہور متفق ہیں۔ ائمہ
ثلثہ امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ سب کا یہی مذہب ہے
اور حضرات ائمہ کا یہ موقف احادیث دلائل اور اصول شرعیہ سے ٹبرہن ہے۔

وجوب زکوٰۃ کا مدار قدرت میسرہ پر ہے۔ قدرت
مسکب جمہور کے دلائل : ممکنہ پر نہیں۔ ہدایۃ "صدقۃ الفطر" میں ہے۔

ولا يشترط ذيه النفق - اسی پر محشی نے علامہ عینیؒ سے نقل کیا ہے۔
لانها تجب بالقدرة الممكنة لا الميسرة - بخلاف الزکوٰۃ فان
وجوبها بالقدرة الميسرة -

ہدایہ میں دوسرے مقام پر ہے : وما شرط الحول الا للتيسير - (ص ۱۴۵)
معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا مدار قدرت میسرہ پر ہے بہت سے احکامات اسی پر متفرع
ہیں مثلاً ہلاکت مال سے سقوط زکوٰۃ وغیرہ۔

بہر حال شریعت نے اس سلسلہ میں مزکی کی سہولت در سہولت کو مد نظر رکھا ہے۔ مثلاً
آمدنی پر زکوٰۃ نہیں۔ بچپن پر ہے۔ پھر ہز بچت (مال) میں نہیں۔ بلکہ وہ بھی بقدر نصاب
ہو پھر اس پر سال گزر جائے۔ اسی کی یہ فرع ہے کہ قبضے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں
یعنی "انه لا يخاطب باداء شئ من زکوٰۃ ما مضى ما لم يقبض -"

اصولی طور پر جزر نصاب واجب ہے۔ لقوله عليه الصلاة والسلام - "هاقوا
من ربع عشر اموالكم" - اس حدیث کے پیش نظر حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ
زکوٰۃ میں اصل واجب نصاب کا ایک جز ہے۔ چنانچہ عنایہ مع الہدایہ میں ہے :

ولما ان الواجب جزء من النصاب عملاً بكلمة "فمى" في قوله عليه السلام
في كل اربعين مثاقه مثاقه وتحقیقاً للتيسير فان الزکوٰۃ وجبت بقدر ما يسر

علی ما عرف فی الاصول ومن التیسیر ان ینکون الواجب من النصاب ^{۱۵۳} ص ۲: ج ۲
علامہ سرخسی فرماتے ہیں ولنا ان الواجب جزء من النصاب فاذا کان النصاب دیناً فینده

مقصورة عما هو حق الفقراء فلا یلزمه الاداء ما لم یصل یده الیه بالقبض

(مبسوط ص ۲۹۵)

یہ تصریحات دلالت کرتی ہیں کہ "زکوٰۃ واجب" کی حالت "اصل نصاب" کی حالت کے

"تابع ہوگی۔ نصاب نقد ہے تو جبر نقد اور نصاب ذین ہے تو یہ جبر ہے بھی دین ہوگا العین فی العین

والدین فی الدین۔ یہی بات بالکل حضرت عطاء نے فرمائی ہے۔

عن ابن جریر قال قلت لعطاء . السلف یسلفه الرجل قال فلیس

علی سید المال صدقہ وهو حیث ینزل بمنزلة الدین فی الصدقة

(مصنف عبدالرزاق ص ۹۸)

جمہور کا مذہب آثار کی روشنی میں

۱۔ عن نافع عن ابن عمر قال لیس فی الدین زکوٰۃ۔ (عبدالرزاق ص ۱۳)

۲۔ عن عائشہ قالت لیس فی الدین زکوٰۃ حتی یقبضہ۔ (عبدالرزاق ص ۱۳)

۳۔ عن ابن جریج قال قال عمرو بن دینار ما اری الصدقة الا

فی العین۔ (عبدالرزاق ص ۱۴)

۴۔ قال عکرمہ لیس فی الدین زکوٰۃ وروی ذلك عن عائشہ وابن

عمر وروی عن سعید بن المسیب وعطاء بن ابی رباح وعطاء الخراسانی

وابن الزناد ینکیہ اذا قبضہ لسنة واحدة (اوجز ص ۱۲)

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں عمل مستقر ہوا کہ وصولیابی سے قبل

دین سے زکوٰۃ نہ لی جائے لیکن وصول ہونے پر گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ لی جائے

چنانچہ حمید بن عبدالرحمن کی روایت میں کچھ تفصیل ذکر کرنے کے بعد آخر میں ہے۔

فلم یکنوا یقبضون من الدین الصدقة الا ما نض منه (سنن ابی بکر البیہقی ص ۱۵)

اس روایت میں تفصیلی کلام ہے جسے بنظر اختصار حذف کیا جاتا ہے۔

۶۔ عن عطاء قال لیس فی الدین زکوٰۃ حتی یقبض۔ (عبدالرزاق ص ۱۴)

عک: عن جابر بن ابی جعفر قال لیس فیہ زکوٰۃ حتی یقبضہ (ابن ابی شیبہ ۱۲۳)
ع: عن حماد قال المزکوٰۃ علی من المال فی ید ۵ - (عبدالرزاق صحیح ۱۱۴)

الحاصل: حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، ابو جعفرؓ، عطاء بن ابی رباحؓ، عطاء خراسانی، عمرو بن دینارؓ، عکرمہؓ، حمادؓ، ابراہیم نخعیؓ، سعید بن المسیبؓ، احمد بن حنبلؓ، ابوالزنادؓ، حکمؓ، امام ابو حنیفہؓ، امام مالکؓ، امام ابو یوسفؓ، امام محمدؓ، امام زفرؓ، سفیان ثوریؓ، ابو ثور رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، یہ سب حضرات دین میں وصولیابی سے قبل وجوبِ اداء کے قابل نہیں۔

کیا ابو حنیفہؓ کا استدلال غلط ہے؟

دلائل و آثار کی روشنی میں یہ بات پورے طور پر واضح ہو چکی ہے کہ دین میں "عدم وجوبِ اداء" جمہور کا مسلک ہے لیکن بعض احباب نے جمہور کے اس محقق مسلک کو صیغہ راز میں رکھتے ہوئے یوں فرمایا ————— کہ قرضوں پر زکوٰۃ کا نفس وجوب تو متفق علیہ ہے البتہ امام ابو حنیفہؓ نے مقرر ض کو یہ سہولت دی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر اس وقت واجب ہوگی جب قرض کی رقم اُسے واپس ملے گی۔ (البلاغ ص ۱) اس اقتباس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ امام ابو حنیفہؓ اس مسئلے میں متفرد ہیں اور یہ سہولت دینا ان کی ذاتی نوعیت کی رائے ہے۔ گویا کہ ان کا یہ خیال کسی دلیل صحیح پر مبنی نہیں اور نہ ہی دین میں وجوبِ زکوٰۃ کا پس منظر ان کے سامنے ہے۔

"البلاغ میں فقط یہ تاثر دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ آگے چل کر اس کی تصریح بھی فرمادی جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؓ اور فقہائے حنفیہ نے اپنے مذہب کی بنیاد جس اثر پر رکھی ہے اس کا مطلب وہ نہیں جو فقہاء حنفیہ نے سمجھا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں کہ "امام ابو حنیفہؓ نے اس مسئلے میں اپنے مسلک کی بنیاد حضرت علیؓ کے ارشاد پر رکھی ہے۔" (ص ۱) پھر آگے چل کر بطور نتیجہ کے ہے کہ :

"فقہاء حنفیہ نے اس باب میں اپنے مسلک کی بنیاد حضرت علیؓ اور ابن عمرؓ کے

اقوال پر رکھی ہے اور ان کے نزدیک اگرچہ قبضے کے بعد زکوٰۃ کا وجوب صرف اس صورت میں ہے جبکہ دین کی وصولیابی منظور ہو۔ جہاں وصولیابی کا وثوق ہو وہاں ان کے نزدیک بھی وجوب اداء قبضے سے پہلے ہی ہو جاتا ہے۔ " (انتہی ص ۱۸۰)

حاصل یہ ہوا کہ :

۱۔ انہوں نے جس اثر سے اپنے مسک پر استدلال کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ " وجوب اداء بعد القبض ہر دین میں نہیں بلکہ دین ظنون میں ہے۔

۲۔ مگر امام ابوحنیفہؒ نے اس سے یہ سمجھا کہ وجوب اداء بعد القبض مطلق دیون میں ہے۔

۳۔ تو گویا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسک مذکورہ اثر سے ثابت نہیں۔ اور وہ اس اثر کو سمجھ نہیں سکے۔ " عر " شوخی ہی کلام میں لیکن نہ اس قدر ؟

مذہب و دلائل کی تفصیل آپ کے سامنے ہے کیا واقعی امام ابوحنیفہؒ کا مسک بے دلیل اور تفرد پر مبنی ہے ؟ ہرگز نہیں۔

اثر علی رضی کی تحقیق

اولاً گو ہمیں یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک پلڑے میں البلاغ کی رائے اور دوسرے پلڑے میں سراج الائمہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے استدلال کو رکھ کر ان میں موازنے کی کوشش کی جائے۔

ظاہر ہے کہ ابوحنیفہؒ کی جو استدلالی کمزوری پہلے پہل ۱۲۰ھ میں پکڑی گئی بلاشبہ وہ ناقد ہی کی غلطی ہو سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ امام محمدؒ کی نہیں۔ خصوصاً جبکہ جمہور ائمہ و علماء بھی امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ اس مسئلے پر متفق ہوں لیکن بہر حال زمانہ تحقیق و ریسرچ کا ہے لہذا البلاغ کی تنقید پر سرسری نظر ہو جائے تو مناسب ہے۔ ذیل میں ہم دلائل کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی ابوحنیفہؒ امام محمدؒ اور نعمتائے حنفیہ کو اثر علیؒ کے سمجھنے میں غلط نہیں ہوئی ہے۔ امام محمدؒ نے موطا میں اپنے اور مذہب جمہور کے مسک پر استدلال کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر پیش کیا ہے۔

عن علی بن ابی طالب قال : اذا كان ذلك دين على الناس فقبضه
فزكاه لما مضى : قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابی حنیفة -
(کتاب الآثار ص ۱۰۸)

ترجمہ: حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جب کسی کا دین لوگوں پر ہو اور وہ اس پر قبضہ کر لے
تو زماں ماضی کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

یہ اثر اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ یہ عام دیون کے بارے میں ہے۔ لیکن "البلاغ"
نے اس اثر کو حضرت علیؑ کے ایک دوسرے اثر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ
اثر یہ ہے۔ عن علی... فی اندیبت الظنون قال ین کیہ بما مضی اذا قبضه
ان کان صادقا۔ (بیہقی ج ۱۵ ص ۱۳)

ترجمہ: جس دین کی وصولیابی مشکوک ہو اس کے بارے میں حضرت علیؑ نے فرمایا
کہ اگر دائن سچا ہے تو دین پر قبضہ کرنے کے بعد پچھلے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے۔
حالانکہ یہ اثر دین ظنون (مالِ ضمار) کے بارے میں ہے اسی لئے یہ دوسرا اثر امام
ابو عبید اور ابن قدامہ اور دیگر حضرات فقہاء نے مالِ ضمار کے حکم کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے
کیونکہ دین ظنون مالِ ضمار کا ایک فرد ہے۔ اس لئے کہ دین ظنون ایک ایسا دین ہے
جس کی وصولیابی کی اُمید بہت کم ہو گویا کہ نا اُمیدی ہے۔

اب قارئین خود غور فرمائیں کہ عام دیون والے اثر کی تشریح مالِ ضمار سے متعلقہ
اثر کے ساتھ کرنا کہاں تک صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ "البلاغ" میں کیا گیا ہے
اور تاثر یہ دیا گیا ہے کہ "فقہائے حنفیہ سے یہ تسامح ہوا ہے
فیما للجب۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں اثر مستقل طور پر وارد ہوئے ہیں۔ پہلا اثر
عام دیون سے متعلق ہے۔ اور دوسرا اثر دین ظنون (مالِ ضمار) کے بارے میں ہے اور
دونوں کے احکامات جُدا جُدا ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی ایسی پابندی ہمیں معلوم نہیں کہ اگر وہ عام دیون کا
مسئلہ بیان فرمادیں۔ تو دین ظنون (مالِ ضمار) کا حکم بیان کرنے کی انہیں اجازت نہیں۔
الغرض: دونوں آثار اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ایک اثر سے دوسرے اثر کی تشریح

کرنا قابل ہے۔

واضح ہے کہ حضرت علیؑ کے دوسرے اثر میں ”دینِ ظنون“ (مالِ ضمار) کا جو حکم ذکر کیا گیا ہے ”کہ وصولیابی کے بعد گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ اس میں واجب ہو۔“ یہ مذہبِ حنفیہ کے خلاف ہے۔ بلکہ احناف کے نزدیک ”مالِ ضمار“ میں سرے سے زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دینِ ظنون والا اثر علیؑ حنفیہ کے نزدیک متردک ^{العلل} ہے جبکہ اقل الذکر ”اثر علیؑ“ کے معمول بہ ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے۔ تو ”الْبلاغ“ کا اثر متردک کو معمول بہ اثر کی تشریح میں پیش کرنا ناقابلِ نہم ہے۔ جو دینِ ظنون کی خلاف واقع تشریح کرنے سے ناشی ہے۔ آئندہ اوراق میں دینِ ظنون کی بحث ملاحظہ کی جائے۔

”دینِ ظنون کی بحث“

نیز ”الْبلاغ“ میں ہے :

”لہذا انہوں (فقہاءِ حنفیہ) نے ہر ”دینِ قوی“ کو ”دینِ ظنون“ قرار دے کر یہ عام حکم لگا دیا کہ اس پر نفسِ وجوب تو ہو جاتا ہے لیکن وجوب ادا مقبضے کے بعد ہوگا۔ گزارش ہے کہ :

”الْبلاغ“ کا مندرجہ بالا الزام بالکل خلاف واقع ہے۔ حضراتِ فقہاء کرام تو کیا کسی ایک غیر فقیہ عالم نے بھی ہر ”دینِ قوی“ کو ”دینِ ظنون“ قرار نہیں دیا۔ ”الْبلاغ“ کا یہ دعویٰ اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ ہر دین خواہ وہ کتنے ہی قابلِ اعتماد شخص کے پاس ہو اسکی عدم ادائیگی کا خطرہ ضرور ہوتا ہے۔ (الْبلاغ ص ۱۸) اس لئے وہ دینِ ظنون ہوتا ہے۔ حالانکہ دینِ ظنون کی یہ تعریف خود ”الْبلاغ“ ہی کی نقل کردہ تعریف کے خلاف بلکہ برعکس ہے ”الْبلاغ“ ص ۱۸ پر امام ابو عبیدہؒ سے دینِ ظنون کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ

۱۔ امام لیثؒ قنادہؒ اسحقؒ ابو ثورؒ اہل عراقؒ سب کا یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ کی ایک ایک روایت بھی یہی ہے امام مالک اور امام اوزاعیؒ مالِ ضمار میں صرف یک سالہ زکوٰۃ کے قائل ہیں تو گویا کہ یا اثر علیؑ ان سب کے نزدیک معمول بہ نہیں۔

میں نقل کی گئی ہے۔

”هو الذی لا یدری صاحبہ اَیقضیہ الذی علیہ الدین ام لا

کانہ الذی لا یرجوا“ - بیہقی ص ۱۵۰

دینِ ظنون کی تعریف بالا سے ظاہر ہے کہ دینِ ظنون وہ دین ہے کہ جس کی وصولی کی امید ختم ہو گئی ہو۔ تقریباً اسکی وصولی سے مایوسی ہو۔ ایسا دین مالِ ضمار کے ذیل میں آجاتا ہے۔ حضراتِ فقہاء نے مالِ ضمار کی بھی قریب قریب انہی الفاظ میں تعریف کی ہے۔

”الضمار بوزن حمار قال ف البحر وهو فی اللغة

الغائب الذی لا یرجوا“ - اھ (شامیہ ص ۹۰ جدید)

جب دینِ ظنون مالِ ضمار میں داخل ہے تو کوئی ادنیٰ علم رکھنے والا بھی ہر دینِ قوی کو دینِ ظنون قرار نہیں دے سکتا۔ دوسرے لفظوں میں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہر دینِ قوی مالِ ضمار ہے۔ دوسرے دین تو اس سے بھی نیچے ہوں گے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ پس حضراتِ فقہاء کی طرف ایسی غیر معقول غلط بات کی نسبت کسی بھی طرح روا نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی غلط بنیاد پر جو مسئلہ ہوگا وہ غلط تر ہوگا۔ اس پر بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ ”دینِ ظنون“ اور ”مالِ ضمار“ کو ایک قرار دینا بظاہر کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ”دینِ ظنون“ میں زکوٰۃ کو واجب فرماتے ہیں اور ضمار میں عدم وجوب کے قائل ہیں؛ تو ”گزارش“ ہے کہ ”دینِ ظنون“ مالِ ضمار میں شامل ہے یا نہیں اس کے فیصلہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں اموال کی تعریفات ماننے رکھتے ہوئے یہ دیکھا جائے کہ ”مالِ ضمار“ کی تعریف ”دینِ ظنون“ پر صادق ہے یا نہیں؟ ان دونوں اموال کی تعریفات ہم پہلے نقل کر چکے ہیں جن کی روشنی میں یہ امر صاف ظاہر ہے کہ ”مالِ ضمار“ کی تعریف کے تحت ”دینِ ظنون“ بھی داخل ہے یہ تعریفات مزید اضافوں کے ساتھ دوبارہ نقل کی جاتی ہیں۔ قال ابن عبد البر ”وقیل الضمار

الذی لا یدری صاحبہ اَیخرج ام لا وهو الاصح (اوجز ص ۱۴۲)

اور تقریباً بالکل انہی الفاظ کے ساتھ ”دینِ ظنون“ کی تعریف ائمہ لغت و حدیث

سے منقول ہے۔ چنانچہ علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں :

الظَّنُونُ ... ومن الديون ما لا يدري أيقضيه أخذاً أم لا (قاموس)^{۸۸۹}
 هكذا المنجد وفي مجمع البحار لا زكوة في الدين الظنون هو الذي
 لا يدري صاحبه أيصل إليه أم لا (صباح ۲۹۶)

مصباح اللغات ص ۵۲۶ میں ہے : دینِ ظنون وہ قرض ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وصول ہوگا یا نہیں گویا کہ اس (دینِ ظنون) کی وصولیابی کی اُمید نہیں رہی جیسا کہ امام ابو عبیدہؓ نے اسکی تصریح فرمادی ہے۔ الظنون الذي لا يدري صاحبه ايقضيه الذي = ام لا كانه الذي لا يرجوه انتهي۔ اسی نوعیت کی نا اُمیدی "مالِ ضمار" میں بھی ہوتی ہے۔ انیس سب سے کفر معبر نہیں۔ احکام میں اعتبار غلبہ ظن کا ہوتا ہے۔ اگر ان تعریفات میں ائمہ فقہ و حدیث نے غلط بیانی نہیں کی (اور یقیناً نہیں کی) تو انکی روشنی میں بلاشبہ یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ "دینِ ظنون" "مالِ ضمار" کے تحت داخل ہے۔ لہذا اب تک اس کا تسامح ہونا ہم نہیں سمجھ سکے ہاں! اگر دینِ ظنون کی تعریف میں ائمہ نے غلطی کی ہے تو یہ الگ بات ہے۔ لیکن پھر بھی البلاغ کو ان حضرات کی تغلیط کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ خود البلاغ ہی میں ان حضرات کے یہ تعریف نقل کی جا چکی ہے۔ اگر یہ تعریف غلط تھی تو "البلاغ" نے اسے کیوں نقل کیا۔ عجیب بات ہے کہ اثر علی رضی اللہ عنہ کی تشریح ہی میں "دینِ ظنون" کی اس تعریف کو نقل کر رہے ہیں۔ اگر حضرت علیؓ کے اثر میں یہ دینِ ظنون مراد نہیں تو اس اثر کی تشریح میں اس تعریفِ ظنون کے نقل کرنے کا کیا فائدہ؟ اور کیا جوڑ؟ امام بیہقیؒ وغیرہ حضرات نے بھی ابو عبیدہؓ کی اس تعریفِ ظنون کو اثر علیؓ کی تشریح میں نقل کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات ائمہ فقہ و حدیث کے نزدیک اثر علیؓ میں دینِ ظنون سے مراد وہی دین ہے جس کی وصولیابی کی اُمید (تقریباً) منقطع ہو چکی ہو اور مالِ ضمار بھی وہی ہوتا ہے جس کی وصولیابی سے نا اُمیدی ہو۔

الغرض حضرات ائمہؓ کی تصریحات "دینِ ظنون" کا "مالِ ضمار" کے تحت داخل ہونا بلاشبہ ثابت ہے۔ باقی رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دوسرا اثر (لا زكوة في المال الضمار) تو یہ کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ امام زلیعیؒ فرماتے ہیں:

۱ "غریب" - وفي البناية اداد انه لم يثبت مطلقاً ۱ھ - قال الحافظ

ابن حجر في الدرر الاية " لا زكوة في مال الضمار لم اجده عن
 علی ص ۱۵۲ - بر تقدیر ثبوت زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ

عنه کے دونوں اثر اس مسئلہ میں متعارض ہیں جن میں ترجیح یا تطبیق تلاش کرنا اہل
 علم کی مشترکہ ذمہ داری ہے لیکن اس تعارض کا کوئی اثر "مال ضمار و دین ظنون" کے
 متعلق ائمہ فقہ و حدیث کی نقل کردہ تعریفات پر نہیں پڑتا۔

علاوہ ازیں "مال ضمار" اور "دین ظنون" کی بحث ثانوی درجے میں ہے
 اصل بحث اس میں ہے کہ ہر "دین قوی" "دین ظنون" ہے یا نہیں؟ اور وہ کون سے
 فقہاء حنفیہ میں جنہوں نے ہر دین قوی کو "دین ظنون" قرار دیا ہے، نیز یہ کہ ہر دین خواہ
 وہ کتنے ہی قابل اعتماد شخص کے پاس ہو۔ الخ۔ وہ دین ظنون ہے۔ یہ کس کتاب
 میں لکھا ہے۔ اولاً ان امور کی وضاحت ضروری ہے۔

دین ظنون کی تعریف میں خط کشیدہ آخری جملہ (كانه الذي لا يرجوه)
عجیب تسامح : "البلاغ" میں نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ حاشیہ البلاغ میں تعریف
 ظنون کے ذکر کردہ حوالہ سُنن بیہقی میں یہ جملہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ البلاغ کے اس
 مضمون کے اصل مسودہ میں بھی یہ جملہ مذکور ہے۔ مگر اس کے باوجود البلاغ میں سے
 حذف کر دیا گیا۔

اس خط کشیدہ جملہ کو غیر ضروری قرار دینا بھی مشکل ہے۔ جبکہ دین ظنون کی تعریف کا
 ایسا جز ہے کہ اس کے حذف کرنے سے تعریف کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو سکتی ہے

"اثر ابن عمر" وغیرہ کا جواب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان آثار کا بھی جائزہ لیا جائے جنہیں البلاغ نے
 (بزعم خویش) اپنا مستدل سمجھا ہے۔ اثر علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مفضل کلام گزر چکا ہے کہ
 اس سے ان حضرات کا استدلال درست نہیں۔ اس کے علاوہ ان حضرات نے مزید متن
 اثر پیش کئے ہیں۔ ان کا مضمون دو قسم پر ہے..... ۱۔ دین ثقہ پر ہر سال زکوٰۃ ہے۔

۲۔ ایسے دین کی ہر سال زکوٰۃ ادا کیا کر دو۔

جواب : یہ دونوں قسم کے الفاظ ائمہ ثلاثہ اور جمہور رحمہم اللہ کے مذہب کے خلاف نہیں اور نہ ہی یہ آثار ان حضرات سے پوشیدہ تھے۔ ان آثار کی موجودگی میں سابقہ دلائل کی پسن آپر علی وجہ البصیرت حضرات ائمہ ثلاثہ اور جمہور علماء نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ دین میں ادائیگی زکوٰۃ قبضہ کے بعد واجب ہوتی ہے۔ پہلی قسم کا مضمون جمہور کے مسلک کے قطعاً خلاف نہیں کیونکہ وہ بھی ہر سال دین میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ دوسری قسم کے الفاظ بھی جمہور کے خلاف نہیں بلکہ یہاں امر احتیاط و استحباب پر منحول ہوگا تاکہ آثار کو جمع کیا جاسکے۔ خصوصاً جبکہ ایک ہی صحابی سے دو متعارض اثر منقول ہوں۔ مثلاً ابن عمر سے منقول ہے۔ "لیس فی الدین زکوٰۃ" (مصنف عبدالرزاق ص ۱۳) دوسری جگہ منقول ہے۔ "ذکوٰۃ ما کان فی ایدیکم الخ" (بیہقی ص ۱۵۰)

علاوہ ازیں ممکن ہے کہ عملی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے سال بسال ادائیگی زکوٰۃ کے لئے کہا گیا ہو۔ نہ اس خیال سے کہ سال بسال ادائیگی واجب ہے ظاہر ہے کہ ہر سال ادائیگی میں جو سہولت ہے۔ وہ عند القبض پانچ سات سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں نہیں۔ مفتیان کرام اب بھی مستفتی کو ابتداً یہی حکم دیتے ہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ کے وقت دوسرے اموال کے ساتھ "دین کو بھی شمار کر لیا کر دو۔ لیکن اس پر اگر مستفتی یہ کہے کہ "ملنے کی امید کم ہے" یا کچھ اور عذر کرے تو پھر عند القبض ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے۔ الغرض سال بسال ادائیگی کا مسئلہ بتلانا اس امر کی دلیل نہیں کہ مفتی دین کی وصولیابی سے قبل اس میں وجوب ادا زکوٰۃ کا قائل ہے۔ پس ایسے آثار سے "البلاغ" کا استدلال تام نہیں۔

حولان حول وجوب زکوٰۃ کی اجماعی شرط ہے۔ مگر امام زہریؒ سے منقول ہے کہ اگر سال مکمل ہونے سے پہلے کسی ضرورت میں مال خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اسکی زکوٰۃ ادا کر دے۔ قال الذہری "کان المسلمون یستحبون ان یخرج الدرجل زکاتہ قبل ان یستنفق^{علہ}۔ انتہی۔ جب حولان حول سے قبل ادارے زکوٰۃ کو مستحسن سمجھا جاتا ہے تو بعد الحول "دین" میں بھی ادائیگی زکوٰۃ کو اگر مستحب سمجھتے ہوں تو

اس میں کوئی بُد نہیں۔

علاوہ ازیں حضرت سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق سب آثار جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اقوال صحابہ میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

لہذا، یہ مسلک یقیناً راجح ہے۔ اور یہی مسلک حضرات ائمہ ثلاثہ (والشافعی فی قول) اور جمہور رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے کہ قرض میں نفس وجوب تو بہر حال ہے لیکن وجوب ادا قرضہ کی وصولیابی کے بعد ہی ہوگا۔

بینک اکاؤنٹس جدید قسم کا قرض نہیں گزشتہ اوراق میں قرضہ جات کی زکوٰۃ اور

اس کے دلائل کے بارے میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ قرآن، حدیث، آثار صحابہ اور اصول شرعیہ کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا کہ ائمہ ثلاثہ اور جمہور سلف کے نزدیک قرضہ جات میں زکوٰۃ کا نفس وجوب تو سال بسال ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ”وجوب ادا“ قرضہ کی وصولیابی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ ”البلاغ“ نے بینک اکاؤنٹس کو قرضہ جات کے اس حکم سے مستثنیٰ رکھنے کے لئے بڑی زور دار بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ ”بینک اکاؤنٹس“ بالکل نئی قسم کا قرض ہے۔ جس کی نظیر دور فقہاء وغیرہ میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے لہذا حضرات ائمہ و فقہاء رجب ایسے قرضوں ہی سے نا آشنا ہیں۔ تو ان کا حکم کیونکر بیان کر سکتے تھے۔ فقہاء نے قرضہ جات کی زکوٰۃ کا جو حکم بتلایا ہے۔ یہ پُرانے قسم کے قرضوں کا ہے جو ان کے دور میں پائے جاتے تھے۔

بینک کے ان جدید قرضہ جات کا حکم یہ ہے کہ وصولیابی سے پہلے ہی ان میں وجوب ادا ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے لئے ”البلاغ“ نے کوئی مستند صریح حوالہ قانون اسلامی سے پیش نہیں کیا۔

گزارش ہے کہ بینک کا عنتی نظام اور اسکی عمارات تو یقیناً جدید ہیں لیکن ”بینک اکاؤنٹس“ کو جدید قسم کا قرضہ قرار دینا صحیح نہیں۔ عہد رسالت اور دور فقہاء میں ایسے

قرضے موجود تھے۔

تفصیل آئندہ صفحات میں "خیر القرون کے قرضے" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "بینک اکاؤنٹس" کو جدید قرض جس بنیاد پر بنا یا گیا ہے اس کا بھی جائزہ لیا جائے۔

بینک اکاؤنٹس کو ایک نئی قسم کا قرضہ ثابت کرنے کے لئے جو چند وجوہ فرق بیان کی گئی ہیں ان کا حاصل صرف دو امر ہیں۔

(۱)۔ یہ مضمون ہے (۲)۔ سہل الوصول ہے جیسے الماری اور تجوری میں رکھا ہوا مال۔
 تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ بینک اکاؤنٹس ہی نہیں ہر قرض مضمون ہوتا ہے اور مستقرض بنک ہو یا اور کوئی شخص۔ وہ بہر صورت شرعاً قانوناً اس کا ذمہ دار اور اسکی ادائیگی کا پابند ہوتا ہے۔ لہذا یہ مضمون ہونا بینک اکاؤنٹس کی کوئی امتیازی خصوصیت نہیں رہا اس کا سہل الوصول ہونا، تو اس کے بیان میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ تصویر کا ایک ہی رخ پیش کیا گیا ہے۔ مناسبت ہے کہ دوسرے رخ پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اگر بعض وجوہ سے سہل الوصول ہے تو کئی لحاظ سے یہ سبب الوصول بھی ہے مثلاً ۱۔ ایام تعطیل میں وصول نہیں ہو سکتا ۲۔ ایام کار میں بھی چھٹی کے اوقات میں اسکی وصولیابی ممکن ہی نہیں ۳۔ اوقات کار میں بھی صرف محدود وقت میں رقم نکلا سکتے ہیں مثلاً بارہ بجے تک اگر چہ بینک چار بجے تک کھلا ہے ۴۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اگر اتفاقاً چیک بک پاس نہیں تو بھی رقم کا حصول بدوں شناخت و ضامن کے ناممکن ہے۔ اسکی وضاحت کے لئے یوں کہہ لیجئے کہ ایک شخص بینک سے اپنی رقم نکوانے گیا۔ لیکن وہاں پر معلوم ہوا کہ چھٹی کا وقت ہو جانے کی وجہ سے بینک بند ہو گیا۔ اس کو نام کام واپس آنا پڑا۔ دوسرے روز گیا تو بینک کو کھلا پا کر مطمئن و مسرور ہوا لیکن داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ ادائیگی رقم کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب رقم نہیں مل سکتی۔ یہ سن کر پریشان ہوا اور خالی ہاتھ واپس لوٹا۔ اس بے چارے کو رقم کی فوری اور شدید ضرورت تھی۔ رات بھر انتظار میں گزری۔ دن ہوا۔ بینک گئے تو بتایا گیا کہ آج فلاں صاحب کا یوم پیدائش ہے۔ یا دفات کی تعطیل ہے اور کل جمعہ کی چھٹی ہے۔

اب ایسے شخص کی پریشانی کا عالم کیا ہوگا۔ اس کا صحیح اندازہ مبتلی بہ کو ہی ہو سکتا ہے۔
 خدا خدا کر کے دن پورا ہوا اور رات گزری اگلے روز علی الصبح نسا ز پڑھتے ہی یہ گھر
 سے چلا کیونکہ بنک اس کے گھر سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بنک پہنچ کر یاد آیا
 کہ جلدی میں چیک بک گھر بھول آیا (شناختی کوئی بلا نہیں) اب وصولیابی سے محروم ہے
 گا مندرجہ بالا صورت میں ذرا غور فرمائیں کہ مقرض بے تاب ہے اور مستقرض کے مطالبہ پر
 عام قرضوں میں یہ صعوبتیں عموماً نہیں ہوتیں جو بینک اکاؤنٹس میں ہیں ان صعوبات موافقت
 پر مزید یہ کہ سیونگ اکاؤنٹ میں سے ایک ہفتہ کے اندر پندرہ ہزار سے زائد نہیں
 لے سکتے اگر لینا ہو تو ایک ہفتہ قبل اطلاع دینا ضروری ہے۔ اور فیکس ڈیاپازٹ جس میں
 ایک معتین مدت تک کے لئے رقم دی جاتی ہے مقررہ مدت مکمل ہونے سے پہلے اس میں
 سے یہ رقم وصول نہیں کی جاسکتی۔ اور اگر بضرورت رقم وقت سے پہلے لینا پڑ گئی تو کل
 رقم میں دو فیصد سالانہ کے حساب سے بقیہ مدت کی کٹوتی ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے ایک لاکھ
 روپے کی رقم بارہ سال کے لئے جمع کرائی دو سال بعد اس کا مکان گر گیا یا کوئی اور فوری شدید
 ضرورت پیش آگئی اور اس کو اپنی رقم بنک سے لینا پڑی تو بارہ سال میں سے دو سال
 کو چھوڑ کر بقیہ دس سالوں کی کٹوتی دو فیصد سالانہ کے حساب سے کر لی جائے گی جس کی
 مقدار بیس ہزار کے قریب بنتی ہے۔ کل رقم کا ایک خمس (پانچواں حصہ) کاٹ کر باقی چار حصے
 اس کو واپس لے سکیں گے۔ تقریباً بیس ہزار روپے اصل رقم سے کٹ گئے مگر اس سب
 کچھ کے باوجود البلاغ کا دعویٰ ہے کہ بنکی قرضہ کی وصولی متیقن ہے اور یہ قرضے ایسے
 ہی ہیں جیسے اپنی الماری میں پڑے ہوں۔ حالانکہ دوسرے عام قرضوں میں کٹوتی کا کوئی
 ظالمانہ قانون موجود نہیں۔ ایسا ظلم صرف بینک کے لعنتی نظام ہی کی خصوصیت ہے۔

الغرض تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ اگر بنک اکاؤنٹس بعض وجوہ سے سہل الوصول
 ہے تو بعض دیگر وجوہ سے سبب الوصول بھی ہے لہذا یہ دعویٰ کہ مقرض اپنی رقم جب چاہے
 فوراً بلا تخلف واپس لے سکتا ہے ”قطعاً درست نہیں۔ باقی آزادانہ تصرف میں یہ
 الماری اور تجوری میں رکھے ہوئے پیسوں کی طرح بھی ہرگز نہیں اس لئے کہ الماری
 اور تجوری میں رکھی ہوئی رقم کے حصول میں کسی قسم کی کوئی قسید نہیں۔ نہ وقت کی نہ مقدار کی۔

حتیٰ کہ اگر چاہی گم ہو جائے تو الماری اور تجوری توڑنے کا بھی یہ مجاز ہے۔ بخلاف بینک اکاؤنٹس کے کہ اس میں چیک پر دستخط ثبت کرنے کے باوجود آدمی اس کا مجاز نہیں کہ سامنے میز پر رکھی ہوئی رقم خود اٹھالے بلکہ ایسا کرنے والا قانوناً مجرم سمجھا جائے گا۔
باقی یہ تسلیم ہے کہ یہ سب کچھ انتظامی امور کے طور پر ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس سے دائن کا آزادانہ تصرف باقی رہا یا نہ رہا نیز اپنے قرضے کی وصولی میں دشواری اور تاخیر بھی ہوئی اور ایک خطیر رقم بطور جبرانہ بھی کٹ گئی۔

اب آئیے اس امر کا جائزہ لیں کہ کیا بینک اکاؤنٹس واقعی نئی قسم کا ایک ایسا قرض ہے جسکی نظیر خیر القرون اور دور فقہاء میں نہیں پائی جاتی تھی۔

ہماری گزارش ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں کہ ایسا قرض فقہاء کرام کے عہد میں موجود نہ تھا صحیح یہ ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم خیر القرون، اور دور فقہاء میں قرض کی یہ قسم موجود رہی ہے۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

خیر القرون میں ایسے قرضے کی موجودگی پر قرآنی شہادت

قرآن کریم میں ہے۔ **ومن اهل الكتاب من ان تأمنه بقنطار يؤده اليك الآية** (اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر مال کا انبار ان کے پاس رکھ دو تو وہ ادا کر دیں) تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس کسی نے بارہ سو اوقیہ امانت رکھے تھے۔ بارہ سو اوقیہ چاندی کی قیمت آجکل کے حساب سے پانچ لاکھ روپے کے قریب بنتی ہے۔ مالک کے مطالبے پر انہوں نے فوراً ادا کر دیئے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں اللہ پاک نے ان کے اس جذبہ امانت کی مدح فرمائی ہے اور ان کے اندر اس جذبہ کی موجودگی کی شہادت دی ہے۔

قرض و امانت کی تفریق اتنی موثر نہیں اصل مسئلہ جذبہ ادا و حقوق و دیانت کا ہے۔ کیونکہ اسی آیت کے اگلے جُز میں ایک دینار واپس نہ کرنے والے کی مذمت بھی مذکور ہے حالانکہ یہ دینار بھی امانت تھا۔

۲۔ جب یہودی معاشرہ جس کا بخل و بنیادیں مشہور ہے اپنی تمام تر بد اخلاقیوں

اور پستیوں کے باوجود ایسے قرض و امانت سے خالی نہ تھا۔ تو اس مسلم مثالی معاشرہ میں ایسے قرضہ جات کے وجود کو ناپید و معدوم کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ جو خلاصہ کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود سے وجود میں آیا تھا۔ پس یقیناً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسے قرضہ جات عہد نبوی میں موجود تھے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ قرضے کی واپسی سے مانع ناداری ہوتی ہے یا بخل و بد معاملگی اور حضرات صحابہؓ میں نہ بخل و عیاری ہے اور نہ حرص و مکاری کہ دوسرے کے اداء حق سے مانع بنے۔ رہی ناداری۔ سو یہ زیر بحث نہیں کیونکہ زیر بحث ایسے قرضے ہیں جو ادائیگی میں قابل اعتماد اور مالدار لوگوں پر ہوں۔ مفلس اور نادہند لوگوں پر قرضے زیر بحث نہیں۔

۳۔ صحابہ و تابعین کے سنہری دور میں کثرت صدقات کے جو واقعات تاریخ میں موجود ہیں، جس شخص کی نظر بھی ان تاریخی حقائق پر ہوگی۔ وہ قطعاً یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ اس دور کے لوگ مفت میں تو لاکھوں لٹا دیتے تھے لیکن قرضوں کی ادائیگی میں العیاذ باللہ پورے بخیل تھے کہ ان میں شاذ و نادر ہی ایسا شخص ہو جو اپنا قرض بروقت ادا کرتا ہو اور جس پر قرضخواہ کو یہ اعتماد ہو کہ جب چاہوں قرضہ وصول کر سکتا ہوں العیاذ باللہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص واقعی اس عہد کے متعلق ایسے خیالات رکھتا ہے تو وہ نہ صرف حقائق کا منہ چرچاتا ہے بلکہ اس مبارک عہد پر ایک بڑی تہمت لگا رہا ہے مناسب تھا کہ یہاں پر اس دور کی کچھ جھلکیاں پیش کی جائیں لیکن بخوف طوالت ہم انہیں اختصار کی نذر کرتے ہیں۔

۴۔ صحابہ کرام میں سے ایک جماعت کا یہ طرز عمل تھا کہ لوگ ان کے پاس امانتیں رکھنے آتے تھے۔ اور وہ بغرض حفاظت ان لوگوں سے کہتے تھے امانت نہیں قرض کر دو تاکہ بصورت ہلاک تمہارا نقصان نہ ہو مثلاً (الف) حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لوگ امانتیں رکھنے آتے۔ حضرت فرماتے امانت کی بجائے قرض کر دو جب ضرورت ہو لے لینا۔

مندرجہ بالا صورت میں قرض کی وصولی متیقن ہونے کے علاوہ یہ بھی واضح ہے کہ قرض کا محرک مستقرض نہیں بلکہ لوگ اپنے اموال بغرض حفاظت خود لاکر دیتے تھے۔

ب :- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اموال کو ہلاکت سے بچانے کے لئے انہیں اپنے ذمہ قرض کر لیتے تھے فیستسلف اموالہم لیجر زہا من الاملاک ۔ اسی صورت کے بارے میں "البلاغ" میں ہے یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس کی صورت سے بہت قریب ہے ۔ (ص ۱۵)

۵۔ قرون اولیٰ میں ایسے قرضوں کی موجودگی پر خلیفہ راشد کی شہادت

امام ابو عبیدہؓ نقل کرتے ہیں ۔ حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے ایسے قرض پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ۔ جسے تم قرضدار سے جب چاہو مطالبہ کر کے لے سکو الخ (ترجمہ کتاب الاموال ص ۱۸۲) (۶) :- وظائف بیت المال کو "البلاغ" نے دین متیقن خود تسلیم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ جس دین کی وصولیابی اتنی متیقن ہو جتنی بینک اکاؤنٹس میں ہوتی ہے ۔
۷۔ ایسی وہ تمام روایات و آثار جن میں دین کی دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں ۔

۱۔ دین متیقن ۲۔ دین مشکوک و مظنون

قرون اولیٰ میں دین متیقن کی موجودگی پر شاہد عدل ہیں ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فرمان ۔ وما کان فی دین ثقتہ فہو بمنزلۃ ما فی ایدیکم ۔ سے واضح ہے کہ اُس دور میں قرض کی ایسی قابل اعتماد صورتیں بھی تھیں جن کے بارے میں یہ کہنا صحیح تھا کہ وہ اس مال کی طرح ہے جو تمہارے قبضے میں ہے ۔ "البلاغ" میں بینک اکاؤنٹس کو بمنزلۃ ما فی ایدیکم کے قرار دیا گیا ہے اور اس جملہ کا مصداق عہد صحابہ میں بھی موجود تھا ۔ تو پھر یہ کہنا کہاں تک درست ہو گا کہ بینک اکاؤنٹس ایک بالکل نئی قسم کا قرض ہے ۔ جو فقہاء کرام کے عہد میں موجود نہیں تھا ۔

۵۔ مندرجہ بالا تقسیم دین حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ کے آثار میں موجود ہے اور تعجب ہے کہ یہ آثار خود "البلاغ" نے نقل کئے ہیں ۔ لیکن اس کے باوجود قرون اولیٰ میں "دین متیقن" کے وجود سے انکار ہے ۔ نیا للعجب ۔ بلکہ ان آثار سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ "قرون اولیٰ" میں یہی قسم اغلب اکثر تھی کیونکہ ان تمام آثار میں پہلے نمبر پر اسی "دین متیقن" ہی کا ذکر کیا گیا ہے ۔

دورِ فقہاء میں بھی موجود تھا: خیر القرون کے بعد حضرات فقہاء کرامؒ

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرامؒ عبارات کے علاوہ عنوانات تک میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ امام ابو عبیدہؒ نے کتاب الأموال میں بیانِ مذہب کے لئے یہ عنوان قائم کیا ہے۔ قرض دینے والے (مقرض) پر زکوٰۃ ادا کرنے کے سلسلے میں مختلف اقوال وہ قرعے جو قابلِ اعتماد لوگوں پر ہوں اور انکی وصولی کی اُمید ہو۔ (کتاب الأموال ص ۱۸۳ ج ۲)

اسی کتاب میں اگے چل کر ص ۱۸۸ پر اپنے نزدیک ایک مشرط مسئلہ بیان کرتے ہوئے اسکی شرط کا یوں ذکر کرتے ہیں۔ بشرطیکہ قرض آسودہ مالوں اور بھروسہ والوں پر ہو کیونکہ اندریں صورت اس مال کی حیثیت ہاتھ یا گھر میں موجود مال کی سی ہو جاتی ہے۔ امام ابو عبیدہؒ کی یہ عبارات واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ حضرات فقہاء کرام کے دور میں ایسے

قرضہ جات موجود تھے جو با اعتماد لوگوں پر ہونے اور مرجو الوصول ہونے کی وجہ سے بمنزلہ اس مال کے ہوں جو گھر میں موجود ہوتا ہے اور قرضوں کی زکوٰۃ کے احکام لکھتے وقت ایسے قرضے فقہاء کرام کے پیش نظر تھے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک دین کی زکوٰۃ میں وجوب اداء قبضہ کے بعد ہوتا ہے۔ البتہ امام شافعیؒ اپنے دوسرے قول میں ائمہ ثلاثہ اور جمہور سے اختلاف کرتے ہوئے قبل القبض وجوب ادا کے قائل ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ دین جس میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے ایسا دین ہے جو "مقر"۔

"حسن معاملہ" میں اچھی شہرت کے مالک، دولت مند شخص پر ہو۔ بنا بریں اس دین کی وصولیابی اور اس میں تصرف پر دائن کو پوری قدرت حاصل ہو کہ جب چاہے وصول کر سکے اور سہل الوصول ہونے کے اعتبار سے یہ دین مثل ودیعت کے ہو۔ حضرت شاہ

ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس دین کے بارے میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔ "الدین الحال علی ملء وخت الخ (ادجز ص ۱۷۳) ابن قدامہ نے اسی دین سے متعلق لکھا ہے "دین علی معترف بہ باذل لہ" اور آگے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اور انکی دلیل نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قال.... الشافعی.... علیہ اخراج الزکوٰۃ

فی الحال وان لم یقبضہ لانہ قادر علی اخذہ والتصرف فیہ فلزمہ اخراج

الزکوٰۃ فی الحال وان لم یقبضہ لانه قادر علی اخذہ والتصرف فیہ فلزمہ
اخراج زکوٰۃہ کالودیعة.... (ادب صبیحہ ۱۴۲)

مندرجہ بالا تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ امام ابو حنیفہ، امام مالک،
امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین کے زمانہ اور دور فقہاء میں ایسے دیون موجود
تھے جو بقول "البلاغ" دین متیقن میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔

الغرض؛ البلاغ میں بینک اکاؤنٹس کے جو خصوصی اوصاف شمار کئے گئے ہیں اور
جن کی بنیاد پر ہی بینک اکاؤنٹس کے متعلق نئی قسم کا قرض ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ
سب کے سب خیر القرون اور دور فقہاء کے دیون میں موجود نظر آتے ہیں۔ مثلاً وصولی
پر ہر وقت قدرت تصرف پر بھی اختیارات اور تصرف پر کامل قدرت ہونے کی وجہ سے
امانت کے ساتھ مشابہت، با اعتماد جگہ پر ہونے کی بنا پر وصولی بانی کا یقین اور تقدیراً
ایسا ہونا جیسے اپنے قبضے میں ہے۔ "بمنزلتہ ما فی ایدیکم، او غیر ذلک۔"
تقریباً وہی الفاظ ہیں، جو البلاغ میں "بینک اکاؤنٹس کی مدح سرائی کے لئے استعمال
کئے گئے ہیں۔ اور بالکل انہی صفات کی بناء پر امام شافعی رحمہ اللہ اس قسم میں قبل
القبض "وجوب ادا" کے قائل ہوئے ہیں۔ اور یہ اس قسم کے قرض کی، اس عہد میں موجودگی
پر بین دلیل ہے لیکن اس کے موجود ہونے کے باوجود جمہور حضرات ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ
خصوصاً ائمہ احناف اس میں قبل القبض "وجوب ادا" کے قائل نہیں ہوئے۔ اور
خود امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی حضرات جمہور کے موافق ہے۔

تفصیل بالا سے ثابت ہوا کہ "بینک اکاؤنٹس" قطعاً جدید قسم کا قرض نہیں۔ اور
یقیناً "قرض" ہے۔ اور اس نوعیت کے دیون قرون اولیٰ اور دور فقہاء میں پوری
شہرت کے ساتھ موجود تھے۔

بلکہ اس گزریے زمانہ میں بھی اسکی بکثرت نظیریں موجود ہیں۔ اگرچہ غلبہ دوسری
نوع کا ہے۔

نیز البلاغ میں "بنک اکاؤنٹس" کو جدید قسم کا
عملی چھپدگیاں : قرض ثابت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ...

اگر بنک اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کے دہبہ ادا کے لئے دوسرے دیون کی طرح ان کے
 نقد ہونے کی شرط لگائی جائے تو اس سے اتنی عملی چھپدگیاں پیدا ہوں گی کہ زکوٰۃ کی
 ٹھیک ٹھیک ادائیگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ پھر امام ابو عبیدہ رحمہ اللہ کی ایک عبارت میں استفادہ کے
 بارے میں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "بنک اکاؤنٹس" کے بارے میں تو اس قسم کا حساب
 کتاب تقریباً ناممکن ہے۔

عملی چھپدگی کا عذر بھی معقول نہیں اور مال استفادہ پر قیاس بھی
گذارش : قیاس مع الفارق ہے۔ اس لئے کہ مال استفادہ کی ادائیگی زکوٰۃ ائذ

سال ہوگی۔ وصولی دین کے بعد فوری ادائیگی ہے۔ اس تاریخ کو سال تک محفوظ رکھنے کی
 قطعاً کوئی حاجت نہیں۔ مزید سہولت کے لئے اپنے طور پر ہفتہ، عشرہ، مہینہ، دغیزہ کی مدت
 مقرر کی جاسکتی ہے کہ ان ایام کی جتنی وصولی ہوگی اسکی ایک بار ہی زکوٰۃ نکال دی جائے
 گی۔ فوری ادائیگی اموال نقد میں بھی ضروری نہیں ہوتی حساب کر لیا جاتا ہے پھر ادائیگی
 حسب مصلحت ہوتی رہتی ہے اس کے لئے مزید کسی کلرک یا منشی کے رکھنے کی ضرورت
 نہیں۔ بینک سے برآمد ہونے والا ایک ٹیڈی پیسہ بھی چیک بک میں محفوظ ہوتا ہے۔
 زکوٰۃ ادا کرنی ہو یا نہ۔ کافر ہو یا مسلمان۔

باقی رہی یہ بات کہ نسبتاً اس میں تکلف ہے تو گزارش ہے کہ جب بھی کسی ضابطے کی
 پابندی کی جائے گی کچھ نہ کچھ تکلف تو ہوگا ہی۔ کیا یہ تکلف ساعی کے زکوٰۃ وصول کرنے
 کے تکلف سے بھی زیادہ ہے؟ چھ کھیتوں اور جنگلوں میں مارا مارا گھومنا پڑتا ہے۔
 وجوب ادا کا تعلق بینک سے برآمد کی جائیوالی رقم کے ساتھ ہے بینک میں داخل
 کی جائیوالی کے ساتھ نہیں خواہ دن میں ستر تیرہ بھی داخل کر لئے۔ چیک بک اور رجسٹرات
 میں نہ ہی یہ رقمیں خلط ہوتی ہیں۔ لہذا رقم جمع کرنے کی بات کرنا موضوع سے غیر متعلق ہے
 لہذا معلوم ہوا کہ "بنک اکاؤنٹس" صرف اور صرف عام قرض ہے اور مسلک جمہور
 کے مطابق اس میں حساب و کتاب رکھنا کوئی ناممکن نہیں۔

”احکام قرض کے نفاذ سے گریز“

بنک اکاؤنٹس کو قرض تسلیم کرنے کے بعد اس پر احکام قرض کا نفاذ ضروری ہے یعنی قرض دینے والے کے ذمہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا وجوب وصولیابی کے بعد ہو۔ مگر افسوس کہ ”الربلاغ“ نے بنک اکاؤنٹس کو (بزعم خویش) نئی قسم کا قرض ایجاد کرنے کی بنا پر ”کتب فقہ“ میں موجود تقریباً جملہ مسلم احکامات پر عمل سے گریز کیا ہے اور اپنے موقف کو فقہاء کرام کے بیان کردہ مسلمہ ضابطوں کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے بذاتِ خود آثار و روایات سے استدلال شروع کر دیا۔

اسی ضمن میں جب دعویٰ کیا گیا ہے کہ حکومت کو مکمل اختیار ہے کہ بنک اکاؤنٹس سے (بادجوڈیک) وہ مدیون ہے) زکوٰۃ کاٹ لیا کرے تو اس پر عرض کیا گیا کہ زکوٰۃ فرض ایک (دائن) پر ہے اور وصول دوسرے (مدیون) سے کی گئی تو اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ”اگر دین متیقن ہو“ جیسے بنک اکاؤنٹس کا ہے۔ تو حکماً دائن کا قبضہ قرار دے کہ مدیون سے زکوٰۃ لیجا سکتی ہے۔ پھر اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک اثر سے استدلال کیا ہے کہ تنخواہ لینے والا یہ بتاتا کہ اس کے پاس ایسا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ جو تنخواہ اُسے دینا چاہتے تھے اس میں سے زکوٰۃ کاٹ لیتے تھے گزارشے : یہ اثر ”کتب فقہ“ میں لکھے گئے احکام قرض کے متعلق قطعاً نہیں۔ اور نہ ہی فقہاء سے یہ اثر پوشیدہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فعل دینے والے کی مکمل رضامندی اور موجودگی میں ہوتا تھا۔ ہم پیچھے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں کہ صدرِ اول میں ”نظام زکوٰۃ طوع پر مبنی تھا۔ طوع سے ادائیگی محل نزاع نہیں زیر بحث امر یہ ہے کہ کیا اس میں جبر و اکراہ درست ہے یا نہیں۔

”وصولی زکوٰۃ کا نظام طوع و رغبت پر مبنی تھا“

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین صدقِ دل سے اسلام لائے۔ صحبتِ نبوی سے ایمان دلینے ان کے قلوب کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔ قال تعالیٰ اُولَئِكَ الَّذِيْنَ كَتَبَ

فی قلوبہم الایمان وایدہم بروح منہ۔ الآیۃ

حضرات صحابہ و تابعین کے بارے میں ان کے اخلاص و صداقت پر قرآنی شہادتوں کے بعد ہمارا غیر متزلزل یقین ہے کہ یہ حضرات ارکانِ اسلام، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ کامل طوع و رغبت اور بشارتِ قلبی سے کرتے تھے۔ عہدِ صحابہ کا منظر جس کے سامنے ہوئے یہ حقیقت تسلیم کے بغیر چارہ نہیں کہ اس مبارک اور مثالی دور میں جس طرح ”نظامِ صلوات“ جبر و اکراہ پر مبنی نہ تھا اسی طرح یہ نظامِ زکوٰۃ بلکہ نظامِ جہاد بھی اکراہ و جبر پر مبنی نہ تھا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنی جان کی قربانی پوری رضا و خوشی سے پیش کرتے تھے عیسائی سفیر کے یہ الفاظ یاد ہوں گے۔ ”الموت عندہم احلی من شرب الخمر“ ایک صحابی رگِ جاں پر بڑچھا کھا کر کہتے ہیں ”فزت ورب اللعبۃ“ جن حضرات کی تاریخ یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ”جان“ کا ”نذرانہ“ بھی اس خوشی سے پیش کرتے ہوں ان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جا سکتی کہ وہ فریضہٴ زکوٰۃ کی ادائیگی کسی حکومتی ”جبر و اکراہ“ کے تحت کرتے ہوں گے۔ قرونِ ثلثہ میں جبری کٹوتی کا شاید ایک واقعہ بھی پیش نہ کیا جاسکے۔ پس جبری کٹوتی وغیرہ کے لئے اثر صدیقی وغیرہ ہے استدلالِ درست نہیں۔

علاوہ ازیں، ہمیں تعجب ہے کہ اثرِ مذکور کو اپنے دعویٰ کی دلیل کیسے بنایا گیا حالانکہ فقہاء نے قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ”ادائیگی بوزکوٰۃ کے وقت مالک کا موجود ہونا درجہ شرط میں ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اموالِ ظاہرہ میں اگر ساعی نے مالک کی عدم موجودگی میں مقدارِ زکوٰۃ وصول کر لی تو ادا نہ ہوگی۔ علامہ کا سنی فرماتے ہیں : ”وہنا ظہور المال و حضور المالك“ اور مذکورہ اثر صدیقی میں بھی یہی کچھ ہوا کہ زکوٰۃ حاضر مالک سے وصول کی گئی بخلاف بینک اکاؤنٹس کے کہ اس میں مالک کی موجودگی تو کجا شاید اس کو خبر بھی نہ ہوتی ہو۔ نیز یہ اصول کہ دینِ معین میں تقدیراً ”دائن کا قبضہ قرار دے کر زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے۔ فقہ کے بے شمار مسلمہ ضوابط کے خلاف ہے۔

① مسئلہ متون میں مقرر ہے، حاضر (دائن) کا قبضہ بھی — بدولتِ تجاہد کے معتبر

نہیں چر جائیکہ غائب کا۔

(۲) اسی طرح متون میں ہے کہ "اگر دائن غائب ہو اور اس پر کچھ حقوق واجب ہوں تو اصحاب حقوق مدیون سے علی الإطلاق اپنے حقوق براہ راست وصول کرنے کے مجاز نہیں اور ان کے اس استدلال کو قبول نہیں کیا جائے گا کہ مدیون چونکہ نہایت شریف آدمی ہے دائن کے مطالبہ پر فوراً اس کا دین ادا کر دیتا ہے لہذا مال مدیون اب دائن کے قبضہ و ملک میں آچکا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے حقوق وصول کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔"

(۳) مستنبط اصول کا مقتضی تو یہ ہے کہ جو حقوق بھی دائن پر واجب ہیں مدیون دین اجازت و رضا ردائے سب میں اس کا مال خرچ کرے پھر تو یہ مدیون نذرہ بلکہ دلیل بن گیا۔ علاوہ ازیں یہ فرمان کہ دین متیقن کے قبضے سے پہلے ہی اس سے زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔

دین متیقن کی قید سمجھ میں نہیں آتی۔ مدیون اگر دائن کی طرف سے بغیر اسکی اجازت کے مال خرچ کرے اور دین میں سے وضع کرے تو مدیون کا یہ تصرف اگر دین متیقن میں معتبر ہو سکتا ہے اور اسے دین میں سے وضع کرنے کی اجازت ہے تو دین غیر متیقن میں مدیون کو اس تصرف کی کیوں اجازت نہیں؟ وجہ فرق دلیل شرعی کے ساتھ مطلوب ہے۔ علاوہ ازیں اسکی وضاحت بھی ضروری ہے کہ دین متیقن کی تعریف کیا ہے؟ کیا صرف بینک اکاؤنٹس اور حکومتی وظائف ہی اس کے ضمن میں آتے ہیں یا کوئی دوسرا دین

بھی اس میں داخل ہو سکتا ہے؟ اگر یہ دین متیقن صرف انہی دو میں منحصر ہے تو حضرت ابن عمر پر تیامی کا جو دین تھا، وہ دین متیقن میں کیسے داخل ہو گیا اگر ثقاہتہ ابن عمرؓ کی بنا پر ان کے ذمہ واجب الادا دین کو دین متیقن قرار دیا جاسکتا ہے تو دیگر حضرات صحابہ خلفاء راشدین۔ ابن مسعودؓ، ابو عبیدہؓ، امین ہذہ الامۃ اور حضرت زبیرؓ جیسے حضرات کے ذمہ جو دیون ہیں یہ دین متیقن کا مرتبہ کیوں حاصل نہیں کر سکے؟ اگر یہ سب دیون انتہائی قابل اعتماد حضرات کے ذمہ ہونے کی وجہ سے دین متیقن کے ذیل میں شمار کئے جاسکتے ہیں تو بینک کی کیا خصوصیت رہی؟ براہ کرم اسکی بھی وضاحت ہونی چاہیے۔ دین مدیون کا مملوک اور حقیقتاً اس کے قبضے میں ہوتا ہے اس پر صرف دائن کا تقدیری قبضہ کر دینے سے کیا مدیون کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی خواہش

کے مطابق دائن کے ذمہ واجب ادائیگیوں میں خرچ کر کے اور دین میں سے وضع کرتا رہے۔ مثلاً دائن نے کسی کو قرضہ دینا ہے یا دائن نے کسی سے سودا کیا ہوا ہے یا اس کے ذمہ کوئی اخراجات واجب ہیں تو کیا براہ راست بغیر رضامندی دائن کے اسے ان ادائیگیوں کا اختیار ہے؟ ہرگز نہیں!

تقدیری قبضہ: اس کی بھی تعریف ہونی چاہیے کہ تقدیری و حکمی قبضہ کیا ہے؟ اہل علم کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دین پر وصولی سے قبل دائن کا نہ حقیقی قبضہ ہے، اور نہ حکمی قبضہ ہے۔ حقیقی قبضہ کا انتفاء تو ظاہر ہے حکمی قبضہ بھی نہیں۔ کیونکہ مالک کا حکمی قبضہ اس مال میں تصور کیا جاتا ہے جس میں حقیقی قابض کو اپنی رائے سے آزادانہ تصرف کی اجازت نہ ہو جسے و ذلیعت۔ اور جس مال میں قابض کو آزادانہ تصرف کے اختیارات ہوں۔ اس مال پر حقیقی اور حکمی قبضہ اس قابض کا ہی تصور کیا جاتا ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ بینک اکاؤنٹس میں بینک اپنی صواب دید کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ کھاتہ دار کی جزوی اجازت کا محتاج نہیں۔ تو دین خواہ کسی بھی قسم کا ہو صرف مدیون ہی کے حقیقی اور حکمی قبضہ میں ہوتا ہے۔ اس پر دائن کا حکمی قبضہ قرار دینا۔ دلائل کی روشنی میں درست نہیں۔

حضرات فقہاء نے عبد ماذون کی کمائی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مولیٰ کی مملوک ہے "کسبہ لمولا"۔ لیکن مولیٰ جب تک عبد ماذون سے وہ مال وصول نہ کر لے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں۔ کیونکہ یہ مال غلام کے قبضہ میں ہے۔ اس مال پر مولیٰ کا حقیقی اور حکمی دونوں قسم کا قبضہ منتفی ہے حالانکہ عبد ماذون کی کمائی مولیٰ کے تصرف کے لحاظ سے دین کے نسبت زیادہ اقرب ہے۔ مولیٰ جب چاہے بلا کسی دستاویزی تحریر یا شہادت کے براہ راست اس کے مال پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اور دین میں یہ ضروری ہے چنانچہ الحجر الائن ص ۲۱۸ میں ہے۔

والا صح انہ لا يلزمه الاداء قبل الاخذ لانه مال تجرد عن
يد المولى لان يد العبد يد اصاله عن نفسه لا يد نيابة عن المولى
بدليل انه يملك التصرف فيه اثباتا وازالة فلم تكن يد المولى ثابتة

عليه حقيقة ولا حكماً فلا يلزمه الاداء ما لم يصل اليه كالديون
ولا كذلك الوديعة انتهى.....

حکم زکوٰۃ کے بارے میں مال ماؤن کو دیون پر قیاس کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ
دیون پر دائن کا نہ حقیقی قبضہ ہوتا ہے نہ حکمی۔ ورنہ دیون کو مقیس علیہ بنانا صحیح نہیں۔ دائن
کے فرضی اور تقدیری قبضہ سے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مال (دین) دیون کی ملک سے
نکل کر دائن کی ملک میں داخل ہو گیا ہے۔ چہ جائیکہ حضرات فقہاء نے دائن کے قبضہ
تقدیری اور حکمی کی بھی نفی کر دی ہے کہ دائن کا یہ قبضہ بھی نہیں ہوتا۔
پس — اصل سوال باقی رہا کہ دیون اپنے مال میں سے دائن کی زکوٰۃ اجازت کے
بغیر ادا نہیں کر سکتا۔ نیز البلاغ میں ہے :

”اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہما وغیرہ کے اس عمل کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :

وفيه دلالة على انهم كانوا ياخذون زكوة العطاء لكونه ديناً
مستحقاً على بيت المال والا لم يكن لاخذ الزكوة منه معنى“

گزارش ہے کہ مذکورہ بالا عبارت ”البلاغ“ دو وجہ سے مخدوش ہے۔

اقراراً : بایں وجہ کہ حضرت صدیق اکبر کا یہ طرز عمل اعلاء السنن (ج ۲۳) میں

اس مقام پر مذکور نہیں۔ لہذا حضرت صدیق اکبر کا نام ذکر کرنا صریح تسامح ہے۔

ثانیاً : اس لئے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق بلا تردید یہ نقل کرنا۔

كانوا ياخذون زكوة العطاء — قابل اعتراض ہے کیونکہ وہ حضرات زکوٰۃ

عطا وصول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مال کی زکوٰۃ جو کہ گھر وغیرہ میں رکھا ہوتا

تھا۔ اس مال کی زکوٰۃ عطا میں سے وصول کرتے تھے۔ چنانچہ البلاغ ”میں بھی اسے

تسلیم کیا گیا ہے لکھتے ہیں :

”حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا

طرز عمل تو یہ تھا کہ وہ تنخواہیں جاری کرتے وقت ان اموال کی زکوٰۃ تنخواہوں کے

وصول فرمالتے تھے۔ جو تنخواہ دار کے گھر، دکان یا کسی دوسرے مقام پر اسکی

بلکیت میں ہوتے تھے۔“

پس اس تحقیق کا علم ہوتے ہوئے ایک خلاف تحقیق عبارت سے استدلال کرنا قابلِ تعجب ہے۔ خصوصاً جبکہ اقباس بالاکے متصل پہلے اثر صدیق رضی اللہ عنہ "البلاغ" ہی میں مذکور ہے جس میں زکوٰۃ عطار کی وصولی موجود نہیں۔

”اثر ابن عمرؓ سے استدلال درست نہیں“

بعض حضرات نے اپنے مذکورہ دعویٰ کی دلیل میں اثر ابن عمرؓ سے استدلال کیا ہے۔ ان حضرات نے اس اثر سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

ابن عمرؓ اپنے زیر کفالت یتامی سے مال قرض لے لیتے تھے۔ پھر باوجودیکہ مدیون ہوتے تھے مگر ان کی طرف سے دین کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس سے بہت قریب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دین متیقن کو تقدیراً "دائن" کے قبضہ میں قرار دیکر اس سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

گزارش یہ ہے کہ :

اولاً : تو مذکورہ بالا اثر کا زیر بحث مسئلہ "کہ بینک اکاؤنٹس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں" سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عمرؓ یتامی کے شرعی ولی ہیں جن یتامی کے مال میں بیع و شرا، اجارہ، وصولی محصولات، نفقہ اقارب وغیرہ کے جیسے اختیارات حاصل ہیں۔ ان کے ذمہ جیسے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح زیر کفالت یتامی کے مال سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے حتیٰ کہ یتیم کی نیت کی بھی حاجت نہیں بلکہ ولی کی نیت ہی کافی ہے۔

ثانیاً : نابالغ پر زکوٰۃ کے نفس وجوب ہی میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے اخاف کے نزدیک نہیں۔ قال فی الاوجز ص ۱۶۷ : اختلف اهل العلم فی هذا الباب فرأى غير واحد من اصحاب السنن صلى الله عليه وسلم في مال اليتيم زكاة منهم عمر وعلي وعائشة وابن عمر وبله يقول مالك والشافعي واحمد واسحق وقالت طائفة من اهل العلم ليس في مال اليتيم

زکوٰۃ و بہ قال سفیان الثوری و عبد اللہ بن المبارک قال العینی و بہ قال ابو حنیفہ
و اصحابہ الی ان قال و حکى عنه اجماع الصحابة -

پھر جن کے نزدیک واجب ہے وہ حضرات بھی نابالغ کو اس کا مکلف نہیں بناتے
بلکہ اس کے ولی کو مکلف بناتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ زکوٰۃ نکالے چنانچہ مغنی میں
ہے : **والصبي والمجنون يخرج عنهما وليهما -**

آگے چل کر لکھتے ہیں :

”فكان على الولي اداؤا عنهما كنفقة اقاربه وتعتبر

الولي في الاخراج -“

پس ولی کے ذمہ ان دونوں کی طرف سے ادائیگی واجب ہے۔ نفقہ اقارب کی طرح
اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے خود ولی ہی کی نیت کا اعتبار ہے۔ یتیم کی نیت بھی ضروری
نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن حضرات کے نزدیک نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے
ان کے نزدیک وجوب ادا علی الولی ہے خواہ وہ نابالغ کا مدیون ہو یا نہ ہو۔ اگر
مدیون ہو بھی یہی تب بھی یہ وجوب ادا من حیث الولی ہو گا۔ نہ کہ من حیث المدیون۔
ورنہ تو لازم آئے گا کہ اگر ولی مدیون نہ ہو تو پھر ان حضرات کے نزدیک بھی وجوب ادا
علی الولی نہ ہو تو پھر گویا وجوب ادا کی علت مدیون ہونا قرار پایا نہ کہ دلالت۔ و هذا
باطل۔۔۔۔۔ اب مذکورہ گزارش کی روشنی میں ”اشرا بن عمرؓ“ پر غور کیجئے۔ تو
داصح ہو جائے گا کہ وہ اپنی پردریش میں یتامی کی زکوٰۃ من حیث الولی نکالتے تھے جس کا
اخراج (ان کے ملک کے مطابق) بہر حال ان پر واجب تھا۔ باقی رہا یہ فرمان کہ یہ صورت
موجودہ بینک اکاؤنٹس سے بہت قریب ہے۔ شکر ہے کہ موصوف کو بینک اکاؤنٹس کی نظیر
مل گئی۔ ورنہ ابتداءً دور اول میں اسکی نظیر ملنے کا ہی انکار کر دیا تھا۔

باقی رہا یہ فرمان کہ دین متیقن کو تقدیراً دائن کے قبضہ میں قرار دے کر اس کے زکوٰۃ
ادا کی جاسکتی ہے۔ یہ درست نہیں۔ ویسے اس کے متعلق مفصل کلام گزر چکا ہے۔

”البلاغ“ میں بینک سے کٹوتی زکوٰۃ کے لئے مالک کی نیت

نیت کی بحث : کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے نفس وصولی اور کٹوتی کو مالک کی

نیت کے قائم مقام قرار دیدیا گیا تھا۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث ملاحظہ ہو۔
 جملہ عبادات کی صحت کے لئے نیت ضروری ہے۔ زکوٰۃ بھی ایک عبادت ہے اسکی
 صحت ادا نیت مالک پر موقوف ہے۔ درمختار میں ہے۔
 "وشرط صحة ادا ثمانیة مقارنته له اداء الخ" ^{۱۴}
 ہدایہ میں ہے۔

"ولا يجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیة مقارنته"
 زکوٰۃ کے لئے اشترط نیت کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
 "کان الزکوٰۃ عبادة فکان من شرطها النیة"^{۱۵}

عنا یہ میں ہے :

"کان الزکوٰۃ عبادة فلا بدلها من نیة الخ" (صفحہ مذکور)

علامہ کاسانی صاحب البدائع لکھتے ہیں :

"اما الذى يرجع الى المؤدى فنیة الزکوٰۃ۔ آگے چل کر فرمایا : "لان
 الزکوٰۃ عبادة مقصودة فلا تتأدى بدون النیة كالصوم والصلوة الخ"
 صحت عبادات کے لئے نیت کا وجود ایک اجماعی شرط ہے۔ علامہ ابن رشد مالکی لکھتے
 ہیں : "اختلف علماء الامصار هل النیة شرط فى صحة الوضوء ام لا
 بعد اتفاقهم على اشترط النیة فى العبادات لقوله تعالى وما
 امرؤ الا لیعبدا والله مخلصین له المدين ولقوله صلى الله
 علیه وسلم انما الاعمال بالنیات الخ (تعلیق صبیح)" ^{۱۶}

علامہ ابن نجیم نے بھی صحت ادا سے زکوٰۃ بلکہ تمام عبادات مقصودہ میں نیت کو اجماعی
 شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ کتاب الزکوٰۃ میں لکھتے ہیں :

"وهی (النیة) شرط بالاجماع فى العبادات کلها المقاصد"^{۱۷}

فقہائے کرام کی ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عام

حالات میں زکوٰۃ کی ادائیگی بدون نیت مالک شرعاً صحیح نہیں خواہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ ہو یا اموال باطنہ کی۔ کیونکہ یہ دونوں قسمیں مطلق زکوٰۃ کا فرد ہیں۔ اور عبادات مقصودہ میں سے ہیں۔ (الف) :- اسی فقدان نیت کی بنا پر ترکہ میں سے بدون وصیت میت زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی۔ بحر میں ہے :

”لومات من علیہ الزکوٰۃ لا توخذ من ترکته لفقده شرط صحتها وهو النية“^۱

(ب) :- اگر خود فقیر یا تھ بڑھا کر مال اٹھا لے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ بدائع میں ہے :

”لو هتديدا واخذة من غير اداء من عليه لا تسقط عنه الزکوٰۃ“

حضرات ائمہ و فقہائے کرام کی ان واضح تصریحات کی روشنی میں جب ہم بینک کاؤنٹرز سے کثرتی زکوٰۃ پر غور کرتے ہیں تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ بدون رضا مندی مالکان کے لئے شرعاً زکوٰۃ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ اور صحت عبادات کے لئے بنیادی اور اجتماعی شرط نیت مالک اس میں مفقود ہے جس پر زکوٰۃ کا زکوٰۃ اور عبادت بنا موقوف نما۔ پہلے ہم بکھ آئے ہیں زکوٰۃ سرکاری ٹیکس نہیں بلکہ رکن اسلام اور اہم ترین عبادات مقصودہ میں سے ہے۔ ٹیکس میں صرف تحصیل مال مقصود ہوتی ہے اور عبادات میں ایسا نہیں۔ اہل علم پر مخفی نہیں کہ اس وقت زیر بحث عام حالات میں سرکاری وصولی زکوٰۃ کا مسئلہ ہے حالت انکار و امتناع مالک کا نہیں لیکن ابلاغ میں اجتماعی شرط نیت کو کالعدم قرار دینے کے لئے جتنی عبارات پیش لی گئی ہیں وہ سب کی سب متمنع کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ ان عبارات کے الفاظ ان کے متمنع سے متعلق ہونے پر صراحتاً دلالت کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

”لو امتنع عن زکوٰۃ ماله واخذها الامام كرهاً“ الخ (بحر و شامی)

”ياخذها الامام قهراً“ - (مغنی) - ”زکوٰۃ المستنع“ (نہایۃ المحتاج)

کہ اگر کوئی شخص حکومت کے مطالبہ کے باوجود ادائیگی زکوٰۃ نہیں کرتا۔ تو آخری اور انتہائی اقدام کے طور پر اس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اور اس صورت میں نیت سلطان کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ ”لیکن“ جو مسئلہ ہمیں درپیش ہے اور جو صورت

ہمارے زیر بحث ہے وہ ایسی نہیں۔ اس میں حکومت کی طرف سے محصل بھیج کر ادائیگی
 زکوٰۃ کا کوئی نجی و انفرادی مطالبہ پایا گیا اور نہ ہی عوام الناس نے ادائیگی زکوٰۃ سے انکار
 کیا تو اندرین حالات امتناع سے متعلقہ جزیات استدلال کرنا بے سود ہے مفید مدعا نہیں۔

قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت شدہ شرط
جزئیہ شامی پر بحث : کو سا قظ کرنے کے لئے "السبلاغ" مشالہ

میں شامی کا ایک جز یہ پیش کیا گیا ہے۔ جو زیر بحث صورت سے غیر متعلق ہونے کے علاوہ
 متفق علیہ بھی نہیں۔ کیونکہ یہ جزئیہ متمنع کے بارے میں ہے اور بحث عام حالات کے
 بارے میں ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرے متعدد جزیات موجود ہیں۔ جن سے معلوم
 ہوتا ہے کہ ساعی امتناع مالک کی صورت میں بھی جبراً زکوٰۃ وصول نہیں کرے گا۔ اور اگر
 وصول کر لے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ بحر میں ہے۔

"لو امتنع من ادائہا فالساعی لا یؤخذ منه کرہاً ولو اخذ لا یقع

عن الزکوٰۃ لکونہا بلا اختیار و لکن یجبرہ بالحبس لیؤدی بنفسہ۔"

علامہ ابن نجیم نے بحوالہ جمع مزید نقل کیا ہے۔

"ولا ناخذہا من سائتہ امتنع ربہا من ادائہا بغیر رضاہ بل نامرہ لیؤدیہا

اختیاراً۔" در مختار میں ہے : ولو اخذھا الساعی جبراً لم تقع زکوٰۃ
 لکونہا بلا اختیاراً لکن یجبرہ بالحبس لیؤدی بنفسہ۔"

نیز شامیہ کا یہ جز یہ خلاف اصول بھی ہے اسی لئے صاحب قنیہ نے اس پر عدم

نیت کا شبہ ظاہر کیا ہے۔ اور حضرات فقہاء نے اس شبہ کو برقرار رکھا ہے۔ علامہ شامی نے
 نے اگرچہ اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن انہیں خود اپنے جواب میں تردید اور تامل
 ہے جیسا کہ جواب کے آخر میں لفظ "تامل" کہنے سے ظاہر ہے۔ علامہ شامی کے الفاظ

یہ ہیں : قلت قول الکرخی مقام اخذہ الخ یصلح جواباً تامل : نیز اس کو علامہ ابن نجیم نے ضعیف

قرار دیا ہے۔ فما ذکرہ القاضی الا سبجابی ان من امتنع عن ادائہا اخذھا الامام کرہاً

ودضعھا فی اہلہا و تجزیہ لان للامام ولایۃ اخذھا فقام اخذہ مقام دفع المالك باختیارہ

ضعیف الاشباہ والنظائر ج ۳ ص ۳۰۰۔

جس جواب میں خود علامہ شامیؒ کو تامل ہے۔ اسے بتلاتا ہے کہ قبول کیا جاسکتا ہے علاوہ ازیں یہ جزئیہ زیر بحث صورت پر منطبق بھی نہیں۔ جزئیہ سے حضور مالک مفہوم ہوتا ہے کہ حاضر مالک سے زکوٰۃ لی گئی تو یہ حکم ہے اور کھڑی بنیک میں مالک غائب ہے اس کی عدم موجودگی میں ہی از خود اس کے کھاتے سے زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے۔ حالانکہ حضرات فقہاء نے حضور مالک کو سرکاری وصولی کے لئے شرط قرار دیا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

صحت ادا نئے زکوٰۃ کے لئے نیت، جو ایک اجماعی شرط تھی اس کو ساقط کرنے

الحاصل: کے لئے ایسے خلاف اصول، اختلافی جزئیہ کا ہمارا لیا گیا ہے۔ جو زیر بحث صورت سے غیر متعلق ہونے کے علاوہ اس پر منطبق بھی نہیں۔ خلیتاً صل۔ بظاہر ایسی کفر بنیاد پر کسی اجمالی شرط کو ساقط کرنا مناسب نہیں۔

ابتداءً جبری کھڑی کسی مال سے بھی نہیں ہو سکتی۔ اور بصورت

تطبيق واصل: امتناع شرع میں جس وغیرہ کے ذریعے ادائیگی پر مجبور کیا جائے

اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو جبری وصولی سے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اموال باطنہ کی پھر بھی ادا نہ ہوگی۔ دونوں قسم کے جزئیات میں تطبیق کی یہ ایک صورت ہے جو اصول کے مطابق ہے۔ آخری درجہ میں جبری وصولی ایک استثنائی صورت ہے۔

(سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) البلاغ نے یہ

البلاغ کا دعویٰ: دعویٰ بھی کیا ہے: کہ،

”جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو ہے ان میں حکومت کی

وصولی کا نیت کے قائم مقام ہونا ائمہ اربعہ کے نزدیک مسلم ہے۔“ الخ

البلاغ کا یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے کیونکہ اس عموم کے ساتھ یہ قائم مقامی ائمہ اربعہ تو کجا کسی امام کے نزدیک بھی مسلم نہیں۔ البلاغ میں اس عمومی قائم مقامی پر کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی گئی۔ اسی سلسلہ میں جو چند عبارات نقل کی گئی ہیں وہ ممنوع کی زکوٰۃ کے بارے میں ہیں۔ جیسا کہ خود ان عبارات میں اسکی تصریح موجود ہے۔

پس ان عبارات سے عام حالات کے لئے استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ انہی میں سے

بعض عبارات صراحتاً اس امر پر دلالت ہیں کہ امتناع کی استثنائی صورت کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں مالک کی نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ معنی ابن قدامہ میں ہے۔

” وَلَا يَجُوزُ اخْرَاجُ الزَّكَاةِ إِلَّا أَنْ يَأْخُذَهَا الْإِمَامُ قَهْرًا ”

گویا کہ نیت کی قائم مقامی صرف جبری وصولی کی استثنائی و اضطراری حالت کے ساتھ خاص ہے اور عام حالات میں خود مالک کی نیت ضروری ہے اور یہ امر کسی اہل علم پر معنی نہیں کہ مستثنیات سے قواعد مرتب کرنا درست نہیں۔

البلاغ کے اس دعویٰ کی تردید ان جزیات سے بھی ہوتی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں مثلاً وَلَا يَجُوزُ اِدَاءُ الزَّكَاةِ إِلَّا بِنَيْتِهِ مَقَارِنَةً لِمَنْ يَزِيحُ دِيكْحَةَ اِمْوَالِ ظَاهِرِهِ كِي وِصُولِ حُكُومَتِ كَا حَقِّ هَيْءَ . لیکن عام حالات کے اندر اس میں نیت مالک کے سقوط کا کوئی قائل نہیں بلکہ بحالت امتناع بھی قائم مقامی نیت اکثر تصریحات فقہاء کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۲۳۔

کیونکہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی مطلق زکوٰۃ کا فرد ہے۔ اور عبارات مقصودہ میں سے ہے جن کی صحت کے لئے بالاجماع مکلف کی نیت شرط ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دیا ہو۔ اضطراری و استثنائی حالت زیر بحث نہیں۔ وصولی زکوٰۃ کے موجودہ سرکاری نظام میں ایک بنیادی خرابی یہ بھی ہے کہ مالکان کی غیوبت ہی میں کھاتے سے بنام زکوٰۃ رقم کاٹ لی جاتی ہے۔ حالانکہ حضرات ائمہ و فقہاء نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی سرکاری وصولی کے لئے بغرض تحقیق نیت حضور مالک کو شرط قرار دیا ہے مالک کی عدم موجودگی میں بنام زکوٰۃ اگر مال ظاہرہ کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا گیا تو شرعاً یہ زکوٰۃ مقصور نہ ہوگی۔ جس سے یہ قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ مال ظاہرہ میں بھی سرکاری وصولی علی الاطلاق نیت مالک کے قائم مقام نہیں مثلاً ساعی مالک کی عدم موجودگی میں ریوڑ سے بنام زکوٰۃ بکری پکڑ

واضح ہے کہ بحالت امتناع حکومت مالکان سے جبراً زکوٰۃ وصول کرتی ہے (عند تحقیق امتناع حکومت کو جبر کے اختیارات ہیں) یہ وصولی شرعاً نیما بینہ و بین اللہ زکوٰۃ ہوگی یا نہیں۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب میں اس کے متعلق اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ نہیں بنتی اگرچہ دوسرا قول اس کے خلاف بھی موجود ہے۔

لائے یا خرمن سے غلہ اٹھالائے... تو یہ زکوٰۃ نہیں کچھ اور بنے گا۔
 وصولی زکوٰۃ سے متعلقہ تمام احادیث و آثار میں یہ امر قدر مشترک کے طور پر موجود ہے
 کہ حضراتِ خلفائے راشدینؓ وغیرہ نے مالک کی موجودگی میں زکوٰۃ وصول کی ہے۔ کسی ایک حدیث
 یا اثر سے بھی ثابت نہیں کہ سرکاری محصل مالک کی عدم موجودگی میں بنام زکوٰۃ کسی کا مال اٹھالایا ہو
 حضرات فقہاء کی اس کے متعلق واضح تصریحات موجود ہیں سرکاری وصولی کے لئے شرط کا ذکر
 کرتے ہوئے امام ابو بکر کا سانی فرماتے ہیں :

”ومنها ظهور المال وحضور المالك - وكذا اذا ظهر المال ولم يحضر
 المالك ولا الماذون من جهة المالك كالمبتضع ونحوه لا يطالب بزكواته“^۱
 ”وفي الايضاح يشترط للاخذ حضور المالك والمالك جميعاً فلو مر مالک
 بلا مال لا ياخذ ولو مر مال بلا مالک لم ياخذ ايضاً“^۲

یہی وجہ ہے کہ باوجود کمال نصاب، حولان حول اور مال ظاہر ہونے کے عاشر، مضارب
 مستبضع اور عبد ماذون سے زکوٰۃ نہیں لے گا کیونکہ مالک یا اس کا نائب ادائیگی زکوٰۃ میں موجود
 نہیں اور زکوٰۃ کا شرعاً زکوٰۃ بنا مالک کی نیت پر موقوف ہے۔ جو اندرین صورت مفقود ہے
 ہدایہ وغیرہ تمام کتب معتبرہ میں یہ مسائل موجود ہیں۔

ولا يؤخذ ايضاً من مال في بيته مطلقاً ولا من مال بصاعه ولا
 من مال مضاربة ولا من كسب ماذون مديون“^۳

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ البلاغ کا ذکر کردہ کلیہ: ”جن اموال کی زکوٰۃ وصول
 کرنے کا حق حکومت کو ہے“ الخ

دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں بلکہ خلافِ دلیل ہے۔

نیت کے سلسلے میں آخری بات البلاغ نے یہ لکھی ہے کہ :

اگر کوئی فضولی کسی کے مال سے زکوٰۃ ادا کر دے تو جب تک مال فقیر (یا اس کے وکیل) کے

۱ ص ۲۶ ۲ ۵۲ شایہ ص ۵۸ ، ۵۳ تنویر مع شرح علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۳ مصری جدید

قبضے میں ہو اس وقت تک اصل مالک زکوٰۃ کی نیت کر کے اس کی اجازت دے سکتا ہے، اسکی تصریح فقہاء حنفیہ کے کلام میں موجود ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

رجل ادى زكاة غيره عن مال ذلك الغير المالك، فان كان المال قائماً فيد الفقير جاز والا فلا كذا في السراجيه۔

گزارش یہ ہے کہ جب نیت بالاصل اس صورت کے بارے میں ہے جبکہ فضولی نے اصل مالک کے مال سے زکوٰۃ ادا کی ہو۔ اور اگر فضولی نے دوسرے کی زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کی ہے تو صحت زکوٰۃ کے لئے پیشگی اجازت ضروری ہے۔ فقیر کو دینے کے بعد اصل مزکی کی نیت معتبر نہیں ہے۔ البحر الرائق میں ہے۔

لو ادى زكاة غيره لغير امره فبلغه فاجاز لم يجز لا نه او جت
نفاذاً على المتصدق لا نهاملكه ولم يصيرنا تباعن غيره فنفتت عليه
اور بینک سے کٹوتی زکوٰۃ دوسری صورت میں داخل ہے۔ کیونکہ یہ مال بینک کا مملوک ہے۔ بینک کھاتہ دار کی زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کر کے اس کے نام ڈال دیتا ہے تقدیری قبضے کی مفصل تردید پہلے گزر چکی ہے۔

ہو۔ زیادتی مرض کا معتد بہ خوف ہے تو مرض لہض ہے ورنہ مرض نہیں گو ذرا سا اندیشہ موجود بھی ہو۔
درمختار میں ہے اوخاف زیادة المرض — قال الشامی لغلب علی ظنہ بتجربة

ما ایتة الخ (شامیہ ص ۹۷) لان غلبة الظن بمنزلة اليقين فاذا تحرى وغلب علی ظنہ شی

لزمه الاخذ به اه (ص ۱۱ شامی)

ایک دوسرے مقام پر علامہ شامی لکھتے ہیں لان غالب الرأی بمنزلة اليقين .

حضرات فقہاء نے بلا مبالغہ سیکڑوں مقامات پر پوری قطعیت کے ساتھ یہ ضابطہ تحریر فرمایا ہے۔

کہ ظن غالب کے مقابلے میں احتمال مرجوح و موموم کا وجود و عدم برابر ہے۔ پس
اگر وصولی میں ناامیدی و مایوسی کا پہلو غالب ہے تو یہ مال ضما رہے اگرچہ ذرا سی امید وصولی بھی اس
کے ساتھ موجود ہو۔ عقود رسم لمفتی میں ہے والمرجوح بمقابلة الراجح بمنزلة المعدوم

یہی حقیقت خود مال ضما رکے بعض افراد پر نظر کرنے سے بھی سامنے آتی ہے۔ دین
الکاری دین | محمود (دین الکاری) کو بالاتفاق مال ضما میں شمار کیا گیا ہے۔ بہت سے مشائخ نے

اس کے ضما بننے کے لئے اس قید کا اضافہ کیا ہے۔ کہ دین محمود پر شہادت موجود نہ ہو۔ اور
ام محمود نے شہادت یعنی بیٹہ ہوتے ہوئے بھی اسے مال ضما قرار دیا ہے مشائخ کی ایک جماعت
نے اسے صحیح کہا ہے۔

ففي الدر والشامية : وعن محمد لا ذكاة فيه وهو الصيغ ذكره ابن ملك وغيره

لان البيضة قد لا تقبل صحته في التحفة كما في غاية البيان و صحه في الخانية ايضا

وعزاه الى السرخسي مجرد وفي باب المصرف من الزهر عن عقد الفرائد ينبغي ان يعول

بله قلت ونقل الباقي تصحيح الوجوب عن الكافي وهو المعتمد واليه مال فخر الاسلام

قاضي خان کی تصحیح بہت زیادہ وزن رکھتی ہے۔ عقود رسم لمفتی میں ہے قد قال العلامة

قاسم ان قاضي خان من احق من يعتمد على تصحيحه (ص ۳۳)

مبسوط (جو کتب ظاہر الروایہ میں سے ہے) میں مال ضما بننے کے لئے بیٹہ کو شرط قرار نہیں دیا گیا

فاعنی خان فرماتے ہیں ذی الاصل لم يجعل الدين المحمود نصاباً ولم يفصل بين ما اذا كان له

بينة عاولة اولاً قال السرخسي والتصحيح جواب الكتاب اى الاصل اذ ليس كل قاض يعدل ولا كل بيينة

قبل والمجتوبين يدي القاضي ذل وكل واحد لا يخار ذلك اه (كذا نقله الشامي)

کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ میں بھی امام محمد نے انکاری دین کو بلا کسی شرط کے مالِ ضمائر قرار دیا ہے (منہج ۴) بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ پہلے مقرر تھا لیکن ادائیگی نہیں کرتا دائن کے دعویٰ کرنے پر قاضی کے پاس مدیون منکر ہو گیا اس پر دائن نے بیئہ سے دین ثابت کر دیا تزکیہ شہود میں کافی وقت گزر گیا تو ایسا دین یوم انکار سے مالِ ضمائر شمار ہو گا خانہ میں ہے : وان کان مقرا فہ کان قد مرہ الی القاضی محمد فقامت علیہ البینۃ وضمنی زمن فی تعدیل الشہود ثم عدلوا اسقطت عنہ الزکوٰۃ من یوم محمد عند القاضی الی ان عدل الشہود اھا ص ۱۳۱

حضرات فقہاء کی تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ انکاری دینِ ضمائر میں شمار ہے اگرچہ اس پر بیئہ موجود ہوں بلکہ شہادتِ ادائیگی کی جا چکی ہو اور ظاہر ہے کہ ایسے دین کے بارے میں ذرا سی امید سے کئی گنا زیادہ امید وصولی ہوتی ہے مگر اس کے باوجود یہ مالِ ضمائر ہونے سے خارج نہیں ہو سکا — یہ ایک قولِ مصحح کے مطابق کلام تھا — اور اگر انکاری دین پر بیئہ موجود نہیں تو احتمالِ نکول کی بنا پر فی الجملہ امید وصولی ہے — اسلامی معاشرے میں انکاری مدیون اور غاصب کے تائب ہو جانے کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدیون کسی مجلس میں اقرار کر بیٹھے اور اقرار پر بیئہ ہتیا ہو جائے یا مدیون کا کوئی مال دائن کے ہاتھ لگ جائے (جیسے کہ بات پرانی ہو جانے سے بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے) اور اس سے دائن اپنا مال وصول کر لے اور قطعی بات ہے کہ ان احتمالات کی موجودگی میں ذرا سی امید وصولی کی نفی نہیں کی جاسکتی حالانکہ ایسے دین کا مالِ ضمائر میں شامل ہونا مذاہبِ اربعہ میں متفق علیہ ہے — مالِ اصل انکار پر نظر کرتے ہوئے وصولی کی معتد بہ امید یا غالب امید نہیں کیونکہ یہ احتمالات مذکورہ یقین یا غلبہ ظن کو پیدا کرنے کیلئے کافی نہیں۔

خلاف اجماع | اگر ذرا سی امید سے مال کا ضمائر ہونا منافی ہو جاتا ہے تو دینِ محمود "تفصیل بالا کی روشنی میں قطعاً مالِ ضمائر نہیں بن سکتا حالانکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق یہ مالِ ضمائر کا فرد ہے پس معلوم ہوا کہ "ذرا سی امید" کی موجودگی مال کو اس کے "ضمائر ہونے سے خارج نہیں کرتی۔

تصریح | بندہ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ بحوالہ محیط فتاویٰ عالمگیری میں مالِ ضمائر کی بعینہ یہ تعریف مل گئی کہ مالِ ضمائر بننے کے لئے اتنا کافی ہے کہ عدم بازیابی کا ظن غالب ہو۔

عالمگیری میں ہے : وذلك مثل الضمائر وهو كل ما بقى في ملكه ولكن زال عن يده

ذوالا لایوجی عودہ فی الغالب (ص ۱۷۸)

اہل علم پر مخفی نہیں کہ فتاویٰ عالمگیری سینکڑوں علماء کی اجتماعی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ لہذا اس تعریف کو اجماع امت کے خلاف نہیں قرار دیا جاسکتا۔
پس ان دلائل کی روشنی میں محقق ہوا — کہ مالِ ضمان کی اول الذکر عربی تعریف کا یہ ترجمہ کرنا محض تساہل ہے کہ :

”مالِ ضمان وہ ہے جس کی وصولی سے بالکل مایوسی ہو
تحریر علمی کے مطابق ضمان کی تعریف گئی ہو — اور اگر اس کے وصول ہونے کی

ظاہر الا سباب میں ذرا بھی امید ہو تو وہ ضمان نہیں (تحریر علمی) یا یہ کہنا کہ جس کی وصولی

سے مایوسی ہو چکی ہو اور اس کے وصول ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو“

سبب تسامح در تسامح ہے — اور مالِ ضمان کی اپنی اس تعریف کو بلا کسی

ادنیٰ اشک کے ثابت کہنا اہل تحقیق کی شان کے خلاف ہے۔

المحاصل مالِ ضمان کی تعریف یہ ہے کہ جسکی عدم وصولیابی کا ظن غالب ہو — اور دین طنون بھی تقریباً یہی ہے کہ اسکی وصولیابی کا بھروسہ نہ ہو گویا دائن اسکی وصولیابی سے مایوس ہے۔

لماسیاتی مفصلاً

نقاع
علامہ کاسانی فرماتے ہیں: و تفسیر مال الضمان هو كل مال غیر مقدور الا
دوسری تعریف بہ مع قیام اصل الملك (بدائع الصنائع) ترجمہ: مالِ ضمان ہر وہ مال ہے

باوجود قیام ملک کے اس سے انتفاع پر قدرت نہ ہو۔

سمن لائمہ نرسئی فرماتے ہیں :

معناه مال يتعذر الوصول اليه مع قیام الملك (مبسوط ص ۱۶۱)

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں :

وهو في اللغة الغائب الذي لا يوجي فاذا رجي فليس بضمان، واصله الا ضمان وهو الغيب

والاخفاء وفي الشرع كل مال غير مقدور الا انتفاع به مع قیام اصل الملك

(البحر الرائق ص ۲۶-۲۷ ج ۲)

اس کے علاوہ در مختار ص ۹ ج ۲ عنایہ ص ۱۲۱ ج ۲، کفایہ ص ۱۲۲ ج ۲ عمدۃ الرعاہ ص ۲۴۰ ج ۱ پر

بھی مالِ ضمان کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

مالِ ضماری کی اس تعریف میں بالکل نا اُمیدی، مکمل مایوسی وغیرہ کا کوئی لفظ موجود نہیں۔ متعدد حضرات نے اس تعریف کو بلفظِ قیل نقل کیا ہے علامہ عینی فرماتے ہیں: المال الضماری بالکسر هو مال غائب لا یرجى حصوله فان رجی فلیس بضماری..... وقیل هو ما یکون عینہ قائماً ولا یکون منتفعاً بہ ما خود من قولہ لم یرضامرو وهو الذی یکون فیہ اصل الحیوة ولا ینتفع بہ لشدة هزاله (کذا فی البنایہ ص ۲۲)

حافظ المغرب علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ نے مالِ ضماری کی تعریف ذیل نقل کی ہے۔

وفي ادجز المسالك فانه كان ضمرا لانه لا يقدر على اخذها وقال ابن عبد البر
وقيل الضماری الذی لا یدری صاحبه ایخرج ام لا وهو اصم (ص ۱۴۲)

مالِ ضماری وہ ہے کہ جس کے مالک کو معلوم نہ ہو کہ اس کی وصولی ہو سکے گی یا نہیں۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ مالک اس کی وصولی سے تقریباً نا اُمید ہے جیسے کہ امام ابو عبیدہ کی آئندہ تشریح سے ظاہر ہے۔

واضح ہے کہ آئمہ لغت نے تقریباً اپنی الفاظ سے دین ظنون کی بھی تعریف کی ہے امام ابو عبیدہ کے الفاظ یہ ہیں الظنون الذی لا یدری صاحبه ایقضیه الذی علیہ الدین ام لا کانه الذی لا یرجوا :
(عزیز الحدیث ص ۳۶ ج ۳)

حافظ ابن عبد البر مالکی اور امام ابو عبیدہ کی ان تعریفات سے ایک بات تو یہ سامنے آئی کہ البتہ ضماری اور دین ظنون دونوں اموال ایک ہی نوعیت کے ہیں ان میں تباہی نہیں کیونکہ دونوں

کی تعریف میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ امام ابو عبیدہ کی تعریف کے آخری جملے سے اس تیسری تعریف کے معنی کی وضاحت ہو گئی کہ "ضماری" ایسا مال ہوتا ہے جس کے متعلق مالک نے امید و عدم کی تعبیر سے بعض حضرات کو شبہ ہوا کہ اس کا مطلب ہے کہ امید و عدم امید دونوں سادی ہیں یہ درست نہیں اور محاورات میں قلت تدبر کا نتیجہ ہے آپ کسی سے پوچھیں، کیا زید حافظ ہے وہ جواباً کہے کہ معلوم نہیں کہ وہ حافظ ہے یا نہیں تو کیا اس کا مطلب سمجھا جاتا ہے کہ وہ آدھے قرآن کا حافظ ہے آدھے کا نہیں قطعاً نہیں بلکہ اس کا مطلب عدم علم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم مفصل کلام آئندہ مجلس میں کریں گے۔

نہیں جانتا کہ وصول ہوگا یا نہیں گویا کہ وہ اس کی وصولی سے بالوس ہے۔
 امام ابو عبیدہ کی تشریح کی روشنی میں مالِ ضماری اس تعریف کا معنی بھی تقریباً اول الذکر تعریفات کے
 مطابق ہو گیا۔ حاصل یہ ہوا کہ مکمل بالوسی ہو۔ یا بالوسی کی حالت ہو۔ دونوں صورتوں میں
 مالِ ضماری ہوگا۔

بعض حضرات نے ابن عبدالبر کی اس تعریف پر اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے اگر اس تعریف
 قرار دیا جائے تو جمہور فقہاء و ائمہ لغت بلکہ امت کے تمام علماء کے اقوال کو ترک کرنا پڑے گا۔
 زما تخریجی، گویا کہ یہ تعریف اجماع امت کے خلاف ہے۔

مگر حضرت مولانا گننے بڑے دعویٰ پر کسی عالم کے قول سے کوئی سند پیش نہیں کی جس نے اس تعریف
 کو خلاف اجماع قرار دیا ہو۔

یہ بات بھی سمجھ نہیں آئی کہ علامہ ابن عبدالبرؒ، علامہ زرقانیؒ، حضرت شیخ الحدیث رحمہم اللہ اجمعین،
 جو اپنے دور میں صف اول کے علماء و راہنما تھے، انہیں علم امت کی فہرست سے کت
 خارج سمجھ لیا گیا۔

علامہ زرقانیؒ اور حضرت شیخ الحدیث دونوں نے شرح مؤطا میں زیر بحث تعریف کو بلا کسی نیکر کے نقل
 کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن عبدالبر کی بیان کردہ یہ تعریف درست ہے اور دیگر ائمہ لغت و حدیث
 کی بیان کردہ تعریفات کے مخالف نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔
 دراصل جناب موصوف کو مالِ ضماری کی پہلی اور تیسری تعریف کا مطلب سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان کے
 نزدیک پہلی تعریف کے مطابق مالِ ضماری وہ ہے جسکی وصولی بالکل ذرا بھی امید نہ ہو اور تعریف ثالث کا
 معنی ان کے نزدیک یہ ہے جس میں وصولی و عدم وصولی کے دونوں احتمال برابر ہوں یعنی کم از کم وصولی کی
 پچاس فیصد امید ہو۔

اور ظاہر ہے کہ مالِ ضماری کے متعلق ان دونوں ترجموں میں واضح تضاد پایا جاتا ہے اس لئے تعریف ثالث
 کو خلاف اجماع قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ نہ پہلی تعریف کا یہ مطلب بیان کرنا درست ہے نہ

تیسری کا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ ایک اشکال

اس تعریف ثالث پر مولانا نے یہ اشکال کی ہے۔ اگر ایک اجنبی معسر مجھ سے قرض مانگتا ہے جس کے بارے میں مجھے اندازہ نہیں کہ وہ ادا کر لگیا یا نہیں۔ کیا اس پر حافظ ابن عبد البرؒ کی یہ تعریف صادق نہیں؟ لیکن کیا اسے مالِ ضمان قرار دے کر اس پر عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم لگایا جاسکتا ہے ظاہر ہے کہ نہیں کیونکہ معسر اور محاطل پر جو دین ہو اس پر وجوب زکوٰۃ حنفیہ کے نزدیک مسلم ہے۔

گزارش ہے کہ اس تعریف کا اس پر صادق ہونا نہ ہونا بعد کی بات ہے۔ پہلے یہ سوچنا ہے کہ ایک اجنبی معسر جس سے وصولیابی کا یقین و بھروسہ تو کجا اندازہ بھی نہیں۔ ایسے اجنبی کو کوئی شخص قرض دیتا بھی ہے؟ خیرات کر کے حصول ثواب مقصود ہو تو دوسری بات ہے۔ ورنہ قرض تو ہمیشہ اعتماد ہی کی جگہ پر دیا جاتا ہے جہاں سے وصولی کی امید ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ امید غلط نکلے جہاں پر وصولی مشکوک یا ناامیدی ہو وہاں کوئی قرض نہیں دیتا۔ لہذا ابن عبد البرؒ کی یہ تعریف اس پر صادق نہیں۔ اس لئے یہ مالِ ضمان میں دخل نہیں الحاصل۔ معنی کے لحاظ سے تعریف ثالث تعریف اول کے موافق ہے۔ ان میں کوئی واضح مخالفت موجود نہیں۔ پس اسے خلاف اجماع امت قرار دینا درست نہیں۔

باقی اگر لفظ "رجار" کی نفی پر مدار ہے تو یہ لفظ تعریف ثانی میں بھی موجود نہیں جس کا حضرات جمہور کی تعریفات کے موافق ہونا محترم مولانا کے نزدیک مسلم ہے۔ نیز غیر مقدور الانقاع ہونا غیر مرتجوا الوصول ہونے کو مستلزم بھی نہیں۔

تعریف اول و ثانی میں سے علم نے کسی کو اصح نہیں کہا۔ اور تعریف ثالث کے متعلق حافظ اصح ابن عبد البرؒ نے اصح ہونے کی تصریح کی ہے۔ تعجب ہے کہ موصوف اسی تعریف کو صحیح اپنے خیال سے اجماع امت کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔

اہم فرآئے نے ضمان کی یہ تعریف فرمائی ہے۔

چوتھی تعریف | الضمان من الدين ما كان بلا اجل معلوم (لسان العرب) ۴۹۳

ترجمہ: ضمان وہ دین ہے جسکی اجل معلوم نہ ہو۔

ضمان کی اس تعریف سے بھی ہمارے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ کسی دین میں اجل کا

معلوم نہ ہونا اسکی وصولی سے "بالکل مایوسی" کے مترادف نہیں۔

مالِ ضمائر کی پانچویں تعریف

عَلَّمَهُ ابْنُ مَنْظُورٍ فِي ضَمَائِرِ الْمَالِ أَنَّهَا تَعْرَفُ بِمَعْنَى نَقْلِهَا كَمَا هِيَ۔

۱۰ الضمائر ما لا يرجع إلى الدين والوعد وكل ما لا تكون على ثقة (لسان العرب ص ۲۹۳)

ترجمہ: ضمائر وہ دین یا وعدہ ہے جو غیر مرحبہ الوصول ہو اور ہر وہ چیز جسکی وصولیابی کا تجھے بھروسہ نہ ہو۔ اس تعریف سے معلوم ہوا جیسے غیر مرحبہ الوصول دین "ضمائر" ہے اسی طرح وہ بھی ضمائر ہے جسکی وصولی کا بھروسہ نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وصولی کا بھروسہ نہ ہونا "مکمل مایوسی" یا امید کے بالکل انقطاع پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ "دین ظنون" کی تشریح میں خود مولانا صاحب نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ :

"امید ہے لیکن بھروسہ نہیں" (تحریر علمی ص ۱۰)

المحاصل: "ضمائر" بننے کے لئے باز یابی سے "بالکل مایوسی" یا "ذرا سی امید" کا نہ ہونا ضروری نہیں

تحقیق بالا کے مطابق مالِ ضمائر کی مذکورہ بالا تعریفات میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ یہ متفق و متحد ہیں | سب تعریفات معنوی لحاظ سے متفق اور متحد ہو جاتی ہیں جبکہ "تحریر علمی میں بیان کردہ

تعریف ضمائر ان تعریفات کے خلاف ہے۔

دین کی دو صورتوں کا حکم تو متفق علیہ ہے۔

۱۔ واضح فیصلہ | وصولی دین کی اگر سو فیصد امید ہے تو یہ بلاشبہ دینِ ثلقہ ہے اسپر وصولی کے

بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔

۲۔ باز یابی سے اگر سو فیصد ناامیدی ہے تو یقیناً مالِ ضمائر ہے۔ وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ

واجب الادا نہیں اب ان کے علاوہ باقی دو صورتوں کا حکم قابلِ غور ہے۔ جبکہ اکثر مروج بھی یہی

صورتیں ہیں۔

۳۔ اگر امید وصولی غالب ہے مثلاً نوے پچانوے فیصد امید ہے اور صرف ۵، ۱۰ فیصد ناامیدی ہے۔

۴۔ ناامیدی غالب ہے صرف ۵، ۱۰ فیصد امید ہے۔

قائمی تحقیق امر یہ ہے کہ یہ مالِ ضمائر میں شامل ہیں یا دینِ ثلثہ میں ان دو صورتوں کے بارے میں چار احتمال ہیں،
 ۱۔ یہ دونوں صورتیں اول الذکر کی کسی قسم میں داخل نہ ہوں، یعنی یہ نہ دینِ ثلثہ ہوں نہ مالِ ضمائر
 یہ احتمال باطل ہے اس لئے کہ اس سے ان کے متعلق حکمِ زکوٰۃ سے جہالت اور اہمال، شریعت لازم آتا
 ہے۔ نیز ارتفاح نقیضین بھی ہے یعنی وجوبِ زکوٰۃ کی نہ نفی ہے نہ اثبات۔

۲۔ یہ دونوں صورتیں اول الذکر ہر قسم میں شامل ہوں، یہ بھی باطل ہے کیونکہ اجتماع نقیضین ہے
 کہ سنینِ ماضیہ کی زکوٰۃ واجب بھی ہے اور واجب نہیں بھی۔

۳۔ مغلوب پہلو کو مدارِ حکم بناتے ہوئے یہ کہا جائے کہ تیسری صورت "مالِ ضمائر میں" اور چوتھی صورت
 "دینِ ثلثہ" میں داخل ہے اس لئے تیسری صورت میں زکوٰۃ ماضیہ واجب نہیں اور چوتھی صورت میں واجب
 ہے۔ یہ بھی بدیہی البطلان ہے کیونکہ پانچویں فیصد امید وصولی کے باوجود اگر واجب نہیں تو صرف پانچ
 فیصد امید وصولی کی صورت میں زکوٰۃ کیونکر واجب ہو سکتی ہے۔

۴۔ اکثر و اغلب پہلو کا اعتبار کرتے ہوئے تیسری صورت کو دینِ ثلثہ اور چوتھی صورت کو "مالِ ضمائر" میں
 شمار کیا جائے۔ دلائل عقلیہ، نقلیہ، شرعیہ، عرفیہ کی روشنی میں یہی احتمال حق ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وصولی
 دین کی زراعتی امید کا ہونا مالِ ضمائر بننے کے منافی نہیں اور مالِ ضمائر وہ ہے جسکی بازیابی سے ایسی
 ہو یا عدم بازیابی کا ظن غالب ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسک الختام | مسودہ کتابت کے لئے حوالے کیا جا چکا تھا کہ مالِ ضمائر کی تعریف کے متعلق مجدد الملت
 حکیم الامتہ حضرت مولانا شرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا بندہ کی موافقت
 میں ایک واضح فیصلہ و فتویٰ دستیاب ہو گیا۔ فللہ الحمد والمنیۃ الف الف مرۃ۔ اس موافقت
 سے بجا شرت ہوئی۔ جن قرضہ جات میں امید و ناامیدی ملی جلی ہوتی ہے۔ ایسے قرضوں پر وجوبِ زکوٰۃ
 اور سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں

الجواب

"اس میں اقوال مختلفہ ہیں اور ہر جانب تصحیح بھی کی گئی جس کی تفصیل اردو مختار ۱۷

ص ۱۲ و ص ۹۹ مطبوعہ مصر میں موجود ہے بندہ نے نزدیک ان اقوال میں سے قول مختار یہ ہے کہ جس قرض کے وصول ہونے کی امید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو قبل وصول اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا بعد حوالان حوال آئندہ صرف اسی قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

و متمسکی فیہ ما فی رد المحتار بعد نقل عبادۃ الہر عن الخانیۃ قولہ قلت وقد قدمنا اول الزکوٰۃ اختلاف التصحیح فیہ و مال الرحمتی الی هذا و قال بل فی زماننا یقر المدیون بالمدین و بملاتہم و لا یقدر الدائن علی تخلیصہ منہ فهو بمنزلۃ العدم
ج ۲ ص ۹۹ واللہ اعلم (یکرم محرم ۱۳۲۵ھ تتمہ اولی ص ۵۳)

(امدادی ناوی ج ۳ ص ۲۱)

اس فتویٰ سے ظاہر ہے کہ جس قرض کی وصولی کی ضعیف امید بھی ہو وہ بھی مالِ ضمان میں شامل ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب :

وصولی زکوٰۃ کے موجودہ نظام میں درج ذیل مفاسد ہیں:

- ۱۔ موجودہ نظام میں بینک اکاؤنٹس کو اموالِ ظاہرہ قرار دیکر حکومت کو جبری وصولی کا اختیار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ اموالِ باطنیہ ہیں۔
- ۲۔ نیتِ مالک جو زکوٰۃ اور جملہ نبادات کے لئے ایک اجماعی شرط ہے۔ اسے غیر ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔
- ۳۔ موجودہ نظام میں مالک کی انیسبوت ہی میں اسکی زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے حالانکہ حضرات فقہاء نے سرکاری وصولی زکوٰۃ کے لئے حضور مالک کو شرط قرار دیا ہے (برائے بحر)
- ۴۔ بینک کے اموال حکومت کے ذمہ کھاتہ داروں کا قرض ہیں اور دیون میں وجوب ادا بعد القبض ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور دیگر بڑے علماء اسی کے قائل ہیں۔ جب کھاتہ داروں کی طرف سے وصولی نہ پائی گئی۔ تو وجوب ادا ہی نہ ہوا لہذا امتناع متحقق نہ ہوا۔ اس لئے جبری کٹوتی کی حکومت مجاز نہیں ہے۔
- ۵۔ مصارف زکوٰۃ میں سخت بے احتیاطی ہو رہی ہے۔ کاتبوں میں ایک ایک فرد کو ہزاروں روپے دیئے جاتے ہیں۔

۶۔ موجودہ نظامِ زکوٰۃ میں ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ اہل تشیع اور غالباً احمدیوں کے کھاتوں کو وصولی زکوٰۃ الگ رکھا گیا ہے۔ اس طرح تشیع و ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہے۔ بعض مسلمان کھاتہ داران شیعیت کا فارم پُر کر کے اپنے کھاتے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر لیتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر یہ خاندان شیعیت اختیار نہ کر لے۔ یہ مسئلہ بھی قابلِ غور ہے، کہ اس طرح شیعیت کا فارم پُر کرنے سے وہ شخص کہاں تک مسلمان رہتا ہے۔

۷۔ شیعوں طلباء کو زکوٰۃ فنڈ سے امداد دی جاتی ہے اور وہ طلبہ تحریک فقہ جعفریہ کے دست و بازو بنتے ہیں۔ اور اہل اسلام کے خلاف اپنی منفی سرگرمیاں جاری رکھتے ہوئے اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس طرح سے زکوٰۃ فنڈ سے جو صرف اہل سنت و الجماعت کا اسلامی فنڈ ہے اہل سنت اور اسلام کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔

۸۔ اس کے علاوہ بھی بعض دیگر مفاسد میں حضرات علمائے اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں۔

موجودہ نظامِ زکوٰۃ باقی رکھا جائے مگر درج ذیل اصلاحات کے بعد

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ کے بارے میں :

۱۔ موجودہ وصولی زکوٰۃ کے نظام کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے کیا طریق کار اختیار کیا جائے؟ اور کیا ادارات ردیہ عمل لائی جائیں؟ یہ مسئلہ قابلِ غور ہے اور اس سے پہلے اس امر کا فیصلہ ہونا چاہیے کہ سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ کا موجودہ نظام باقی بھی رہنا چاہیے یا نہیں؟

۲۔ موجودہ نظام کی صورت میں کھاتہ داران کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

۳۔ جب وصولی زکوٰۃ کے نظام کو باقی رکھا جائے گا تو اس میں شرعی نقطہ نگاہ سے چند پیچیدگیاں پیدا ہوں گی جن کا حل ہمیں قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں مطلوب ہے۔ بینک اکاؤنٹس جب اموال باطنہ قرار پائے تو حکومت کو اس سے وصولی زکوٰۃ کا حق کیونکر حاصل ہوگا۔

۴۔ سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ میں ایک پیچیدگی یہ ہے کہ وجوب ادا پر وصولی قرضہ کے بعد ہوتا ہے یہی اکثر ائمہ کا مسلک ہے لیکن فرض کیجئے کھاتہ دار بینک سے اپنی رقم وصول

ہی نہیں کرتا تاکہ امتناع کا تحقق نہ ہو اور جبری وصولی نہ کی جا سکے تو اس شخص سے وصولی
زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب :

- ۱۔ موجودہ وصولی زکوٰۃ کے نظام کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے ہماری رائے یہ ہے
کہ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی اہم رکن اسلام ہے۔ اسلامی معاشرے میں ان کا قائم کرنا ضروری
ہے۔ لہذا اس کے مفاسد کی اصلاح کرتے ہوئے اسکو باقی رکھا جائے۔
- ۲۔ کھانا داران کو چاہئے کہ حکومت کو وصولی زکوٰۃ کیلئے اپنا وکیل بنا دیں یا پھر اپنے اموال کی زکوٰۃ
خود ادا کیا کریں۔ کیونکہ ادائیگی فرض کا معاملہ ہے۔ ایسی صورت اختیار کرنی چاہئے جس سے
یقیناً برائے ذمہ حاصل ہو جائے۔
- ۳۔ اسکی صورت یہ ہے کہ توکیل کا فارم کھاتا دار کے لئے ضروری قرار دیدیا جائے اور
تمام بینک اس کے پابند ہوں۔ اس طرح پر حکومت کو دکانہ وصولی زکوٰۃ کا حق حاصل
ہو جائے گا۔ بینک میں کھاتا کھولنے یا اسے باقی رکھنے کے لئے ادائیگی زکوٰۃ کی توکیل
لازمی ہو، کھاتا دار، مینجر بینک یا صدر کو اس کا وکیل بنائے۔ ادائے زکوٰۃ میں وکیل
اپنا وکیل بھی مقرر کر سکتا ہے۔

توکیل پر چند شبہات

پہلا شبہ : جواب ۱ : اس توکیل میں جبر ہے حالانکہ شرعاً توکیل میں جبر نہیں ہونا چاہئے۔
یہ جبر نہیں اس لئے کہ کھاتا دار حساب رکھنے یا
نہ رکھنے میں مختار ہے اپنے اختیار سے کھاتا کھول رہا ہے۔
جواب ۲ : اگر بالفرض اسے جبر تسلیم بھی کر لیں تو ادائے زکوٰۃ کے سلسلہ میں فی الجملہ
جبر کی گنجائش ہے جیسے ایک شخص زکوٰۃ نہ دے تو حکومت اسے قید کر سکتی ہے اور تعزیر
بھی لگا سکتی ہے۔

وفى التفاريت ان وقف على اهل بلدة لا يؤدون زكوة اموال الباطنة
طالبهم بها وكذا من عرف بذلك ضرب وطولب بالاداء وفى الاشارات
اذا امتنع عن اداء الزكوة يحبس حتى يؤدى (كفاية كتاب الزكوة ص ۱۸۴)
اور ظاہر ہے کہ یہ توکیل اگرچہ بالجس سے بہت اہوں ہے۔

دوسرا شبہ : موکل شرعاً جب چاہے تو کیل ختم کر سکتا ہے۔ اس کے بعد حکومت کو وصولی زکوٰۃ کا حق نہ رہے گا۔

جواب : تو کیل ختم کرے گا تو کھاتا بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کے لئے تحریری اطلاع دینا ضروری ہوگا۔ وکذا لو کان غائباً فکتب الیہ کتاب العزل فبلغه الکتب وعلم بما فیہ العزل۔ (ہندیہ ص ۲۸۵ ج ۳-۲)

تیسرا شبہ : کھاتا دار وکیل کو معزول کر دیتا ہے۔ لیکن رقم وصول نہیں کرتا، تو اس صورت میں عزل کی وجہ سے بینک کو وصولی زکوٰۃ کا حق نہ ہوگا۔ نہ اس شخص سے قبل از وصول ادائیگی زکوٰۃ کا مطالبہ ہو سکے گا۔

جواب شبہ ① : کتاب الوکالت سے لزوم وکالت کی صورت تلاش کی جائے گی مثلاً ہندیہ میں ہے۔

كلما عزلتك فانك وكيلى. الخ ص ۲۸۴ ج ۳-۲

ان الفاظ سے تو کیل کرائی جائے۔ تو فی الجملہ مفید لزوم ہوگا۔

جواب ② : اس کے خلاف تعزیری کارروائی کی جائے گی۔ مثلاً بجر بالجس وغیرہ۔

۴۔ تو کیل نامہ میں جب تصریح کر دی جائے گی کہ ہر سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو پھر بجر کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی یا اور کوئی خل تلاش کر لیا جائے۔
الغرض اشکال بالجبر کٹوتی پر ہے تو کیل کے بعد یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔

فقط والسلام ، بندہ عبدالستار عفی عنہ

تمحمد اللہ الجزء الثالث من خير الفتاوى ويتلوه الجزء الرابع و
اوله كتاب الصوم الشاء الله تعالى والحمد لله اولاً و آخراً
وقد فرغت من تبويضه وترتيبه يوم الجمعة ۳ رمضان ۱۳۱۳ هـ
واسأل الله التوفيق لا يتم بقية اجزاءه و آخردعوانا ان الحمد لله رب العالمين
العبد الفقير البوتراب **محمد انور عفا الله عنهما**
مقيم جامع خير المدارس ملتان (باكستان) —